سالنامہ ساقی دہلی

جاپان نمبر

مرتبہ

پروفیسر نورالحسن برلاس۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

استاذِ اردو۔ مدرسۃ السنۂ غیر۔ ٹوکیو (جاپان)

و

شاہد احمد۔ بی۔ اے (آنرز) دہلوی

قیمت ایک روپیہ چار آنے

ہر سال ساقی کے چار خاص نمبر شائع ہوتے ہیں۔ مستقل خریداروں سے اُن کی قیمت الگ نہیں لی جاتی۔

جُرعات

ساقی ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔ سالانہ چندہ للعہ۔ مع محصول ڈاک۔ ششماہی ۲ہ

جلد ۱۳ | ساقی دہلی۔ جاپان نمبر۔ بابت جنوری ۱۹۳۶ء | نمبر ۱

نمبر شمار	مضمون	صاحبِ مضمون	صفحہ
(۱)	نگاہِ اوّلیں۔	شاہد	(۴)
(۲)	گذارش	پروفیسر نورالحسن برلاس (توکیو۔ جاپان)	(۶)
(۳)	فلسفۂ سیاست جاپان۔	پروفیسر نورالحسن برلاس (توکیو۔ جاپان)	(۹)
(۴)	چند جاپانی نظمیں	تمنائی	(۱۵)
(۵)	تاثرات کی ایک جھلک	جناب بدرالاسلام فضلی۔ بی۔ اے؛ بی۔ ٹی	(۱۶)
(۶)	جاپانی شاعری کی رُوح	جناب منصور احمد۔ اڈیٹر "ادبی دُنیا" لاہور	(۲۴)
(۷)	توکیو اساہی۔	پروفیسر نورالحسن برلاس (توکیو۔ جاپان)	(۲۸)
(۸)	جاپان تیس برس میں۔	محترمہ حنیفہ رشید فتح علی (جاپان)۔	(۴۲)
(۹)	جاپانی شاعری کے چند نمونے	تمنائی۔	(۴۶)
(۱۰)	سکورا کا پھول	پروفیسر آر۔ گامو۔ (توکیو۔ جاپان)۔	(۴۷)
(۱۱)	کساتسو کے گرم چشمے	محترمہ مسز برلاس (توکیو۔ جاپان)۔	(۵۲)
(۱۲)	جاپانیوں کی چند خوبیاں	محترمہ قمرالنساء حسن ایف۔ علی (جاپان)	(۵۷)
(۱۳)	محبت (جاپانی نظم)	تمنائی۔	(۵۹)
(۱۴)	جاپانیوں کا معیارِ زندگی	پروفیسر نورالحسن برلاس (توکیو۔ جاپان)	(۶۰)
(۱۵)	گلگشت	محترمہ مسز برلاس (توکیو۔ جاپان)۔	(۶۹)
(۱۶)	جاپانی شادی	پروفیسر نورالحسن برلاس (توکیو۔ جاپان)	(۷۱)
(۱۷)	جاپان (نظم)	حضرت کوکب شاہجہانپوری	(۸۰)
(۱۸)	توداجی کا مندر۔	پروفیسر سیزوساوا (جاپان)۔	(۸۲)
(۱۹)	جوشی شو کو گھوگگو	پروفیسر نورالحسن برلاس (توکیو۔ جاپان)	(۸۳)
(۲۰)	ہندوستانی طلبا جاپان میں۔	مسٹر ایم۔ سہائے (جاپان)	(۹۳)

نمبرشمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
(۲۱)	چند جاپانی نظمیں	تمنائی	(۹۸)
(۲۲)	موریوجی یوروحمت روز	پروفیسر یزوساوا (جاپان)	(۹۹)
(۲۳)	تاکے توری کی کہانی	مسٹر ک۔ ناکامُرا (جاپان)	(۱۰۱)
(۲۴)	جاپانی طالب علم کی زندگی	مسٹر یوکیساتو (جاپان)	(۱۰۴)
(۲۵)	جاپانی عورتوں میں انقلاب	مسٹر چمن لال جرنلسٹ	(۱۰۵)
(۲۶)	جاپانی رقاصہ	شاہد	(۱۱۲)
(۲۷)	جاپانی ادبیات	جناب فضل حق قریشی دہلوی	(۱۲۹)
(۲۸)	پروفیسر یون نگوچی کا ولولہ انگیز کلام	جناب ظفر قریشی۔ بی۔ اے۔ دہلوی	(۱۶۱)
(۲۹)	"میری شاعری" اور "شہر عجیب کو"	پروفیسر یون نگوچی۔ مُترجمہ مسٹر ظفر قریشی دہلوی	(۱۶۲)
(۳۰)	جاپانی خاتون	محترمہ مسز فضلی	(۱۶۴)
(۳۱)	میں نے ہندوستان کو کیا پایا	پروفیسر یون نگوچی۔ مُترجمہ ظفر قریشی دہلوی	(۱۶۶)
(۳۲)	جاپان میں مہمان	جناب صادق الخیری۔ بی۔ اے۔ دہلوی	(۱۶۹)
(۳۳)	دریائے فلک	جناب ظفر قریشی۔ بی۔ اے۔ دہلوی	(۲۱۱)
(۳۴)	جاپان اور جاپانیوں کے متعلق چند باتیں	جناب عبدالقدیر نیاز (کوبے۔ جاپان)	(۲۱۵)
(۳۵)	دُنیا کا ایک کامیاب دارالتجارت	جناب حاجی نبی احمد بریلوی	(۲۱۷)
(۳۶)	جاپان کی صنعتی سرگرمیاں	جناب طاہر قریشی۔ بی۔ اے	(۲۱۹)
(۳۷)	جاپانی دلہن کو نصیحتیں	تمنائی	(۲۲۲)
(۳۸)	جاپان میں ہندوستانی طلبار	جناب طفیل احمد چغتائی (توکیو۔ جاپان)	(۲۲۳)
(۳۹)	تجارت	جناب سید محمد شاکر تُراب علی ندوی (کوبے۔ جاپان)	(۲۲۶)
(۴۰)	ایثار	جناب سعد مُنیر الدّین	(۲۲۹)
(۴۱)	پراگندہ خیالات	جناب سید لطیف حسین دہلوی (جاپان)	(۲۳۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

الحمدللہ کہ ساقی نے اپنی زندگی کے چھ سال پورے کرکے ساتویں میں قدم رکھا۔ ۱۹۳۵ء کے لکھنے والوں میں سب سے زیادہ جو نام نمایاں رہا ہے وہ جناب مولوی عنایت اللہ دہلوی کا ہے۔ آپ نے دارالترجمہ حیدرآباد دکن کی نظامت کے فرائض جس حسن وخوبی سے انجام دیئے اور جس طرح ہماری زبان کو اپنے دقیق تراجم سے مالا مال کیا اس کی مثال ہندوستان میں ملنی مشکل ہے۔ یہ ساقی کی خوش نصیبی ہے کہ دارالترجمہ کی خدمات سے سبکدوش ہوتے ہی آپ کی مستقل قلمی معاونت اسے میسر ہوگئی۔ مولوی صاحب موصوف فن ترجمہ کے اختصاصی ہیں۔ مشکل سے مشکل عبارت کا ترجمہ اسقدر سلیس و شگفتہ زبان میں کرتے ہیں کہ پڑھنے والا یہ محسوس ہی نہیں کرتا کہ یہ ترجمہ ہے۔ سرسید آپ کے ترجمے کے بیحد مداح تھے اور انہیں کی فرمائش پر مولوی صاحب نے آرنلڈ کی کتاب (Preaching of Islam) کا ترجمہ کیا تھا جو بیحد مقبول ہوا۔ یہی آپکا پہلا اور بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس کے بعد متعدد تاریخی کتابوں کے تراجم کئے جو کتابی صورت میں شائع ہوچکے ہیں۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی "چنگیز خاں کے سوانح حیات" ہے جو ساقی میں بالاقساط پیش کی گئی۔ تاریخ ہی سے آپکو زیادہ شغف رہا ہے۔ لٹریچر کی طرف توجہ کرنے کا آپکو کم موقع ملا۔ زلیخا اور تائیس آپ کے دو ترجمے ہیں جو کافی شہرت حاصل کرچکے ہیں۔ ۱۹۳۴ء میں ساقی بکڈپو سے "نجم السحر" آپ کا ایک ترجمہ اور شائع ہوچکا ہے جس سے ناظرین ساقی بخوبی واقف ہیں۔ آج کل آپ فرانسیسی ادیب فلابیر کے شہ پارہ "سلامبو" کا ترجمہ کررہے ہیں جو نصف سے زائد ہوچکا ہے۔ اس ضعیفی میں مولوی صاحب موصوف جس ہمت و استقلال سے ترجمہ کرتے ہیں اس کی ستائش ناممکن ہے اور جو ہمدردی و محبت آپ کو ساقی سے ہے اس کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں ہوسکتا۔ دوسرا نام "پریم پجاری" کا ہے جنہوں نے سچی کہانیاں لکھنی شروع کیں اور اپنی جنبش قلم کو ساقی کے لئے مخصوص کردیا۔ یہ کہانیاں اسقدر موثر اور ان کا پیرایۂ بیان اسقدر اچھوتا ہوتا ہے کہ ناظرین ساقی ہر اشاعت میں "پریم پجاری" کی کہانی دیکھنی چاہتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم "پریم پجاری" کا اصلی نام نہیں بتا سکتے (کیونکہ انہیں اسپر اصرار ہے) ورنہ آپ خود دیکھ لیتے کہ جو شخص اس قدر مصروف رہتا ہو اس کے لئے مضمون لکھنا کسقدر دشوار امر ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ دوسرے تیسرے مہینے ایک بے مثل کہانی ساقی کو مل جاتی ہے۔ تیسرا نام مسٹر اختر حسین رائے پوری کا ہے جنہوں نے ادب کے نہایت پاکیزہ نمونے نذرِ ساقی کئے۔ آپ کئی زبانوں کے عالم ہیں۔ سنسکرت آپ کا خاص مضمون ہے اس تے ہندوستان کی تقریباً سب زبانیں آپ نے ذرا ذرا سی کوشش سے سیکھ لیں۔ ہندی میں عرصہ دراز تک لکھتے رہے اور "وشوامتر" کے ادارہ میں بھی شریک رہے۔ ہندی میں صاحب طرز سمجھے جاتے ہیں۔ اردو میں بھی آپ کا اسلوب بیان بالکل نیا اور دلکش ہے۔ قاضی نذرالاسلام جیسے انقلاب پرور شاعر کو اردو داں طبقہ سے آپ ہی نے روشناس کرایا ہے۔ ان کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ساقی کے قدیم مستقل قلمی معاونین میں سے جناب فضل حق قریشی سب سے پیش پیش ہیں جنہوں نے ساقی کی ہر اشاعت میں ایک نہ ایک عمدہ مضمون لکھا۔ جناب انصار ناصری نے "نوجوان شاعر کی داستان عشق" جیسا بے مثل مضمون لکھ کر کم لکھنے کی تلافی کردی۔ "چندر راموہنی" کے بعد یہ اُن کا دوسرا ادبی کارنامہ ہے۔ جناب صادق الخیری نے افسانہ نگاری میں ایک دلاویز اسلوب اختیار کیا ہے۔ علامہ راشد الخیری مدظلہ کے متبعین میں جناب صادق سے زیادہ اور کوئی کامیاب نظر نہیں آتا۔



شهزاده ککا شراکاوا مع عروس

Calcutta Art Prrss Delhi

چغتائی صاحب نے ۱۹۳۵ء میں علالت کی وجہ سے ساقی میں بہت کم لکھا تھا مگر یہ کسر "چغتائی نمبر" نے نکال دی جو صحافتِ اُردو میں ایک یادگار نمبر رہے گا۔ حضرت ایم۔ اسلم نے مضامین کم لکھے مگر جو لکھے بہت اچھے لکھے۔ سال کے آخیر میں آپ علیل رہے اور آپریشن کی سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب رو بصحت ہیں اور ساقی کے لئے بہت جلد کچھ لکھیں گے۔ جناب قیسی رامپوری اور جناب دیوانہ بریلوی اب کے صرف خاص نمبروں میں شریک ہوئے، خواجہ عبدالرؤف صاحب نے قدیم لکھنؤ سے متعلق چند لائق قدر مضامین لکھے۔ حق ناشناسی ہوگی اگر مندرجہ ذیل حضرات کا شکریہ ادا نہ کیا جاتے :-

جوش ملیح آبادی - احسن حزیں - اثر صہبائی - کوکب شاہجہانپوری - ثاقب کانپوری - ظفر قریشی دہلوی - بشیر نیازی تابش دہلوی - تمنائی - جمیل احمد کندہانپوری - ناکارہ حیدرآبادی - سید بادشاہ حسین - آرزو جلیلی - علامہ مضحک دہلوی -

جاپان نمبر

پروفیسر نورالحسن برلاس کو دہلی سے جاپان گئے ہوئے تقریباً تین سال کا عرصہ ہوا۔ مدرسۃ السنۂ غیر توکیو میں آپ اُردو کے پروفیسر ہیں۔ ساقی سے برلاس صاحب اور اُن کی اہلیہ کو جو مخلصانہ محبت ہے اس کا اظہار اُن مضامین کی صورت میں ہوتا رہا ہے جو وقتاً فوقتاً ساقی میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جاپان کے متعلق جتنے پُراز معلومات مضامین ساقی میں شائع ہوتے ہیں اُردو کے کسی اور رسالہ میں شائع نہیں ہوئے اور یہ سب مضامین یا تو پروفیسر برلاس کے تھے یا مسز برلاس کے۔ گزشتہ سال میں نے اعلان کیا تھا کہ ساقی کے چار خاص نمبروں کے علاوہ ایک اور خاص نمبر بھی اس سال شائع ہوگا چنانچہ جب ظرایف نمبر اور افسانہ نمبر شائع ہو چکے تو اس نئے نمبر کی تلاش ہوئی اور جب اس تلاش نے تشویش کی صورت اختیار کرلی تو ایک دم سے دو خاص نمبر مُرتب ہو گئے۔ یعنی چغتائی نمبر اور جاپان نمبر، ادھر تو برلاس صاحب نے جاپان نمبر کے مضامین جمع کرکے بھیجدیئے اور اُدھر چغتائی صاحب سے ملنے جو گیا تو اپنے ساتھ چغتائی نمبر کے مضامین لیتا آیا۔ "چغتائی نمبر" اکتوبر میں شائع کیا۔ مگر جاپان نمبر کو شائع کرنے کا وقت نہیں ملا۔ چنانچہ پھر یہ طے کیا کہ ساقی کی سالگرہ کے موقع پر ناظرین کے یہ نئی چیز مع مضامین کے پیش کی جائے تاکہ اور رسائل کے سالناموں سے بالکل جُدا رہے۔

پروفیسر برلاس نے جتنے مضامین جاپان سے بھیجے ہیں اُن کے مُطالعہ سے ہماری معلومات میں اسقدر اضافہ ہوتا ہے کہ ہم دنگ رہجاتے ہیں اور بعض باتوں کا تو یقین بھی مُشکل ہی سے آتا ہے، مثلاً توکیو اسا ہی کا ذکر۔ پروفیسر برلاس نے جاپان کے کئی پہلوؤں پر اپنے مضامین میں روشنی ڈالی ہے اور ہر بات کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ اپنے مضامین کے علاوہ آپ نے جاپانی پروفیسروں اور جاپانی طلبا کے مضامین بھی حاصل کرکے بھیجے اور یہ ایک دشوار ترین امر ہے کہ اہلِ جاپان کسی اُردو رسالہ کے لئے کچھ لکھ دیں۔ پھر اُن ہندوستانی حضرات و خواتین سے بھی مضامین لکھوائے جو جاپان میں مقیم ہیں۔ اس لئے جاپان کے متعلق جتنی معلومات اِن مضامین میں موجود ہے وہ نہایت صحیح اور مُعتبر ہے اور اس سے بہتر ملنی ناممکن ہے۔ مسٹر فضلی اور مسز فضلی بھی جاپان میں کئی برس رہے ہیں اور برلاس صاحب سے پہلے فضلی صاحب ہی مدرسۃ السنۂ غیر توکیو میں استادِ اُردو تھے۔ مسٹر چمن لال جرنلسٹ نے بھی جاپان میں رہکر وہاں کے ہر پہلو کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے۔ ساقی کی خوش نصیبی ہے کہ اِن سب حضرات کے مضامین "جاپان نمبر" میں نظر آتے ہیں۔ "جاپان نمبر" کی تصاویر بھی برلاس صاحب ہی نے فراہم کرکے بھیجی ہیں انمیں صرف چند کا اضافہ یہاں کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "جاپان نمبر" برلاس صاحب ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے ورنہ یہ کام میرے

گزارش

برادرم شاہد احمد صاحب کی خدمت میں جاپان نمبر کی تجویز پیش کر کے مشکل میں پھنس گیا۔ پچھلے ڈھائی مہینے کا عرصہ نہایت عدیم الفرصتی میں گزرا اور تعطیلات کا ایک مہینہ پورا اس کی نذر ہو گیا۔ یہاں اُردو میں لکھنے والوں کا قحط ہے۔ سوتے ہوؤں کو جگانا، جاگتے ہوؤں کو اُکسانا بڑا صبر آزما کام نکلا۔ اوّل اردو جاننے والوں کی جستجو، پھر جاپان پر مضمون لکھنے کی ضرورت جتانا، وعدہ حاصل کرنا ہی بڑا مشکل ثابت ہوا۔ ہر ہفتے ان کی خدمت میں حاضر ہونا یا ڈاک سے یاد دہانی کرنا ایک مقررہ مشغلہ بن گیا۔ جن کرم فرماؤں نے مضمون عنایت کئے اُن کی تکالیف کا میں بہت ممنون ہوں۔ چند اصحاب کی جانب سے مایوسی ہوئی تو اُن کی کمی مجھے پوری کرنی پڑی۔ میرا ارادہ صرف دو مضمون لکھنے کا تھا۔ جب مضامین کی آمد کم ہوئی تو مجھے تین مضمون اور لکھنے پڑے۔ پچھلے ڈیڑھ مہینے میں یہ تین مضمون بڑی مشکل سے پورے کئے ہیں۔ مسٹر برلاس نے ایک مضمون لکھنے کا وعدہ کیا تھا ان سے آخری وقت تقاضا کر کے ایک مضمون اور لکھوایا۔ اسی طرح پروفیسر ساوا صاحب پر ایک مضمون کا ادھار باقی ہے۔ ان کا ہور کو جی مندروالا مضمون مختصر تھا۔ انھوں نے دوسرا مضمون تحریر فرما کر کافی سے زیادہ تلافی کر دی۔ اب یہ ستر مضامین کا مجموعہ جاپان سے روانہ ہے۔ ان میں جاپان کے تمام پہلو سمانے تو ناممکن تھے۔ البتہ مختلف پہلوؤں پر خیالات جمع کئے گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ جاپانی آرٹ پر زیادہ مضامین نہ مل سکے۔ ایک ایرانی نژاد خاتون نے آرائش گل پر فارسی میں مقالہ لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ افسوس ہے کہ وہ ایسی بیمار پڑ گئیں کہ شفاخانے میں رہنا پڑا اور وہاں عمل جراحی کیا گیا۔ مجھے خود اپنے مضامین سے اتنی فرصت نہ ملی کہ اس مبحث پر قلم اُٹھاتا۔

اس مجموعہ میں تین خواتین کے مقالے ہیں۔ محترمہ حنیفہ فتح علی صاحبہ بمبئی کی ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ آپ جسٹس بدرالدین طیب جی صاحب مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ تیس برس سے برابر جاپان آتی جاتی ہیں۔ نامور قومی کارکن ہیں۔ کوبے میں کانگریس کمیٹی کی صدر رہ چکی ہیں۔ آجکل ہندوستانی خواتین کی کلب کی صدر ہیں۔ آپ اور محترمہ قمر النساء علی صاحبہ جاپان میں ہندوستانی خواتین کی ناک ہیں۔ جو کام مردوں سے نہیں ہو سکتا وہ یہ دونوں کر رہی ہیں یعنی ہر مذہب و ملت کی خواتین کو متحد کئے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے تیس سالہ تجربے کی بنا پر جاپان میں معاشرتی ترقی پر خیالات ظاہر کئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ قومی حکومت کی سرپرستی میں تعلیم کے ذریعے سے اس قوم نے کس قدر ترقی کر لی ہے۔ محترمہ قمر النساء علی صاحبہ بھی اسی خاندان سے ہیں۔ آپ بڑی خوبیوں کی خاتون ہیں۔ مسٹر برلاس اپنے کسی مضمون میں آپ کا تعارف کرا چکے ہیں۔ آپ نے جاپانیوں کی خوش مذاقی، سادگی، اخلاق وغیرہ سے بحث کی ہے۔ آپ کا یہ تحریر فرمانا بالکل بجا ہے کہ بعض ہندوستانی خواتین جو یہاں آتی ہیں وہ شاید گاؤں سے پکڑ کر بھیج دی جاتی ہیں کہ اپنے ملک کو بدنام کرنے کے علاوہ انہیں اور کچھ نہیں آتا۔ مسٹر برلاس پُرانی مضمون نگار ہیں۔ جب سے یہاں آئی ہیں آپ کو یہ دُھن ہے کہ جو خوبیاں یہاں نظر آتی ہیں وہ کسی طرح ہندوستان میں اور ہندوستانیوں میں ٹھونس ٹھونس کر بھر دیں۔ آپ کے مضامین میں زبان کی چاشنی کے علاوہ ہندوستانی معاشرت پر چٹکیاں خاص لطف رکھتی ہیں۔ زیر تبصرہ مضامین میں وہ پہلو نظر انداز کرنا پڑا ہے کیونکہ صرف جاپان پر لکھنا مقصود تھا مگر دونوں مضمون خوب لکھے ہیں۔ "کساتسو کے گرم چشمے" میں ضمناً جاپانیوں کے شوقِ تفریح کا اظہار کیا ہے۔ "گلگشت" ایک جاپانی باغ پر

ہے۔ جاپانی باغبانی ایک مستقل آرٹ ہے۔ اس کا خاکہ اس مضمون میں نظر آتا ہے۔

پروفیسر گاموصاحب مدرسۃ السنۂ غیر ٹوکیو میں ہندوستانی زبان کے پروفیسر ہیں آپ کے کئی مضامین اُردو کے رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ بہت تحقیق سے لکھتے ہیں جب جاپان کا ذکر آتا ہے تو معًا دو باتوں کی طرف خیال رجوع ہوتا ہے۔ اوّل کوہ فجی دوئم سکورا۔ آپ نے سکورا پر خوب لکھا ہے۔ پروفیسر ساوا صاحب مدرسۃ السنۂ غیر اوساکا میں ہندوستانی زبان کے پروفیسر ہیں۔ آپ نے نارہ کے مشہور مندر ہوریُوجی پر مقالہ لکھا ہے۔ یہ مندر قدیم فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہے اور سب سے پُرانی یادگار ہے۔ آجکل زیرِ مرمت ہے۔ پروفیسر صاحب معذرت کرتے ہیں کہ مندر میں آمد و رفت بند ہونے کی وجہ سے وہ اس کی خوبیاں مزید تفصیل سے نہ بیان کر سکے آپکا دوسرا مضمون بھی ایک مندر پر ہے۔ "تودائجی کا مندر" جاپان کی سب سے بڑی چوبی عمارت ہے۔ سب سے بڑے بُت کی حفاظت کے لئے اتنی بڑی عمارت ہی کافی ہو سکتی تھی۔ اس کے متعلق تبرکات کا جو خزانہ ہے وہ انمول ہے۔

جناب سہائے صاحب قومی کارکن ہیں۔ آپ ہندوستان میں بابو راجندر پرشاد صاحب صدر کانگریس کے پرائیویٹ سکرٹری رہ چکے ہیں اب بارہ سال سے کوبے میں مقیم ہیں اور قومی خدمت میں سرگرم ہیں۔ آپ کے مقالے "ہندوستانی طلبا جاپان میں" کی وقعت اور معلومات کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کوبے میں کانگریس کمیٹی، انڈو جاپانیز ایسوسی ایشن، اور انڈو جاپانیز ینگ مینیز ایسوسی ایشن کے بانی ہیں اور تینوں انجمنوں کے صدر رہ چکے ہیں۔ آپ نے ہندوستانی طلبا کی رہائش کے لئے کوبے میں انڈیا ہاؤس کی بنا ڈالی۔ نیز آپ انڈین ٹریڈ ایسوسی ایشن کے سکریٹری اور اوساکے اورنٹل کلچر لیگ کے ڈائرکٹر ہیں۔ آپ کے مقالے سے جاپان کا عزم کرنیوالے ہندوستانی طلبا بہت مستفید ہو سکتے ہیں۔ اسی عنوان پر جناب طفیل احمد چغتائی صاحب نے بحیثیت ایک طالب علم کے قلم اُٹھایا ہے آپ کا مضمون بھی لُطف سے خالی نہیں۔ جناب سید لطیف حسین صاحب دہلوی کا مضمون "پراگندہ خیالات" بہت پُرلطف ہے۔ آپ چین میں مدّت تک رہ چکے ہیں۔ کچھ عرصے سے کوبے میں مقیم ہیں آپ نے اپنے مقالے میں جاپان کی مجبوریاں ظاہر کی ہیں۔ جناب ستو صاحب نے "جاپانی طالب علم کی زندگی" پر خیالات قلم بند کئے ہیں۔ آپ مدرسۃ السنۂ غیر ٹوکیو کے شعبۂ ہندوستانی کے طالب علم ہیں۔ آپ کے مضمون سے جاپانی طلبا کی حوصلہ مندی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں "جاپانی اولمپک کھیل کی پیراکی میں اوّل آئے تو کونسی تعجب کی بات ہے، جاپانی طلبا ہر کام دل سے کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کوئی چیز سیکھنے کا ارادہ کریں تو کامیابی حاصل کرکے چھوڑتے ہیں" دراصل یہی جاپانی اسپرٹ ہے۔ جناب ناکامُرا صاحب بھی اسی مدرسے کے طالب علم ہیں۔ آپ نے ایک قدیم جاپانی کہانی کا خلاصہ تحریر کیا ہے تو طلبا اور دو پروفیسروں کو ملا کر چار جاپانی اصحاب نے اس مجموعہ کے لئے مضمون تحریر فرمائے ہیں۔

میں نے اپنے مضامین جاپانی زندگی کے پانچ شعبوں پر لکھے ہیں۔ "جاپانیوں کے معیارِ زندگی" میں اعداد و شمار سے ان کی کم معاشی ثابت ہونے کے ساتھ ان کے مذاق کی نفاست ظاہر ہوتی ہے۔ "ٹوکیو اساہی" میں یہ دکھایا ہے کہ جاپان کی اخباری دنیا مغربی نقطۂ نظر سے ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کر چکی ہے۔ جاپانی شادی میں اُن کی شادی کی رسوم کا تذکرہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپانی مغربی علوم و فنون میں ترقی کرنے کے ساتھ جاپانی وضع کے سختی سے پابند ہیں۔ "جوشی شوکو گیو گکو" میں لڑکیوں کے ایک صنعتی مدرسے کا حال ہے جس میں جاپانیوں نے تعلیمِ نسواں کے عقدے کو حل کیا ہے۔ "جاپانی فلسفۂ سیاست" جاپانیوں کی روح ہے جب تک کوئی غیر شخص اِن کی روح کا حال نہ سمجھے جاپانیوں کا طرزِ عمل اس کے لئے بالکل ناقابلِ فہم ہے

تصاویر: سرورق کی تصویر نوروز کے موقع کی ہے۔ صاحب خانہ ساقی کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ شراب دانی پر نوروز کی آرائش ہے۔ یہ شراب زیادہ نشہ آور نہیں ہوتی۔ ایک شراب خانے کی تصویر رسالے کے متن میں ہے۔ میز پر سفید چینی کی بوتلیں ہیں۔ ان میں ساکے یعنی چاول کی شراب رکھی جاتی ہے۔ یہاں مالکہ ساقی ہے۔

تمام تصاویر میں سب سے زیادہ قابلِ قدر تصویر شہزادہ کیتا شیرا کاوا اور آپ کی دُلہن کی ہے۔ صاحب موصوف شاہ میجی کے پوتے ہیں۔ حال میں شادی ہوئی ہے۔ دولہا اور دُلہن دونوں شاہی خاندان کا رسمی لباس پہنے ہوئے ہیں جو قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ دُلہن کے لباس میں ایک کے اوپر ایک کمونو ہیں۔ یہ تصویر نہایت جدوجہد سے حاصل ہوئی ہے۔ کئی جگہ تلاش کرنے کے بعد میں نے ٹوکیو آساہی سے رجوع کیا۔ اخبار والوں نے اپنے اخبار کے بارے میں مجھے بہت سا مواد فراہم کر کے دیا تھا۔ جب اُنھوں نے تصویر دینے سے انکار کیا تو بہت مایوسی ہوئی۔ یہ کہتے تھے کہ ہمیں شاہی خاندان کی تصاویر دینے کی ممانعت ہے کہ اُن کی بے توقیری نہ ہو۔ ناظرین رسالے کی خوش قسمتی ہے کہ یہ نایاب تصویر ہاتھ لگ گئی۔

دولہا دُلہن کی پانچ تصاویر ہیں۔ ان کا مفہوم مضمون پڑھنے سے سمجھ میں آجائیگا۔ سکورا کی تین تصاویر پروفیسر کامو صاحب نے عنایت کی ہیں اور یہیں انکا مضمون ہے۔ ہوریوجی مندر کی تین تصاویر ہیں۔ مندر کی خاص عمارت جاپان کی سب سے قدیم اور سب سے وسیع چوبی عمارت ہے۔ کُساتسو کی تصویر میں وہی مقام ہے جہاں نلوں کے ذریعہ سے ہوٹلوں میں گندھک کا پانی جاتا ہے۔ کوہ اسامہ جاپان کے آتش فشاں پہاڑوں میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ایک تصویر میں پہاڑ سے آتش باری شروع ہوئی ہے۔ دوسری میں ایک سیاح تھکا ماندہ اُسکی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ پیالہ دھوئیں میں چھپا ہوا ہے۔ پرے کی طرف ذرا سا کنارہ دکھائی دیتا ہے۔ جاپانی سرائے کی تصویر ایک پہاڑی مقام کی ہے۔ یہ سرائے اعلیٰ درجہ کی ہے۔ برآمدے میں میز کرسی رکھی ہے۔ ورنہ یہ چیزیں نہیں ہوتیں۔ توکیو آساہی کی کئی تصاویر ہیں جو اُس کی کارگزاریاں ظاہر کرتی ہیں۔ جوشی شوگو کیو گکو کی تصویر جدید عمارت کی ہے جو ابھی زیر تعمیر ہے۔ محترمہ ہتو یامہ صاحبہ اِس مدرسے کی صدر ہیں۔ آپ نے اپنی تصویر مجھے بنفس نفیس عطا کی ہے۔

فن نقاشی کے چار شاہکار زیب رسالہ ہیں۔ آبِ رواں جاپانی نقش کا عام موضوع ہے۔ غوطہ خور لڑکیاں سمندر کے کنارے پانی میں ناچ کر دل بہلا رہی ہیں۔ تمام جاپان میں کیوتو کی گیشا اپنی شائستگی اور پُر تکلف لباس میں مشہور ہے۔ تصویر میں اُسکی نزاکت قابلِ لحاظ ہے۔ ایک تصویر میں تین لڑکیاں سیر کرنے نکلی ہیں۔ جنگل میں بیٹھی تفریح کر رہی ہیں۔ سامنے کھانا رکھا ہے۔ تینوں لڑکیوں کی تصویر میں ادبی کے تین رُخ دکھائے ہیں۔ بقیہ تصاویر میرے اپنے کیمرے کی ہیں۔ ہمارے مکان کی برف باری کا منظر بڑا پیارا ہے۔ ایک لڑکی آڑو کے پھول کی شاخ توڑنے درخت پر چڑھی ہے۔ میرے کہنے پر تصویر کے لئے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ محلے کی ایک کمسن بچی مدرسے سے آرہی ہے۔ اس کی تصویر لینی بڑی مشکل ثابت ہوئی۔ کہنے سے کھڑی نہیں ہوئی۔ چلتے چلتے دکانوں کی چیزیں دیکھنے کیلئے مُڑ جاتی ہے۔ بہت دُور تک اس کے پیچھے پیچھے چلنے پر تصویر لینے کا موقع ملا ہے۔ اُس کی پیٹھ پر بستہ بندھا ہے۔ ایک مدرسے کی لڑکیاں کھانے پینے کے تھیلے لئے سیر کو جارہی ہیں، اسٹیشن پر ریل کے انتظار میں ہیں۔ مسنر برلاس کی ایک جاپانی دوست ملنے آئی ہیں، ملازمہ اُن کا استقبال کر رہی ہے۔ مہمان سجدے میں ہے۔ سمندر کی دایاں گرمی میں سمندر میں نہا رہی ہیں۔

برلاس

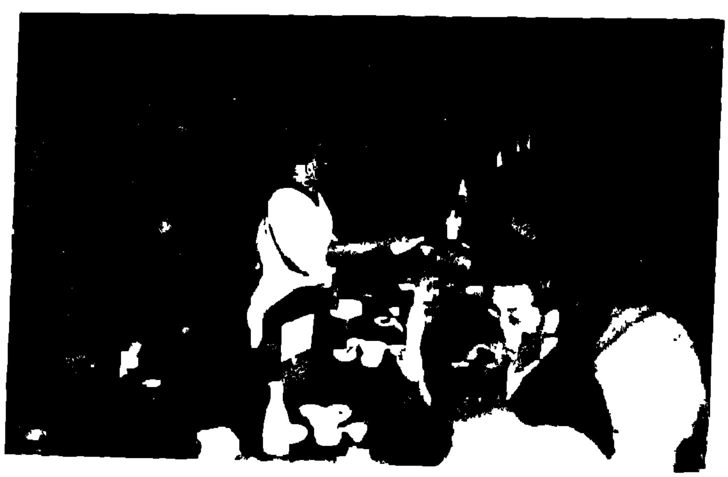


پروفیسر نورالحسن برلاس

[illegible] Art Press, Delhi



ساقي (تقریب نو روز کی شراب نوشي)



ساقي و میخانه

Falcon's Art Press Delhi

فلسفہ سیاست جاپان

آجکل جاپان میں ایک سیاسی مسئلے کو بڑی اہمیت دی جارہی ہے۔ اس کا مرکز شاہِ جاپان کی سیاسی حیثیت ہے۔ اس کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقے میں ہیجان ہے۔ ایک جانب ماہرینِ سیاست ہیں جن کا گروہ بہت مختصر ہے اور جامعوں کے استادوں پر مشتمل ہے۔ دوسری جانب تمام قوم پرست جاپانی ہیں جن میں واضع قوانین کی دونوں مجالس یعنی دارالامرا اور دارالعوام کے ارکین اور پورا محکمۂ جنگ ہے۔ ماہرینِ سیاست کا قول ہے کہ شہنشاہِ جاپان حکومت کا ایک جُزو ہے اور اس کی بادشاہت کی یہ حیثیت ہے کہ وہ آئینِ منظورہ کو چلائے۔ مخالفین یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ اور حکومت دو مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ بادشاہ کی ذات خود حکومت ہے۔ کیونکہ حکومت اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ کو ڈھائی ہزار برس پہلے دیوتاؤں سے ورثے میں ملی تھی اور آئینِ حکومت بادشاہ کی ذات سے نکلا ہے۔

اس مسئلے کا مطالعہ بڑا دلچسپ ہے۔ کیونکہ اس سے اہلِ جاپان کی ذہنیت پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔ بیسویں صدی میں اس قسم کے خیالات غیروں کے لئے خواہ کسی قدر حیرت انگیز ہوں مگر جاپانی نہ صرف آزاد اور طاقتور قوم ہیں بلکہ متمدن اور روشن خیال بھی ہیں۔ اِس قسم کے خیالات ہنس کر نہیں ٹالے جاسکتے کیونکہ ایسے ہی خیالات سے جاپانی قوم کی ترکیب ہوئی ہے۔ اگر اس معاملے میں کوئی امر تعجب خیز ہے تو وہ یہ ہے کہ آج اِس سیاسی نظریے کی مخالفت میں تمام جاپان کیوں متحد ہو کر کھڑا ہوا ہے۔ یہ نظریہ جاپانیوں کے لئے کچھ نیا نہیں ہے بلکہ تیس برس سے استادانِ سیاست شاہی جامعوں میں اپنے طلباء کو یہی نظریہ سکھاتے چلے آتے ہیں اور اس پر کئی کتابیں جاپانی زبان میں تصنیف بھی ہو چکی ہیں۔

ستّر اسّی برس سے جاپان مغرب کی تقلید میں سرپٹ چلا جارہا ہے۔ اِس قلیل مدت میں اس نے دُنیا کی قوی ترین حکومتوں کو جالیا ہے اور اب اُن کی برابری کا دعویدار ہے۔ جاپان نے اپنی قابلیت سے مغرب و مشرق کا امتیاز مٹادیا ہے۔ مگر اقوامِ مغرب جاپان کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ یاد دلانے میں کبھی تامل نہیں کرتیں کہ تم باوجود اتنی قوت کے مشرقی ہو اور ہماری برابری نہیں کرسکتے۔ پہلی بار جاپان کو ۱۹۱۹ء میں شکست ہوئی جب کہ اُس نے معاہدۂ ورسائلے میں تمام اقوام کی مساوات تسلیم کرانے کی کوشش کی اور اتحادیوں نے اُس کی درخواست منظور کرنے سے انکار کیا۔ دوسری بار ممالک متحدہ امریکہ نے ۱۹۲۴ء میں ایشیائی تارکانِ وطن کے داخلے کی ممانعت کر کے جاپان کے احساسِ قوی کو سخت صدمہ پہنچایا۔ تیسری بار حادثہ منچوریا کے موقع پر جاپانیوں کے احساس کو ایسی ضرب لگی کہ جام جو لبریز ہو چکا تھا چھلک پڑا۔ ساری قوم میں ایک لہر دوڑ گئی اور مغرب کے خلاف ردِ عمل شروع ہوگیا۔

تاریخ جاپان میں یہ تیسرا ردِ عمل ہے۔ دوسرا ردِ عمل بہت مشہور ہے جو سترہویں صدی عیسوی میں واقع ہوا تھا۔ وہ ردِ عمل عیسائیت کے خلاف تھا کہ غیر ملکی عیسائی جلا وطن اور ملکی عیسائی تہ تیغ کر دئے گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھائی سو برس تک کوئی غیر ملکی جاپان میں نہیں آسکا اور نہ کوئی جاپانی باہر جاسکا۔ اب یہ تیسرا ردِ عمل ہے جس میں جاپانیوں کو اپنی قومی خوبیوں کا

احساس شدّت کے ساتھ ہوگیا ہے اور جاپان ایک نئے رنگ میں دُنیا کے سامنے آرہا ہے۔

موجودہ ردِعمل کسی فرقے یا مذہب کے خلاف نہیں ہو بلکہ مغربیت کے خلاف ہی۔ پچھلے سال بعض جگہ بڑے دن کے موقع پر عیسائیوں کے خلاف بلوے ہوئے مگر یہ دراصل قدامت پرستوں کے جوشِ قومیت کے بیجا مظاہرے تھے ورنہ مذہب کے بارے میں جاپانی بڑے فراخدل ہیں۔ اس تحریک کا عمل ہر چھوٹے بڑے کام میں نظر آتا ہی۔ غیر زبانوں اور خصوصاً انگریزی کے خلاف چیخ پکار ہوئی۔ اکثر لڑکیوں کے مدارس فوقانیہ میں انگریزی کی تعلیم بند ہوگئی اور لڑکوں کے مدارس وسطانیہ پر بھی کچھ اثر پڑا۔ جاپانیوں نے مغرب کی تقلید گھر میں بھی شروع کردی تھی۔ مغرب کے دلدادہ والدین کے بچے اپنے ماں باپ کو پاپا اور ماما کہہ کر پکارنے لگے تھے۔ وزیرِ تعلیم نے اس پر احتجاج کیا اور جاپانیوں کو اپنی زبان استعمال کرنے کی تاکید کی۔ موٹروں کے پرزوں کے نام سب غیر زبانوں میں تھے اور وہی مستعمل تھے۔ محکمۂ فوج نے تمام غیر زبان کے الفاظ کی بجائے چینی و جاپان زبان کو ملا کر جدید اصطلاحات وضع کرلی ہیں۔ مدارس فوقانیہ کی لڑکیاں عام طور سے بال کٹوا کر پٹھے رکھتی ہیں۔ ایک مدرسہ فوقانیہ نے حال میں احکام نافذ کئے ہیں کہ حکام کو لڑکیوں کے بال کٹوانے پسند نہیں ہیں، تعطیلات گرما میں لڑکیاں بال بڑھا کر آئیں۔

عورتوں کی ایک تحریک کو اس ردِعمل سے سخت نقصان پہنچا ہے۔ چند سال سے عورتیں کوشاں ہیں کہ ہمیں رائے دہندگی کا حق دیا جائے۔ دو سال سے یہ تحریک بہت کمزور پڑگئی ہے۔

جاپانیوں کی ایسی بہت سی انجمنیں قائم ہوگئی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ جاپانی تمدّن کی اشاعت کی جائے اور اس کی تبلیغ غیر ملکوں میں اور غیر ممالک میں کی جائے بعض انجمنوں کو حکومت سے امداد بھی ملتی ہے۔ ایک انجمن جاپانی ادب کی مستند کتابوں کا ترجمہ غیر زبانوں میں کرا رہی ہے۔ غیر ممالک کے جامعوں میں جاپانی زبان کی تعلیم کی ترقی کے لئے حکومت نے اپنے مالئے میں معقول رقم منظور کی ہے۔ جاپانی زبان کی ترویج کے بارے میں حکومت نے ایک بہت اہم اقدام عمل کیا ہے۔ اب تک جاپان میں جو بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئی ہیں ان میں غیر زبانیں استعمال کی جاتی تھیں۔ مگر اس اگست میں جو تعلیمی کانفرنس ہونے والی ہو اس میں صرف انگریزی اور جاپانی زبانیں استعمال ہونگی۔

اس قسم کی بہت سی تحریکیں ہیں جن کا مقصدِ واحد یہ ہے کہ مغربیت کا انسداد اور جاپانیت کی ترویج کی جائے۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہو کہ جاپانی مغربی علوم و فنون کے خلاف ہیں یا انھوں نے جنگی جہاز اور طیارے بنانے بند کردئے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس بارے میں تو یہ لوگ مغرب پر بھی سبقت لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ اسپر قوم کی قوت و ترقی منحصر ہے بلکہ یہ مغرب زدگی کو دُور کرنا چاہتے ہیں اور جاپانیت کا فروغ۔ بادشاہ کی آئینی حیثیت کے تحفظ کی تحریک اسی قسم کے خیالات پر مبنی ہے۔

جاپان کا آئین شاہ میجی کے عہدِ حکومت میں ۱۸۸۹ء میں منظور ہوا اور دوسرے سال مجالس واضع قوانین کی بنیاد اُسی کی رو سے پڑی۔ یہ آئین مدبرین جاپان کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے مغربی ممالک کے آئین کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور ترتیب کے وقت انگلستان اور جرمنی کے آئین پیشِ نظر رکھے تھے۔ انگلستان کے آئین کا اس پر پائدار اثر پڑا ہے۔ اس آئین میں جہاں بادشاہ کی ذات کا تحفظ کیا گیا ہے وہاں یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اس کی حکومت قانون کے مطابق

ہوگی۔ آئین کے باب اوّل میں سترہ دفعات ہیں اور وہ سب بادشاہ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ ان میں سے چند دفعات کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

دفعہ (۱) سلطنت جاپان پر بادشاہ کی حکومت ہوگی جس کا سلسلہ مدّت لامتناہی سے غیر منقطع چلا آرہا ہے۔

دفعہ (۳) بادشاہ کی ذات مقدس اور ناقابلِ تنسیخ ہے۔

دفعہ (۴) بادشاہ سلطنت کا حاکم ہے اور اُس کی ذات میں حقوقِ شاہی مجتمع ہیں اور وہ موجودہ آئین کے بموجب حکومت کرتا ہے۔

دفعہ (۵) بادشاہ مجلس واضع قوانین کی رضامندی سے قانون سازی کی قوت استعمال کرتا ہے۔

دفعہ (۶) بادشاہ قوانین کی منظوری نافذ کرتا ہے اور اُن کے عملدرآمد کے احکام جاری کرتا ہے۔

دفعہ (۸) جن ایام میں مجلس واضع قوانین کے جلسے نہ ہوتے ہوں اگر اس زمانے میں امن عامہ کے تحفظ کے لئے یا پبلک کو مصائب سے بچانے کے لئے فوری ضرورت داعی ہو تو بادشاہ قانون کی بجائے فرمان نافذ کرسکتا ہے۔ ایسے شاہی فرامین مجلس واضع قوانین کے قریبی اجلاس میں پیش کئے جائیں گے اور اگر مجلس ان فرامین کو منظور نہ کرے تو حکومت ان کی تنسیخ کردیگی۔

دفعہ (۱۱) بادشاہ بری و بحری فوج کا حاکم اعلیٰ ہے۔

دیگر دفعات کے بموجب بادشاہ کو اعلانِ جنگ، قیام امن اور معاہدہ صلح کے پورے اختیارات حاصل ہیں۔

ان قوانین کی رو سے بادشاہ کی ذات مقدس، اُس کا عہدہ ناقابلِ تنسیخ اور اس کے اختیارات وسیع ہیں۔ ساتھ ہی وہ قانون کا تابع ہے اور نفاذ قوانین میں رعایا کی مرضی کا پابند۔

جاپان کا آئین انگلستان کے آئین کا پرتو ہے۔ انگلستان میں اور یورپ کے دیگر ممالک میں بادشاہ اپنے تئیں خدا کی طرف سے مقرر کردہ، اپنے ملک کی زمین کا اور رعایا کی جان و مال کا مالک سمجھتے تھے اور مطلق العنان تھے۔ رعایا کے مقدر میں ہر قسم کے جور و تعدی سہنے تھے۔ بادشاہوں کے مظالم سے تنگ آکر رعایا نے بغاوتیں کرنی شروع کیں اور رفتہ رفتہ اقتدار حاصل کرنے لگی۔ رعایا کے اقتدار کے ساتھ بادشاہوں کے حقوق گھٹتے گئے یہاں تک کہ اب قانون کے شکنجے میں ایسے کس گئے ہیں کہ بلا منظوری رعایا ٹیکس کا ایک پیسہ وصول نہیں کرسکتے اور کسی سے ایک گھنٹے کی بیگار نہیں لے سکتے۔ آئین کی رو سے ان کی حیثیت محض ایک جزو حکومت کی سی ہے۔

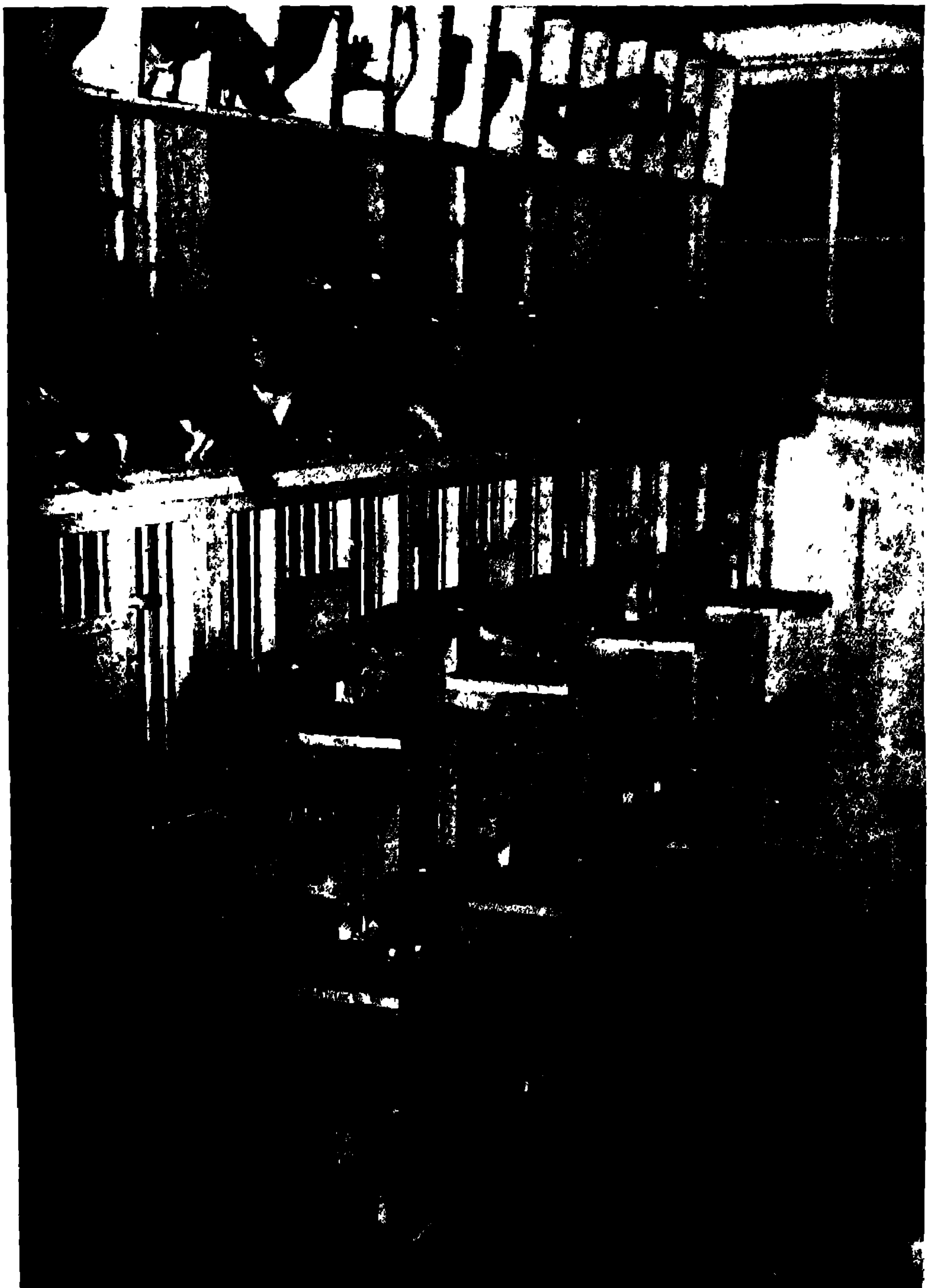
ممالک یورپ کے آئین کا ارتقا انہیں حالات میں ہوا ہے اور ان کا اثر آئین کے دفعات میں پایا جاتا ہے علم سیاست اور فلسفۂ سیاست کی تدوین اسی ماحول میں ہوئی ہے۔ فطرتِ انسانی کے جو مظاہرے وہاں ہوئے انہیں سے علم سیاست کے نظریئے قائم ہوتے اور فلسفۂ سیاست کی بنیاد پڑی۔ حکمائے جاپان نے اپنی علوم سے خوشہ چینی کی ہے۔ خود آئینِ جاپان مغربی ممالک کے آئین کی نقل ہے۔ تو حکماء کا فلسفۂ سیاست کی رو سے اس کی تفسیر کرنا بے محل نہیں۔ تیس سال سے یہاں کے جامعوں میں اسی کی تعلیم ہو رہی ہے اور ہزاروں طلباء ان ہی اُستادوں سے علم حاصل کرکے نکل چکے ہیں۔

موجودہ رد عمل کے زمانے میں قوم پرستوں کی نظر چاروں طرف دوڑی۔ سیاست کی تعلیم ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ ایسا ڈول ڈالا کہ مجلس وضع قوانین میں یہ مسئلہ چھڑ جاتے۔ چنانچہ گذشتہ ماہ فروری میں ڈاکٹر مینوبے نے جو جاپان کے ممتاز ترین ماہر سیاست اور شاہی جامعہ ٹوکیو میں اُستاد ہیں اور دارالامرا کے رُکن بھی ہیں ایوان دارالامرا میں ایک تقریر کی اور اصول آئین کو وضاحت سے بیان کیا۔ اُنھوں نے بادشاہ کے تقدس کا پورا احترام کرتے ہوئے یہ بتایا کہ آئین کی رو سے بادشاہ کی حیثیت حکومت کے ایک جزو کی سی ہے اور وہ حکومت کی جانب سے قوانین نافذ کرنے پر مامور ہے۔ تقریر کا ہونا تھا کہ چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ ایک صاحب نے بھرے ایوان میں انہیں غدار تک کہدیا۔

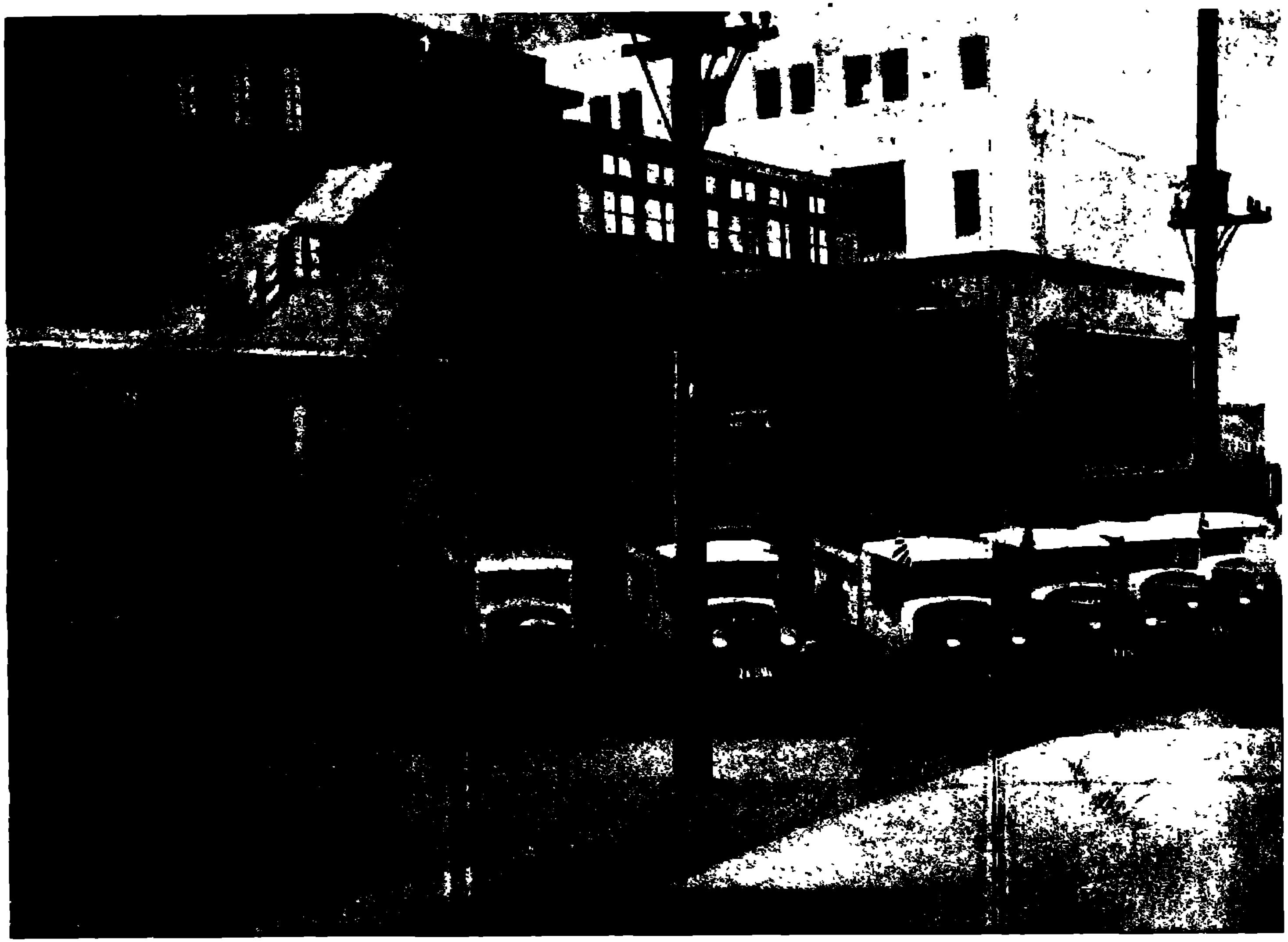
ڈاکٹر مینوبے کی تقریر سے دونوں ایوانوں میں ایک ہیجانِ عظیم برپا ہوگیا۔ دونوں ایوانوں نے اتفاق رائے سے نظریہ جزوِ حکومت کے خلاف تجویز منظور کی۔ دارالعلوم میں ڈاکٹر سترو کی، صدر جماعت۔ سیئی یُوکائی، نے تجویز پیش کرتے وقت ایک طویل تقریر کی جس میں جاپانی دیومالا سے استدلال کیا۔ حکومت سے استدعا کی گئی کہ اس نظریئے کا استیصال کیا جائے۔ حکومت کیا کرسکتی تھی؟ علم تو نہیں مٹا سکتی، صرف اس کی اشاعت روک سکتی تھی۔ سو وزیر تعلیم نے جامعوں اور مدارس کے نام احکام نافذ کردئے کہ جاپانی دستورِ حکومت کی تعلیم پر زور دیا جائے۔ ڈاکٹر مینوبے پر زور ڈالا گیا کہ وہ دارالامرا سے مستعفی ہوجائیں۔ اُنہوں نے یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ میں شاہی حکم سے رُکن بنا ہوں، شاہی حکم کی تعمیل سے پہلو تہی کرنا آدابِ شاہی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ ان کو مجبور کیا گیا کہ اپنے نظریئے سے توبہ کرو اور اپنی تصانیف واپس لے لو۔ اُنھوں نے دونوں باتوں سے انکار کردیا۔ ان کی کتابیں سرکاری حکم سے ضبط کرلی گئیں۔ اس سال امتحانات کے موقع پر انہیں ممتحنی سے محروم رکھا گیا۔ پولیس نے انہیں طلب کرکے صبح سے شام تک جرح کی اور ان کا تحریری بیان لے کر چھوڑا۔ خبر تھی کہ ان پر مقدمہ قائم کیا جائیگا مگر بے بنیاد نکلی۔ اخبارات نے بہت لے دے کی۔ انجمن سابق سپاہیانِ جنگ نے ان کی کتابیں اِدھر اُدھر سے جمع کرکے مجمع عام میں آگ لگا دی۔ اب عام جوش فرو ہوگیا ہے مگر محکمۂ جنگ مُصر ہے کہ اس کا معقول تدارک کیا جائے۔ حکومت ٹال رہی ہے۔

ایک قوم کی قوم کا اس قدر جوش وخروش کچھ معنی رکھتا ہے۔ تمام راز اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ جاپانی سخت بادشاہ پرست ہیں اور اپنی دیومالا پر اُسی شدّت سے اعتقاد رکھتے ہیں جس طرح دیگر اقوام چند ہزار برس پہلے رکھتی تھیں۔ بادشاہ کی شان میں بے ادبی کا کوئی لفظ نہیں سُن سکتے۔

جاپانی کہتے ہیں کہ ہم پہلے کچھ نہ تھے۔ ہمیں سب کچھ بادشاہ نے دیا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ دورِ جدید سے پہلے رعایا کے کوئی حقوق نہ تھے۔ شوگنوں کے زمانے میں ہر جگہ نوابوں کی حکومت تھی۔ سپاہی زادے اشرف المخلوقات تھے۔ ان کے لئے رعایا کا خون جائز تھا۔ ذرا سی بے ادبی پر بے دریغ قتل کردیتے تھے۔ دورِ جدید کا آغاز ۱۸۶۸ء سے ہوا جب شوگن نے استعفا دے کر غصب کردہ شاہی اختیارات واپس کئے اور شاہ میجی نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ قوم پرست جاپانی آئین حکومت کی تاویل دیومالا کی روشنی میں کرتے ہیں اور استدلال میں وہ پروانۂ آزادی اور منسلکہ فرمان پیش کرتے ہیں جو شاہ میجی نے تخت نشین ہوتے ہی نافذ کیا تھا۔ بادشاہ نے قسم کھا کر اس پروانے کا اعلان



توکهو اساهی کے نامہ بر کبوتر



توکیو اساهی کی تقسیم کنندہ لاریاں

Calcutta Art Press, Delhi

گیا تھا۔ اس میں پانچ دفعات ہیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

(۱) ایک مجلس مرتب کی جائیگی جس میں وسیع دائرے سے اراکین شامل کئے جائیں گے تاکہ تمام معاملات سلطنت پر غیر جانبداری سے بحث کرے اور ان کا فیصلہ کرے۔

(۲) انتظامی امور حاکم و محکوم کے باہمی سمجھوتے سے طے کئے جائیں گے۔

(۳) تمام لوگوں کو، خواہ وہ حاکم ہوں یا سپاہی یا بقیہ رعایا کے افراد ہوں، بے کاری اور بے اطمینانی کی زندگی بسر کرنے سے روکا جائیگا اور ان کو بجا خواہشات کی تکمیل کی ترغیب دی جائے گی۔

(۴) قدیم مہمل رسوم ترک کردی جائیں گی اور صداقت کی عملداری ہوگی۔

(۵) تمام دنیا میں علم کی جستجو کی جائے گی اور اس طرح دستورِ مملکت شاہی کو خوب تقویت پہنچائی جائے گی۔

اس پروانۂ آزادی کے ساتھ بادشاہ کا ایک اعلان بھی شائع ہوا تھا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"نوعمری میں یکایک اس عالیشان سلطنت کا بارِ عظیم میرے کندھوں پر رکھا گیا ہے۔ اُس وقت سے میں اس فکر میں غلطاں ہوں کہ اپنے دیوتائی اجداد کی وصیت پوری کرنے میں ہم کس طرح دیگر دول کے سامنے کھڑے ہوں۔ ہمارا خیال ہے کہ جب سے ازمنۂ وسطیٰ میں بادشاہ کی حکومت سے غفلت برتی گئی اور سپاہی زادوں نے بادشاہ کو ایک کونے میں بٹھا کر سلطنت پر بیجا تصرف کیا اُن کی یہ کوشش رہی ہے کہ بادشاہ کو اپنی رعایا کی خواہشات سے لاعلم رکھا جائے۔ اس طریقے سے بادشاہ کے، جو خاندانِ سلطنت کا باپ ہے، اور اس کی قوم کے درمیان جو اس کی پیاری اولاد ہے ایک خلیج حائل کردی گئی تھی۔ اگرچہ شاہی دربار کی برائے نام عزت پہلے سے زیادہ کی جاتی تھی تاہم اس کا اقتدار گھٹتا رہا اور بالا و پست اسی طرح علیحدہ رکھے گئے جس طرح آسمان و زمین ہیں۔ ان حالات میں ہم زیرِ آسمان کس طرح حکومت کرسکتے تھے؟ اب شاہی حکومت بحال ہونے پر اگر میری لاتعداد رعایا میں سے کسی فرد واحد کو بھی ہمارے ملک میں اس کے لئے موزوں کام مہیا نہ کیا گیا تو میں اپنے تئیں گنہگار سمجھوں گا۔ پس مشکلات میں ہم روحانی و جسمانی تکالیف برداشت کرکے اپنے دیوتائی اجداد کے نقشِ قدم پر چلیں گے اور اچھی حکومت قائم کرنے پر ہی ہم اپنی لاتعداد رعایا پر بادشاہ کا، جو آسمانی فریضہ انجام دے رہا ہے۔ لقب اختیار کرنے کے مستحق ہوں گے۔ قدیم زمانے میں ہمارے دیوتائی اجداد فرماں روائی کی باگ ہاتھوں میں لے کر افواج کو حکم دیتے تھے کہ جو لوگ راہِ راست پر نہیں چل رہے ہیں اُن کو راہِ راست پر چلنے کے لئے مجبور کرو۔ اس طرح بادشاہوں اور رعایا کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم رہتے تھے اور ہماری حکومت ملک کے ہر چہار طرف پھیلی ہوتی تھی، نیز ہمارا قومی اعزاز بیرونی ممالک میں مسلّم تھا۔ مگر پچھلے زمانے میں دنیا متمدن ہوگئی اور تمام دول ماورا البحر ممالک میں کثیر مقبوضات حاصل کررہی ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ دنیا کی حالت سے بے خبر رہ کر پرانے رواجوں پر جمے ہوئے ہیں جو ہر قسم کی ترقی میں حائل ہیں۔ اگر ہم محل کی چار دیواری میں بند رہ کر عیش و عشرت کی زندگی میں پڑے رہیں اور حکومت کے اہم امور سے غفلت برتیں تو انجام کار ہم دوسری سلطنتوں کے آگے قابلِ نفرت و حقارت ٹھہریں گے۔ ہمارے اس عمل سے ایک جانب تو اجداد کے نام پر بٹہ لگے گا اور دوسری جانب ہماری لاتعداد رعایا رنج و محن کا شکار ہوگی۔ پس ہم اپنے تمام عہدیداران و امراء کے ساتھ عہدِ وثیق کرتے ہیں کہ ہمارے

دیوتائی اجداد سے جو شاندار خدمت ہمیں ورثے میں ملی ہوئی ہے دل ہی سے انجام دے کر کامیابی تک پہنچائیں گے ہم اپنی حکومت کو ملک کے تمام اطراف و جوانب میں وسعت دیں گے اور اپنی لاتعداد رعایا کے امن و خوشحالی کے ضامن بنیں گے۔ نیز ہم اپنی قومی طاقت کو امواجِ بحر کے اُس پار تک وسیع کریں گے اور تمام دُنیا کی بنیاد ایسی مستحکم قائم کریں گے جیسا کوہ فوجی ہے۔ اے لاتعداد رعایا! تمہارے لبوں پر شاہی دربار کی تنظیم کے کلمات ہیں مگر بدقسمتی سے تم جہل اور فرسودہ رواجوں میں جکڑے ہوئے ہو۔ اور اُس یقینی خطرے سے بے خبر ہو جو اس دیوتائی ملک کو گھیرے ہوئے ہو۔ پس جب کبھی ہم غیر معمولی تحریک کرتے ہیں تو تم ہمیشہ ششدر رہ جاتے ہو اور ہر قسم کے شبہات کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہو۔ اگر تم دیدہ و دانستہ رائے عامہ میں انتشار پیدا کر کے ہمارے مقاصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا کرو گے تو تم نہ صرف ہماری حکومت میں خلل ڈالو گے بلکہ ہمارے دیوتائی اجداد کی حکومت کو بدنام کرو گے۔ پس اے ہماری لاتعداد قوم! ہماری مرضی اور منشا سے آگاہ ہو اور ذاتی آرار کو پسِ پشت ڈال کر ہمارے کام میں ایک آواز سے امداد کرو۔ اگر ہم اس طرح اس دیوتائی سرزمین کا تحفظ کر سکیں اور اپنے جلیل القدر اجداد کی دیوتائی روحوں کو تسکین دے سکیں تو ہمیں بڑی مسرت حاصل ہوگی۔"

قوم پرست جاپانی ڈاکٹر مِنوبے کے نظریئے کے خلاف اس شاہی فرمان سے استدلال کرتے ہیں۔ اس فرمان میں کئی جگہ دیوتائی اجداد کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ سلطنت جاپان کی میراث کا جوان کی اولاد کو ورثے میں ملی ہے۔ اس فرمان کے علاوہ آئین جاری کرتے وقت اس کے مقدمے میں بھی بادشاہ نے یہ الفاظ فرمائے تھے "اس سلطنت پر بادشاہت کا حق ہمیں اپنے اجداد سے ورثے میں ملا ہے اور یہ حق ہم اپنی اولاد کو ترکے میں دیں گے۔" ڈاکٹر سُزُوکی نے دارالعوام میں تجویز پیش کرتے وقت دیومالا سے خاندان شاہی کی بنیاد پڑنے کا واقعہ بیان کیا تھا:-

جب سورج دیوی نے اپنی حکومت اپنے ماں باپ کی تخلیق کردہ مقدس سرزمین پر قائم کرنی چاہی تو اپنے پوتے "نِنیگی نومِکوتو" کو جاپان میں بھیجا۔ وہ دیوتاؤں کے لشکر کے ساتھ بادلوں سے گزرتا ہوا آسمانی پُل پر سے اُتر کر جاپان میں پہنچا اور یہاں دیوتائی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جب وہ زمین کی جانب روانہ ہو رہا تھا تو سورج دیوی نے یہ احکام نافذ کئے: "سرکنڈوں کے میدانوں والی مرکزی سرزمین وہ میراث ہے جس پر میری اولاد نسلاً بعد نسل حکومت کرے گی۔ پس میرے حکم کے بموجب تو زمین پر اُتر اور وہاں رہ اور حکومت کر۔ تو مطمئن رہ کہ ہمارا شاہی خاندان بلا انقطاع اُس وقت تک پھولے پھلے گا جب تک آسمان و زمین باقی ہیں۔"

اُس وقت سے جاپانی حکومت اولاد در اولاد اسی خاندان میں چلی آتی ہے۔ تمام جاپانی مثل ایک خاندان کے ہیں جس کا باپ بادشاہ ہے۔ جس طرح باپ اپنی اولاد کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے اُسی طرح بادشاہ اپنی رعایا کی حاجت روائی کرتا ہے۔ جس طرح باپ سے خاندان نکلتا ہے اسی طرح بادشاہ کی ذات سے حکومت نکلی ہے۔ باپ اور خاندان جُدا حیثیت نہیں رکھتے اسی طرح بادشاہ اور حکومت دو چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ بادشاہ اپنی رعایا کی فریاد سُنتا اور شکایتیں دُور کر کے امن و امان قائم کرتا ہے۔ رعایا اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ بادشاہ سے دلی عقیدت رکھتی ہے۔ اس عقیدت کو اس واقعے سے اور تقویت پہنچتی ہے کہ ڈھائی ہزار برس سے یہی خاندان چلا آتا ہے۔ اُس نے زمانے کے گرم و سرد

دیکھے مگر کبھی منقطع نہیں ہوا۔ یہ ازلی عقیدت مغربی فلسفۂ سیاست کے خلاف ہے۔ یہاں بادشاہ کی ذات سے ملکی حکومت وابستہ ہے اور اس کی ذات کا ایک جزو ہے۔

یہاں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ فلسفہ شاہ جاپان میں مطلق العنانی کا میلان پیدا کرتا ہے۔ وہ چاہے جو کچھ کرے اُس سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ کیا کر رہے ہو۔ اس کا علاج اسی فلسفے میں ہے۔ جاپانی سیاست کا ایک لازمی جزو "شیراسو" ہے جس کے معنی ہیں جاننا، بادشاہ کا فرضِ اوّلین یہ ہے کہ وہ رعایا کی ضروریات کا علم حاصل کرے۔ اسی فریضے کی ادائیگی میں شاہ میجی نے پروانۂ آزادی اور آئین جاری کیا۔ مجلس واضع قوانین کا انعقاد اسی لئے منظور کیا گیا کہ بادشاہ کو رعایا کا حال معلوم ہوتا رہے اور اس علم کے مطابق قوانین کی منظوری نافذ کرتا رہے۔ مغربی ممالک میں معاملات ملکی کے انصرام میں رعایا کو جو اقتدار حاصل ہوا ہے وہ اس کی مسلسل کوشش کا نتیجہ ہے اور اس کوشش میں رعایا اور بادشاہ کی خواہشات میں ہمیشہ تصادم ہوتا رہا ہے۔ برخلاف اس کے جاپان میں رعایا کو بادشاہ کے خلاف کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑی بلکہ بادشاہ نے خود اپنے فریضے کی ادائیگی میں رعایا کو وسیع حقوق عطا کئے ہیں۔ جاپان میں رعایا چھوٹے چھوٹے نوابوں کے مظالم کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ ملک کی زمین اور رعایا کی جائدادوں میں اپنی مرضی سے تصرف کرتے تھے۔ بادشاہ نے ان مظالم کا انسداد کر کے رعایا کو حقوق واپس دلوائے۔ جاپان میں موروثی حکومت کا فلسفہ بجائے زحمت کے رحمت کا باعث ہو رہا ہے۔

برلاس

چند جاپانی نظمیں

ننھی تیلی

ننھی تیلی جب پھول پر بیٹھی، بھلی ہوتی ہے،
اس کے رنگین ابریشمی پر جلتے ہوتے ہیں!

بے موسم پھول

حیرت خیز؟
ہاں!
لیکن دل لبھانے والے وہ پھول،
جو بے موسم کھلتے ہیں!

پھل کڑوا ہوگا یا میٹھا؟
چکھنے پر معلوم ہو جائیگا!

یہ دُنیا

یہ دُنیا شبنم کے قطرے جیسی ہے!
بالکل شبنم کے قطرے جیسی!
پھر بھی — کوئی ہرج نہیں

حقیقت

مجھے یقین ہے،
کہ حقیقت کبھی بھی،
حقیقت نہیں ہے!
پھر کیسے اعتبار آئے۔
کہ خواب بھی خواب ہیں؟!
(کیمونوسے)

تمنائی

"تاثرات کی ایک جھلک"

اُنیسویں صدی ختم ہو رہی تھی، جاپان نے ڈھائی سو برس کی خلوت گزینی کے بعد اپنے گھر کا دروازہ غیر ملکی تجارت و تعلقات کے لئے کھولا تھا۔ یورپ و امریکہ کی دولِ عظام ملک گیری اور نوآبادیات کی ہوس پوری کرنے کے لئے جاپان کے گرد جال بچھا رہی تھیں۔ اُن کے نزدیک جاپان کا شکار اور اُس کی باہمی تقسیم کرنے کے لئے صرف وقت گذرنے کی دیر تھی۔ اِدھر جاپان اپنی کمزوریوں کو سمجھتا تھا اور اُن کو دور کرنے میں اور اُن سیاسی و تجارتی چالوں کو سیکھنے میں ہمہ تن مصروف تھا، جن کی بدولت یورپین اقوام کمزور قوموں پر اپنا زور دکھاتی تھیں۔ اِس مجرب نسخہ کو سیکھنے کے لئے جاپان نے اپنے نامہربان اُستادوں کے ہاتھوں سے ہر قسم کی سختیاں سہیں اور ناانصافیاں برداشت کیں۔

جاپان کی ملی تاریخ میں اس دور کا مطالعہ بے حد دلچسپ اور بصیرت افروز ہے مشہور انگریز ادیب مسٹر لیفکیڈیو ہرن نے اپنے مضمون "تاثرات کی ایک جھلک" میں اسی دور پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم اس مضمون کا آزاد ترجمہ قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ مسٹر لیفکیڈیو ہرن بحیثیت پروفیسر زبانِ انگریزی جاپان پہنچے اور اس ملک کی معاشرت فلسفہ و حکمت، مذہب، زبان، شاعری اور مصوری کا ایسی غائر نظر سے مطالعہ کیا کہ آج وہ اس موضوع پر بہترین نقاد سمجھے جاتے ہیں۔ جاپان کی کچھ ایسی ادا ان کو بھائی کہ انگریزی وطنیت ترک کر کے انھوں نے جاپانی وطنیت اختیار کر لی اور بقیہ عمر وہیں بسر کی۔

ایک آزاد بندرگاہ میں غیر ملکی نوآبادی اپنے مشرقی ماحول سے صاف طور پر ممیز نظر آتی ہے۔ اُس کی سڑکوں پر جو کریہہ مناظر دکھائی دیتے ہیں وہ اس مشرقی دُنیا سے ہم آہنگ نہیں معلوم ہوتے۔ گویا مغربی دُنیا کے چند ٹکڑے جادو کے زور سے سمندر پار لاکر رکھدیئے ہیں۔ ان کو لورپول، مارسیلیز، نیویارک اور نیو آرلینز کے اجزاء کہنا مناسب ہوگا۔ یا اُن کو اُن مغربی نوآبادیات کا ایک ٹکڑا سمجھنا چاہیئے جو استوائی خطے میں ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔

یہاں کی تجارتی کوٹھیاں جو چھوٹی چھوٹی جاپانی دُکانوں کے سامنے دیو پیکر معلوم ہوتی ہیں گویا زبانِ حال سے اپنی دولت کی طاقت سے ڈرا رہی ہیں۔ ہزاروں قسم کے بود و باش کے مکانات بنے ہوئے ہیں جن میں سے بعض ہندوستانی بنگلوں جیسے ہیں اور بعض انگلستان اور امریکہ کے زمینداروں کے مکانات سے مُشابہ ہیں۔ ان شہروں کی سفید سڑکیں ٹھوس اور میز جیسی ہموار ہوتی ہیں۔ اور ان کے دونوں طرف درخت بھی لگے ہوئے ہیں۔

تقریبًا ہر چیز جس کا انگلستان یا امریکہ میں رواج ہو، یہاں پائی جاتی ہے۔ گرجا کے کلس، فیکٹریوں کی چمنیاں، تار کے کھمبے، بازاروں کے برقی قمقمے ہر طرف نظر آتے ہیں۔ بیرونجات سے درآمد کردہ اینٹوں اور آہنی دروازوں سے بنے ہوئے تجارتی گودام، دوکانوں کے آگے قد آدم موٹے موٹے شیشوں کے دروازوں والی کھڑکیاں، پیدل چلنے والوں کے لئے پٹڑیاں اور آہنی جنگلے جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔ روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات بھی ہیں اور کلب، ریڈنگ روم، بلیرڈ ہال، شراب کی دوکانیں، مدرسے اور گرجے بھی موجود ہیں۔ برقی طاقت مہیّا کرنے والی اور ٹیلیفون کی کمپنیاں بھی ہیں۔

ہسپتال، عدالتیں، قید خانے، اور غیر ملکی پولیس بھی ہے۔ غیر ملکی وکیل، ڈاکٹر، دوا فروش غیر ملکی پنساری۔ حلوائی، نانبائی، دودھ مکھن پنیر بیچنے والے غیر ملکی درزی اور بزاز، غیر ملکی اسکول ماسٹر اور موسیقی سکھانے والے بھی ہیں۔ ایک ٹاؤن ہال بھی ہے جہاں میونسپلٹی کا کاروبار ہوتا ہے۔ اور مجالس عامّہ منعقد ہوتی ہیں۔ غیر پیشہ ور لوگ شوقیہ ڈرامے کھیلتے ہیں۔ لکچر ہوتے ہیں، ناچ گانے کے جلسے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی تھیٹریکل کمپنی دُنیا کا سفر کرتی ہوئی یہاں آتی ہے اور اپنا کھیل دکھا کر مردوں کو ہنساتی اور عورتوں کو رُلاتی ہے۔ جیسا کہ وطن میں دستور ہے۔ یہاں کرکٹ کے میدان، گھڑ دوڑ کے میدان، پبلک پارک، کشتی رانی کی انجمنیں، ورزش کی سوسائٹیاں، اور تیرنے کے حوض بھی ہیں۔ گوش آشنا آوازوں میں پیانو پر مشق کرنے کی جھنکار اور بینڈ کا شور و غل بہت عام ہیں۔ آبادی میں انگریزی۔ امریکن فرانسیسی، جرمنی، روسی، اہل ڈنمارک سویڈن اور سوئٹزرلینڈ شامل ہیں۔ اور کچھ تھوڑے سے اطالوی بھی ہیں۔ اور سچئے میں چینیوں کو تو بھول ہی گیا جن کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ یہ لوگ اسی نو آبادی کے ایک گوشے میں علیحدہ رہتے ہیں مگر سب سے زیادہ تعداد انگریزوں اور امریکہ کے لوگوں کی ہے۔ اور ان میں بھی انگریزوں کو اکثریت حاصل ہے۔ ان متقدر اقوام کے تمام عیوب اور بعض خوبیاں یورپ اور امریکہ کی بہ نسبت یہاں زیادہ صاف روشنی میں مشاہدہ کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ اس محدود سوسائٹی میں ہر شخص ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتا ہے۔ نامعلوم مشرقِ بعید کے اس بحرِ بیکراں میں مغربی زندگی کی مثال ایک جزیرے کی سی ہے۔ یہاں بہت سے مکروہ واقعات بھی سُننے جاتے ہیں جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور شرافت و فیاضی کے واقعات بھی سُننے میں آتے ہیں۔ ایسے لوگ نیکی اور بہادری کے کارنامے دکھاتے ہیں جو بظاہر خود غرض معلوم ہوتے ہیں اور اپنی نیکیوں کو عوام کی نظر سے بچانے کے لئے رسمی آداب کا نقاب اپنے چہروں پر ڈالے رکھتے ہیں۔ غیر ملکی آبادی کا حلقہ اس قدر تنگ ہے کہ ایک آدمی اُس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بآسانی پیدل جاسکتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر میں ابھی کرونگا۔ یہ حلقہ تنگ ہوتے ہوتے ایک دن معدوم ہوجائیگا۔

ایک نو آبادی کے گرد دیسی آبادی یعنی خالص جاپانی شہر نامعلوم حد تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک عام آباد کار کے لئے یہ دیسی بستی ایک پُر اسرار دُنیا ہے۔ ممکن ہے دس برس تک نو آبادی میں رہنے کے بعد بھی اس راز کو معلوم کرنے کا خیال اُس کے دل میں پیدا نہ ہو۔ اُس کو اس چیز سے قطعی دلچسپی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دیسی رسم و رواج کا محقق تو نہیں ہے وہ بیچارا محض ایک تاجر ہے۔ اُسے اتنی فرصت کہاں کہ وہ ان عجیب و غریب رسوم پر غور و فکر کرے۔ اُس کے لئے تو نو آبادی کی حدود سے گذر کر دیسی بستی میں داخل ہونا بحر الکاہل کو عبور کرنے سے زیادہ دشوار ہے۔ بے شک بحر الکاہل اتنا عریض ہرگز نہیں جتنی نسلوں کے اختلاف کی خلیج۔ جاپانی گلیوں کی تنگ تنگ اور پیچیدہ بھول بھلیاں میں اگر تم داخل ہو تو کتے بھونکتے ہیں اور بچے گھور گھور کر اس طرح تمہیں دیکھتے ہیں گویا اُنھوں نے تم سے پیشتر کسی فرنگی کو دیکھا ہی نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ "ای جن" "تو جن" یا "کیتو جن" کہہ کر تمہیں پکارنے لگیں (اس آخری لفظ کے معنی "بھورا بندر" ہیں)

(۲)

ایک عرصۂ دراز تک نو آبادیات کے سوداگر ہر معاملے میں اپنی ضد پر قائم رہے۔ اور دیسی بیوپاریوں کو تجارتی معاملات میں اس طرح مجبور کرتے رہے کہ مغربی تاجر تو ہرگز کاروبار کے ان طریقوں کو برداشت نہ کرتے اُن کی ہر حرکت سے بظاہر ہوتا تھا

کہ مغربی لوگ جاپانیوں کی بددیانتی پر یقین واثق رکھتے ہیں۔

کوئی غیر ملکی تاجر اُس وقت تک جاپانیوں سے مال نہ خریدتا تھا جب تک وہ مال کافی عرصہ تک خریدار کے پاس نہ رہتا اور بار بار جانچ پرتال کرکے وہ اپنا پورا اطمینان نہ کرلیتا تھا مگر جب کسی جاپانی تاجر کو باہر سے مال منگانا ہوتا تو اُس وقت تک اُسکی فرمائش منظور نہ کی جاتی تھی جب تک کہ فرمائش کے ساتھ پیشگی رقم نہ دی جائے۔

جاپانی تاجر اس غیر منصفانہ رویہ کی شکایت کرتے تھے مگر کون سُنتا تھا اور وہ خود اپنی بےبسی محسوس کرتے تھے۔ اور یہ سختیاں برداشت کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ وہ موقعہ کے منتظر تھے اور صرف غالب ہونے کی اُمید پر مغلوبیت کی تلخکامیاں چکھتے تھے۔

اِس غیر ملکی شہر کی تیز رفتار ترقی اور اُس بے شمار سرمائے نے جو یہاں کی تجارت پر لگایا گیا تھا جاپانیوں پر ثابت کردیا تھا کہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہونے کے لئے اُن کو ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ وہ غیر ملکیوں کے ساتھ تجارت کرتے تھے یا اُن کی ملازمت اختیار کرتے تھے مگر دل میں اُن سے سخت متنفر تھے۔ جاپان قدیم میں سوداگر کا درجہ عام کسان سے بھی کمتر سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہ غیر ملکی تاجر جنہوں نے جاپان پر ہلہ بول دیا تھا شہزادوں کی سی ہوا باندھتے اور فاتحانہ انداز اختیار کرتے تھے، اپنے نوکروں سے بالعموم سختی کے ساتھ پیش آتے تھے اور بعض اوقات اُن سے وحشیانہ سلوک کرتے تھے مگر دولت کمانے میں ان لوگوں کی عقلمندی تعجب خیز تھی۔ وہ شاہانہ زندگی بسر کرتے اور اپنے نوکروں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتے تھے۔

مناسب معلوم ہوتا تھا کہ نوجوان اُن کی ملازمت اختیار کریں اور سختیاں برداشت کرکے وہ اسباق سیکھیں جو اپنے ملک کو غلامی سے بچانے کے لئے ضروری تھے۔ ایک دن جاپان کے پاس خود اپنا تجارتی بحری بیڑہ ہوگا۔ غیر ملکی بینکوں کی ایجنسیاں ہونگی۔ غیر ممالک سے اُس کا کاروبار ہوگا اور پھر اُن مغرور اجنبیوں سے اس کو نجات حاصل ہوگی۔ مگر اُس وقت تک اُن کی سختیاں برداشت کرنی پڑینگی۔

جاپان کی تجارت درآمد و برآمد انہی غیر ملکیوں کے ہاتھ میں رہی اور رفتہ رفتہ کروڑوں روپے تک پہنچی، جاپان کا خوب خون چوسا گیا۔ مگر جاپان سمجھتا تھا کہ وہ ایک مفید سبق حاصل کرنے کی قیمت ادا کر رہا ہے اُس کے استقلال کو دیکھ کر بیرونی دُنیا کو یہ دھوکا ہوتا تھا کہ جاپان میں احساس ہی باقی نہیں رہا۔ بالآخر اُس کی نجات کا وقت آ ہی پہنچا۔

جب غیر ملکی لوگ جوق در جوق قسمت آزمائی کے لئے آنے شروع ہوئے تو اُن میں باہم مقابلہ ہونے لگا اور نئی تجارتی کمپنیوں نے گاہک بنانے کے لئے پُرانے طریقوں میں نرمی شروع کی اور پُرانی کمپنیوں کے لئے بھی پیشگی رقم وصول کرنا ناممکن ہوگیا۔ جاپانیوں اور غیر ملکیوں کے تعلقات بہتر ہوگئے۔ کیونکہ اب جاپانی ذراسی بدسلوکی کے جواب میں نہایت خوفناک طریقہ پر متحد ہوجاتے تھے۔ ریوالور دکھا کر ڈرائے نہیں جاسکتے تھے۔ کسی قسم کی توہین برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور امن شکن بدمعاش کو چند منٹ میں ٹھکانے لگاتے تھے۔

نوآبادیات کے قیام سے بیس برس کے اندر اندر غیر ملکیوں نے جن کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ میں تمام ملک پر اُن کا قبضہ

ہوجائیگا۔ سمجھ لیا کہ اُن کا اندازہ غلط تھا۔ جاپانی بڑے ذہین شاگرد ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے ان نوآبادیات میں چھوٹی چھوٹی دوکانیں قایم کرلیں اور اس جاپانی مقابلے کی تاب نہ لاکر بہت سے غیر ملکی خوردہ فروشوں کو اپنا کاروبار بند کرنا پڑا۔ بڑی کمپنیوں کے لئے بھی آسانی سے دولت کمانے کا دور ختم ہوا۔ اور مشکلات کا زمانہ شروع ہوا۔ ابتدائی زمانہ میں غیر ملکی باشندوں کی تمام ضروریات کو غیر ملکی خوردہ فروش ہی پورا کرتے تھے۔ اس لئے بڑے دوکانداروں کی سرپرستی میں خوردہ فروشی کی تجارت نے خوب فروغ پایا تھا۔ مگر اب اس تجارت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کی بعض شاخیں رفتہ رفتہ کم ہوتی گئیں۔ اور بالآخر بالکل معدوم ہوگئیں۔ آج[1] ایک کفایت شعار غیر ملکی کلرک نوآبادی کے غیر ملکی ہوٹل میں رہنے کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ ایک جاپانی باورچی بہت معمولی تنخواہ پر نوکر رکھ سکتا ہو یا کسی جاپانی کھانے کی دوکان سے اپنا کھانا پانچ چھ پیسے فی پلیٹ کے حساب سے منگا سکتا ہو۔ وہ جاپانی گھر کرایہ پرلے کر رہتا ہو جو نیم جاپانی اور نیم مغربی طریقہ پر بنا ہوا ہے۔ اُس کے کمرے میں دری جاپان کی بنی ہوئی ہے۔ اُس کی میز کرسیاں ایک جاپانی کارخانے کی ساختہ ہیں، اُس کے سوٹ، قمیص، جوتے، چھتری، صابون، سگار سب جاپان کے بنے ہوئے ہیں، کتابیں ایک جاپانی کُتب فروش کی دوکان پر غیر ملکی کُتب فروش کی دوکانوں سے کہیں سستی مل سکتی ہیں اور جاپانی کُتب فروش کا ذخیرہ بھی وسیع ہوتا ہو۔ تصویر کھچوانا چاہے تو وہ جاپانی فوٹوگرافر کی دوکان پر جاتا ہے۔ کیونکہ یورپین فوٹوگرافر جاپان میں ہرگز کاروبار نہیں کرسکتا۔

اگر وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ جاپان میں رہتا ہو تو اُس کی روزانہ ضروریات کو جاپانی قصائی۔ مچھلی والے۔ دودھ والے۔ سبزی فروش پورا کرینگے۔ غرض یہ کہ صرف وہ چیزیں بدیشی دوکانوں پر ملتی ہیں جن کو خریدنے کی اُس میں استطاعت ہی نہیں۔ حتیٰ کہ اگر وہ یا اس کے خاندان کا کوئی فرد بیمار ہوجائے تو اُس کو جاپانی ڈاکٹر ہی کے پاس جانا پڑیگا۔ غیر ملکی ڈاکٹروں کے لئے اب جاپان میں روزی کمانا سخت دشوار ہوگیا ہو۔ اگر وہ کم کرئے اپنی فیس ایک ڈالر بھی کرئے تو جاپانی ڈاکٹر دو ڈالر لے کر بھی اُس کا مقابلہ بآسانی کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ ادویات خود اپنے پاس سے دیتا ہو۔

غیر ملکی خوردہ فروشی کا خاتمہ ہوگیا، مگر ایک عرصہ تک لوگوں کا خیال تھا کہ بڑی بڑی کمپنیاں جو درآمد و برآمد کی تجارت کی اجارہ دار ہیں ناقابلِ تسخیر ہیں اور جاپانیوں میں نہ غیر ملکی سرمایہ داری کے مقابلے کی تاب ہے۔ اور نہ اُن میں اس تجارت کے اصول سمجھنے کی صلاحیت ہو، اور جب تک تھوک فروشی اُنکے قبضہ میں ہو۔ خوردہ فروشی کی کوئی حقیقت نہیں۔

(۳)

اس انقلابی دور میں مشرقی اور مغربی لوگوں میں باہمی منافرت برابر بڑھتی رہی۔ آزاد بندرگاہوں میں شائع ہونیوالے نودس، انگریزی اخبارات میں سے اکثر برابر اس منافرت کے ایک رُخ کو تضحیک یا تذلیل کے پیرایہ میں ظاہر کرتے رہتے ہیں اور طاقتور دیسی اخبارات بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں۔ جاپانیوں کے مخالف اخبارات غیر ملکی سرمایہ داری کے علمبردار ہیں۔ اور جاپانیوں کے موافق چند انگریزی اخبار جو نہایت قابل مدیروں کی نگرانی میں نکلتے ہیں اُس منافرت کی رَو کو روک نہیں سکتے۔ کیونکہ اوّل الذکر کی بدزبانیاں ہمیشہ اُس کو تازہ رکھتی ہیں، آخر غیر ملکیوں کے خلاف ایک طاقتور جماعت پیدا ہوگئی،

[1] یعنی اُنیسویں صدی کے آخری پانچ سال میں۔

جس نے نسلی سوال کو جاپانی سیاسیات میں داخل کر دیا۔ اور قومی غیظ و غضب اس درجہ ترقی کر گیا کہ اگر حکومت نہایت مضبوطی کے ساتھ اُس کو قابو میں نہ رکھتی تو یقیناً ازحد افسوسناک حالات پیش آجاتے۔ مگر ناعاقبت اندیش غیر ملکی ایڈیٹر برابر منافرت کی آگ پر تیل چھڑکتے رہے اور جب چین و جاپان میں جنگ شروع ہوئی تو ان لوگوں نے کھلم کھلا چینیوں کی حمایت کرنی شروع کر دی۔ کبھی جاپانیوں کی خیالی شکست کی رپورٹ چھاپتے کبھی جاپانیوں کی شاندار فتح کو ہتک آمیز الفاظ میں بیان کرتے۔ اور جاپانیوں کو جب جنگ میں بالآخر کامیابی ہو چکی تو ان اخبارات نے غل مچایا کہ دولِ عظام نے ڈھیل چھوڑ کر جاپانیوں کو خطرناک بنا رکھا ہے۔ اور روس نے مداخلت کی تو انھوں نے واہ واہ کا غلغلہ بلند کیا اور خود انگریزوں نے انگریزی حکومت کو اس بات پر بڑی لعن طعن کی کہ اُس نے جاپانیوں سے مصالحت اور اتحاد کر لیا۔ ایسی باتوں کا اُس قوم پر جو کبھی کسی بدسلوکی کو معاف ہی نہیں کرتی یہ اثر ہوا کہ اُس کے دل میں ایک کینے کی جڑ قائم ہو گئی۔ اِدھر غیر ملکی خوفزدہ ہو رہے تھے کہ نئے معاہدات پر جو دستخط ہوئے ہیں جن کے ذریعہ سے تمام غیر ملکی آبادکار جاپانی عدالتوں کے ماتحت آ گئے ہیں دستخط ہونے کا اثر یہ ہوگا کہ جاپانی قوم اِس نئے ہتھیار سے کام لے کر غیر ملکیوں کو نقصان پہنچائے گی۔ اور واقعی یہ خطرہ کہیں کہیں تشدد اور اکثر جگہ غیر ملکیوں کی تذلیل کی شکل میں ظاہر ہونے لگا۔ مگر حکومت نے سخت اعلانات اس کے خلاف جاری کئے۔ اور یہ حرکتیں فی الفور بند کی گئیں۔ مگر ان کا حقیقی سبب انگلستان کا دوستانہ رویہ تھا۔ انگلستان ہی نے سب سے پہلے تجدید معاہدہ کیا۔ حالانکہ خود اُس کے آبادکار اور تاجر سخت مخالف تھے۔ جاپان نے اس مہربانی کو نظرِ استحسان سے دیکھا ورنہ آبادکاروں اور جاپانیوں کی باہمی منافرت ضرور رنگ لاتی۔

ابتداً یہ مخاصمت نسلی تھی اس لئے فطری بھی تھی۔ اور غیر واجبی تشدد یا تعصب و تنفر جو بعد میں ترقی پذیر ہوا وہ بڑھتے ہوئے تصادمِ حقوق کا لازمی نتیجہ تھا۔ حالات کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے ہر ہوشمند غیر ملکی یہ سمجھ سکتا تھا کہ مخالفت کم ہونے والی نہ تھی۔ نسلی جذبات کی مغائرت اور زبان، معاشرت اور عقائد کا اختلاف صدیوں تک دور ہونے والا نہ تھا اگرچہ کسی خاص باہمی مفاد کی بناء پر افراد میں ربطِ محبت کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر عام طور پر نہ غیر ملکی جاپانیوں کو سمجھتے ہیں اور نہ جاپانی غیر ملکیوں کو۔ علاوہ اس غلط فہمی کے ایک اور مشکل یہ ہے کہ غیر ملکیوں کی حیثیت حملہ آور کی سی ہے۔ معمولی حالات میں ایک غیر ملکی کو ہرگز یہ اُمید نہیں رکھنی چاہیئے کہ اُس کے ساتھ جاپانیوں جیسا سلوک کیا جائیگا اس لئے نہیں کہ اُس کے پاس دولت زیادہ ہو بلکہ صرف اس لئے کہ وہ جاپانی نہیں ہے۔ اُن دوکانوں کا تو ذکر نہیں جن کے خریدار زیادہ تر غیر ملکی ہی ہیں باقی ہر جگہ جاپانیوں کے لئے قیمت اور ہوتی ہے اور غیر ملکیوں کے لئے اور۔ کسی جاپانی تھیٹر میں یا کسی تماشا گاہ یا کسی جاپانی سرائے میں جایئے آپ کو غیر ملکی ہونے کا ٹیکس ادا کرنا پڑیگا۔ جاپانی کاریگر، مزدور، کلرک آپ کے لئے ہرگز اُس شرح پر کام نہیں کرینگے جس شرح پر وہ جاپانیوں کا کام کرتے ہیں۔ اگر کوئی اور مقصد پیشِ نظر ہو۔ تو یہ دوسری بات ہے۔ جاپانی ہوٹل کے مالک غیر ملکیوں سے زیادہ کرایہ لیتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ غیر ملکیوں سے اِس لئے کرایہ زیادہ لیا جاتا ہے کہ وہ ہمیں زیادہ پریشان کرتے ہیں اور جس کمرے میں سات آٹھ جاپانی ٹھیر سکتے ہیں ایک غیر ملکی ایسا پورا کمرہ گھیر لیتا ہے اس لئے اکثر جاپانی سرائے والے غیر ملکیوں کو اپنی سرائے میں ٹھیرانا پسند بھی نہیں کرتے۔

زمانۂ قدیم سے جاپان میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ کھانا تو صحیح خرچ پر مہیا کیا جاتا ہے۔ کمرے کا کرایہ اور نوکروں کی خدمت کا معاوضہ مسافر کی حیثیت اور خود اُس کے انصاف پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مغربی لوگ اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اور اگر یہ معاملہ خود اُن کے انصاف پر چھوڑا جائے تو وہ کم سے کم ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنی حیثیت کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ مغربی لوگوں کے نزدیک کاروباری معاملات یوں ہی طے پاتے ہیں۔

غیر ملکی کو نہ صرف زیادہ اُجرتیں ہی ادا کرنی پڑتی ہیں بلکہ مکانوں کے کرائے بھی زیادہ دینے پڑتے ہیں۔ گھروں میں کام کرنے کے لئے نوکر بھی زیادہ تنخواہ لیتے ہیں اور پھر بھی خوش نہیں ہوتے۔ بہت جلد نوکری چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ جو تعلیم یافتہ جاپانی ظاہری خوشدلی سے کام کرتے رہتے ہیں اُن کا مقصد محض اُجرت حاصل کرنا نہیں بلکہ کام سیکھ کر اپنی قوم کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ وہ اپنے وطنی بھائی کی خدمت دن میں پندرہ گھنٹے کرنا پسند کرتے ہیں مگر غیر ملکی کے لئے آٹھ گھنٹے کام کرنا بھی اُنکو ناگوار ہوتا ہے۔

(۴)

بھلا یہ کیونکر یقین کیا جاسکتا تھا کہ ایک قوم جس کی تعداد چار کروڑ انسانوں پر مشتمل ہو اور جس نے اپنی تمام قوتوں کو مکمل قومی آزادی حاصل کرنے کے لئے متحد کرلیا ہو ایسی قوم اپنے ملک کی تجارت درآمد و برآمد کا انتظام غیروں کے ہاتھ میں چھوڑ دیگی۔ جاپان میں غیر ملکی نوآبادیات کا وجود ہی قومی خودداری کو ٹھیس لگانے کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ جاپانی اس کو اپنی قومی کمزوری کا مظہر خیال کرتے تھے۔ اس احساس کا اظہار اخبارات میں عام جلسوں میں اور پارلیمنٹ کی تقریروں میں بارہا کیا جاچکا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی وثوق کے ساتھ کہا جاتا تھا کہ اگر جاپانی تجارت درآمد و برآمد میں غیر ملکی وساطت سے دستبردار ہونے کی کوشش کرینگے تو خود نقصان اُٹھائیں گے۔ نئے معاہدہ جات کی رُو سے غیر ملکی تاجر جاپانی عدالتوں کے ماتحت آجانے پر سخت پریشان تھے۔ مگر یہ بات اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ آتی تھی کہ اُن کے تجارتی سرمایہ پر کوئی حملہ ممکن ہے۔ وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے کہ جاپانی بحری کمپنی نیپان یوزن کیشا جنگ کے دوران میں دُنیا کی سب سے بڑی تجارتی کمپنیوں میں شمار ہونے لگی تھی، جاپان چین و ہندوستان سے براہِ راست تجارت کررہا تھا۔ اور جاپانی بینکوں کی ایجنسیاں تمام دُنیا کے بڑے بڑے مرکزوں میں قائم کی جارہی تھیں۔ جاپانی اپنے لڑکوں کو تجارتی اصولوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ و انگلستان بھیج رہے تھے۔ جاپانی بیرسٹروں کو غیر ملکی تاجروں کے مقدمے خوب مل رہے تھے۔ حکومت کی ملازمت میں جس قدر انجنیر اور جہاز بنانے والے تھے سب ملازمت سے برطرف ہو چکے تھے اور اُن کی جگہ جاپانیوں نے لے لی تھی۔ مگر اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جاسکتا تھا کہ یورپ امریکہ سے تجارت برآمد و درآمد غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ میں نہ رہے گی۔ کیونکہ اس تجارت کے لئے جس قدر سرمائے کی ضرورت تھی نہ اتنا سرمایہ جاپانی مہیا کرسکتے تھے نہ اُن کو تمام دُنیا کے تجارتی حالات سے باخبری ہوسکتی تھی جس کے بغیر جاپانیوں کے لئے براہِ راست غیر ممالک سے تجارت کرنا ناممکن تھا۔ یہ دھوکے کی ٹٹی بھی جولائی ۱۸۹۵ء میں گر پڑی اور حقیقت آشکار ہوگئی۔

ایک انگریزی کمپنی نے ایک جاپانی کمپنی کے خلاف ایک جاپانی عدالت میں دعویٰ کیا کہ اُس نے تجارتی مال منگوا کر لینے سے انکار کردیا ہے۔ لہٰذا ہرجانہ و نقصان دلایا جائے۔ مقدمہ انگریزی کمپنی کی موافقت میں فیصل ہوا اور تین ہزار ڈالر کی ڈگری ہوگئی۔ مگر کامیاب تاجر ابھی خوش ہی ہورہے تھے کہ ایک جاپانی تجارتی پنچایت نے جس میں تمام ملک کے تاجر متحد ہوگئے تھے برطانوی کمپنی کو

نوٹس دیا کہ ہرجانہ وصول کرنے کی بجائے اگر وہ مفاہمت پر راضی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ تمام تاجر متحدہ طور پر اُس کا بائیکاٹ کرینگے۔ انگریزی کمپنی کو خوب معلوم تھا کہ یہ بائیکاٹ اُسے تباہ کر دیگا اس لئے اُس نے نقصان اُٹھا کر مفاہمت کرلی۔ اس ایک واقعہ نے آبادکاروں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ ملک میں غیرملکی نوآبادیاں ہوں مگر آئیندہ غیرملکی سرمایہ داری باقاعدہ اور منظم جاپانی تجارتی پنچایت کے رحم وکرم پر رہے گی۔

(۵)

موجودہ حالات پر متذکرہ بالا تبصرہ جاپان میں ایک اہم معاشرتی نظام کا ارتقا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ نئے معاہدات کے ماتحت ملک کی صنعت وحرفت میں جس تیزی کے ساتھ ترقی ہونے والی ہے اور سال بسال امریکہ اور یورپ کے ساتھ تجارت کی مقدار میں اضافہ ہونے والا ہے اُس کا اغلب نتیجہ یہ ہوگا کہ مغربی آبادکاروں کی تعداد بھی بڑھ جائیگی۔ اس عارضی نتیجہ سے اکثر لوگ مستقبل میں عام رُجحانات کے متعلق غلط رائے قائم کرینگے۔ مگر ہوشمند تاجر اب بھی اس خیال کا اظہار کر رہے ہیں کہ بندرگاہوں کی ترقی دیسی تجارت کے فروغ کا باعث ہوگی جو بالآخر غیرملکی تاجروں کو مقابلہ میں ہرادے گی۔ مغربی آبادکار بحیثیت ایک جماعت کے غائب ہو جائیں گے۔ صرف ایسی بڑی بڑی ایجنسیاں باقی رہ جائیں گی جیسی متمدن دُنیا کی ہر بڑی بندرگاہ میں پائی جاتی ہیں۔ نوآبادی کے بازاروں میں اور اُن بیش قیمت کوٹھیوں میں جو مغربی تاجروں نے اپنے لئے بنائی تھیں جاپانی تاجر آباد ہونگے۔

(۶)

جاپان کا مستقبل کیسا ہوگا؟ موجودہ رُجحانات کی بنا پر کوئی شخص مستقبل کے متعلق پیشین گوئی نہیں کرسکتا۔ جنگ کے ہولناک امکانات کا ذکر کرنا یا کسی آنے والے اندرونی انقلاب کی طرف اشارہ بے سُود ہے۔ یہ یقینی ہے کہ تبدیلیاں ہونگی خواہ وہ مفید ہوں یا مُضر۔ یہ قوم زندہ رہے گی اور نئے حاصل کردہ علم کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے اور اُن سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لئے اس پر عمل اور ردّعمل کے بہت سے انقلابی دور گذر ینگے۔

میرا خیال ہے کہ آئیندہ صدی کے اختتام سے قبل جاپانی اپنی جسمانی نشوونما کے لحاظ سے بہ نسبت سابق بہت بہتر ہو جائیں گے۔ اِس خیال کی بنیاد تین وجوہ پر مبنی ہے۔ اوّلاً یہ کہ نوجوانان قوم کی فوجی اور ورزشی تربیت جس قدر باقاعدگی سے کی جارہی ہے اس کا نتیجہ اتنا ہی یقینی ہوگا جتنا کہ جرمنی کی حالت میں فوجی تنظیم نے رُونما کر دیا ہے۔ قد بلند ہو جائیں گے۔ چھاتیاں چوڑی ہو جائیں گی۔ اور نظامِ عصبی کی خوب نشوونما ہو گی۔ ثانیاً شہر کے جاپانیوں کو پیشتر سے بہتر غذا مل رہی ہے۔ ایسی خوراک جس میں غذائیت زیادہ ہو یقیناً نسلی نشوونما پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تیسرے تعلیم اور جبریہ فوجی خدمت کی وجہ سے شادیاں کافی عمر میں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے عمدہ نسلیں پیدا ہونگی۔

اخلاقی ترقی کی آئیندہ کچھ توقع نہیں معلوم ہوتی۔ قدیم جاپانی اصولِ اخلاق ایسے ہی شریفانہ تھے جیسے ہمارے ۔ اور اس دور میں ان پر عمل بھی ہوتا تھا۔ سرکاری کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں جھوٹ، بددیانتی، چوری، زناکاری وغیرہ جرائم زمانہ حال سے مقابلہ کرتے ہوئے بہت ہی کم تھے۔ جرائم کی تعداد برابر سال بسال بڑھ رہی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ کشمکش حیات پہلے سے زیادہ سخت ہوگئی ہے۔ عصمت شعاری کا قدیم معیار اگرچہ ہماری سوسائٹی کے معیار سے پست تر تھا مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ عملاً اُن کی عام اخلاقی حالت ہم سے بدتر ہوگی۔ کیونکہ جاپانی بیوی کی وفاشعاری ہر زمانے میں ضرب المثل رہی ہو نوجوانوں کی بدعنوانیاں روکنے کے لئے صغر سنی کی شادی کا رواج تھا۔ اور انصاف یہ ہو کہ اکثر حالات میں یہ بات حاصل ہوجاتی تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں جن میں سے اکثر روساء ملک کی جائے قیام تھے بازاری عورتوں کے بسنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر انصاف سے تمام امور پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوجاتا ہو کہ قدیم جاپان صنفی اخلاق کے لحاظ سے کسی طرح مغربی ممالک سے پست نہ تھا۔ آبادی میں اضافہ اور مقابلہ کی کشمکش ذہانت کو تیز کریگی مگر دل سخت ہوجائیں گے اور خودغرضی بڑھے گی۔

ذہانت کے لحاظ سے کافی ترقی ہوگی۔ مگر اس قدر تیزی کے ساتھ نہیں جیسی کہ اُن لوگوں کا خیال ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جاپان نے تمام تر ترقی گزشتہ تیس سال کے دوران میں کی ہے۔ سائنٹفک علوم خواہ بہت وسعت اور رواج پائیں مگر عام ذہانت کا معیار اس قدر جلد مغربی معیار تک نہیں پہنچ سکتا۔ کئی نسلوں تک عام اوسط قابلیت پست ہی رہیگی۔ افراد کی ایک کافی تعداد اس عام اصول سے مستثنیٰ ہو۔ اور بڑے بڑے قابل لوگ پیدا ہورہے ہیں۔ لیکن ایک قوم کے مستقبل کا انحصار افراد کی قابلیت پر نہیں بلکہ مجموعی قومی ذہانت کے معیار پر ہے۔

بالخصوص ریاضی کے معاملے میں ایک قومی کمزوری جاپانیوں میں پائی جاتی ہے اور اس کمزوری کو دور کرنے کی بڑی جدوجہد کی جارہی ہے۔ بعض لحاظ سے انحطاط کا بھی خوف ہو۔ چونکہ جاپان اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کررہا ہے۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ ایک بار اُس کو اس بلندی سے گرنا پڑیگا۔ اور یہ انحطاط نہ صرف فطری بلکہ ضروری ہوگا۔ کیونکہ اس کے بعد جاپان پھر ترقی کریگا اور اُس کی یہ ترقی زیادہ مضبوط بنیاد پر قائم ہوگی۔ حکومت کے بعض محکموں میں اس کے آثار نظر آتے ہیں۔ خصوصاً محکمہ تعلیم میں۔ طلبہ کو ایک ایسا نصابِ تعلیم تیار کرنے پر مجبور کرنا جو اوسط درجے کے مغربی طالب علم کی طاقت سے باہر ہے۔ تمام ملک کے لئے انگریزی زبان کی تعلیم لازمی قرار دینا، اور اُس کو ملک میں عام طور پر رواج دینے کی کوشش کرنا، تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے لوگوں کے خیالات اور جذبات میں تبدیلی پیدا کرنے کا خیال، یہ تمام اُن محالات کی مثالیں ہیں جن کے حصول کی جاپان نے کوشش کی ہو۔ مگر جاپان کو چاہیئے کہ بجائے دوسروں کا دماغ مستعار لینے کے اپنے دماغ کی تربیت و نشوونما کرے۔

آئندہ جاپان میں انگریزی زبان اسی طرح سکھائی جائیگی جس طرح انگریزوں کو جرمنی زبان سکھائی جاتی ہے۔ انگریزی زبان کی عام تعلیم اگرچہ بعض لحاظ سے نقصان دہ یا فضول ثابت ہوئی لیکن اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ انگریزی زبان کے بہت سے لفظ مثلاً علمی اصطلاحات یا مغربی ایجادات کے نام وغیرہ جاپانی زبان میں جذب ہوگئے اور اُس کو زیادہ وسیع بنادیا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہیگا۔ اس کے علاوہ جملہ میں ترتیب الفاظ پر بھی مغربی زبانوں کا اثر پڑا ہو۔

غالباً جاپانی بیسویں صدی میں اپنے مغربی اُستادوں کو زیادہ محبت آمیز نظر سے دیکھیں گے۔ مغرب اُنکے دلوں میں وہ عزت کی جگہ کبھی نہ حاصل کرسکے گا جو عہد سیمی سے بیشتر چین کو حاصل تھی۔ کیونکہ چینی علوم جاپان نے اپنی مرضی سے حاصل کئے تھے اور مغربی علوم حاصل کرنے پر اُن کو مجبور کیا گیا تھا۔ ہمارے دوران قیام کے آثار کو وہ ریشم کے سات غلافوں میں لپیٹ کر سفید صندوقچیوں میں محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ مغرب نے جاپان کو جمالیات کا سبق نہیں سکھایا جس سے اُسکے جذبات پر اثر ڈالا جاسکتا۔

محمد بدرالاسلام فضلی

جاپانی شاعری کی روح

زندگی میں شعریت پیدا کرنا یہ ہے اصل شاعری، اور شعر لکھنا اور اُن کو شائع کرنا یہ بعد کی باتیں ہیں۔ جاپان کی جس صنفِ شاعری کا مجھے یہاں ذکر کرنا ہے اُس کی نظموں کی تعداد، اگر انہیں نظمیں کہا جا سکے، گذشتہ تین سو سال میں دو اڑھائی سو سے شاید ہی متجاوز ہوئی ہو۔ لیکن میں اس شاعری کو جاپانی شاعری کی روح کہتا ہوں۔ جاپان کو ایجاز و اختصار سے خاص انس ہے۔ وہاں معمولی گملوں میں آپ کو ایسے ایسے درخت ملیں گے جنہوں نے صدیوں کا امتداد دیکھا ہے۔ اس جاپانی شاعری کی بھی یہی مثال سمجھیے۔ زندگی کے بڑے بڑے ہنگاموں اور اس کی بے پناہ وسعتوں کے عکس اس کے ننھے ننھے آئینوں میں نظر آتے ہیں۔

شاعری کی اس صنف کو جاپانی زبان میں ہاکو شاعری کہتے ہیں۔ ہاکو کے معنے ہیں ایک واحد شعر کو بیان کرنا! اور وہ بیان ایسا ہو جیسے جگنو کی وہ روشنی جو حقیقت کے اندھیرے میں جگمگا رہی ہو، یا صنعت کا ایک ایسا نمونہ جیسے خوشبو دار ہوا میں تارِ عنکبوت جو ایک لمحے کے لئے موسیقی کے اثر سے اہتزاز کرے۔ ہاکو نظمیں دُنیا بھر میں سب سے چھوٹی نظمیں ہیں۔ ان میں الفاظ کی بھرمار نہیں ہوتی۔ سترہ ارکان کے تین مصرعوں پر نظم ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن پڑھنے والے کے لئے ان کے بین السطور میں تخیل کا ایک دفتر پنہاں ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہاکو سے بڑھ کر کوئی شاعری جاپان میں مقبول نہ تھی! اور اب بھی جب کہ بیرونی آمیزش جاپان کے ادب اور دوسرے شعبوں پر اثر انداز ہو رہی ہے یہ صنف مقبول ہے۔ چنانچہ ہر بڑے شاعر کے کلام میں ہمیں اس صنف کی نظمیں ضرور نظر آتی ہیں، اور ان کے اختصار پر ہمیں اعتراض نہیں ہوتا بلکہ ان کے منتخب الفاظ کے اسرار سے ہم متاثر ہو جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سمندر کو عبور کرتی ہوئی ایک تُند باد کا جھونکا ہماری چھوٹی سی کھڑکی سے کمرے کے اندر آ گیا ہے۔

جاپان کی بہترین شاعری اُس زمانے کی پیداوار ہے جب اس کی اشاعت ایک نہایت ہی مشکل کام تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعری کی ترقی کا انحصار اس کی طباعت اور اشاعت پر نہیں بلکہ اُس روحانی کیفیت پر ہے جس کے پیدا کرنے کی کوشش قدیم شعرا کیا کرتے تھے۔ اُنہیں کسی منفعت کا خیال نہ ہوتا تھا۔

ہاکو شاعری کا سب سے بڑا اُستاد میرے خیال میں باشو ہے۔ جب ہم اُس کی زندگی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں اُس میں دُنیاوی شان و شوکت اور عیش و عشرت کا نام تک نظر نہیں آتا۔ اُس نے اپنی تمام عمر غربت میں گذار دی۔ لیکن اس کا اجر وہ سکون و اطمینان تھا جس نے اُس کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو بقائے دوام بخش دی۔ ایک سفر کے دوران میں اس کے شاگردوں نے رخصت کے وقت اسے تین ریو (سات آٹھ پونڈ کے برابر) نذرانے کے طور پر دینے چاہے۔ باشو نے اس خیال سے اُن کے لینے سے انکار کر دیا کہ کہیں اس کے دل میں چوری کا کھٹکا نہ پیدا ہو جائے اور اُس کے دل کے اطمینان میں خلل نہ واقع ہو۔

کاگا میں باشو کا ایک شاگرد ہوکوشی نامی رہتا تھا۔ بدقسمتی سے اُس کا مکان جل گیا۔ اس حادثہ سے متاثر ہو کر اُس نے ایک ہاکو نظم لکھی اور اپنے اُستاد کو بھیج دی۔ نظم یہ تھی:-

وہ جل گیا۔

پھولوں کے گرنے میں
کتنی تمکنت تھی!

خط کے جواب میں یاشو نے اظہارِ رنج کے بعد لکھا کہ "تمہاری نظم پڑھ کر ہم لوگ حیران رہ گئے۔ پُرانے زمانے میں ایک شاعر تھا جس نے ایک نظم کے لئے اپنی جان قربان کر دی تھی۔ میرا خیال ہو کہ ایک ایسی بے بہا نظم پا کر تم اپنے نقصان کے لئے دل کو زیادہ رنجیدہ نہ کرو گے"۔ یہ ہے حقیقی شاعری جس کا عمل زندگی میں جاری وساری ہو۔ جس وقت ہوکوشی کا مکان جل کر خاکستر ہو رہا تھا اُس وقت اُس کے دل کی تمکنت کو جس چیز نے قائم رکھا وہ شاعری ہی تھی۔ یہ نظمیں خیال یا جذبے کی روشنی کا ایک چمکارا ہوتی ہیں جو ایک لمحہ کے لئے زندگی یا فطرت کے چہرے پہ پڑتا ہے اور اپنی فراوانیٔ نور کے باعث ایک پل کی پل میں تمام حقیقت کی جھلک ہمیں دکھا جاتا ہے۔

ہاکو نظموں کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ حسین اجمال کی تفصیل اُسے حُسن سے معرا کر دیتی ہے۔ ہاکو نظم گھاس کی ایک پتی کے ساتھ لٹکتا ہوا شبنم کا وہ قطرہ ہے جو مختلف اطراف سے دیکھنے پر کبھی نیلی، کبھی سُرخ اور کبھی ارغوانی شعاعیں پیدا کرتا ہے۔ اگر اس قطرے کا تجزیہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے وہ سب رنگ غائب ہو جائیں گے۔ اور دیکھنے والے کے لئے اس کا حُسن بالکل ختم ہو جائیگا۔ ایک ہاکو نظم کا ترجمہ ایڈون آرنلڈ اور مس والش دواُدبا نے اپنے اپنے انداز میں انگریزی زبان میں کیا ہے۔ میں ان دونوں ترجموں کو یہاں اُردو میں پیش کرتا ہوں۔ پہلا یہ ہے:۔

صبح کی شوکت۔
اس کے نغمے اور بہار نے
ڈول کے دستے کو چھپا لیا
اُس کے نرم نرم ہاتھ کی گرفت کو
میں کھول نہیں سکتا۔
ڈول اور کنواں میں نے اُسی کے حوالے کر دیا ہے،
مجھے تھوڑا سا پانی دو، میں لُٹ گیا ہوں!

دوسرا ترجمہ اس سے کسی قدر مختصر ہے:۔

رسّی کے گرد صبح کی شوکت بیٹھی ہوئی ہے۔
اُس کے حُسن کے نفیس سحر کو میں کیونکر توڑ سکتا ہوں؟
میں اپنے ہمسائے کے کنوئیں سے پانی مانگ لوں گا!

لیکن اس نظم کے اصلی الفاظ کتنے ہیں؟ اور جاپانی کتنے الفاظ سے مطمئن ہو جاتا ہے؟ یہ بھی دیکھئے:۔

کنوئیں کے ڈول کو
صبح کی شوکت لے گئی۔
آہ، مجھے پانی مانگنا پڑے گا!

مانا کہ پہلی نظر میں یہ نظمیں قدیم انسان کی پریشاں خیالی معلوم ہوتی ہیں، جو تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باعث ہر اُس چیز کے گیت گانے لگتا ہے جو اُسے خوبصورت یا نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی تو خیال کیجئے کہ کون سا شاعر ہے جو حقیقی شعر کہے اور اس پر بھی اس کا دل قدامت سے پاک رہے۔ جاپانیوں کے نزدیک سچا شاعر وہی ہے جو قدیم ہے، اتنا قدیم جتنے قدیم چاند اور پھول ہیں کیونکہ جاپانی فطرت کو زندگی سے الگ نہیں سمجھتے، بلکہ انسان کو بھی فطرت کا ایک جزو سمجھتے ہیں۔

باشو نے بڑے لمبے لمبے سفر کئے۔ زندگی اور فطرت کے باہمی ربط و تعلق کا کامل احساس کرنے کے لئے اس نے مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک کا چپہ چپہ دیکھ مارا۔ اُس پر فطرت کا اتنا اثر تھا کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی وہ فطرت کو بھلا نہ سکا۔ اُس نے ایک نظم کہی ہے جو یہ ہے:-

سفر میں بیمار پڑا ہوں،
آہ میرے خواب۔
میدانوں کے کھنڈروں میں سرگرداں ہیں!

ایک اور شاعر بوسن کہتا ہے:-

آہستہ آہستہ گزرنے والے دن
جمع ہوتے ہوتے بہت ہو گئے۔
آہ ماضی کی منزل، بعید، دور!

اگرچہ شاعر کی یہ نظم محض ایامِ گزشتہ کی ایک یاد ہے، لیکن اس کی تنہائی خوبی یہ ہے کہ اس میں شاعر کے اپنے جذبات بھی نظر آ رہے ہیں۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ اس کے بین السطور میں شاعر نے اپنے انجام کی طرف بھی کچھ اشارہ کیا ہے۔

ہاکو شاعری ایسی شاعری ہے کہ کہنے والے کی طرح اس کا پڑھنے والا بھی اس کی تخلیق میں حصہ لیتا ہے۔ یہ ایک ساز ہے ساکن، خاموش۔ پڑھنے والا جب اسے پڑھتا ہے تو گویا اس ساز کو چھیڑتا ہے، اسے زندہ کر دیتا ہے۔ یہی صحیح معنی میں تخلیق ہے۔

باشو کی ایک نہایت مشہور نظم ہے:-

قدیم تالاب!
ایک مینڈک اُس میں کودا۔
سُنو، پانی کی آواز!

جو لوگ مینڈک کو ایک حقیر جانور سمجھتے ہیں شاید کہیں کہ یہ بھی شاعری کا کوئی موضوع ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ جاپانی شاعر نے اس حقیر سے موضوع کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ اس کے پڑھنے سے ایک جاپانی کے تصور میں فوراً ایک ایسے قدیم مندر کا تالاب آ جاتا ہے جس پر خزاں کی تنہائی چھائی ہوئی ہو، اور پھر اُس کی ہزاروں سال کی خاموشی ایک مینڈک کے کودنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔

اسی قسم کی بوسن کی ایک نظم سُنیئے:-

آہ کتنی ٹھنڈی ہے۔

گھنٹے کی آواز
جو گھنٹے کو بھی چھوڑ چھوڑ جاتی ہے!

اگرچہ شاعر یہ نہیں بتاتا کہ اُس نے گھنٹے کی آواز کب سُنی، لیکن محسوس ہو رہا ہو کہ یہ ایک صبح بہار کا گھنٹہ ہے جو منہ اندھیرے بج رہا ہے۔ ابھی ساری دُنیا محوِ خواب ہے اور ہر چیز پر سکوت چھایا ہوا ہے۔ ایسے میں اگر آپ نے کبھی گھنٹے کی آواز سُنی ہوگی تو چوٹ پڑنے کے بعد یقیناً آپ کو بھی یہ گھنٹے سے جُدا ہوتی ہوئی سُنائی دی ہوگی۔

اسی شاعر کی ایک اور نظم ہے:-

بہار کی رات۔
آہ! شام
اور صبح کے درمیان!

بہار کی شام اور بہار کی صبح کا تخیل تو غالباً ہر شاعری میں موجود ہے لیکن جاپانی شاعر کا حُسنِ نظر دیکھئے کہ اُس نے ایک ایسا موضوع انتخاب کیا جو بالکل اچھوتا ہے۔ بہار کی رات ـــــ شام اور صبح کا درمیانی وقفہ ـــــ کیا وہ اِن دونوں سے زیادہ خوبصورت نہ ہوگا؟

ایک اور مشہور شاعر کیکاکو کی نظم ہے:-

خزاں کا پورا چاند
دیکھنا، چیڑ کے سائے
چٹائیوں پر!

یہ نظم جاپانی مناظر اور جاپانی تمدن کا بہترین آئینہ ہے۔ اس میں شاعر نے فطرت اور اپنی گھریلو زندگی دونوں کی تصویر دکھا دی ہے۔ باہر خزاں کا روشن چاند ہے اور کمرے کے اندر شاعر کے گھر کی سادہ اور خالص جاپانی فضا۔ چاند کی روشنی درختوں میں سے چھن چھن کر اندر آتی ہے اور بصیرت کو روشن کرتی ہے۔

اِن چند مثالوں سے جو اوپر بیان ہوئیں میں نے مختصراً جاپان کی روح شاعری کو متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے لکھا جاپانی شاعری ایک ساز ہے جس کے لئے پڑھنے والے کے نغمہ آفریں مضراب کی ضرورت ہے۔ سخن فہم حضرات جتنا زیادہ اپنے تخیل سے کام لیں گے اتنا ہی زیادہ آرٹ اس شاعری میں پائیں گے۔

منصور احمد

توکیو اساہی

اخبار توکیو اساہی ۱۸۸۸ء میں جاری ہوا تھا۔ اپنی سینتالیس۴۷ سالہ زندگی میں اس نے رائے عامہ کی رہنمائی میں اور موجودہ جاپان کی سیاسی، تمدنی، اقتصادی، اور سماجی نشو ونما میں بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ اس عرصہ میں یہ صحیح خبروں کی اشاعت سے اور سنجیدہ و ترقی پذیر رائے کے اظہار سے پبلک میں مقبول ہوگیا ہے۔ فی الوقت یہ خبروں، تعداد اشاعت اور اشتہارات کے لحاظ سے جاپان کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ اس منزلِ ترقی پر پہنچنے میں اس نے نہ تو اعلیٰ ادارت کے معیار کو گرایا اور نہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خریدار اپنے ہاتھ سے کھوئے۔ زمانۂ حال میں اس نے اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کرلیا ہے کیونکہ پبلک کی تمدنی نشو ونما اور مخلوقِ خدا کی خدمت کو بھی اپنے مقاصد میں شامل کرلیا ہے۔ انہی وجوہ سے یہ سیاسی، اقتصادی، تمدنی اور سوشل معاملات میں بڑی قوت کا حامل ہے۔

اس اخبار کے پبلشر ادارتی مقالات اور اپنی پالیسی کو کامل آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ اسی بنا پر انہیں مالی آزادی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جاپان کے دوسرے بڑے اخبارات پر اور دیگر ممالک کے بڑے اخبارات پر بھی روپے والوں کے گروہوں نے یا پولیٹکل پارٹیوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ مگر توکیو اساہی غیروں کے سرمائے کا شرمندۂ احسان نہیں ہے کہ اس پر ان کی پالیسی اور سرگرمیوں کا اثر پڑ سکے۔ یہ اپنی مالی آزادی کی بنا پر اس قابل ہے کہ آزاد ادارتی پالیسی پر جما رہے اور پورے انہماک کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت کرتا رہے۔

ملک کی اندرونی کشمکشوں میں، غیروں سے جنگ میں اور بین الاقوامی پیچیدگیوں میں جب کبھی رائے عامہ کو رہنمائی کی ضرورت پڑی ہے تو اس نے بلاخوف و خطر اپنی رائے پیش کر کے مناسب راہ تجویز کی ہے اور سرکار کی پالیسی کی بھی سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔ دوسری جانب اس نے فریضۂ انسانی کو بھی فراموش نہیں کیا اور پبلک کی توجہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کی جانب منعطف کراتا رہا ہے۔

اس کی اشاعت صرف شہر توکیو اور مضافات تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ قومی پرچہ ہے اور تمام جاپان میں پڑھا جاتا ہے۔ جاپان کے باہر کوریا، فارموسا اور منچوکوؤ میں بھی جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ممالک متحدہ امریکہ اور دیگر غیر ممالک کے جاپانی بھی اسے پڑھتے ہیں۔ دائرۂ اشاعت وسیع ہونے کی وجہ سے اس کی قوت ہمہ گیر ہے۔ پڑھنے کے مواد کے ساتھ اس میں اشتہارات بھی بہت شائع ہوتے ہیں بلکہ اس کے برابر کسی دوسرے اخبار میں اشتہارات کا مواد شائع نہیں ہوتا۔

اخبار کے پبلشر

اس اخبار کو شائع کرنے والی کمپنی کا نام کابوشکی کیشا اساہی شمبون شا ہے۔ یہی کمپنی اوساکہ اساہی بھی شائع کرتی ہے جو شہر اوساکہ سے شائع ہوتا ہے۔ یہ جاپان کا صنعتی مرکز ہے۔ توکیو مشرق میں ہے اور اوساکہ مغرب میں۔ گویا یہ دونوں اخبار پورے جاپان پر حاوی ہیں۔

پہلے ۱۸۷۹ء میں مسٹر کمورا نے اوساکہ اساہی جاری کیا تھا۔ پھر دو سال بعد مسٹر مُرایاما اور مسٹر اُئینو مرحوم نے ساجھے کے تیس ہزار ین کے سرمائے سے ایک کمپنی بنائی اور اخبار خرید لیا۔ ۱۸۸۸ء میں ٹوکیو اساہی جاری کیا۔ سات سال تک دونوں اخبار ایک مجلس کی ماتحتی میں چلتے رہے۔ مگر انتظامات میں مشکلات پیدا ہونے لگیں۔ تو ۱۸۹۵ء میں دونوں اخباروں کی مجلسیں الگ الگ کر دی گئیں اور تیرہ سال تک یوں ہی چلتی رہیں۔ ۱۹۰۸ء میں چھ لاکھ ین کے سرمائے سے پھر دونوں اخباروں کی مجلسوں کو متحد کر کے ایک مجلس قائم کر دی گئی اور آج تک دونوں ایک ہی کمپنی کی ماتحتی میں چل رہے ہیں۔ اب تک سرمایہ صرف ان دو شخصوں کا تھا۔ مگر ۱۹۱۹ء میں پندرہ لاکھ ین کے سرمائے سے موجودہ کمپنی حصہ داری کے اصول پر قائم کی گئی اور ملازمین کمپنی کو بھی حصہ دار بننے کی اجازت دیدی گئی۔ مگر کوئی غیر آدمی حصے نہیں خرید سکتا۔ کمپنی کا سرمایہ وقتاً فوقتاً بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس وقت اس کا سرمایہ ساٹھ لاکھ ین ہو گیا ہے۔ آجکل دونوں اخبار ایک ہی کمپنی کے ماتحت نکلتے ہیں مگر دونوں کی انتظامی مجلسیں الگ الگ ہیں۔ کمپنی کے بڑے حصہ داروں میں مسٹر مُرایاما جو ابتدا سے اب تک ڈائرکٹر ہیں اور مسٹر اُئینو کا خاندان ہے۔

اس کمپنی کا خاص مقصد ان دو اخباروں کا نکالنا ہے۔ مگر عام تمدن کی ترقی اور سوشل تحریکوں کی اشاعت کی غرض سے یہ کمپنی وقتاً فوقتاً کتابیں شائع کرتی رہتی ہے۔ اس کمپنی نے جاپان میں سب سے پہلے ہوائی وسائل آمد و رفت کی ابتدا کی۔ یہ کمپنی فنون اور موجودہ علوم کی اشاعت کی خاطر سال میں بیسیوں جلسے کرتی ہے جن میں مقرر پبلک کے سامنے تقریریں کرتے ہیں۔ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے لئے یہ کمپنی بہت سی سماجی تحریکات میں حصہ لیتی ہے۔

اس کمپنی کی مقررہ مطبوعات میں مندرجہ ذیل رسالے شامل ہیں:-

(۱) اساہی گراف۔ روزانہ واقعات کی تصویریں اور تفریح طبع کے لئے لٹریچر	ہفتہ وار	۲۰ سین فی کاپی
(۲) ہفتہ وار اساہی۔ افسانوں اور عام معلومات کا رسالہ	ہفتہ وار	۱۲ سین "
(۳) اساہی کھیل۔ مختلف کھیلوں کا رسالہ	نیم ماہی	۳۰ سین "
(۴) ٹوکیو اساہی بہ تقطیع خورد۔ اساہی کا چھوٹی تقطیع کا ماہوار ایڈیشن	ماہوار	۲۰ ین "
(۵) کودومو اساہی۔ بچوں کا رسالہ	ماہوار	۲۵ ین "
(۶) سینما اور تھیٹر	ماہوار	۵۰ سین "
(۷) اساہی کیمرہ۔ فن فوٹوگرافی کا رسالہ	ماہوار	۸۰ " "
(۸) اساہی سالنامہ	سالانہ	یک ین "
(۹) کھیل کا سالنامہ	سالانہ	" " "
(۱۰) جاپان فنونِ لطیفہ کا سالنامہ	سالانہ	۲ ین "
(۱۱) جاپان سینما کا سالنامہ	سالانہ	۱½ ین "
(۱۲) جاپان فوٹوگرافی کا سالنامہ	سالانہ	۳ ین "
(۱۳) مجلس بین الاقوامی کا سالنامہ	سالانہ	۸۰ سین "

(۱۴) جاپان - بزبانِ انگریزی - جاپانی فنونِ لطیفہ، ادب،
ڈرامہ، صنعت و حرفت اور جاپانیوں کی زندگی .. ـ .... سالانہ یک ین فی کاپی
مندرجہ بالا مطبوعات کے علاوہ یہ کمپنی اب تک ۱۰ کتابیں موجودہ سیاسی، اقتصادی، اسماجی مسائل اور مختلف علوم و فنون پر شائع کرچکی ہے جن کا مقصد رفاہِ عام ہے۔

۱۹۲۹ء میں اس کمپنی نے پچاس سالہ جوبلی منانے کی خوشی میں نوبل انعام کی طرح اساہی انعام کا سلسلہ جاری کیا۔ اس کا مقصد جاپان کی تمدنی ترقی ہے۔ یہ انعام ہرسال اُس شخص کو دیا جاتا ہے جس نے اس بارے میں کوئی کارہائے نمایاں کئے ہوں۔ تمغے کے ساتھ ایک ہزار ین نقد بھی دئے جاتے ہیں۔ اب تک یہ انعام ایسے لوگوں کو دیا جاچکا ہے جنہوں نے نمایاں ادبی تصنیف، تاریخی تحقیقات، سائنٹفک ایجاد، فنونِ لطیفہ کا شاہکار پیش کیا ہو یا کھیل میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہو۔
چونکہ اخبار کا بلند معیار قائم رکھنا اس کے عملے کے ہاتھ میں ہے ان کے تقرر میں نہایت احتیاط برتی جاتی ہے۔ صرف یونیورسٹی کے گریجویٹ ملازم رکھے جاتے ہیں۔ ہرسال کوئی ایک ہزار درخواستیں وصول ہوتی ہیں۔ اُمیدواروں کا دماغی اور جسمانی امتحان بہت سختی سے لیا جاتا ہے اور دس کا تقرر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک سال تک منصرمانہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ ایک سال کے بعد مستقل کئے جاتے ہیں۔ عملے کے ساتھ افراد خاندان کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اور ان کی ترقی و بہبودی کا ہر طرح سے لحاظ رکھا جاتا ہے۔
اسی ہمدردانہ برتاؤ کا نتیجہ ہے کہ پچیس تیس برس کے ملازم بہت سے موجود ہیں۔ ان کے فائدے کی غرض سے انجمن امدادِ باہمی اور انجمن بیمۂ صحت قائم کر رکھی ہے۔ کسی ملازم کی موت پر یا ضعیفی کے باعث علیحدگی پر اس کے یا اس کے خاندان کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے کہ وہ معاش سے تنگ نہ ہو۔

ادارتی پالیسی

اساہی کی ادارتی پالیسی کے چار عناصر ہیں۔
اوّل۔ تمام طبقوں میں اتفاق پیدا کرنا۔ اس اصول کے تحت میں آئینی حکومت کی تکمیل، قومی تحفظ اور رفاہِ عام کی کوشش کے ساتھ شاہی حکومت کے دائمی قیام کی حفاظت کرنا۔
دوم۔ رائے عامہ کی مناسب رہنمائی کے ذریعے تمدنی ترقی اور قومی ثروت کی کوشش کرنا اور اس طریقے سے دُنیا کی ترقی کا ساتھ دینا۔
سوم۔ تعصبات سے مبّرا رویہ اختیار کرکے انصافانہ اور غیر جانبدارانہ مسلک پر چلنا، صحیح و مناسب رائے کا اظہار کرنا، اور صحیح خبریں جلد شائع کرنا۔
چہارم۔ پبلک پر اخبارات کے اثر کا لحاظ رکھتے ہوئے اخبار کے صفحات آلودگیوں سے پاک رکھنا اور وفاداری وصدق دلی کی تلقین کرنا۔
تو گویا اساہی پچاس سال سے ان اصولوں پر کاربند ہے۔ ہرحال میں یہ اخبار آزاد رو اور غیر جانبدار رہا ہے جامعۃ الناس

کی ہمدردی میں اس نے کبھی قوت اور نظام کی پرواہ نہیں کی۔ ناموافق حالات میں اس نے قربانیاں بھی کی ہیں۔ مگر پبلک کی صدق دلی کے ساتھ رہنمائی کرنے میں کبھی ہیٹا نہیں رہا۔ جنگ روس و جاپان کے بعد اس نے صلح نامہ پورٹسمتھ کی مخالفت کی اور سرکار کی کمزوری پر سخت حملے کئے۔ اس بنا پر اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی اور سرکار کے حکم سے پندرہ روز تک بند رہا۔ ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء میں جب آئینی حکومت کی حمایت میں تحریک اٹھی تو اس اخبار نے آئینی حکومت کی تائید میں اور قبیلے کی حکومت کی مخالفت میں پورا زور لگا دیا۔ اساہی کی کوشش سے تمام ملک کے اخبارات بھی ہمنوا ہو گئے اور "کتسورا" وزارت کو پچاس روز کے اندر اندر استعفیٰ دینا پڑا۔

۱۹۱۸ء سے پہلے جاپان میں آبادی کے ایک محدود حصے کو حقوق رائے دہندگی حاصل تھے سیاست دانوں اور سیاسی مضمون نگاروں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی زبان پر عام رائے دہندگی کا ذکر آتا ہو۔ اخباروں نے یہ مسئلہ چھیڑا اور ٹوکیو اساہی نے قوت کے ساتھ اس تحریک کی رہنمائی کی۔ ملک بھر میں رائے عامہ اس تحریک کی حامی ہو گئی اور مجلس قانون ساز کو قانون بنانا پڑا۔

۱۹۲۲ء میں جب واشنگٹن میں کانفرنس تعین اسلحہ کا انعقاد ہوا تو جاپانی پبلک اس کا مفہوم نہ سمجھ سکی اور اس کی مخالفت میں یہ کہنا شروع کیا کہ جاپان کو برطانیہ اور ممالک متحدہ امریکہ کا دباؤ نہ ماننا چاہیئے ٹوکیو اساہی نے اپنے عملے میں سے بیشمار آدمیوں کو واشنگٹن بھیجا کہ کانفرنس کی کارروائیوں کی اطلاعیں بہم پہنچا کر بھیجیں۔ پھر صحیح خبریں اور مدبرانہ رائے کی اشاعت کر کے خطرہ خطرہ پکارنے والوں کی زبان بندی کی اور پبلک پر واضح کیا کہ بحری اسلحہ کا تعین ہی دنیا میں امن کا ضامن ہو سکتا ہے۔

ستمبر ۱۹۳۱ء میں جب مسئلہ منچوریا رونما ہوا تو ٹوکیو اساہی نے غیر ممالک کو صحیح حالات سے باخبر رکھنے کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس ملک میں جاپان کی حیثیت جتانی ضروری سمجھی۔ اس بارے میں اس نے لندن کے اندر اندر چون مقالے شائع کئے۔ اس اخبار کے مقالے نہ صرف غیر ممالک کی آگاہی کا باعث ہوئے بلکہ انھوں نے جاپان کی رائے عامہ میں اتحاد پیدا کرنے میں بڑا کام کیا۔

صحیح اور تازہ ترین خبریں

ابتدا سے ٹوکیو اساہی اس بارے میں ممتاز ہے کہ تازہ، صحیح اور مفصل خبروں کی فراہمی میں اس نے بیدریغ روپیہ خرچ کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور کبھی ایثار سے دریغ نہیں کیا۔ فروری ۱۸۸۹ء میں جب جاپان کا آئین منظور ہوا تو کمپنی کے صدر نے حکم دیا کہ فوراً بذریعہ تار پورا مسودہ اوساکا اساہی کو روانہ کر دیا جائے اور اس پر بے اندازہ روپیہ صرف کیا۔ جب اوساکا اساہی میں پورا مسودہ شائع ہوا تو سرکار کو بڑی تشویش ہوئی کہ کہیں قانون کی اشاعت سے پہلے سرکاری احکام کے خلاف ناجائز ذرائع سے تو یہ مسودہ حاصل نہیں کر لیا گیا۔ جاپان کی اخباری دنیا میں اب یہ واقعہ ایک لطیفہ بن گیا ہے۔ جب کبھی جاپان کے کسی حصے میں یا غیر ممالک میں کوئی اہم واقعہ رونما ہوتا ہے تو ٹوکیو اساہی کے نامہ نگار ہمیشہ موقع پر نظر آتے ہیں۔

اساہی جاپان کا پہلا اخبار ہے جس نے غیر ممالک میں نامہ نگار رکھنے شروع کئے ہیں۔ فی الوقت پچاس سے زیادہ مستقل نامہ نگار

دُنیا کے مشہور شہروں میں مقیم ہیں۔ دُنیا کے بُزرگ ترین اخباروں میں بھی صرف چند ہی ایسے نکلیں گے جو اتنے کثیر مستقل نامہ نگار غیر ملکوں میں رکھتے ہوں۔ اِس بارے میں توکیو اساہی، لندن ٹائمز اور نیویارک ٹائمز کا مقابلہ کرتا ہی۔ اپنے نامہ نگاروں کے علاوہ یہ اخبار رینگو، ریوٹر اور دُنیا کی دیگر خبر رساں ایجنسیوں کی خبریں بھی حاصل کرتا ہے۔ ۱۹۰۷ء میں توکیو اساہی نے لندن ٹائمز سے مخصوص خبروں کے تبادلے کا معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کی رو سے اساہی کے لندنی نامہ نگار کو لندن ٹائمز کے دفتر میں ایک کمرہ ملا ہوا ہے اور لندن ٹائمز کے توکیوی نامہ نگار کو توکیو اساہی کے ادارتی کمرے میں بلا روک ٹوک آنے جانے اور خبریں حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اِسی قسم کے معاہدے نیویارک ٹائمز سے اور پیرس کے جرنل سے کر رکھے ہیں۔

غیر ملکی خبروں کی بہم رسانی میں توکیو اساہی تمام جاپانی اخباروں میں اوّل رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں توکیو اساہی نے ضمیمہ طبع کر کے قیصرِ جرمنی کی تجویزِ صلح کی خبر شائع کی تو ایک سنسنی پھیل گئی اور توکیو اسٹاک ایکسچینج میں انتشارِ عظیم برپا ہوگیا۔

جاپان کی اہم خبریں بھی توکیو اساہی سب سے پہلے لندن ٹائمز کو بھیجتا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں وزیرِ اعظم "ہارا" کے قتل کی خبر اساہی نے ہی لندن ٹائمز کو بھیجی اور وہاں سے دوسرے ممالک میں شائع ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں یکم ستمبر کے ہیبت ناک زلزلے سے تمام ذرائع آمد و رفت منقطع ہو گئے تھے۔ اُس وقت بھی اساہی نے پہلی معتبر اور مفصل خبریں لندن ٹائمز کو بھیج کر دُنیا کو اِس ناگہانی آفت کی اطلاع دی۔

توکیو اساہی کی غیر ملکی خبریں اس ملک میں جلد ترین شائع ہونے کے علاوہ اس قدر قابلِ اعتبار ہوتی ہیں کہ بین الاقوامی معاملات کے مطالعہ کرنے والے طلباء ان پر انحصار کرتے ہیں اور ان کا حوالہ دیتے ہیں۔

چین کے تار اساہی کی ایک خصوصیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ معمولی ایام میں اس اخبار کے نامہ نگار کم از کم پچاس تار ماہوار سے لے کر سو تار ماہوار تک بھیجتے رہتے ہیں۔ حادثۂ منچوریا کے زمانے میں یہ اوسط بہت بڑھ گیا تھا۔ ماہ ستمبر میں ۳۶۰ تار وصول ہوئے اور نومبر میں ان کی تعداد ۵۶۰ تک پہنچ گئی۔ ۱۹ ستمبر کو پیش قدمی شروع ہوئی تھی تو پہلے روز ۱۶۲ تار وصول ہوئے۔ ساڑھے تین مہینے کے اندر یعنی آخر دسمبر ۱۹۳۱ء تک منچوریا کے نامہ نگاروں نے ۲،۰۸۵ تار توکیو اساہی کو روانہ کئے اور ان میں سب سے طویل تار ڈیڑھ ہزار الفاظ پر مشتمل تھا۔

اندرونِ ملک کی خبریں مہیا کرنے کے لئے اِس اخبار نے تمام جاپان میں ۴۰ دفاتر قائم کر رکھے ہیں اور ۵۰۰ نامہ نگار اور فوٹو گرافر ملازم رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ ہر وقت خبریں بھیجتے رہتے ہیں۔ خبروں کی روانگی میں سہولت پیدا کرنے کے لئے اس اخبار نے توکیو اور اوساکہ کے درمیان اپنے خانگی ٹیلیفون کا تار لگا رکھا ہے جو ۳۵۰ میل طویل ہے۔

تیزی سے خبریں مہیا کرنے کے لئے تار اور ٹیلیفون کے علاوہ یہ اخبار طیارے اور نامہ بر کبوتر بھی استعمال کرتا ہے۔ اس کام کے لئے ہر وقت ۲۵ طیارے اور ۵۰۰ کبوتر تیار رہتے ہیں۔

چونکہ ایک ہی کمپنی توکیو اور اوساکہ سے اساہی کے نام سے دو اخبار شائع کرتی ہے اس نے جاپان کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ مشرقی اور شمالی اضلاع میں توکیو اساہی پہنچتا ہے اور مغربی و جنوبی اضلاع میں اوساکا اساہی۔ توکیو اساہی کو خاص

شہر ٹوکیو کے علاوہ اضلاع کی مقامی خبریں بھی شائع کرنی پڑتی ہیں کیونکہ وہاں کے اخبار بیں حضرات عام، قومی اور بین الاقوامی خبروں کے بھی متمنی ہوتے ہیں اس غرض کے پورا کرنے کے لئے اس کو ایک دن میں ۲۰ اشاعتیں طبع اور شائع کرنی پڑتی ہیں۔ ہر حصۂ ملک کی مقامی اشاعت میں عام خبروں کے علاوہ مقامی خبریں بھی شامل ہوتی ہیں۔ خاص شہر ٹوکیو کے لئے اس کی دو اشاعتیں طبع ہوتی ہیں۔ ایک صبح کو دوسری سہ پہر کو۔ ٹوکیو اساہی کی طرح اوساکہ اساہی کو بھی مقامی اشاعتوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ وہ دن میں ۴ اشاعتیں شائع کرتا ہے۔

ٹوکیو اساہی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ معتبر سیاسی خبریں شائع کرتا ہے ۱۸۹۰ء سے جب کہ مجلس قانون ساز کا اجرا ہوا ہے اور جبکہ کسی دوسرے اخبار کو اس مجلس کی مفصل اور صحیح خبریں شائع کرنے کا خیال تک نہ تھا ٹوکیو اساہی نے مختصر نویسی کے ذریعہ سے حاصل کی ہوئی مجلس کی کارروائی مفصل مکمل شائع کرنے کا انتظام کر دیا۔ سیاسی خبریں شائع کرنے کا کام تجربہ کار مصنفین کے سپرد ہوتا ہے کہ پبلک کے سامنے معتبر واقعات ہی پیش کئے جائیں اور گمراہ کن غلط خبروں سے اسے بچایا جائے۔ اخبار بیں طبقے کو معتبر خبروں سے صحیح رائے قائم کرنے کا موقع ملتا ہے اور مستحکم رائے عامہ پیدا ہوتی ہے۔ لوگ ٹوکیو اساہی کی سیاسی خبروں کو خاص وقعت سے دیکھتے ہیں۔

اقتصادی اور فنانشل خبروں میں بھی یہ اخبار سب سے بڑھا ہوا ہے۔ صحیح خبریں جلد مہیا کرنے کے علاوہ اس اخبار نے انہیں عام فہم بنانے کی بہت کوشش کی ہے۔ فنانشل اور اقتصادی ماحول کا اثر پبلک کی زندگی پر بہت پڑتا ہے مگر پبلک کے فہم سے اسکا ادراک بالاتر ہوتا ہے۔ یہ اخبار ان خبروں کو عام فہم بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً آسان مقالے شائع کرتا رہتا ہے تاکہ یہ معاملات آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔

ملکی اور غیر ملکی خبروں کی اشاعت کے علاوہ ٹوکیو اساہی جملہ علوم و فنون پر عام فہم مقالے شائع کرتا رہتا ہے مشہور مصنفین کے جدید افسانے طبع کرتا ہے اور دیگر اقسام کے مضامین بھی شائع کرتا ہے جو عورت مرد دونوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ ہر جمعہ کو ایک صفحہ پر جدید مطبوعات پر تنقیدیں شائع ہوتی ہیں۔ روزانہ ایک صفحہ پر علوم و فنون پر مقالے شائع ہوتے ہیں۔ خاص مقالے عورتوں اور بچوں کے لئے اور کارٹون بھی شائع ہوتے ہیں۔ روزانہ صبح و شام کی اشاعتوں میں مسلسل فسانے شائع ہوتے ہیں۔ مگر ان کے انتخاب میں اس امر کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ یہ نہ صرف دلچسپ ہوں بلکہ بد مذاقی سے پاک ہوں۔ موسیقی، تھیٹر اور سینما کی خبریں تفصیل کے ساتھ شائع کی جاتی ہیں۔ ڈراموں اور فلموں کی تنقیدیں مشہور ماہرین اور نقاد لکھتے ہیں۔ یہ تنقیدیں انہی کے نام سے شائع ہوتی ہیں کہ ان کی آراء کی ذمہ داری ظاہر ہو جائے۔ روزانہ خبروں کے ساتھ تصاویر شائع ہوتی ہیں اور آٹھویں روز چار صفحے تصاویر کے بڑھا دئے جاتے ہیں۔

کھیلوں کی ترقی

زمانۂ حال میں جاپان میں مختلف کھیل خوب رائج ہو گئے ہیں۔ ان کو ہر دل عزیز بنانے اور ان کو ترقی دینے میں ٹوکیو اساہی نے ملک کی بہت خدمت کی ہے۔ کھیلوں اور دوڑوں وغیرہ کے نتائج شائع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ملک کے اکثر حصص میں ماہرین کو

بیچ کران کو ترقی دی ہو اور تقاریر کا بھی انتظام کیا ہو۔ کھیلوں وغیرہ کی خبریں اور اُن پر مقالے لکھنے والے عملے میں ہر کھیل کے ماہرین موجود ہیں، اور یہ صیغہ انہی کے سپرد ہے۔

کھیلوں کی خبریں سرعت اور صحت کے ساتھ بہم پہنچانے کے لئے نامہ بر کبوتروں کا بہت کثرت سے استعمال ہوتا ہو۔ اگرچہ اکثر کھیلوں کے مقام پر ٹیلیفون لگا ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے خبریں بھیجی جاتی ہیں مگر ان کے لکھنے میں عموماً غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اور تفصیلات باقی رہ جاتی ہیں۔ ان نقائص کو دور کرنے کے لئے کبوتروں کے ذریعہ سے مفصل تحریری خبریں بھی روانہ کی جاتی ہیں۔

بیس بال جاپان کا قومی کھیل بن گیا ہے۔ اس کو ترقی دینے میں اساہی نے بڑا کام کیا ہے۔ بائیس سال سے ٹوکیو اساہی اور اوساکا اساہی مل کر مدارس وسطانیہ کی ٹورنامنٹ منعقد کرتے ہیں۔ یہاں کے مدارس وسطانیہ ہندوستان کے مدارس فوقانیہ کے برابر ہیں کیونکہ ان کا نصاب تعلیم گیارہ سال کا ہے۔ اس ٹورنامنٹ میں تمام جاپان سے بلکہ فارموسا اور منچوکوؤ تک سے مدارس کی ٹولیاں شریک ہوتی ہیں۔ ابتدائی مقابلوں کے لئے جاپان کو بیس حلقوں میں تقسیم کر رکھا ہو۔ اوّل اس حلقے کے مدارس کی ٹولیاں وہاں کے صدر مقام میں مقابلہ کرتی ہیں۔ ان میں جو ٹولی اوّل رہتی ہو وہ مرکزی ٹورنامنٹ میں شریک ہوتی ہو۔ یہ ٹورنامنٹ ہر سال ماہ اگست میں اوساکا میں ہوتی ہے اور آٹھ روز تک جاری رہتی ہے۔ اس میں تماشائیوں کی تعداد روزانہ ایک لاکھ کے قریب ہوتی ہے۔ اس ٹورنامنٹ کے اور ابتدائی مقابلوں کے جملہ انتظامات یہ دونوں اخبار کرتے ہیں اور یہی جیتنے والی ٹولیوں کو انعام دیتے ہیں۔

ٹوکیو اساہی کی جانب سے ہر سال ٹینس ٹورنامنٹ منعقد کی جاتی ہے۔ اس میں ملک کے بہترین کھلاڑی شریک ہوتے ہیں۔

گالف کو ترقی دینے کے لئے ٹوکیو اساہی نے ہر گالف کلب کو ایک جام دے رکھا ہو اور ہر کلب میں سالانہ اس جام کو جیتنے کے لئے ٹورنامنٹ ہوتی ہے۔

جاپان کی مخصوص کشتی جُوجِتسو کو ترقی دینے کے لئے ہر سال اس اخبار کی جانب سے ٹورنامنٹ ہوتی ہے۔ اس ٹورنامنٹ کی شرکت کے لئے بیس بال کی طرح ملک کے مختلف حلقوں میں ابتدائی مقابلوں کے ذریعہ سے کامیاب شہ کا چھانٹے جاتے ہیں۔

دوڑ اور کُدائی وغیرہ کی ترقی کے لئے ٹوکیو اساہی ہر سال ٹورنامنٹ منعقد کرتا ہے۔ اس کے لئے جاپان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مشرقی حلقے کا مرکز ٹوکیو ہے اور مغربی حلقے کا اوساکا۔ اوّل ان مرکزوں میں کھلاڑیوں کا مقابلہ ہوتا ہو اور اس مقابلے میں ہر حلقے میں سے پچاس پچاس کھلاڑی انتخاب کئے جاتے ہیں۔ پھر ان کا باہمی مقابلہ ہوتا ہے۔

جاپان میں کوئی اہم کھیل ایسا نہیں ہے جس کی سرپرستی ٹوکیو اساہی نے نہ کی ہو۔ ٹورنامنٹوں کے انعقاد کے علاوہ اساہی نے غیر ممالک کے مشہور کھلاڑیوں کو وقتاً فوقتاً جاپان بلایا ہے کہ ان کے کھیل دیکھ کر جاپانی ان سے سیکھیں۔ کھیلوں کی ترقی کے لئے اس دفتر سے نیم ماہی رسالہ اساہی کھیل، اور سالنامہ کھیل شائع ہوتا ہے۔

صیغۂ عدل

یہ صیغہ جاپان کے کسی دوسرے اخبار میں قائم نہیں ہے۔ اساہی کی خصوصیت ہے۔ اس کا اجرا ۱۹۲۲ء میں ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پبلک کے ساتھ انصافانہ برتاؤ کیا جائے۔ خبریں سرعت کے ساتھ شائع کرنے میں کبھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے اور بہ اشخاص متعلقہ کے ساتھ بے انصافی ہے۔ اخبار کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ کسی کے متعلق غلط خبر مشہور کرے۔ پبلک کے ہاتھ میں اس کا یہ علاج ہے کہ عدالت میں چارہ جوئی کرے۔ مگر عام طور سے عدالتی کارروائی میں پبلک کو بہت دشواریاں ہوتی ہیں۔ اشخاص متعلقہ کی درخواست پر اخبار کا صیغۂ عدل غیر جانبداری سے اس معاملے کی تحقیق کرتا ہے اور اگر اخبار کی خبر میں غلطی پائی گئی تو اس کی تصحیح کر دی جاتی ہے یا معذرت کی جاتی ہے۔ صیغۂ عدل کی غیر جانبداری قائم رکھنے کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ اس کا عملہ عملۂ ادارت سے بالکل علیحدہ اور بے تعلق ہے۔

صیغۂ ہوائی

توکیو اساہی جاپان کا پہلا اخبار ہے جس نے طیاروں کے ذریعہ خبر رسانی اور فوٹو رسانی کا طریقہ استعمال کرنا شروع کیا۔ یہی نہیں بلکہ اساہی جاپان میں ڈاک اور مسافروں کے طیارے جاری کرنے والا ثابت ہوا ہے۔

۱۹۲۲ء میں توکیو اساہی نے ۱۵ طیاروں کے ذریعہ سے توکیو اور اوساکہ کے درمیان خبروں اور فوٹو کے بھیجنے کے لئے ہوائی لائن کا افتتاح کیا۔ یہ جاپان میں پہلی ہوائی لائن تھی۔ دوسرے سال مسافروں کے ہوائی سفر کا انتظام کر دیا اور توکیو کے شمالی اضلاع تک ایک اور لائن کھول دی۔ ۱۹۲۳ء کے زلزلے سے توکیو اور یوکوہامہ کے تمام وسائل آمد و رفت تباہ ہو گئے تھے۔ خود اساہی کے طیارے جل کر خاکستر ہو گئے تھے۔ توکیو کے باہر ڈاک بھیجنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اساہی نے فوج سے دو طیارے مستعار لئے اور توکیو اور اوساکہ کے درمیان ڈاک بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ ۱۹۲۵ء سے اساہی نے باضابطہ ہوائی ڈاک کا انتظام جاری کر دیا۔

بعد میں جاپان ہوائی ترسیل کمپنی کے اجرا پر اساہی نے ڈاک اور مسافروں کا لے جانا ترک کر دیا۔ مگر اب بھی توکیو سے نیگاتا تک اساہی کے طیارے ڈاک اور مسافر لاتے لے جاتے ہیں کیونکہ سائبیریا جانے کیلئے یہ نزدیک ترین راستہ ہے۔

آجکل توکیو اساہی کے پاس ۲۵ طیارے ہیں۔ یہ طیارے نہ صرف خبریں اور فوٹو لے جاتے ہیں بلکہ مشاہدات بھی کرتے ہیں اور فوٹو لیتے ہیں۔ اساہی کے بعض طیاروں میں ایک کمرہ ایسا بنا ہوا ہے کہ فوٹو کے پلیٹ یا فلم اس میں دھل سکتے ہیں اور توکیو پہنچنے کے قبل طباعت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

۱۹۲۵ء میں توکیو اساہی کے دو طیارے جاپان سے دوستی کا پیغام لے کر روانہ ہوئے اور سائبیریا ہوتے ہوئے یورپ پہنچے۔ انھوں نے ممالک یورپ کے تمام پائے تختوں کا دورہ کیا اور باہمی اتحاد مستحکم کیا۔ ۱۹۳۱ء میں اس اخبار نے انجمن طیارچیان طلبائے جاپان کا ایک نمائندہ طیارچی اپنے طیارے میں یورپ بھیجا۔ اس نے اپنی انجمن کی جانب سے ممالک یورپ کی انجمنوں کو دوستی کا پیغام پہنچایا۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں اساہی نے دُنیا کے گرد ہوائی دوڑ کا انتظام کیا۔ ایک طیارچی جاپان سے مغرب کی جانب روانہ ہوا اور دوسرا مشرق کی جانب۔ اس دوڑ میں مغربی طیارچی جیتا۔ اس نے دُنیا کے گرد ۲۱ روز چند گھنٹے میں سفر کر لیا۔

ابھی تک طیارچیوں نے بحر الکاہل پر فتح حاصل نہیں کی تھی۔ ٹوکیو اساہی نے تمام دُنیا میں اعلان کیا کہ اگر کوئی جاپانی طیارچی بحر الکاہل کو عبور کرے گا تو اُسے ایک لاکھ ین کا انعام دیا جائے گا اور اگر کوئی غیر ملکی اس مہم کو سر کریگا تو اُسے پچاس ہزار ین کا انعام ملے گا۔ اس مقابلے میں بہت سے یورپین اور امریکن طیارچیوں نے شرکت کی۔ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء میں دو امریکن طیارچی جاپان سے اُڑ کر بحر الکاہل عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اساہی نے انہیں پچاس ہزار ین کا انعام اور تمغے دئے۔

خبروں کے دیگر ذرائع

اس اخبار نے ۱۸۹۴ء سے نامہ بر کبوتروں کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ اُس وقت خبر رسانی کے ذرائع اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے۔ جیسے آج ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں ٹوکیو کے نواح میں آگ سے نقصانِ عظیم ہوا تھا۔ اُس وقت ان کبوتروں نے بڑا کام دیا۔ تار اور ٹیلیفون کے سلسلے منقطع ہوگئے تھے۔ اس اخبار نے کبوتروں کے ذریعہ مفصل خبریں مہیا کیں۔ اور دوسرے روز صبح کی اشاعت میں آتش زدگی کے مفصل حالات شائع کر دئے۔ آج کل یوکوہامہ بندرگاہ میں آنے جانے والے جہازوں سے اور کھیل کے میدانوں سے یہ کبوتر خبریں اور فوٹو لاتے ہیں اس کام کے لئے عمارت اساہی کی چھت پر ۵۰۰ سدھے ہوئے کبوتر موجود رہتے ہیں۔ جب کبھی ضرورت پڑتی ہے اخبار کے رپورٹر اپنے ساتھ کبوتر لے جاتے ہیں اور اُن کے گلے میں پرچہ باندھکر اُڑا دیتے ہیں۔ موٹر سے پہلے کبوتر دفتر میں پہنچ جاتے ہیں۔

ٹوکیو اساہی اور اوساکا اساہی کے درمیان خانگی تار کے ذریعہ برقی سلسلہ قائم ہے۔ اس سے نہ صرف تار اور ٹیلیفون پر خبریں بھیجی جاتی ہیں بلکہ فوٹو بھی منتقل کئے جاتے ہیں۔ اساہی کی فوٹو منتقل کرنے کی کل دُنیا بھر میں بہترین ہے۔ اس سے نہ صرف فوٹو تیزی کے ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل ہو جاتے ہیں بلکہ تصویریں صاف بھی پہنچتی ہیں۔

چند خصوصیات

یہ اخبار نوشت بیانی کی اشاعت کی غرض سے ہر سال ڈرامے کراتا ہے جس میں ٹوکیو کے مختلف اداروں کے اداکار اپنا کمالِ فن دکھاتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں اس اخبار نے ۱۶۰۰ء سے اُس وقت تک کے مصوری کے شاہکاروں کی نمائش کی۔

سنہ ۱۹۲۵ء میں اس نے متحرک تصاویر کا تہوار منایا کیونکہ پورے چالیس سال قبل ایسٹ مین کا پہلا فلم بازار میں آیا تھا اور پورے تیس سال قبل جنکنس کی پہلی متحرک تصویر بازار میں آئی تھی۔ یہ میلہ ایک ہفتہ تک جاری رہا۔

سنہ ۱۹۲۸ء میں شہنشاہِ جاپان کی تاجپوشی کی خوشی میں اس نے بین الاقوامی دوستی کا ہفتہ منایا۔ ایک ہفتے تک مختلف ممالک کے ڈرامے اور گانے ہوتے رہے۔ اسی دوران میں ان ممالک کے حالات پر تقریریں بھی ہوئیں۔

سنہ ۳۰ء میں اساہی نے بین الاقوامی بچہ گان ہفتہ منایا۔ اس میں ٹوکیو کے تمام قوموں کے بچے اپنے قومی لباس میں شریک ہوئے اور اپنے اپنے ملک کے گیت گائے۔

سنہ ۳۱ء میں منچوریا کی فوج کشی کے زمانے میں اس اخبار نے فوجی سپاہیوں کو منچوریا کی سخت سردی میں آرام پہنچانے کے لئے پبلک سے چندے اور سامان کی اپیل کی۔ پندرہ ہزار پارسل اور ساڑھے چار لاکھ ین نقد وصول ہوئے۔ اس سے آرام و تفریح کا سامان خرید کر منچوریا روانہ کیا گیا۔

سنہ ۳۳ء میں ولی عہد سلطنت جاپان کی پیدائش پر اس نے بڑے پیمانے پر خوشی منائی۔ اپنی عمارت پر برقی چراغاں کیا۔ دس ٹرام گاڑیاں برقی قمقموں اور پھولوں وغیرہ سے آراستہ کر کے ٹوکیو میں پھرائیں۔ ہوائی میلہ منعقد کیا جس میں اساہی کے اور چند دیگر طیاروں نے مل کر ٹوکیو پر پرواز کیا۔ پانچ لاکھ ین کی رقم اوساکا اساہی سماجی ادارہ میں دی۔ یہ ادارہ ٹوکیو اساہی کے سماجی فنڈوں سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک جدت بھی کی۔ ولی عہد کی تاریخ پیدائش کے روز جتنے لڑکے پیدا ہوئے تھے اُن کے نام تمغے روانہ کئے جن کی تعداد ۲۳۰۹ تھی۔

خبروں کی اشاعت

اساہی کی صبح و شام کی اشاعتیں مقررہ وقت پر نکلتی ہیں۔ ان کی اشاعت کے بعد اہم خبریں وصول ہوں تو اخبار فوراً ضمیمہ شائع کر دیتا ہے۔ ضمیموں کے لئے کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات دن میں کئی کئی ضمیمے شائع ہوتے ہیں اور کبھی کبھی روزانہ شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً حادثہ منچوریا کے موقعہ پر ستمبر سنہ ۳۱ء سے جنوری سنہ ۳۲ء تک ۱۳۵ دن میں ۱۳۱ ضمیمے شائع ہوئے تھے۔ یہ ضمیمے شہر ٹوکیو تک محدود نہیں ہوتے بلکہ اضلاع کے مقامی دفتر بھی ضمیمے شائع کرتے ہیں۔

شہر ٹوکیو میں ضمیموں کے علاوہ دفتر اساہی میں خبروں کی اشاعت کا برقی انتظام ہے۔ عمارت کے باہر ایک برقی تختہ لگا ہوا ہے۔ اس پر برقی روشنی سے الفاظ بنتے رہتے ہیں۔ پوری عبارت قریب کے بازاروں سے اور دُور دُور کی چھتوں سے پڑھی جا سکتی ہے۔ اس طرح پبلک کو فوراً اہم خبروں کی اطلاع دیدی جاتی ہے۔

مسافروں کی سہولت کے لئے اساہی نے سرکاری ریلوے لائنوں کی خاص خاص ریلوں میں خبروں کے بلیٹن شائع کرنے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اس کام کا ٹھیکہ سرکار سے اساہی کو ملا ہوا ہے۔ اخباروں میں خبروں کے شائع ہونے سے پہلے ریل کے مسافروں کو دوران سفر میں ہی مطبوعہ بلیٹن مل جاتا ہے۔

ٹوکیو شہر کے سات مختلف مقامات پر اساہی کی تصاویر کے بڑے بڑے فوٹو روزانہ چسپاں کر دئے جاتے ہیں کہ راہگیر چلتے ہوئے دیکھ لیں۔

دفتر اخبار کے باہر اخبار کے پورے صفحے ایک لمبے تختے پر روزانہ چسپاں کر دئے جاتے ہیں کہ راہگیر پڑھ لیں۔

اساہی کے فوٹوگرافر اہم واقعات اور مناظر کی متحرک تصاویر بھی لیتے رہتے ہیں۔ یہ فلم سینما کمپنیوں کو دیدئے جاتے ہیں کہ پبلک کو دکھا دیں۔ چند سال سے بولتے والے فلم بھی تیار کئے جا رہے ہیں۔ یہ بھی سینما کمپنیوں کے ذریعے پبلک کو دکھائے جاتے ہیں۔

سماجی خدمات

اساہی کی مذکورہ بالا خدمات نہایت قابلِ قدر ہیں اور ملک و قوم کی ترقی کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ۱۹۲۳ء سے اس اخبار نے سماجی خدمات بھی اپنے ذمے لی ہیں۔ اس سال کے زلزلے سے اخبار کا دفتر، مطبع، عمارت اور ٹیلیفون وغیرہ تمام تباہ ہوگئے تھے۔ خود اخبار کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہی تھی۔ امپیریل ہوٹل کے ایک کمرے میں دفتر قائم کرکے اخبار کی بجائے روزانہ بلیٹن شائع کیا جا رہا تھا۔ کارکنانِ اخبار نے اس عام تباہی میں فوری کارروائی کا احساس کیا اور اوساکا اساہی کی شرکت سے امداد کا کام شروع کر دیا۔ اوساکا اور دوسرے اضلاع سے لاکھوں من غلّہ اور اجناس خوردنی، کپڑے اور دیگر ضروریاتِ زندگی فراہم کرکے جہازوں کے ذریعہ ٹوکیو پہنچائیں۔ امدادی جتھے قائم کئے اور ان کی امداد سے تمام سامان مصیبت زدگان میں تقسیم کیا۔

کارکنانِ ٹوکیو اساہی نے یہ محسوس کرکے کہ آئندہ ناگہانی آفتوں کے وقوع پر فوری امداد کے لئے رقم موجود رہنی چاہیئے ۱۹۲۴ء سے یکم ستمبر کو زلزلے کی برسی منانی شروع کی اور پبلک سے چندہ وصول کرکے جمع کرنا شروع کیا۔ اس کا نام "چندہ بلاہائے ناگہانی" رکھا۔ اس چندے میں ۱۹۳۴ء تک تقریباً [illegible] ہزار ین وصول ہو چکے ہیں۔ جاپان میں عموماً پانچ قسم کی ناگہانی آفتیں نازل ہوتی رہتی ہیں یعنی زلزلہ، آتش فشاں پہاڑوں کی آتش باری، آگ، طوفان اور دریائی و بحری طغیانی۔ چندے کے اجراء سے اب تک ہر سال کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی آفت آتی رہی ہے۔ کسی سال تو کئی کئی آفتیں اکٹھی آتی ہیں۔ ان موقعوں پر اب تک تقریباً چودہ ہزار ین مصیبت زدگان میں تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ٹوکیو یونیورسٹی کی سیسمولاجیکل لیبوریٹری کو پانچ ہزار ین اور یادگارِ زلزلہ ٹوکیو کی تعمیر کے لئے ایک ہزار ین دئے ہیں۔ یہ اخراجات ان رقوم کے علاوہ ہیں جو اخبار نے اپنی جانب سے مصیبت زدگان کو دی ہیں۔

اس چندے کے علاوہ ٹوکیو اساہی نے ۱۹۲۴ء سے امدادِ غربا کی غرض سے "ہفتۂ انسانیت" منانا شروع کیا ہے۔ یہ ہفتہ ماہِ دسمبر میں منایا جاتا ہے اور مختلف ذرائع سے چندہ جمع کیا جاتا ہے۔ مثلاً نامور نوشیبائی کے اداکاروں سے ناٹک کرانا، مشہور گویّوں سے گانا گوانا، نامی نقاشوں کی تصاویر فروخت کرنا، اعلیٰ فوٹو گرافروں کے فوٹو بیچنا، ہفتۂ انسانیت کے ٹکٹ فروخت کرنا وغیرہ۔ نقد چندہ بھی وصول ہوتا ہے۔ جمع شدہ رقم ماہِ دسمبر میں ہی تقسیم کر دی جاتی ہے کہ غریب لوگ جاڑے کی تکالیف سے نجات پائیں۔ ان لوگوں کو چاول اور کپڑے دئے جاتے ہیں اور نقد رقم بھی دی جاتی ہے۔ ایک ایک دو دو ین لفافوں میں بند کرکے دیدئے جاتے ہیں۔ شفاخانے کے مفت ٹکٹ دئے جاتے ہیں کہ مقررہ شفاخانوں کے ڈاکٹر بلا فیس مشورہ ان کا علاج کریں اور مفت دوائیں دیں۔ ایک شفاخانے میں ٹوکیو اساہی کی جانب سے چھ بستر بھی مہیا کئے گئے ہیں اور چھ مریضوں کا تمام صرفہ اس چندے سے ادا کیا جاتا ہے۔ باوجود تلاش کے بہت سے مستحق لوگ اس چندے کی امداد سے محروم رہ جاتے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں اساہی نے اپنے خریداروں سے اپیل کی کہ قابلِ امداد غریبوں کا حال اخبار کو لکھیں۔ بہت سے لوگوں کے نام وصول ہوگئے۔ اساہی نے ان میں سے سو خاندان انتخاب کرکے اس چندے میں سے سولہ ہزار ین ان میں تقسیم کئے۔ جب سے سو خاندانوں کی امداد کے نام سے رقم علیحدہ کر لی جاتی ہے۔

سنہ ۳۳ء میں دس ہزار ین اس مد میں رکھے تھے۔ مگر پانچ ہزار ین صرف ہونے کے بعد کوئی ضرورت مند خاندان باقی نہ رہا۔ اخبار نے بقیہ رقم صرف کرنے کی ایک نئی سبیل نکالی۔ ٹوکیو میں ریل گاڑیوں کے علاوہ کشتیاں بہت کچھ بار برداری کا کام کرتی ہیں۔ شہر میں نہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ان میں کشتیاں چلتی رہتی ہیں۔ ملاح کسی جگہ جم کر نہیں رہ سکتے۔ بال بچوں کو بھی کشتی ہی میں رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ متحرک رہنے کی وجہ سے طبی امداد سے محروم ہیں۔ اساہی نے "مفت مشورے کی کشتی" کے نام سے ایک کشتی تعمیر کرائی اور اس میں دواؤں کا ذخیرہ مہیا کر کے ایک ڈاکٹر اور ایک نرس مقرر کی۔ یہ کشتی ہمیشہ گشت کرتی رہتی ہے۔ جہاں کہیں ملاحوں کی کشتیاں اکٹھی دیکھتی ہے وہیں ٹھہر کر ان کی طبی امداد کرتی ہے۔ مفت امدادی کشتی ایک انوکھا خیال ہے۔ دنیا میں ٹوکیو اساہی نے ہی اس کی ابتدا کی ہے۔

غریبوں کی امداد کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ بعض غریب لوگ یہ قابلیت رکھتے ہیں کہ روپے سے کچھ کام کر سکیں مگر روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے محتاج رہتے ہیں۔ اساہی نے ایسے لوگوں کو اسی فنڈ میں سے قرض دینا شروع کیا۔ اور ان کو روزی کمانے کے قابل بنا دیا۔ یہ لوگ اپنا قرضہ سال دو سال میں ادا کر دیتے ہیں۔ یہ کام نو برس ہوئے دو ہزار ین سے شروع کیا گیا تھا جب سے اس میں مزید رقم ملانے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ جو لوگ قرض لیتے ہیں وہ واپس کر دیتے ہیں۔

تمام سماجی کاموں کے لئے ٹوکیو اساہی اپنے عملے کی خدمات مفت پیش کرتا ہے۔ تماشوں وغیرہ کا انتظام بھی اپنے روپے سے کرتا ہے۔

ابتدائی مدارس کے قابل بچے

سنہ ۳ء سے اس اخبار نے پبلک پر دماغی اور جسمانی اعتبار سے بچوں کی بہترین پرورش کی ضرورت جتانے کے لئے قابل بچوں کو انعام دینے کا طریقہ رائج کیا ہے۔ اس معاملے میں اسے محکمۂ تعلیم کی پوری تائید حاصل ہے۔ ہر سال تمام جاپان کے ابتدائی مدارس کے بچوں میں سے دماغی اور جسمانی دونوں لحاظ سے قابل ترین بچوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ہر علاقہ کے منتخب لڑکے ٹوکیو میں جمع ہوتے ہیں۔ یہاں محکمۂ تعلیم کے عہدے داروں اور طبی کالجوں کے پروفیسروں کی ایک مجلس منعقد ہوتی ہے۔ یہ مجلس ان بچوں کا امتحان کر کے ایک قابل ترین لڑکا اور ایک قابل ترین لڑکی کا انتخاب کرتی ہے۔ ٹوکیو اساہی ان دونوں کو انعام دیتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر دس دس قابل ترین لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی انعام دیتا ہے۔

عملے کی سہولتیں

اس اخبار کی عمارت تہ خانے سمیت سات منزلہ ہے۔ اس کی منزلیں الگ الگ کاموں کے لئے مخصوص ہیں۔ اخبار کی ضروریات مثلاً کتب خانہ، تصویر خانہ، مطبع وغیرہ کے علاوہ عملے کے آرام کا بہت معقول انتظام ہے۔ کئی منزلوں میں رسٹورنٹ ہیں جہاں یہ لوگ چائے اور کھانا کھا پی سکتے ہیں۔ آرام سے بیٹھنے کے لئے کئی گول کمرے ہیں، جن میں صوفے، آرام کرسیاں وغیرہ تمام گدے دار اور کمانی دار ہیں۔ دو منزلوں میں سونے کے کمرے موجود ہیں جن میں بیس بیس مسہریاں لگی ہوئی ہیں۔ حمام اور سنگھار خانے بھی

آراستہ ہیں۔ حجام کی آراستہ دُکان بھی موجود ہے۔ چھت پر باغ ہے جہاں فرصت کے وقت تفریح کرسکتے ہیں۔ ایک منزل میں بہت بڑا ہال ہے جس میں ایک ہزار نشستوں کا انتظام ہے یہاں پبلک جلسے ہوتے رہتے ہیں۔

برق رفتار مطبع

ٹوکیو اساہی کا مطبع کئی اعتبار سے دُنیا بھر میں بزرگ ترین ہے۔ انتظام میں، سامان میں، قابلیت طباعت میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ جاپانی زبان کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے یہاں لینوٹائپ، مونوٹائپ، انٹرٹائپ یا دیگر اقسام کی کلیں ٹائپ جمانے میں استعمال نہیں ہوسکتیں۔ تمام ٹائپ ہاتھ سے جمانے پڑتے ہیں۔ صبح وشام کی اور دیگر بے اندازہ اشاعتوں کی طباعت کے لئے روزانہ بیس لاکھ ٹائپ کام آتے ہیں اور استعمال ہونے کے بعد خانوں میں رکھ دیتے جاتے ہیں۔ کلوں کی تیز رفتاری کی وجہ سے ٹائپ بہت جلدی خراب ہوجاتا ہے۔ دو مرتبہ استعمال کرکے پگھلا دیا جاتا ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت ایک کروڑ دس لاکھ ٹائپ تیار رہتے ہیں اور دن رات دس کلیں ٹائپ ڈھالنے کے کام میں لگی رہتی ہیں۔ ہر کمپوزر کے خانے میں سوا دو ہزار قسم کے ٹائپ لگے رہتے ہیں غیر معمولی الفاظ اور مختلف ناپ کے عنوانوں کیلئے علیحدہ ٹائپ ہوتے ہیں۔

تیز رفتاری کے لئے روٹری پریس استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سپاٹ ٹائپ کام نہیں دیتا۔ سپاٹ ٹائپ سے میٹرکس بنائے جاتے ہیں۔ یہ ایک قسم کے مسالے کے بنتے ہیں اور انہیں پانی کے دباؤ سے پکا کیا جاتا ہے۔ یہاں سے ڈھالنے کے کمرے میں برقی ڈوری کے ذریعہ سے پہنچا دیتے ہیں۔ وہاں انہیں ایک کل میں رکھ کر پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر سیسے کی نصف نلکی ڈھالی جاتی ہے۔ اس تمام کام میں نصف منٹ لگتا ہے اور نلکیاں روٹری پریس پر چڑھانے کے قابل بن جاتی ہیں۔

تیز رفتاری میں ٹوکیو اساہی کا مطبع دُنیا کا ریکارڈ قائم کرچکا ہے۔ مطبع میں چار کلیں برق رفتار ہیں اور گیارہ غیر معمولی تیز رفتار۔ یہ تمام کلیں مل کر ایک گھنٹے میں چار صفحے کے اخبار کی سوا چودہ لاکھ کاپیاں چھاپ سکتی ہیں۔ یہ کلیں ایک ہی وقت میں مل کر کام کرسکتی ہیں۔ اس طرح ایک ہی عمل میں اخبار کے ۹۶ صفحے چھپ کر تہ کئے کرائے نکل آتے ہیں۔ تہ شدہ اخبار برقی ڈوریوں کے ذریعے سے بالائی منزل میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں ان کے بنڈل بنا کر موٹر لاریوں میں بھر دئے جاتے ہیں اور چھپنے کے بعد آدھ گھنٹے کے اندر اندر شہر کے بعید ترین علاقے میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس تیز رفتاری کے ساتھ یہ بھی انتظام ہو کہ تازہ ترین خبریں فوراً اخبار میں چھپ سکتی ہیں، نہ صرف معمولی روشنائی میں بلکہ رنگین روشنائی میں بھی۔

کلوں میں بار بار کاغذ چڑھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسی تیز رفتار کلوں میں یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ گز چوڑے کاغذ کے تھان لپٹے ہوتے ہیں۔ جن کا وزن دس من سے کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے، ایک مرتبہ کاغذ چڑھا دیا پھر وہ خود بخود کھلتا چلا جاتا ہے۔ کلیں نہ صرف چھاپنے کا کام کرتی ہیں بلکہ اخبار کی ناپ میں کاٹ کر تہ کرکے باہر نکالتی ہیں۔ ایک تھان ختم ہونے پر دوسرا تھان خود بخود چڑھ جانے کا بھی انتظام ہے۔

اساہی کی برق رفتار کلوں میں معمولی رفتار سے ایک گھنٹے میں ایک لاکھ پینتیس ہزار ورق اور تیز رفتار سے ڈیڑھ لاکھ ورق چھپ سکتے ہیں۔

فوٹو کے بلاک بنانے کا بہترین انتظام ہے۔ پانچ مخصوص کیمرے موجود ہیں جن میں تین ہزار سے لے کر پانچ ہزار بتیوں تک کی قوت کے آرک لائٹ کے لمپ لگے ہوئے ہیں۔ تین کلیں پلیٹ کھودنے کی ہیں۔ پلیٹ کھدنے پر تیزاب میں دھوئی جاتی ہے تو چھاپنے کے لئے تیار ہوجاتی ہے۔ دفتر میں فوٹو وصول ہونے پر بیس منٹ کے اندر اندر چھاپنے کے لئے پلیٹ تیار ہوجاتی ہے۔

مطبع تو مطبع دفتر کے ہر کام میں بجلی لونڈی کی طرح خدمت بجا لاتی ہے۔ ایک منزل سے دوسری منزل تک کاغذات پہنچانا، ایک ہی منزل میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک کاغذوں کا پلندہ بھیجنا، کمرۂ ادارت سے کمرۂ ٹائپ تک مسودات لے جانا، وہاں سے مطبع میں روانہ کرنا، مطبع سے پروف بھیجنا، تصحیح شدہ پروف کی واپسی، مطبوعہ اخبارات کا بالائی منزل میں پہنچانا، یہ تمام کام بجلی کرتی ہے۔ ہر جگہ ایسا انتظام ہے کہ اڑن کھٹولا برابر چلتا رہتا ہے، ایک مقام سے کاغذ اٹھاتا ہے اور دوسرے مقام تک لے جاکر خود ہی ڈال دیتا ہے۔ کسی کو ڈالنے نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عملے والے تھوڑی تھوڑی دیر میں خانے میں سے کاغذات نکالتے رہتے ہیں۔

تعداد اشاعت

توکیو اساہی کی اشاعت گیارہ لاکھ روزانہ ہے۔ اس تعداد میں صرف ایک اشاعت شامل ہے۔ خاص شہر توکیو کے لئے دو اشاعتیں طبع ہوتی ہیں۔ اسی طرح کئی مقامی اشاعتوں کی دو دو اشاعتیں طبع ہوتی ہیں۔ ان دوسری اشاعتوں کو شامل کر لیا جاتے تو اس کی روزانہ اشاعت کی تعداد بیس لاکھ کے قریب پہنچتی ہے۔ صرف توکیو کی دو اشاعتیں آٹھ لاکھ سے اوپر چھپتی ہیں۔

۲۱ × ۱۵½ انچ ناپ کے آٹھ صفحوں پر مصور شائع ہوتا ہے۔ صبح و شام کی دونوں اشاعتوں کی قیمت ایک ین ماہوار ہے۔ اخبار والے خود ہی گھر پر پہنچا دیتے ہیں۔

برلاس

---

۱۱۳ ۱۳ ۱۱۳

جاپان تیس برس میں

پروفیسر برلاس صاحب کی فرمائش پر یہ مضمون جاپان کی معاشرت پر لکھ رہی ہوں۔ جو فرق میں نے خود پچھلے ستائیس سال میں دیکھا ہے وہ بیان کرونگی۔

۸ مارچ ۱۹۰۹ء کو ہم پہلی دفعہ کوبے پہنچے۔ ہم یوکوہامہ ہوتے ہوئے آتے تھے۔ جب ہمارا جہاز یوکوہامہ کی بندرگاہ پر پہنچا تو ہم موٹر کشتی میں بیٹھ کر کنارے پر گئے۔ یہ کشتی دن میں تین چار مرتبہ جہاز پر آتی تھی۔ شہر میں ہم نے ایک دیول دیکھا اور چینی سامان کی بہت سی دکانیں دیکھیں۔ ان میں بہت خوبصورت سامان تھا۔ اُس زمانہ میں یہاں سے زیادہ تر چینی سامان غیر ملکوں کو جاتا تھا۔ بعد میں ایک چڑیا خانہ دیکھا۔ یہ اس قدر غلیظ تھا کہ وہاں ٹھیرا بھی نہیں گیا۔ جانور بہت کم تھے اور بُری طرح رکھے تھے۔ ان کے چلنے پھرنے کی بہت کم گنجائش تھی۔ آجکل جانور اچھی طرح رکھے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی شاید ہندوستان میں اس کا بہتر انتظام ہے۔

اکتالیس دن کے سفر کے بعد جب ہم کوبے پہنچے تو گھر میں دو نوکریں پائیں۔ وہ بہت شوخ اور بدتمیز تھیں۔ پڑوسیوں سے یعنی غیر ملکی بی بیوں سے جاپانی قوم کی بہت شکائتیں سُننے میں آتی تھیں۔ نوکروں کا چور ہونا عام بات تھی۔ کبھی ایسی نوکریں بھی آجاتی تھیں جن کے بالوں سے جوئیں بہتی تھیں۔ لیکن آجکل ان کی تعریفیں ہر طرف سُننے میں آتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ہر جاپانی لکھ پڑھ کر اور تمیز سیکھ کر مدرسے سے نکلتا ہے۔ چھ سال تک گاؤں کے مدرسے میں کاغذ وغیرہ کے لئے ۵ سین ماہوار دے کر اور شہر کسبے میں ۴۰ سین ماہوار دے کر ہر بچے کو پڑھوایا جاتا ہے۔ ایک ماں کے اگر ایک سے زیادہ بچے ہیں تو دوسرے بچوں کی آدھی فیس دی جاتی ہے۔ بہت غریب بچوں کو مفت لے لیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں کی سرکار حقیقی طور پر قوم کی پرورش ماں باپ کی مانند کرتی ہے۔ سُنتی ہوں کہ اوساکہ میں سب بچے مفت پڑھتے ہیں کیونکہ تجارتی شہر ہونے کی وجہ سے بہت مالدار ہے۔

اب میرا جاپان کا پانچواں سفر ہے۔ اب بھی میرے پاس دو نوکریں ہیں۔ ایک دس سال سے رہتی ہے۔ ہمارے جانے پر جب ہمارے دوسرے بھائی اور ان کے خاندان آتے ہیں تو اُن کی ویسی ہی خدمت بجا لاتی ہے۔ کیونکہ اوّل میں نے ہی اُسے رکھا تھا۔ جب کبھی میں ہندوستان سے آتی ہوں تو بہت خوش ہوتی ہے اور بار بار کہتی ہے کہ چونکہ آپ نے ہی مجھے رکھا تھا میں آپ کو کبھی نہیں بھولونگی۔ ان لوگوں کو جو کام بتادیا جاتا ہے برابر کئے جاتے ہیں۔ صبح سے رات تک تمام کام برابر وقت پر ہوتے ہیں مشکل سے کبھی کچھ کہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو دوبارہ کسی بات کے بتانے کی ضرورت ہوئی تو بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔

شروع زمانے میں ایک مرتبہ صاحب مائیکو دریا کے کنارے سواری کے لئے گئے۔ لیکن وہاں کے گھوڑے خچر جیسے تھے بہت میلے تھے، گویا کبھی ان کی مالش نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی سواری کرنے نہ گئے۔ اُس زمانے میں یہاں کے لوگوں کو گھوڑے کی سواری کا بالکل شوق نہ تھا۔ لیکن آجکل اس قدر شوق بڑھ گیا ہے کہ جگہ جگہ سواری کے مدارس اور کلب موجود ہیں اور بہترین گھوڑے میسر ہیں۔

اُس زمانے میں جب کبھی رکشا میں کہیں جاتے تو ہچکولوں سے ہڈی پسلی ایک ہو جاتی تھی۔ آجکل عمدہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں،



مصطبة مطوية لتلقي على صلاة



ہمارے مکان پر برف باری



سمندر کی دیویاں



پنجسالہ لڑکی مدرسہ کو



آرزو کا پھول





مہمان کا استقبال

اور ریل گاڑیوں ٹریموں اور بسوں کا اچھا انتظام ہے۔

صبح کے وقت اکثر پہاڑی پر پھرنے جایا کرتی تھی۔ وہاں سوایا ماہر جہاں میدان تھا جھولے اور زنجیریں کنڈے سے لٹکے ہوئے تھے تاکہ بچے بڑے سب اُن پر کسرت کریں۔ یہاں کے باشندے ان چیزوں سے پورا فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اکثر صبح کو سو پچاس بچوں کی ٹولی اُستاد یا اُستانیوں کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ ہاتھوں میں جالی کی تھیلیاں ہوتی تھیں جن میں چاول اور نارنگیاں ہوتی تھیں۔ یہاں چاول فقط اُبال کر ذرا سی ترکاری ملا کر کھاتے ہیں۔ یہ ہلکے پھلکے لکڑی کے ڈبوں میں رکھے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ دو تیلیاں ہوتی ہیں جن سے اُٹھا کر بخوبی کھائے جاتے ہیں۔ پہاڑی پر بیٹھ کر بچوں سے پہاڑوں کے مناظر کے نقش وغیرہ کرتے تھے۔ کھلی ہوا کے فائدے بتاتے اور کسرت کی ترغیب دیتے تھے۔ اس تعلیم کا اثر آج ان کی قوم نے تمام دُنیا پر ثابت کر دیا۔ لڑکے اکثر چھوٹی چھوٹی بندوقوں اور تلواروں سے لڑتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ چونکہ روس کی شکست کو بہت زمانہ نہ ہوا تھا بچوں کے کھیلوں میں اُس کے آثار ظاہر تھے۔ ایک طرف والے جاپانی بنتے اور دوسری طرف والے روسی اور آپس میں لڑائیاں کرتے۔ فوج کے جنرل بنتے اور دوسری باتوں کی نقلیں کرتے۔

یہاں چار سال گزار کر ہندوستان واپس گئے۔ پھر جب سنہ ۱۹۱۲ء میں دوبارہ جاپان آئے تو ہم نے ان کی حالت میں بہت فرق پایا۔ تجارت نے بہت ترقی کر لی تھی۔ جو ملک پہلے فقیر تھا اب امیر ہو گیا۔ تمام دُنیا کی ضروریات اپنے یہاں سے پوری کر رہا تھا۔ ہندوستان، انگلستان، فرانس، روس وغیرہ جاپان سے مال بھیجنے کی فرمائش کرتے تھے اور یہاں کے پہلے آدمی دل کھول کر جیبیں بھر رہے تھے۔

اُس زمانے میں ہم موٹر سے اریما گئے تھے۔ راستہ اس قدر خراب تھا کہ موٹر پھنس گئی اور شوفر ہم کو وہیں چھوڑ کر مزدوروں کو بلانے گیا۔ اُس وقت موٹر ایک نایاب چیز تھی۔ لوگ چاروں طرف سے ہمارے گرد جمع ہو گئے اور موٹر میں منہ ڈال ڈال کر اور ہارن بجا بجا کر دِق کر دیا۔ اُس زمانے میں ہر طرف رکشائیں نظر آتی تھیں لیکن آجکل رکشا ملنی مشکل ہے۔ ٹیکسی شہر میں ہر جگہ پچاس سین میں پہنچا دیتی ہے۔ شہر میں ٹھیرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہی نرخ مقرر ہے۔ البتہ باہر جانے کیلئے کرایہ ٹھیرانا پڑتا ہے۔

اُس زمانے میں یہاں سکورا وغیرہ کا ناچ تین موسموں میں ہوا کرتا تھا۔ جاڑے میں پردوں پر برف پوش پہاڑوں کے مناظر اور لڑکیاں سفید لباس میں ہوتی تھیں۔ موسم بہار میں اسٹیج سکورا کے پھولوں سے بھرا ہوتا تھا اور لڑکیاں ہاتھوں میں گلابی پھولوں کی ڈالیاں لے کر ناچتی تھیں۔ خزاں میں چنار کے پتوں اور درختوں کا منظر ہوتا تھا اور لڑکیوں کے لباس اس کے مطابق ہوتے تھے۔ کیوتو میں بہت دلچسپ اور خوشنما تماشے دکھائے جاتے تھے۔ سینما میں زیادہ تر سمورائی کی لڑائیوں کے تماشے دکھاتے تھے۔ آج ہر قسم کے تماشے دکھائے جاتے ہیں اور سینما و تھیٹر کی کوئی حد نہیں۔

آگ بجھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دیکھتے دیکھتے سب جل کر خاکستر ہو جاتا تھا۔ ہاتھ گاڑی پر پانی بھر کر لاتے تھے اور سب مل کر بجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ آج ہر قسم کی نئی نئی گاڑیاں میسر ہیں۔ جب کہیں آگ لگتی ہے دُور دُور سے آگ کے انجنوں کے جانے کی گھنٹیاں سُنائی دیتی ہیں۔

آجکل بجلی کی روشنی ہر جھونپڑی میں ہوتی ہے۔ ریڈیو چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں کو میسر ہے۔ مدرسے ہر جگہ موجود ہیں اور سستے ہیں۔

پڑھنا ہر بچے پر فرض ہے۔

جاپانی قوم بہت پست قامت تھی۔ اب ان کے لمبے قد اور جسم کی بناوٹ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ ان میں نمایاں فرق مجھے اُس وقت نظر آیا جب میں سات سال پہلے یعنی ۱۹۲۹ء میں یہاں آئی۔ ہر شخص خلیق، تمیزدار، تربیت یافتہ اور سلیقہ شعار نظر آیا۔ اوّل یہ قوم بدصورت تھی۔ آج خاصے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ چہروں کی وحشت مٹ گئی۔ تعلیم و تہذیب کا اثر ہر شخص کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے۔

جاپانیوں کی یکدلی تمام دُنیا میں مشہور ہے۔ اس بارے میں اب بھی ویسے ہی چست معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اب تمام دُنیا سے اتفاق ہے لیکن قوم کی بہبودی کو خوب سمجھتے ہیں۔ دوسری قوموں سے پیسہ کمانا خوب جانتے ہیں۔ اپنی قوم کی ہر طرح سے مدد کرنے کا مادہ حد سے زیادہ ہے۔

جب ٹوکیو زلزلے سے برباد ہو گیا تھا تو آٹھویں روز سے ہی مرمت شروع کر دی تھی۔ پچھلے سال کوبے اور اوساکا میں سخت طوفان آیا تھا اور سخت نقصان ہوا تھا۔ دوسرے روز سے ہی درستی شروع کر دی تھی۔

یہاں مُرغیاں بہت چھوٹی ہوتی تھیں۔ چین سے مُرغیاں اور انڈے آتے تھے۔ سرکار نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ جاپان میں ان کی پرورش بخوبی ہو سکتی ہے۔ ہر جگہ پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کئے گئے اور جاپانیوں کو غیرت دلائی گئی کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ ملک کا پیسہ بہ آسانی بچ سکتا ہے مگر باہر سے مُرغیاں منگانے میں باہر جا رہا ہے۔ ہر طرح سمجھایا کہ ہر شخص دو چار مُرغیاں پالا کرے۔ شروع شروع میں غیر ملکوں کی مُرغیوں کے انڈے لوگوں میں مفت تقسیم کئے گئے۔ انجام یہ ہوا کہ چین سے مُرغیاں اور انڈے آنے بند ہو گئے۔ اب یہاں کی مُرغیاں سال میں تین سو انڈے دیتی ہیں۔ ہندوستان میں مُرغیاں کثرت سے پلتی ہیں مگر ڈیڑھ سو سے زیادہ انڈے نہیں دیتیں اور قد میں بھی چھوٹی ہوتی ہیں۔

پہلے یہاں عمدہ کُتے بھی موجود نہ تھے۔ اب غیر ملکوں سے لے آئے ہیں۔ جہاں دیکھو عمدہ کُتے نظر آتے ہیں۔ ہر مہینے ایک بار میونسپلٹی آوارہ کُتوں کو مار ڈالتی ہے۔ اوّل اشتہار دیا جاتا ہے کہ جن کے پلے ہوئے کُتے ہیں وہ فلاں روز باندھ کر رکھیں۔ اگر اُس روز نوٹس کی پروا نہ کی تو پھر کُتا ہاتھ نہیں آتا۔

میونسپلٹی کی طرف سے پولیس کے سپاہی تمام لوگوں سے کہتے ہیں کہ اپنے اپنے گھر سال میں دو مرتبہ صاف کرو۔ گھر کی ہر چیز نکال کر باہر ڈال دی جاتی ہے اور مکان کو صاف کرتے ہیں۔ اگر گھر کے آدمی کام کے لئے کافی نہیں ہیں تو مزدور بلاتے ہیں۔ سپاہی فقط اتنا دیکھتا ہے کہ صفائی ہوئی یا نہیں۔ اگر نہیں ہوئی تو گھر والوں سے زبردستی صفائی کرائی جاتی ہے۔

یہاں ہر شخص ملک اور بادشاہ کے لئے جان دینے کو تیار رہتا ہے۔ غیر ملکیوں کے مقابلے میں جاپانی اپنے تئیں کمتر نہیں سمجھتے۔ انسان کی قدر دولت سے نہیں بلکہ لیاقت سے ہے۔ ان میں ہمت اور استقلال حد درجے کا ہے۔ چغلی کھانا بالکل نہیں جانتے۔ ایک جاپانی سے کوئی خطا ہوئی تو دوسرا آکر ہرگز شکایت نہ کریگا۔ سمجھتے ہیں کہ ایک کی شکایت دوسرے کے سامنے کریں گے تو وہ ہم کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ لازم ہے کہ جس کی خطا ہو اُسی سے کہا جائے۔

ہمارے سامنے کی بات ہے کہ پہلے ہر جاپانی جہاز پر انگریز کپتان ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لائیڈ کمپنی میں بیمہ کرانا غیر ممکن تھا۔ آج یہ زمانہ ہے کہ ہر جاپانی جہاز کا کپتان جاپانی ہوتا ہے۔ یہ بھی سُنتے ہیں کہ جنگِ عظیم میں جرمنوں نے دیگر اقوام کے جہازوں

کو تارپیڈو کیا تو ہزاروں مسافر اور ملاح غرق ہوئے لیکن صرف جاپانی ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے تارپیڈو کھائے ہوئے جہازوں میں سے ایک شخص بھی نہیں ڈوبا۔

ساری دُنیا متحیر ہے کہ جاپان اس قدر سُرعت سے اتنی بلندی پر کیسے پہنچ گیا۔ جاپان کو جنگِ عظیم سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ دوسروں کی ناتوانی کے زمانے میں اس نے بہت زور پکڑ لیا۔ اپنی سرکار ہونے کی وجہ سے جاپانی بہت طاقتور بن گئے۔ یہاں جس بات میں رعیت کا فائدہ ہو وہ سرکار کے لئے بھی مفید ہے اور جو بات سرکار کے لئے فائدہ مند ہو وہ رعیت کے لئے بھی مفید ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں سرکار کو ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں ہندی رعیت کو فائدہ پہنچانے میں انگریز رعیت کا نقصان نہ ہو اور اس سے برطانیہ کی سرکار ناراض نہ ہو جائے۔ ہندی اور جاپانی سرکار کے نقطۂ نظر میں جو بیّن فرق ہے وہ اس امر سے ظاہر ہے۔ ہندوستان میں جب کبھی ہم ریلوے کمپنی یا ٹریموے کمپنی سے درخواست کرتے ہیں کہ فلاں مقام کی آب و ہوا اچھی ہے وہاں تک اپنی لائن بڑھا دیجئے تو جواب ملتا ہے کہ پہلے تم وہاں رہنے جاؤ اور بستی بساؤ۔ جب ہم دیکھیں گے کہ لوگ وہاں آباد ہو گئے تو ہم اس امر پر غور کریں گے کہ ریل یا ٹرام کی توسیع کرنے میں ہم کو نقصان تو نہیں ہوتا۔ اب جاپان کا حال دیکھئے۔ یہاں اکثر ایسا ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے کہ ٹریموے کمپنی کو کوئی مناسب مقام نظر آیا تو تحقیقات کرنے کے بعد فوراً نہ صرف توسیع کر دیتی ہے بلکہ بہت سی زمین خرید کر چھوٹے چھوٹے گھر بنا دیتی ہے۔ اوّل اوّل یہ مکان کم کرایہ پر دئیے جاتے ہیں۔ جب بستی بڑھ جاتی ہے تو کمپنی کو فائدہ ہوتا ہے۔

حال میں ٹوکیو گئی تھی اور وہاں ایک ہفتہ گزار کر آئی ہوں۔ میں تنہا گئی تھی۔ اس سبب سے جاپانیوں کی تہذیب کا خوب تجربہ ہوا۔ ریل میں میرے پہلو میں ایک جاپانی بیٹھے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ میں تنہا ہوں تو ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح پیش آئے گویا میں اُن کی مہمان ہوں۔ سامان اُتروانے اور ٹیکسی میں مقام تک پہنچنے میں ذرا بھی دقت پیش نہ آئی۔ ہر آدمی اپنے فرائض سے واقف تھا اور بے انتہا خاموشی سے اپنا کام کرتا تھا۔

ٹوکیو میں بس کمپنی کی سفری بس میں بیٹھ کر ایک روز میں شہر کے تمام مشہور مقامات دیکھ آئی۔ صبح کے نو بجے بس روانہ ہوئی اور بہت سے مقامات دکھاتی ہوئی ڈیڑھ بجے ایک رسٹارنٹ میں پہنچی۔ یہاں بس کی لڑکی نے ایک گھنٹہ پہلے ٹیلیفون سے خبر کر دی تھی۔ بس میں چھبیس مسافر تھے۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور دو بجے پھر روانہ ہو گئے۔ کسی مقام پر بس ٹھیرتی تھی تو آگے آگے لڑکی چلتی تھی اور سب باتیں تفصیل سے بتاتی جاتی تھی۔ اُترنے سے پہلے کہہ دیتی تھی کہ فلاں دروازہ سے اندر جائیں گے اور فلاں دروازے سے بس پر واپس آئیں گے۔ اتنے منٹ یہاں ٹھیریں گے اور فلاں وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ سب لوگ چُپ چاپ اس کے پیچھے چلتے تھے اور کوئی دیر نہ لگاتا تھا۔ سب ساتھ رہتے تھے۔ شام کے پانچ بجے بس اپنے مقام پر واپس آگئی اور سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے روانہ ہو گئے۔ اس طرح صرف ساڑھے تین ین میں تمام شہر پھر کر دیکھ لیا۔ رستوراں میں کھانے کے تیس سین دئے جس میں چاول اور ترکاری اور جاپانی چائے تھی۔ ایک جگہ کوئی گیارہ بجے ہم سب کا فوٹو لیا گیا۔ تین بجے ایک مقام پر ٹھیرے۔ لڑکی ہم کو اندر لے گئی اور جاپانی چائے پلائی۔ اسی مقام پر صبح کی کھنچی ہوئی تصویر سب کو تیس تیس سین میں مل گئی۔ یہ تصویر ایک بالشت سے کچھ چھوٹی ہوگی۔

کتاب کی طرح پٹھوں پر چڑھی ہوئی تھی۔ ایک جانب ہماری تصویر تھی اور دوسری جانب اُن مقامات کی جو ہم نے دن بھر میں دیکھے تھے۔ چلتے وقت ہم سب نے اپنی رہنما لڑکی کی جفاکشی کی تعریف کی اور اُس کا شکریہ ادا کیا کہ ہم کو بڑی خوبی سے سب چیزیں دکھادیں تو اُس نے جواب دیا کہ آپ صاحبان اپنی سیر کا حال اپنے دوستوں سے بیان کیجئے گا اور اپنی خوشی کا اظہار بھی کر دیجئے گا۔

حنیفہ رشید فتح علی؛

جاپانی شاعری کے چند نمونے

کشتیاں

کشتیاں ——
جو ساتھ روانہ ہوئیں
ایک ہی ساحل سے،
ایک ہی وقت
ایک ہی نامعلوم منزل کے لئے
ساتھ ساتھ
ایک دوسرے سے لگی ہوئی،
ملی ہوئی،
آہ!
وہ چلتے چلتے علٰحدہ ہو پڑیں!....

ملاقاتیں

آہ یہ ملاقاتیں خواب کی۔
کتنی حسرت خیز ہیں۔
کس درجہ اندوہگیں!
جب جاگ کر
میرے ہاتھ ڈھونڈتے ہیں
اور تمہارے پیارے نرم ہاتھ نہیں ملتے!

نغمہ

طویل رات کی گہری نیند سے جاگنے پر
کیسا میٹھا ہوتا ہے وہ نغمہ۔
جو موجوں پر جہاز کے چلنے سے پیدا ہوتا ہے۔

میرے خیالات

میرے خیالات ایک کشتی کے ساتھ ہیں!——
جو صبح کے دھندلکے میں
پوشیدہ جزیروں میں
سفر کررہی ہے! آہستہ آہستہ!.....

میں صبح کو اپنے بال نہیں سنواروں گی!

کیونکہ تمام رات میرے حسین دیوتا نے
انہیں اپنے ہاتھوں سے چھوا ہے!

لوگوں نے ہمیں جدا کر دیا!

—— ہمیں اور تمہیں ——
آہ میرے دیوتا
ان کی نہ سنو!
(کمو نوسے)

تمنائی

سکورا کا پھول

ہمارا ملک جاپان ایشیائی ملکوں میں سے ایک ہے اس کے متعلق بہت سے سوالات قابل توجہ ہیں لیکن جاپانیوں کے دلی جذبات اور روحانی خصوصیات اور خصوصاً ان کی قدرت کے ساتھ محبت شاید ہمارے ہندوستانی دوستوں کی سمجھ میں آسانی سے آجائیگی۔

شاید ہی کوئی ایسا جاپانی ہو جو اپنے گھر میں کسی قسم کے پودے یا چھوٹے چھوٹے درختوں کے چند گملے نہ رکھتا ہو۔ جہاں باغ ہوں وہاں اکثر کچھ نہ کچھ درخت یا پودے لگائے جاتے ہیں۔ ان درختوں میں "سکورا" (Sakura) کے درخت اکثر پائے جاتے ہیں۔

"سکورا" جاپان کا عام درخت ہے۔ یہ باغ میں، سڑکوں کے کنارے یا دریا اور نہروں کے کنارے اکثر لگایا جاتا ہے۔ جاپانیوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جو "سکورا" کو پسند نہ کرتا ہو اور اس سے محبت نہ رکھتا ہو۔ پُرانے زمانے سے شاعر بڑی گرم جوشی سے اس کی تعریف کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مصوّر بڑی چاہ سے اس کی تصویریں کھینچا کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم جاپانی اسے اپنا "قومی پھول" خیال کرتے ہیں۔

"سکورا" کا درخت دراصل نہ صرف جاپان میں پایا جاتا ہے بلکہ مشرقی ملکوں میں چین، ہندوستان اور یورپ و امریکہ وغیرہ کے ملکوں میں بھی اُگتا ہے۔ لیکن جو "سکورا" ممالک غیر میں پائے جاتے ہیں وہ ایک قسم کے نہیں ہوتے بلکہ مختلف اقسام کے ہوتے ہیں اور اُن ملکوں کے لوگ شاید اس کے پھول کی زیادہ قدر نہیں کرتے۔ برخلاف اس کے خوبصورتی کے لحاظ سے اور اُس کی خوبیوں کے لحاظ سے جاپانی "سکورا" دُنیا بھر میں بے مثل معلوم ہوتا ہے۔ نیز یہ درخت اس ملک میں بالکل عام ہوتا ہے اور ہر جگہ نظر آتا ہے اس لئے ہمیں اس سے بہت زیادہ محبت ہے۔

جاپان میں تقریباً دس قسم کے "سکورا" ملتے ہیں۔ جن میں سے "ہگان زکورا" (Higan-Zakura) "سومیئی یوشنو" (Somei-yoshino) "یاما زکورا" (Yama-Zakura) اور "یائے زکورا" (Yaye-Zakura) بالکل معمولی قسم کے ہوتے ہیں۔ علاوہ ان کے جنگلوں میں "اِنو زکورا" (Inu-Zakura) "اُوا مِزو زکورا" (Uwa-mizu-Zakura) "ایزو اُوامِزو زکورا" (Ezo-uwamizu-Zakura) "مِیاما زکورا" (Miyama-Zakura) "چوجی زکورا" (Choji-Zakura) وغیرہ وغیرہ بھی اُگتے ہیں۔ لیکن اِن کے پھول خوبصورتی میں مندرجہ بالا "ہگان زکورا" "سومیئی یوشنو" اور "یاما زکورا" وغیرہ کے پھولوں سے مختلف ہوتے ہیں۔

اِس ملک میں جو "سکورا" سب سے اوّل مانا جاتا ہے وہ "کان زکورا" (Kan-Zakura) ہے۔ یہ جاڑے کے زمانے میں کھلتا ہے۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے اور زیادہ تر ملک کے جنوب مغربی حصہ میں پایا جاتا ہے۔ جو "سکورا" وسط مارچ سے لے کر شروع اپریل تک کھلتا ہے وہ "ہگان زکورا" اور "شِدارے زکورا" (Shidare-Zakura) ہیں۔ ان کا پھول بہ نسبت "سومیئی یوشنو" یا "یاما زکورا" کے پھولوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ پھول کا رنگ سفید یا ہلکا گلابی یا کبھی سُرخ بھی ہوتا ہے۔ ان کے دو تین پھول چھوٹی

---

1. Cherry blossom. 2. Prunus Miqueliana. 3. Prunus Miqueliana var. Pendula

چھوٹی ٹہنیوں پر اکھٹے کھلتے ہیں۔ "شدارے زکورا" کے پھولوں کی شکل "ہگان زکورا" کے پھولوں سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ "شدارے زکورا" کی ٹہنیاں بڑی بڑی شاخوں سے زمین کی طرف لٹکتی رہتی ہیں۔ برخلاف اس کے "ہگان زکورا" کی شاخیں معمولی درختوں کی طرح ہوتی ہیں۔

جاپان کا دارالسلطنت ٹوکیو جہاں ہم رہتے ہیں پُرانے زمانہ سے "سکورا" کی وجہ سے مشہور تھا اور اب بھی مشہور ہے۔ ٹوکیو اور اس کے گرد و نواح میں جو "سکورا" پائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر "سومیئی یوشنو زکورا"[۴] ہیں۔ یہ ٹوکیو میں عام طور پر "یوشنو زکورا" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کافی بڑا درخت ہوجاتا ہے۔ اس کا پھول بہ نسبت "ہگان زکورا" کے پھولوں کے بڑا ہوتا ہے۔ "سومیئی یوشنو" کے پھولوں کا رنگ اکثر ہلکا گلابی ہوتا ہے۔ اس کے عام طور پر تین تین چار چار یا کبھی پانچ پانچ پھول ٹہنیوں پر اکھٹے لگتے ہیں اور ننھی ننھی پتیوں کے نظر آنے سے پہلے کھلنے شروع ہوتے ہیں۔ ان پھولوں میں سے خفیف سی خوشبو آتی ہے۔ یہ پھول اپریل کے شروع میں کھلنے شروع ہوتے ہیں اور جب کھلتے ہیں تو صرف چند روز میں گر جاتے ہیں۔ یہ "ساکورا" اکثر پہاڑیوں پر یا میدانوں میں یا دریاؤں اور نہروں کے کنارے گنجان لگائے جاتے ہیں۔ اس لئے جب کھلتے ہیں تو بادل چھایا ہوا یا پردہ پڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

جو درخت سب سے معمولی اور سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں وہ "یاما زکورا"[۵] ہیں۔ یہ جاپان میں ہر جگہ ملتے ہیں۔ خاصکر پہاڑیوں کے جنگلوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی خصوصیات کی ہم جاپانی نہایت قدر کرتے ہیں۔ اس کے پھولوں کا رنگ سفید یا ہلکا گلابی ہوتا ہے۔ اس کے دو دو، تین تین پھول ٹہنیوں پر ملے ہوئے کھلتے ہیں جیسا میں نے اوپر بیان کیا۔ "سومیئی یوشنو" کے پھول جب کھلنے شروع ہوتے ہیں پتیاں نظر نہیں آتیں لیکن "یاما زکورا" کی ننھی ننھی اور عام طور پر سُرخ سُرخ پتیاں پھولوں کے ساتھ نکلنے لگتی ہیں اور پھولوں کی خوبصورتی کو دوچند کر دیتی ہیں۔ نیز "یاما زکورا" کے پھولوں کی یہ خوبی ہے کہ جب کھلنا شروع ہوتے ہیں تو ایک دو دن میں سب پھول کھل جاتے ہیں اور سب کے سب پھول جلد گر جاتے ہیں اور کوئی پھول ٹہنیوں پر باقی نہیں رہتا۔ "یاما زکورا" کے پھولوں میں دوسرے پھولوں کی طرح پانچ پنکھڑیاں ہوتی ہیں اور پھولوں کا قطر تقریباً ایک انچ یا اس سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ اس کی پتی کوئی دو انچ چوڑی اور تین انچ لمبی ہوتی ہے۔

"یاما زکورا" عام طور پر "سومیئی یوشنو" کی طرح ایک جگہ اکھٹے نہیں لگائے جاتے۔ عموماً یہ جنگلوں کے درختوں کی ہری ہری پتیوں کے درمیان کھلتے ہیں۔ سبزے میں ان کی خوبصورتی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ جاپان کے جنوب مغربی حصّہ میں وسط مارچ سے کھلنے شروع ہوتے ہیں اور وسطی حصہ میں اپریل کے شروع میں اور شمال مشرقی حصہ میں اور "ہُکائیدو"[۶] میں مئی کے شروع میں کھلتے ہیں۔ ٹوکیو میں "سومیئی یوشنو" سے کچھ دنوں بعد کھلنے شروع ہوتے ہیں۔

اس ملک میں جو مقام "یاما زکورا" کی وجہ سے مشہور ہے وہ "ضلع نارا" میں "یوشنو یاما" (پہاڑی کا نام) ہے۔ ٹوکیو کے گرد و نواح میں "کوگانیئی" (Koganei —) اور جاپان کے پُرانے دارالسلطنت "کیوتو" کے نزدیک "آراشی یاما" (Arashiyama

---

4. Prunus Yedoenses. 5. Prunus Pseudo-Cerasus. [۶] جاپان خاص کے شمال کی طرف ایک بڑا جزیرہ ہے۔

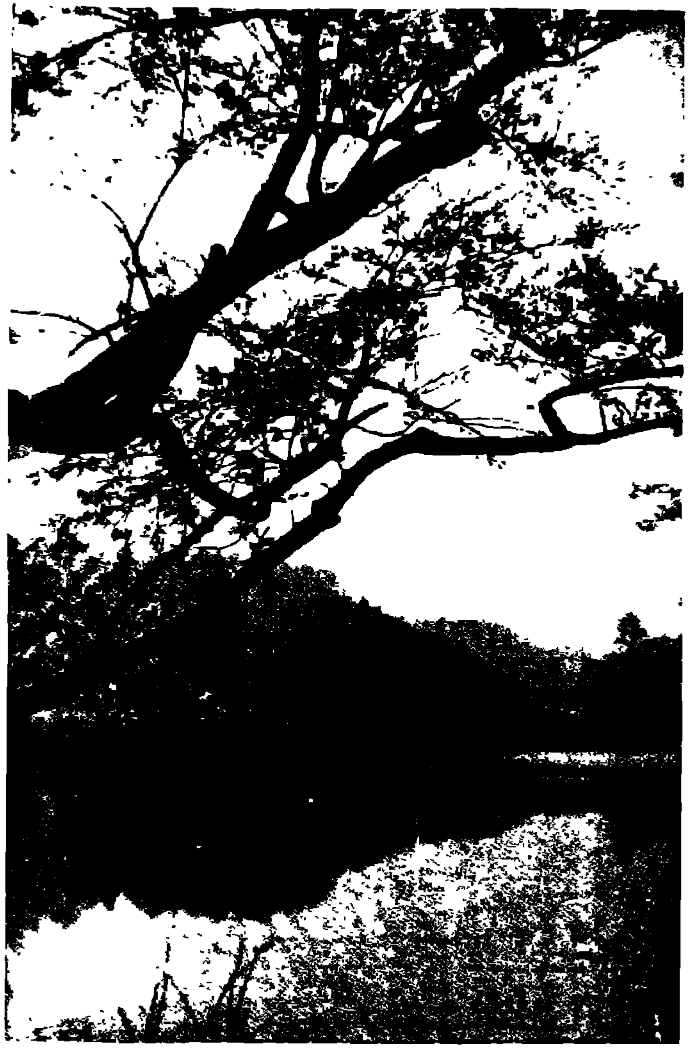


پروفیسر و کاسو



هیگان زکورا

Calcutta Art Press Delhi



یوشیلو زکورا کا درخت



یوشیلو زکورا

Calcutta Art Press Delhi

بھی اس کے لئے بہت مشہور ہیں۔

"یوشینو یاما" اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس پہاڑی کی تلہٹی پر ہزاروں "یاما زکورا" لگائے گئے ہیں۔ اس لئے پھولوں کے زمانہ میں پہاڑی کی پہاڑی بالکل پھولوں کے بادل میں ڈھکی رہتی ہے۔ یہ پہاڑی نہ صرف "سکورا" سے مشہور ہے بلکہ اس کی یاد تاریخ کے لحاظ سے بھی ہم جاپانیوں کے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی اس پہاڑی کی زیارت کو جایا کرتے ہیں۔

"کوگا نیئی" کے "سا کورا" نہر کے دونوں کناروں پر کوئی ساڑھے چار میل کے فاصلہ تک پائے جاتے ہیں۔

علاوہ ان مقاموں کے جاپان بھر میں ہزاروں ایسے مقام ہیں جو "سکورا" کی وجہ سے مشہور ہیں۔ لیکن یہاں ان کے متعلق مفصل لکھنے کے لئے نہ کافی وقت ہے نہ لکھنے کی ضرورت۔

"یاما زکورا" "سومیئی یوشینو" وغیرہ کے پھولوں میں صرف پانچ پنکھڑیاں ہوتی ہیں۔ لیکن کسی قسم کے "سکورا" کے پھولوں کی بہت سی پنکھڑیاں ہوتی ہیں۔ اس قسم کے پھول والے "سکورا" کو "یائے زکورا" (Yaye-Zakura) کہتے ہیں۔ اس قسم کے پھولوں کا رنگ کبھی ہلکا گلابی کبھی سُرخ بھی ہوتا ہے اور دیکھنے میں بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ یہ پانچ پنکھڑیوں والے "سکورا" سے کچھ دیر میں کھلتے ہیں۔ اس کے پھول بہ نسبت پانچ پنکھڑیوں والے "سکورا" کے دیر تک ٹہنیوں پر رہتے ہیں لیکن جب مرجھا جاتے ہیں تو سوکھ کر ٹہنیوں پر لگے رہتے ہیں اور بدصورت معلوم ہوتے ہیں۔

پھولوں کے ختم ہونے کے بعد پتیاں نکلتی ہیں اور ہم اُنہی پتیوں سے لدے ہوئے "سکورا" کے درختوں کو "ہا زکورا" کہہ کر ان کی قدر کرتے ہیں۔ یہ پتیاں خزاں کے موسم میں سُرخ ہو کر گر جاتی ہیں۔

پھولوں کے گر جانے کے بعد چھوٹے چھوٹے پھل آتے ہیں۔ جب یہ پک جاتے ہیں تو سُرخی مائل اُودے رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ یہ پھل یورپ و امریکہ کی چیری (Cherry) کی طرح بڑے نہیں ہوتے اور نہ کھانے کے قابل ہوتے ہیں۔

"سکورا" کے پھولوں کا زمانہ جاپان میں بہت سہانی بہار کا موسم ہوتا ہے۔ سردی کے موسم میں جب کہ "اُومے" (Ume) یعنی بسرہا پھول کھلتا ہے باہر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ اب تک کھیتوں میں گھاسیں بھی نہیں اُگنی شروع ہوتیں اور دیگر پھول بھی نظر نہیں آتے۔ لیکن مارچ کے آخر سے اپریل کا مہینہ ہو گیا تو موسم اچھا ہونے لگتا ہے۔ جاڑے کے زمانے کی مرجھائی ہوئی گھاسیں اُگنے لگتی ہیں۔ آڑو کے پھول کھلتے ہیں اور گھاسوں کے ننھے ننھے پھول بھی کھلنے لگتے ہیں۔ کھیتوں میں جو چھوٹی چھوٹی نہریں بہتی ہیں اُن میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی ہوئی نظر آنے لگتی ہیں۔

"سکورا" کے پھول اس موسم کے کھیتوں، میدانوں، جنگلوں اور پہاڑیوں کو آراستہ کرنے کے لئے کھلنے لگتے ہیں۔ واقعی یہ اُسی موسم بہار کی نایاب نعمت ہے۔ ہر گھر کے لوگ چاہے بوڑھے ہوں چاہے ننھے بچے، مرد ہوں یا عورتیں سب "سکورا" کے پھول دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ اس طرح "سکورا" کی سیر کو جانا جاپانی میں "ہنامی" (Hanami) کہلاتا ہے۔ "ہنامی" کے لفظی معنی ہیں "ہنا" یعنی "پھول کا دیکھنا"۔ چونکہ "سکورا" جاپانی پھولوں میں سب سے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور یہ شروع بہار میں کھلتا ہے اور لوگ اس سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ اس لئے پُرانے زمانہ سے "سکورا" کے پھول کو صرف "ہنا" یعنی پھول کہتے چلے آئے ہیں۔ جاپانی علم ادب میں لفظ "ہنا" اکثر "سکورا" کے پھول کے معنی دیتا ہے۔

جو لوگ "ہنامی" کو جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ کچھ کھانے پینے کی چیزیں اور چٹائی، دری یا کمبل لیجاتے ہیں اُسے ہری ہری گھاس پر بچھاکر بیٹھ جاتے ہیں اور "سکورا" کے پھولوں کی تعریف کرتے اور کچھ کھا پی کر دن بھر کھیتوں میں یا میدانوں میں یا پہاڑیوں پر خوشیاں مناتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی "سکورا" کی تعریف کرکے شعر کہتا ہے اور کوئی پرانے زمانے کے مشہور شعرا کے شعر سُناتا ہو ایسے مقام پر اکثر چھوٹا سا ریسٹارنٹ یا چائے خانہ ہوا کرتا ہے یا عارضی طور پر کھانے پینے کی چیزوں کی دوکانیں لگی ہوتی ہیں۔ اس لئے جو لوگ اپنے ساتھ کچھ نہیں لاتے وہ ایسی دوکانوں پر کچھ کھاتے ہیں اور پیتے بھی ہیں۔

پھر جن لوگوں کے باغ میں "سکورا" کے درخت ہیں وہ اپنے ہاں کچھ دوست احباب کو بُلا کر "ہنامی" کی دعوت دیتے ہیں۔ اس موقع پر باغ کا بڑا ہونا یا درختوں کی تعداد کا زیادہ ہونا ضروری بات نہیں ہوتی۔ باغ کتنا ہی چھوٹا ہو اگر اُس میں صرف ایک ہی چھوٹا سا "سکورا" کا پیڑ ہو تو "ہنامی" کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

جیسا اوپر بیان ہوا، اس ملک میں "سکورا" بالکل معمولی درخت ہی۔ لیکن یہ تعجب کی بات ہی کہ اس معمولی "سکورا" کا کسقدر گہرا اثر جاپانیوں کے دلوں پر ہے۔ جاپانی میں یہ مثل مشہور ہے۔ "پھولوں میں "سکورا" آدمیوں میں "بُشی"" "بُشی" پرانے زمانے کے سپاہی لوگوں کو کہتے ہیں۔ اُس زمانے میں حکومت کی باگ ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اُن کی شرافت، راستگوئی، راستبازی اور نمک حلالی بہت مشہور ہیں۔ وہ اپنے مالکوں کے حکم کو دل و جان سے بجالاتے تھے۔ اپنے مالک کے لئے وہ ہمیشہ اپنی جان دینے کو تیار ہوتے تھے۔ اپنے مالک کے حکم کے مطابق اپنے آپکو بڑے سے خطرے میں ڈالنا فخر کی بات سمجھتے تھے۔ وہ اپنے مالک کے حکم کو پہاڑوں سے زیادہ وزن دار اور اپنی جان کو پرندوں کے پروں سے ہلکی خیال کرتے تھے۔ یہ لوگ اکثر بڑی علمی لیاقت اور ذوق رکھتے تھے اور عام طور پر وہ شاعر بھی تھے۔ ایسے لوگوں کے دلوں پر "سکورا" کے پھولوں کی خوبیوں کا اثر ہونا واقعی لازمی بات تھی۔ وہ اوپر کی مثل کی طرح اپنے آپکو "سکورا" کے پھولوں سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ "یاما زکورا" کے پھولوں کا گرنا دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ "شرافت" کے لفظ سے ادا ہو سکتا ہی۔ جب گرنے لگے تو سب کے سب پھول یکبارگی گر جاتے ہیں اور ایک پنکھڑی بھی ٹہنیوں پر نہیں رہتی۔ اس طرح یہ لوگ بھی جب جان دینے کا وقت آپہنچا تو "یاما زکورا" کے پھولوں کی طرح شرافت سے اپنے آپکو ہلاک کر ڈالتے تھے۔

اب میں "سکورا" اور شاعری پر بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا میں نے اوپر بیان کیا جاپانی علم ادب میں "سکورا" کے پھولوں کو صرف "ہنا" کہتے ہیں۔ اسی "سکورا" کے پھولوں کو دیکھ کر بہت سے شاعروں نے اپنے کمال کا اظہار کیا ہے۔ میں اس جگہ نمونے کے طور پر چند بالکل معمولی شعروں کا ترجمہ کرتا ہوں۔

ایک بڑے شاعر نے جاپانیوں کے دلی جذبات کے متعلق کہا ہے:۔

"اگر پوچھا جائے کہ جاپانی اسپرٹ کیا ہے تو میں جواب دوں گا کہ "یاما زکورا" کا پھول ہے"۔ پرانے زمانے کے دار الخلافہ کیوتو کے بہار کا حال اس طرح بیان کیا ہے:۔

"جہاں تک نظر پہونچتی ہے یہ بہار ہی بہار کی زربفت معلوم ہوتی ہے جو بید کی ہری ہری کونپلوں اور "سکورا" کے پھولوں سے بنی ہوئی ہو"!

"یوشنویاما" کے موسم بہار کے منظر کی تعریف میں ہے:۔

"کُہر کے پردے کے پیچھے تو ٹھیک معلوم نہیں لیکن جدھر نظر پہونچے "سکورا" ہی "سکورا" ہے۔
پُرانے زمانہ کے "بُشی" لوگ اپنی حفاظت کے لئے اور اپنے دشمنوں کو مار ڈالنے کے لئے بڑی اور چھوٹی دونوں تلواریں اپنی کمر میں باندھ کر لیا کرتے تھے۔ اچھا اب بہار کا موسم ہے "سکورا" کا زمانہ ہے" ہنامی کے موقع پر لوگوں کے دلوں سے شک، نفرت، دشمنی سب دُور ہو جانی چاہیئے۔ اس وقت تلواروں کی ضرورت کہاں۔ سب لوگ آپس میں دوست ہوتے ہیں کسی شاعر نے اُن کی کمر کی تلواروں کو دیکھ کر کہا ہے۔

"کیا بات ہے "سکورا" کی تعریف کرنے والوں کی کمر میں تلواریں!
کسی نے دُنیا کی ناپائیداری کی حالت پر آہ سرد بھر کر کہا ہے۔
دُنیا "سکورا" کی طرح ہے جو کھِلنے کے تین روز بعد دیکھا گیا ہو!"

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ "سکورا" کے پھول کھِلنے کے بعد صرف چند روز رہ کر گر جاتے ہیں۔ دُنیا کی ناپائیداری کی حالت بالکل ایسی ہوتی ہے۔ کہ کون کہہ سکتا ہو چند دنوں بعد کیا گزرے گی۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہو کہ جاپانیوں کی محبت اور قدر شناسی ہمارے "سکورا" کے ساتھ قابل توجہ ہو اور چونکہ ہم جاپانی "سکورا" کو اپنا قومی پھول خیال کرتے ہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ قوم جاپان سے غیر ملکی دوستوں کی شناسائی کرنے کا بہترین طریقہ "سکورا" کے پودوں کی نذر کرنا ہے۔ ہم اس کے پودے یورپ و امریکہ کے ممالک کو بھیج چکے ہیں جن کے پھول وہاں ہر سال کھِلتے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی دوستوں میں اگر کوئی قوم جاپان سے دلچسپی رکھتی ہے تو موسم بہار کے زمانہ میں یعنی ہمارے "قومی پھول" "سکورا" کے زمانہ میں ہمارے ملک میں تشریف لاویں، ہم "سکورا" کے ساتھ معزز ہندوستانی دوستوں کا انتظار کریں گے۔

آر۔ گامو (بمقام ٹوکیو۔ جاپان)
پروفیسر مدرسۃ السنہ غیر۔ ٹوکیو۔

کھُریا بہادر

کُساتسُو کے گرم چشمے

پچھلے سال ہم "کرُوئی زاوا" گئے تھے یہ پہاڑی مقام ہے، ہندوستان کے پہاڑوں کی طرح یہاں لوگ گرمی بسر کرنے جایا کرتے ہیں۔ اوّل اوّل غیر ملکیوں نے جانا شروع کیا تھا۔ اب جاپانی بھی جانے لگے ہیں۔ اس کا ریل کا سفر ٹوکیو سے تقریباً چار گھنٹے کا ہے۔ یہاں کئی ہوٹل موجود ہیں۔ اکثر لوگ ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں۔ مگر جو گرمی کا پورا موسم وہیں گزارنا چاہتے ہیں وہ مکان لے کر رہتے ہیں۔ ٹھنڈا مقام ہے۔ ٹوکیو کی حبس کی گرمی سے نکل کر اس جگہ بڑی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ تفریح کے سامان بھی خاصے ہیں۔ ٹینس۔ گالف۔ سینما۔ ناچ گھر وغیرہ سب کچھ ہیں۔ مگر ان سب کے علاوہ ایک خوبی یہ بھی ہے۔ کہ دیگر تفریح گاہیں یہاں سے بہت قریب ہیں۔ گھنٹہ دو گھنٹہ میں کرُوئی زاوا سے کئی جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تفریح سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔ کہیں جھیلوں کے مناظر ہیں۔ کہیں پہاڑوں کی چڑھائی ہے۔ کہیں آتش فشاں پہاڑ قابلِ دید ہیں۔ کہیں گرم چشمے پڑے اُبل رہے ہیں۔ غرض تفریح کے علاوہ انسان تجربات اور معلومات کا بیش بہا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ "کرُوئی زاوا" کے قیام پذیران مقامات کو دیکھنا اپنے پروگرام میں ضرور شامل کرتے ہیں چنانچہ ہم نے بھی کئی مقامات دیکھنے کی تجویز کی۔ جن میں سے خاص طور سے قابلِ ذکر کُساتسو کے گرم چشمے اور "اسامہ" کا آتش فشاں پہاڑ ہے۔

"کرُوئی زاوا" سے "کُساتسو" جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک ٹرام سے دوسرا بس سے۔ دونوں میں وقت تو برابر سرابر ہی لگتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ بس کے راستے میں کوہ اسامہ پڑتا ہے۔ اسواسطے ہم بس سے روانہ ہوئے۔ "کروئی زاوا" سے چار بجے سہ پہر والی بس میں بیٹھے اور اُس نے چھ بجے "کُساتسو" پہنچا دیا۔ راستہ میں کوہ اسامہ دیکھا۔ بس کی سڑک پہاڑ کے دامن میں سے گزرتی ہے۔ اور پورا پہاڑ نیچے سے اوپر تک جُوں کا تُوں دکھائی دیتا ہے۔ پہاڑ میں سے دھواں برابر خارج ہو رہا تھا۔ مگر چونکہ ہم نے "کوہ اسامہ" کی سیر واپسی کے لئے رکھی تھی۔ اس لئے ہم سیدھے "کُساتسو" چلے گئے۔ وہاں کُساتسو ہوٹل میں ٹھیرے۔ ہوٹل پہاڑ پر واقع ہے۔ اور یہاں بہ سب سے بڑا ہوٹل ہے۔ اس میں غیر ملکیوں کے ٹھیرنے کا انتظام ہے۔ ہوٹل سے پہاڑی مناظر خوب دکھائی دیتے ہیں تمام ملازمین ہوٹل باادب اور ہنس مکھ تھے۔ ناشتہ، کھانا جوان لڑکیاں پیش کرتی تھیں، اور ہر بات کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے دیتی تھیں۔ کمروں کی صفائی سُتھرائی کے کیا کہنے۔ سردی خاصی تھی۔ کمروں میں انگیٹھیاں روشن تھیں۔ جاپانی چائے کے دور چل رہے تھے نشست کے دو گول کمرے مع فرنیچر کے موجود تھے۔ کھانے کے کمرے میں بھی میز کرسی کا انتظام تھا۔ یورپین عورتیں مرد بھی ٹھیرے ہوئے تھے۔ یہاں بالکل گھر جیسا آرام میسّر تھا۔ اس ہوٹل کے علاوہ جاپانی ہوٹل بہت سے ہیں۔ جن کی تعداد سو سے اُوپر ہی ہوگی۔ یوں تو ہر ہوٹل میں چشمے کے پانی سے غسل کرنے کے لئے حوض بنے ہوئے ہیں اور سب لوگ ایک ہی حوض میں نہاتے ہیں۔ مگر کُساتسو ہوٹل میں چونکہ غیر ملکی زیادہ ٹھیرتے ہیں اس لئے یہاں عام حوض کے علاوہ الگ الگ بہت سے غسل خانے بنے ہوئے ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے حوض ہیں۔ کُساتسو کے چشموں کی ایک خصوصیت یہ ہے۔ کہ یہاں اکثر حوضوں میں بیٹھنے کا وقت مقرر ہے، کوئی ایک منٹ کا حوض ہے کوئی دو منٹ کا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ہوٹل میں ٹھنڈے پانی کا بھی انتظام تھا۔ کہ اپنی مرضی کے مطابق اُسے ٹھنڈا گرم کریں۔ یہ پانی



کوہ اسامہ (بوقت آتش باری)

Calcutta Art Press, Delhi

مزے میں کھٹّا تھا۔

جب پھر نے جاتے تھے سڑک کے دو طرفہ ہوٹل ہی ہوٹل نظر آتے تھے۔ اور سب ہوٹل بھرے ہوئے تھے "کُساتسو" کا مقام پہاڑوں میں واقع ہے اور یہ خاص طور سے گرم چشموں کے لئے مشہور ہے۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈا اور "کروئی زاوا" سے زیادہ فرحت افزا ہے۔ یہاں کے کُل ہوٹلوں میں گرم چشمے موجود ہیں۔ ان چشموں میں غسل کرنے کے لئے بارہ مہینے لوگ آتے رہتے ہیں۔ جاڑے میں "اسکی" کرنے کے لئے قریب کی پہاڑی پر کافی برف ہوتی ہے، اور بہت اچھا میدان ہے۔ گرم چشمے ہم نے "ہاکونے" "اتامی" اور "نکو" میں بھی دیکھے ہیں۔ مگر جو کثرت یہاں ایک مقام پر دیکھی وہ کہیں نظر نہ آئی۔ گندھک کا کھولتا ہوا پانی ہر جگہ بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور ایک جگہ نلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اِن نلوں کے ذریعہ سے ہوٹلوں میں پانی جاتا ہے۔ پانی کی اس قدر افراط ہے کہ نلوں کے ادھر اُدھر بہہ رہا تھا۔ اِسی پانی میں نلوں کی بغلوں اور چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں لوگوں نے دواؤں کی تھیلیاں اپنے اپنے نام لکھکر ڈال رکھی تھیں۔ ہفتہ دو ہفتہ میں جب دوا پر گندھک کا اثر ہوجائیگا نکال کر لیجائیں گے۔ اسی جگہ پتھر کے روڑوں پر گندھک کی تہ جمی ہوئی ہے۔ ایک ڈلا اُٹھانے کے لئے میں احاطہ کے اندر گھُسی اور کھولتے پانی کو لانگتی پھلانگتی بیچ میں پہنچی۔ پانی کے اندر سے بھاپیں اُٹھ رہی تھیں اور گرمی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اِدھر اُدھر لوگ جمع ہوگئے۔ جب میں باہر نکلی تو ایک عورت نے میری ساڑی کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا اِسے فوراً دھو ڈالئے۔ میں نے دیکھا تو وہ گندھک کے پانی میں بھیگ گئی تھی۔ اس بچاری نے اپنے گھر سے پانی کی بالٹی لاکر دی۔ میں نے ساڑی کا کنارہ جلدی جلدی دھویا۔ مگر اتنی سی دیر میں رنگ کٹ گیا تھا۔ اُس جگہ سے بالکل ہی بے رنگ اور تار تار ہوگئی تھی۔

ایک جگہ بہت بڑا حوض دیکھا۔ دروازہ میں اندر جھانکنے سے نظر آیا کہ عورت مرد مادر زاد ننگے نہا رہے ہیں۔ "کُساتسو" میں مسافروں کی آمد و رفت کی وجہ سے ہر قسم کی سوغات کی دُکانیں بہت ہیں۔ اِنہی دکانوں سے لوگ کچھ نہ کچھ خرید کر گھر لیجاتے ہیں۔ چونکہ اِس جگہ کثرت سے لوگ تفریح کے لئے آتے ہیں اس لئے گیشائیں بھی بہت ہیں جو اپنے ناچ گانے سے مسافروں کو محظوظ کرتی ہیں۔ ایک روز اتفاق سے برلاس صاحب کے کالج کے ایک طالب علم صاحب نے ہم دونوں کو بازار میں پھرتے دیکھا۔ اور جب ہم ہوٹل پہنچے تو وہ صاحب بھی تلاش کرتے کرتے ہوٹل میں آن پہنچے۔ ملکر بہت خوش ہوئے۔ اُردو بولتے تھے۔ ہم نے پوچھا آپ کیسے آئے ہیں۔ بولے گھر سے تفریح کے لئے نکلا ہوں۔ پہاڑوں پہاڑوں پھرتا ہوا یہاں بھی آگیا ہوں۔ ہوٹل میں ٹھیرا ہوا ہوں۔ طالب علم اکثر چھٹیوں میں پہاڑوں کے چوغان لگاتے ہیں یا سمندروں میں تیرتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ وہ اکیلے ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے ہیں۔ آخر وہ ہمیں دوسرے روز اپنے ساتھ اپنے ہوٹل میں لے گئے اور کمرے میں بٹھا کر ایک تحفہ پیش کیا۔ ان کی اس لیاقت سے بڑا دل خوش ہوا۔ کہ اس مسافرت میں ان کو ہمارا اتنا خیال ہوا۔ غرض ان کا بہت سا وقت ہمارے پاس گزرنے لگا۔ اور ان سے بڑی مدد ملی۔ "کُساتسو" کی خوب سیر کرائی۔ "کُساتسو" کی دُکانوں سے جب میں کچھ سوغات خرید رہی تھی تو برلاس صاحب نے ایک تحفہ اِن کے لئے پسند کیا۔ اور انہیں دینا چاہا۔ مگر انہوں نے لینے میں بڑا تامل کیا۔ ہمارے بار بار کے اصرار پر ان کا آخری فقرہ یہ تھا کہ میرے والد صاحب خفا ہونگے کہ آپکو تکلیف کیوں دی۔ اس پر میں نے اُن سے کہا کہ آپ اپنے والد صاحب سے کہدیجئے کہ شاگرد ہمیشہ اساتذہ کی اولاد کے برابر ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ ہمارے بچے ہیں۔ اِس فقرہ پر وہ خاموش ہوگئے اور خوشی سے ساتھ شکریہ کے اُسے قبول کیا۔

برلاس صاحب کو "کوہ اسامہ" پر چڑھنے کی دُھن تھی۔ ان سے ذکر کیا۔ یہ حضرت بھی اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ فوراً رضامند ہو گئے۔ دونوں نے منٹوں میں پروگرام بنا لیا۔ شوق تو مجھے بھی بہت چرا رہا تھا۔ مگر افسوس کہ ٹانگوں پر بھروسہ نہ ہونے کی وجہ سے ڈھل مل یقین تھی۔ اب جب دونوں نے سوالات کی بوچھاڑ کی اور آدھی رات کو چڑھنے کا وقت بتایا تو بالکل مایوس ہو گئی۔ مجبوراً نیند کی دُکھیا نے دونوں سے انکار کر دیا۔ مگر دل تڑپتا رہا۔ میں نے دونوں سے کہا آپ لوگ سدھاریں میں پہاڑ کے نیچے بیٹھی سلامتی کے ساتھ واپسی کی دُعا کرتی رہونگی۔ طالب علم صاحب کی توتلی زبان میں اُردو بڑی پیاری معلوم ہوتی تھی۔ آخر دونوں کے لئے ہوٹل سے زادِ راہ کا انتظام کرایا۔

"کوہ اسامہ" پر چڑھنے کے لئے رات کے بارہ بجے کا وقت مقرر ہے۔ تاکہ ٹھنڈے ٹھنڈے چوٹی پر پہنچ جائیں۔ اور طلوعِ آفتاب کا لطف اُٹھائیں۔ چنانچہ برلاس صاحب اور اُن کے شاگرد ایک دن "کساتسو" سے شام کے چار بجے روانہ ہو گئے۔ اور "کوہ اسامہ" کے دامن میں ایک مقام پر ٹھیرے جس کا نام "مینے نوچایا" ہے۔ یہاں چونکہ صرف پہاڑ پر چڑھنے والے لوگ ہی ٹھیرتے ہیں۔ اس لئے عورتوں کے قیام کے لئے کوئی معقول بندوبست نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے رات "کساتسو" میں بسر کی۔ ان دونوں نے "مینے نوچایا" میں کھانا کھایا اور کچھ گھنٹے سو رہے۔ سرائے والے سے کہکر ایک گائڈ کا انتظام کیا۔ اُس نے کہا کہ میں رات کے بارہ بجے آپکو جگاؤں گا۔ چنانچہ آدھی رات کو اُٹھکر چڑھائی کی تیاری کی۔ برلاس صاحب "اسامہ" پر چڑھنے سے قریب قریب مایوس ہو گئے تھے کیونکہ "کروئی زاوا" میں ان کو کوئی ساتھی نہیں ملا تھا۔ اسی بنا پر گرم کپڑے "کروئی زاوا" چھوڑ آئے تھے۔ یہاں ساتھ چڑھنے والے ملے تو گرم کپڑوں کی عدم موجودگی سے پریشان ہوتے۔ فکرمند تھے کہ چوٹی پر پہنچکر ٹھٹھر جائیں گے۔ اور زکوٹ بھی موسم بہار کا تھا۔ آخر جوں توں کر کے ہمت کر ہی لی۔

"کوہ اسامہ" کی چڑھائی اور چوٹی کا حال برلاس صاحب کی زبانی سُنا ہوا حوالۂ قلم کر رہی ہوں۔ "اسامہ" کی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔ مگر "مینے نوچایا" خود بہت بلندی پر ہے۔ یہاں سے صرف چار ہزار فٹ کی چڑھائی رہ جاتی ہے۔ چوٹی تک پہنچنے کے اور بھی تین مختلف راستے ہیں۔ مگر سب سے آسان اور قریب کا یہی راستہ ہے۔ دونوں دن سے دُعائیں مانگ رہے تھے کہ بارش نہ ہو۔ خدا نے قبول کی۔ موسم بتانے والوں نے بھی اعلان کر دیا تھا کہ دوسرے روز مطلع صاف رہے گا۔ "مینے نوچایا" میں ان دونوں کے پہنچنے سے پہلے بہت سے جاپانی موجود تھے۔ بیان کرتے تھے کہ آدھی رات تک سوا سو آدمیوں کے قریب جمع ہو گئے۔ اس بھیڑ میں اکثر طالب علم تھے۔ جن کی کمر پر تھیلے میں رختِ سفر بندھا ہوا تھا۔ ہمارے طالب علم صاحب بھی خیر سے لدے پھندے تھے۔ مگر اُنہوں نے اپنا سامان سرائے میں چھوڑ دیا تھا۔ کچھ کیک بسکٹ پانی کی بوتل گائیڈ کے حوالے کر دی تھی۔ برلاس صاحب نے کھانے کا سامان لیمونیڈ کی بوتلیں گائیڈ کو دیدی تھیں۔ پہاڑ کا راستہ پتھریلا ہے جوتے بہت ٹوٹتے ہیں۔ جاپانی عموماً گھاس کے موٹے موٹے چپل پہن کر چڑھتے ہیں۔ واپسی پر وہ چھلنی ہو جاتے ہیں۔ انہیں پھینک دیتے ہیں۔ یہ چپل اور ان پر پہننے کی جاپانی جُرابیں سرائے میں فروخت ہوتی ہیں۔ پہاڑ پر چڑھتے وقت سہارا لینے کے لئے لکڑیاں بھی بکتی ہیں۔ سرائے کا کرایہ غضب کا سستا ہے۔ میں نے سُنا تو حیران رہ گئی۔ پچاس سین میں بستر اور صبح کا ناشتہ جو لوگ پہاڑ پر سے اُتر کر نوش کرتے ہیں دیا جاتا ہے۔ البتہ سب لوگ ایک بڑے کمرے میں سوتے ہیں۔

برآس صاحب کہتے تھے کہ چڑھنے تو چڑھ گیا مگر چولیں ڈھیلی ہوگئیں۔ بیان کرتے تھے کہ گائیڈ بڑا تیز رفتار تھا اور ویسا ہی جاپانی طالب علم۔ دونوں سرپٹ اڑے چلے جارہے تھے۔ میں تو دو منزلوں میں ڈھیر ہوگیا۔ چوٹی تک پہنچنے کے لئے ایسی ایسی پانچ چھ منزلیں اور طے کرنی تھیں۔ مگر جوں توں کرتا ان کے پیچھے چڑھتا ہی چلا گیا۔ اب تمہارا خیال آیا اور شکرانہ ادا کیا کہ تم ساتھ نہ ہوئیں۔ ورنہ اپنی تکلیف کے ساتھ تمہاری ہتھیا مزید تکلیف کا باعث ہوتی۔ پہاڑ پر چڑھنے والے بہت سے تھے۔ اُن کو دیکھ دیکھ کر ہمت بڑھتی جاتی تھی۔ گائیڈ برابر برقی شمع دکھاتا اُڑا چلا جارہا تھا۔ اور سب کے پاس بھی برقی شمعیں موجود تھیں۔ ان کی جھلمل جھلمل دُور دُور سے پہاڑ پر بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ "ہنے نوچایا" سے رات کے ایک بجے روانہ ہوئے اور صبح ہوتے ہوتے چوٹی پر پہنچ گئے۔ اس وقت ساڑھے چار بجے تھے۔ سورج نکلنے والا تھا۔ اُجالا خوب ہوگیا تھا۔ چوٹی پر ہوا اس قدر تیز تھی کہ ٹھنڈ سے بدن کانپنے لگا۔ اوپر پہنچتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ گائیڈ سے اپنا توشہ مانگ کر تینوں نے کھایا۔ تب بدن گرم ہوا۔

چڑھائی کی تکان تو کافی تھی مگر سردی کی وجہ سے پیاس مطلق نہ تھی۔ لیمونیڈ کی ایک بوتل میں تینوں سیر ہوگئے۔ چاروں طرف لوگ چٹانوں کی اوٹ لئے بیٹھے تھے کہ جھکڑ سے پناہ ملے۔ تھوڑی دیر میں سورج طلوع ہوا اور گرمی پھیلی۔ طلوع آفتاب کا منظر جیسی تعریف سُنی تھی ویسا نہ پایا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرق کی طرف مطلع ابر آلود تھا۔ مگر سورج نکلنے پر چاروں طرف کا منظر نہایت دلفریب تھا۔ چڑھنے سے جسقدر کوفت ہوئی تھی وہ اس دلربا منظر کو دیکھکر کافور ہوگئی۔ نیچے ایک جانب بادلوں کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ دُور سے کوہ فجی کی چوٹی پہاڑوں میں سے تاک رہی تھی۔ گائیڈ نے دیکھکر بتایا کہ آج کا مطلع خوش قسمتی سے بہت صاف ہے۔ ورنہ یہاں سے کوہ فجی کی چوٹی کا نظارہ تقریباً ناممکن ہے۔ شمال مغرب کی جانب جاپانی ایلپس کا سلسلہ تھا جس کی چوٹیوں پر برف موجود تھی۔ اور یہ شروع اگست کا زمانہ تھا۔

آتش فشاں کے دہانہ پر گئے بہت بڑا قمقمہ سا پیالہ ہے۔ بیچ بیچ میں پگھلے ہوئے پتھر جل رہے ہیں۔ چاروں طرف کھنڈلوں سے گندھک کا دھواں نکل رہا ہے۔ ہوا تیز ہونے کی وجہ سے دھواں منتشر ہوکر آگ کو چھپا رہا تھا۔ آگ کا فوٹو صاف نہیں آیا اگرچہ کئی فوٹو لئے۔ پیالہ کے دوسرے اطراف میں دیگر سمتوں سے چڑھے ہوئے لوگ موجود تھے۔ پیالہ کا ایک چکر لگایا جو تقریباً آدھ میل ہوگا۔ پھر گائیڈ نے واپسی کی جلدی کی۔ دوسرے لوگ بھی اُترنے شروع ہوگئے تھے۔ چوٹی پر دیکھا کہ ایک یوروپین مرد اور عورت بھی موجود ہیں اور چند جاپانی عورتیں بھی ملیں۔ اُترنا بڑا آسان تھا۔ چڑھائی میں ساڑھے تین گھنٹے لگے تھے، اُترتے وقت ڈیڑھ گھنٹہ میں سرائے میں پہنچ گئے۔

پہاڑ کی چڑھائی پر تھوڑی دُور تک تو جنگل ہے۔ مگر درخت زیادہ اُونچے نہیں ہیں۔ اس کے بعد راستہ ریتیلا ہے۔ پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ چوٹی کے قریب زمین سخت ہے اور پھر اوپر تو بالکل پتھر ہی پتھر ہیں۔ گائیڈ نے جلدی اُترنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس پہاڑ کا کوئی اعتبار نہیں کیا معلوم کس وقت آتش باری کرنے لگے۔ اپنی جان سلامت لیکر واپس چلا جانا ہی بہتر ہے۔ پہاڑ کے دامن میں سرائے کے پاس ایک چھوٹا سا عجائب خانہ ہے جس میں "اسامہ" کی آتش باریوں اور تباہ خیزیوں کے حالات درج ہیں۔ لاوا کے نمونے بھی موجود ہیں۔ جب اس پہاڑ کو جوش آتا ہے تو جلتے ہوئے پتھر میلوں دُور جاکر گرتے ہیں۔ تقریباً سو برس پہلے ایسی سخت آتش باری ہوئی تھی کہ پہاڑ میں سے لاوا نکل کر کئی میل بہتا ہوا "گسا تسو" کی جانب چلا گیا تھا۔ اس جانب "ہنے نوچایا"

سے ایک میل پر بس ٹھیرتی ہے۔ جو لوگ لاوا کی سیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کو دس پانچ منٹ دیکھنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ یہ مقام ہم نے بھی دیکھا ہے۔ دُور دُور تک جدھر نظر جاتی ہے لاوا ہی لاوا نظر آتا ہے۔ اس کی شکل ایسی ہے جیسے گرمی میں کوئی تالاب خشک ہو جاتے تو اُس کی مٹی جگہ جگہ سے پھٹ جاتی ہے۔ وہی حال اس لاوے کا ہے۔ جب منجمد ہوا تو سُکڑ کر پھٹ گیا۔ اکثر جگہ اس کی تہ کئی کئی گز موٹی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسا قہرِ الٰہی نازل ہوا تھا۔ کوہ اسامہ کے اطراف میں دُور دُور تک آبادی کا پتہ نہیں ہے۔ زمین بالکل بنجر ہے۔ کہیں کہیں زرخیز قطعہ پر ایک آدھ مکان نظر آتا ہے۔ یہ مکانات "اسامہ" کی آتش باری کی زد میں ہیں۔ اور پتھروں کی بارش سے انہیں نقصان پہنچتا ہے۔

جاپان میں خودکشی بہت عام ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں میں گر کر راکھ ہو جانا بھی خودکشی کا ایک طریقہ ہے۔ چنانچہ کوہ اسامہ کے پیالہ میں بھی لوگ خودکشی کرنے آتے ہیں مگر چونکہ اس کی چڑھائی بہت تکلیف دہ ہے۔ بڑے مستقل مزاج ہی اِدھر کا رُخ کرتے ہیں جس روز برلاس صاحب اوپر چڑھے ہیں اُس کے ایک روز قبل ہی چالیس سالہ عورت نے "اسامہ" کی چوٹی پر خودکشی کی۔ گرمی میں تو اس پہاڑ پر لوگ چڑھتے ہی ہیں مگر ایسے ہمت والے بھی ہیں جو جاڑے میں اوپر چڑھتے ہیں۔ ہر سال "ینے نوچایا" کے راستے سے ڈھائی تین ہزار آدمی چڑھ جاتے ہیں۔ تمام راستوں کی میزان لگائی جائے تو چھ سات ہزار کے قریب پہنچے گی۔

صبح کو جب یہ دونوں پہاڑ سے اُترے تو مِس "کُساتسو" سے آن پہنچی تھی اور ان کی منتظر تھی۔ دونوں حال سے بے حال ہو رہے تھے۔ چہرے اُترے ہوئے تھے۔ دونوں ناشتہ کے لئے بیٹھے مگر برلاس صاحب تکان کی وجہ سے کچھ نہ کھا سکے۔ ہم دونوں "کروئی زاوا" پہنچے اور طالب علم صاحب خدا حافظ کہکر پہاڑوں میں گھومنے کے لئے بس میں بیٹھکر اودر طرف روانہ ہوئے۔

مسٹر برلاس

جاپانیوں کی چند خوبیاں

جاپان پر آجکل بہت کچھ لکھا جارہا ہے اور لوگ اس ملک سے بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔ خود جاپانی بھی بڑے زوروں سے پرچار کر رہے ہیں کہ انکی کوئی خوبی اور انکے ملک کی کوئی خوبصورتی چھپی نہ رہے۔ بیشک ان کا ملک بہت خوبصورت ہے لیکن ہمارا ہندوستان کیا کم ہے۔ فرق یہی ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ غیر ملکی آکر انکا ملک دیکھیں اور خوش ہوں۔ ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی مقصد ہے کہ خود جاپانی اپنے ملک کو دیکھیں، پہچانیں اور قدر کریں۔ اس وجہ سے یہ لوگ ہر جگہ پہنچنے پہنچانے کی سہولتیں پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو کھینچتے ہیں۔ اسکے برخلاف ہندوستان میں اگرچہ نایاب چیزیں اور مقامات موجود تو ضرور ہیں لیکن ان کی قدر کون کرے؟ اتنی تکلیف اُٹھا کر وہاں پہنچے کون؟ وہاں پہنچنا بھی تو اتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ اس قدر انتظام اور پیسے کی ضرورت ہوتی ہے کہ صرف پیسے والوں کا کام ہے۔ اگر ایسے مقامات پر کوئی پہنچ بھی جائے تو ٹھیرے کہاں؟

جاپانیوں کو نیچر، پھول، درخت اور ہر قسم کی خوبصورتی کا اس قدر شوق ہے کہ کسی چھٹی کے روز آپ پھرنے نکلیں تو دیکھیں گے کہ خاندان کے خاندان اپنے بال بچوں کو ساتھ لئے کھانے پینے کی پوٹلیاں باندھے نکل پڑے ہیں اور سیر کرنے چلے جارہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ساتھ ہیں۔ ایک ماں کی پیٹھ پر بندھا ہے، دوسرا اسکی انگلی پکڑے ہوئے ہے، دو ایک باپ کے ساتھ ہیں۔ اگر بڑے ہیں تو آپ ہی کھیل کود کو چلے گئے ہیں۔ ہر ایک کی پیٹھ پر چھوٹی سی تھیلی ہوگی جس میں ان کا کھانا پینا ہوتا ہے۔ بے تکلفی سے جہاں جی چاہا بیٹھے اور کھالیا۔ پھولوں کے موسم میں تو کہیں بھی جائیے، ریل، ٹریم، بس، ہر سواری اتنی بھری ہوئی ہوتی ہے کہ بیٹھنا تو کیا کھڑے رہنے کو جگہ نہیں ملتی۔ پھر سب کیسی خوشی سے تکلیف سہتے ہیں، کوئی غصے نہیں ہوتا، کوئی دھکا پیلی نہیں کرتا، کوئی گھبراتا نہیں۔ بچے بھی اگرچہ کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔ مگر کوئی روتا دھوتا نہیں۔

غریب سے غریب گھر دیکھئے وہاں بھی کچھ نہ کچھ پھول یا پودے ضرور ملیں گے۔ پہاڑ، دریا اور ہر قسم کے خوبصورت منظر کی بہت قدر کرتے ہیں یہ بات کیسی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ اتنے مادہ پرست ہیں کہ کارخانے اور جنگی جہاز بناتے چلے جاتے ہیں۔ مگر دوسری طرف خوبصورت اور نفیس چیزوں کی ایسی قدر کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں اگرچہ بے حد خوبصورت مقامات اور پھول اور ہر قسم کی اعلیٰ چیزیں موجود ہیں لیکن انکی قدر کرنے والے بہت ہی کم ہے۔ بابر بادشاہ نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ جب میں ہندوستان آیا اور ایک دریا کے کنارے مقام کیا تو مجھے یہ دیکھکر بڑا تعجب ہوا کہ لوگوں نے خیمے لگائے تو انکی پیٹھ دریا کی طرف کر دی۔ اس کو حیرت ہوئی کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ خوشنما منظر کی طرف منہ کرنا چاہیئے یا پیٹھ۔

یہاں کے لوگوں کے چہرے دیکھنے سے کسی کو کبھی خیال بھی نہیں آسکتا کہ ان میں اتنا مادہ ہوگا۔ ایسے بڑے بڑے کام اتنی آسانی سے کر ڈالتے ہیں کہ آدمی دیکھتا رہ جائے۔ اور عش عش کرے۔ جاپانی وزراء، کلکٹر ضلع اور بڑے بڑے لوگ اتنی سادگی سے چلتے پھرتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ انکی بھی کوئی غیر معمولی شخصیت ہوگی۔ ہمارے یہاں کسی کو ذرا سا عہدہ ملجائے تو وہ لاٹ صاحب بن جاتا ہے

جہاں جائیگا اس کے ساتھ مصاحب، نوکر چاکر ضرور ہوں گے۔ سب سے اسی طرح پیش آئیگا کہ دُنیا کا مالک یہی ہے۔

ہمیں جاپان میں آئے ہوئے مدت ہوگئی لیکن روز انکی نت نئی باتیں دیکھتے ہیں۔ یہاں اپنے چند مشاہدات لکھتی ہوں۔ ایک مرتبہ ہم کسی دوکان میں کھڑے ہوئے تھے کہ دو بائیسکلیں سامنے سے آکر ٹکرائیں۔ ایک بائیسکل پر دودھ والا تھا جو بہت سی دودھ کی بوتلیں لئے جا رہا تھا۔ وہ سب گر کر ٹوٹ گئیں۔ دونوں زمین پر گر پڑے تھے۔ دونوں اُٹھے۔ اپنی اپنی بائیسکل اُٹھائی جس کا قصور تھا اس نے دوسرے سے معافی چاہی۔ دوسرے کو ضرور غصہ آیا۔ اس کا سب دودھ بہہ گیا تھا۔ اور بوتلیں ٹوٹ گئی تھیں۔ مگر اس نے کچھ گالی گلوچ نہیں کی جو ہمارے یہاں فوراً شروع ہوجاتی۔ کچھ مارکٹائی نہیں ہوئی۔ اس نے فقط یہ کہا کہ میرے ساتھ پولس میں چلو۔ دونوں نے اپنی بائیسکل لی اور بیٹھ کر پولس میں فیصلے کے لئے چلے گئے۔ یہاں کی پولس کو بہت اختیار ہیں۔ چھوٹے موٹے معاملوں میں خود فیصلہ کردیتی ہے۔ عدالت میں دھکے کھانے کی نوبت نہیں آتی اور معاملہ طوالت اختیار کئے بغیر اُسی وقت طے ہوجاتا ہے۔

راستے میں ہمیشہ چھوٹے موٹے حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ ٹوپی اُتار کر جھک جُھک کر معافی مانگ لیتے ہیں اور اپنا راستہ لیتے ہیں فضول جھگڑے اور مار پیٹ میں وقت ضائع نہیں کرتے۔

ہم ایک مدرسہ دیکھنے گئے۔ وہاں پھرتے پھراتے ایک جگہ پہنچے جہاں بچوں کیلئے کھانے کے ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ دوپہر کو چھٹی کے وقت بچّے وہاں سے خرید کر کھاتے تھے۔ مگر کوئی بیچنے والا یا قیمت وصول کرنے والا نہ تھا۔ بچے خود وہاں سے کھانا اُٹھائیں۔ اور مقررہ قیمت ایک ڈبے میں ڈال دیں۔ انکی ایمانداری پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا کہ بچہ پیسے ڈالتا ہے یا نہیں۔ پھر بھی بچے ہمیشہ پیسے ڈال کر کھانا اُٹھاتے تھے۔ ان کو یہی سکھایا گیا تھا۔ آفرین ہے ان بچوں پر اور صد آفرین ہے مدرسے والوں پر کہ بچوں پر اعتبار کر کے ان کو پکا ایماندار بنا دیا۔ ہمارے یہاں بمبئی میں بڑے بڑے سیٹھ اگر چپکے سے بغیر ٹکٹ لئے کنڈکٹر کی آنکھ بچا کر نکل سکیں تو بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی ہے۔

کوبے میں عورتوں کی ایک کلب ہے جس میں بہت سی قوموں کی بیبیاں ممبر ہیں۔ ان میں یوروپین، امریکن، جاپانی، ہندی سب شامل ہیں۔ ایکدفعہ اس کلب کا جلسہ شہر کے باہر تھا۔ جہاں ریل سے جانا تھا۔ ایک وقت مقرر تھا کہ سب اسٹیشن پر ملیں اور ساتھ روانہ ہوں۔ وقت ہوگیا، ریل آئی اور سب چل دیئے۔ تھوڑی دیر میں ایک امریکن بی بی آئی۔ جب اس نے دیکھا کہ سب چلے گئے تو ذرا گھبرائی۔ اسٹیشن والوں نے دیکھا تو ہر طرح اسکی مدد کرنے کو تیار ہوگئے۔ کہا ہم تمہاری ٹولی کو ٹیلیفون کرتے ہیں کہ جس اسٹیشن پر تمہیں جانا ہے وہاں ٹھہری رہیں۔ اسکی بہت خاطر کی جس کی اور ملک میں کبھی توقع نہیں ہوسکتی۔ جب وہاں پہنچی تو ہر ایک کی زبان پر یہی کلمہ تھا کہ یہ لوگ غضب کے متواضع ہیں۔ اور غیر ملکیوں کی کتنی خاطر کرتے ہیں۔

جاپانی اپنے ملک پر بیحد فخر کرتے ہیں۔ اور اس سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ دُنیا میں ایسا اچھا کوئی ملک نہیں ہے۔ برخلاف اسکے یہاں بہت سے ہندوستانی ہیں۔ جو ہندی کہلانے سے شرماتے ہیں اور اپنے ملک کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ یہاں بہت سے ہندی بچے نظر آتے ہیں جو ہمیشہ کہتے ہیں "اِندو کرائی" (ہندوستان بُرا) "اِندو جن کرائی" (ہندوستانی بُرے) اُن کی مائیں یہ باتیں بڑے فخر سے دوسروں کے سامنے بیان کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ دیکھو ہمارا بچہ کیسا ہوشیار ہے۔ جاپانی نوکریں بھی یہ باتیں سنتی ہیں، وہ کیا خیال کرتی ہونگی۔ افسوس کہ یہاں اکثر ایسے لوگ آتے ہیں۔ جنھوں نے دُنیا بہت کم دیکھی ہے۔ معلوم نہیں اُنہیں کس گاؤں سے پکڑ کر بھیج دیا جاتا ہے۔ انہی کے اطوار سے جاپانی ہندیوں کا اندازہ کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم روز بروز انکی نظروں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔

گنوار ہندوستانیوں کے گھروں میں جاپانی نوکریں اتنی بگڑ جاتی ہیں کہ اپنے آپ کو سیٹھانی سمجھنے لگتی ہیں۔ جب گھر والی کو کچھ تمیز نہیں تو نوکر ہی سب کچھ سمجھاتی ہو اور ہر بات میں اسکی رائے لیجاتی ہو۔ انجام یہ ہوتا ہو کہ وہ سر پر ناچنے لگتی ہے اور ایسا رویہ اختیار کرتی ہو جو دوسرے گھروں میں برتنے کی اسے کبھی مجال نہ ہو۔ میری ایک جاپانی دوست بہت سے ہندی گھروں میں جاتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ہندی گھروں کی نوکریں بڑی بدتمیز اور گستاخ ہوتی ہیں۔

ہندوستان کے گاؤں کی عورتوں کی بدتمیزیاں اُس وقت تک دور نہیں ہوسکتیں، جب تک گاؤں گاؤں تعلیم نہ پھیلے اور جب تک اچھی تعلیم نہ دیجائے۔ مائیں جاہل ہونگی تو بچوں سے کیا امید رکھی جاسکتی ہو۔ یہاں مدارس اور تعلیم کی اصلاح کیلئے جو کچھ کیا جارہا ہے اُسے دیکھہ دیکھکر ہمیں اپنے ملک کی حالت پر رونا آتا ہو۔ یہاں ہندوستان کی بہت سی بیبیاں تھوڑی بہت کوشش کررہی ہیں۔ ہندی عورتوں کی ایک کلب ہو۔ جہاں ہم سال بھر تک سلائی اور دستکاری کی چیزیں تیار کرتے ہیں۔ اور پھر برس میں ایکبار بازار لگاکر سب سامان بیچتے ہیں۔ ہندیوں کی کوٹھیوں سے بھی جو کچھ مل سکتا ہے جمع کرلیتے ہیں۔ اس کے جو پیسے جمع ہوتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ہندوستان بھیجا کرتے ہیں کیونکہ آجکل ہمارے ملک میں سب سے بڑی ضرورت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔ حال میں کوبے میں بازار لگا تھا۔ تقریباً ایک ہزار ین جمع ہوئے۔ یہ رقم آل انڈیا ویمنز کانفرنس کے ایجوکیشن فنڈ میں بھیجنے کا ارادہ ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کیلئے اتنی حقیر رقم سمندر میں قطرے کے برابر ہے۔ مگر قطرہ قطرہ بہم شود دریا کی توقع میں ہماری کوشش جاری ہے کہ وہ دن آئے کہ ہم بھی اور قوموں کے سامنے بغیر شرمائے سر اُٹھا سکیں اور برابری کا دعوےٰ کرسکیں +

قمر النساء حسن الف علی

محبت

محبت . . محبت کیا ہے ؟
میں موسیقی میں محبت محسوس کرتا ہوں
۔۔۔۔۔۔ شاعری میں
آفتاب کی سنہری کرنوں سے اسے دیکھتا ہوں
۔۔۔۔۔۔ مرطوب جنگلوں میں
۔۔۔۔۔۔ اور نیلے چمکیلے سمندروں میں
لیکن عملی زندگی میں ؟
عروسی بستر پر ؟
جذبات اور پسینوں کی آمیزش میں ؟

میرے خیالات اتنے بلند ہیں
کہ میں کسی سے محبت نہیں کرسکتا !
اور اس لئے میرا خیال ہے کہ
کوئی مجھ سے بھی محبت نہیں کرسکتا

+ + + +

میں محبت نہیں کرتا،
پھر بھی مجھے محبت سے بہت محبت ہے
خوش قسمت ہیں وہ جنہیں تجربہ نہیں
پھر بھی اعتقاد ہے !

(کیمبولوسے)

(تمنائی)

جاپانیوں کا معیارِ زندگی

جاپانیوں کی معاشرت ایک لحاظ سے بہت سادہ ہے۔ مگر اس سادگی میں تکلف موجود ہے۔ امیر سے لیکر غریب تک ہر شخص کی زندگی خواہ وہ خانگی ہو یا پبلک، گنوارپن اور بیہودگی سے پاک ہے۔ باوجود نزاکت اور تکلف کے انکی معاشرت بہت کم خرچ ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو مغربی ممالک میں نظر آتا ہو اور یہاں موجود نہ ہو۔ مگر ان ممالک کے مقابلے میں یہاں ہر چیز سستی ہے۔

غریب سے غریب جاپانی شائستہ اور مہذب ہوتا ہے۔ متوسط طبقے کے لوگوں کی آمدنی مغرب والوں کے پاسنگ بھی نہیں۔ ہندوستان کے اسی طبقے کے لوگوں سے بھی انکی آمدنی بہت کم ہے۔ مگر جو آسائشیں ان کو میسر ہیں وہ ہندوستانیوں کو نصیب نہیں۔ اس قلیل آمدنی پر ان کے مذاق میں بہت نفاست ہے۔ خوش خلقی ان کا ایمان ہے۔ بظاہر سختی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر لطافتِ مذاق کی وجہ سے زندگی کا پورا لطف اٹھاتے ہیں۔ انگریزی کی ایک مثل ہے "سادہ زندگی اعلیٰ تخیل" وہ ان پر پوری طرح صادق آتی ہے خوشحال طبقہ بھی پیشے کی افراط میں غیر ملک والوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا مگر ہر قسم کے تعیشات سے بہرہ مند ہے۔

اس مضمون میں جاپانیوں کی آمدنی اور خرچ پر تفصیلی بحث کیجائے گی۔ اس کو قابل فہم بنانے کے لئے جاپانی سکے کا مختصر حال بیان کردینا ضروری ہے۔ یہاں ین کا سکہ چلتا ہے۔ جس کو جاپان کا روپیہ کہنا چاہیئے۔ چار سال پہلے تک سونیکا سکہ رائج تھا جو دس ین کا ہوتا تھا۔ دنیا کی کساد بازاری سے متاثر ہوکر اول انگلستان نے سونیکا سکہ ترک کیا پھر جاپان نے سونے کا سکہ ترک کرنیکی وجہ سے ین کی قیمت گرگئی۔ پہلے ایک ین ڈیڑھ روپے کے برابر تھا۔ اب صرف تیرہ آنے کا رہ گیا ہے۔ ین کی قیمت گرنے سے ملک کے اندرونی اقتصادی نظام میں کوئی نمایاں فرق نمودار نہیں ہوا۔ البتہ غیر ملکی تجارت پر اس کا اثر پڑا ہے۔ جاپان سے جو مال برآمد ہوتا ہے۔ وہ غیر ملک والوں کو سستا پڑتا ہے۔ اور غیر ملکوں سے جو مال جاپان آتا ہے۔ وہ جاپانیوں کو دگنا پڑتا ہے۔ جاپان کی درآمد برآمد سے زیادہ ہے۔ ہندوستانی روپے کے چونسٹھ پیسے ہوتے ہیں۔ اور جاپانی ین کے ایکسو سین۔ گویا موجودہ شرح تبادلے کے حساب سے ایک آنے کے آٹھ سین ہوتے ہیں۔

جاپان کی تقریباً نصف آبادی زراعت پیشہ ہے۔ زراعت میں عورت مرد سب کام کرتے ہیں۔ بچے بھی اوقات تعلیم کے علاوہ ماں باپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ زراعت پیشہ لوگ کاشتکاری کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی کچھ پیدا کرلیتے ہیں۔ سب سے اہم غیر زرعی شغل ریشم کے کیڑے کی پیداوار ہے بہت سی دیہاتی مصنوعات بھی اضافۂ آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ غرضکہ یہ لوگ بارہ مہینے جُتے رہتے ہیں۔ زرعی مزدوروں کی اوسط روزانہ اُجرت ۴۰ سین ہے۔ عورت کی مزدوری ۳۰ سین ہے اور بچوں کی انکی نصف یعنی پندرہ سین روزانہ۔ یہ سال کے حساب سے کام کرنے والوں کی اُجرت ہے جن مزدوروں کو صرف ایک موسم کیلئے رکھا جاتا ہے۔ ان کو ڈیوڑھی مزدوری یا اس سے بھی زیادہ دیجاتی ہے۔ عورتوں کی موسمی مزدوری کی اُجرت تو دُگنی ہوجاتی ہے۔ ہر کاشتکار خاندان کی [illegible] پانچ چھ افراد شامل ہوتے ہیں۔ اوسط آمدنی ۱۰۰۰ ین سالانہ ہوتی ہے۔ یہ آمدنی ان لوگوں کے لئے بالکل کافی بلکہ کافی سے [illegible] ہے۔ مگر تمام دنیا کے کاشتکاروں کی طرح یہ قرضدار بہت رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ خوشحال نہیں ہوتے۔

تقریباً پچیس فیصدی آبادی صنعت و حرفت میں لگی ہوئی ہے۔ یہاں بھی عورت مرد بچے سب کام کرتے ہیں۔ صنعت پیشہ خاندان کی

سالانہ آمدنی زرعی خاندان سے زیادہ ہے۔ صنعتوں میں ۴۹ فیصدی مرد کام کرتے ہیں اور ۵۱ فیصدی عورتیں۔ ان میں ۱۶ سال سے کم عمر کے بچے بھی شامل ہیں۔ بچوں کی تعداد کل صنعتی آبادی کی ۱۰ فیصدی ہے۔ عورتوں کا تناسب پارچہ بافی کی صنعت کی وجہ سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کی تعداد اس صنعت میں سوا سات لاکھ ہے اور تناسب ۸۲ فیصدی ہے۔ گویا جس کارخانہ میں جائیے عورتیں ہی عورتیں نظر آئینگی۔ اس صنعت میں عورت کی اوسط روزانہ مزدوری ۵۷ سین ہے اور مرد کی ایک ین ۶۰ سین۔ دوسری صنعتوں میں مردوں کی تعداد ۷۰ فیصدی ہے اور عورتوں کی ۲۲ فی صدی۔ ہر صنعت میں کام اور کاریگری کے لحاظ سے اُجرت مختلف ہے۔ مردوں کی کم از کم اوسط روزانہ اُجرت ایک ین ۵۰ سین ہے اور زیادہ سے زیادہ ۲ ین ۳۰ سین۔ عورتوں کی اوسط روزانہ اُجرت ۷۵ سین ہے۔ صنعتی مزدوروں کی حالت بہر حال زرعی مزدوروں سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ دیہات سے شہروں میں آ آ کر آباد ہو رہے ہیں۔ اور شہروں کی آبادی بڑھ رہی ہے۔

خانگی ملازمین میں مردوں کی اوسط ماہانہ تنخواہ ۱۲ ین ہے۔ اور عورتوں کی ۸ ین۔ کھانا اسکے علاوہ ہے۔ بچھونے بھی مالک کی طرف سے ملتے ہیں۔

متوسط طبقہ دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ادنیٰ و اعلیٰ۔ ادنیٰ گروہوں کو خوش پوش کہہ سکتے ہیں۔ اور اعلیٰ گروہ کو خوش حال۔ خوش پوش طبقہ میں۔ ملازمین گورنمنٹ، اساتذۂ مدارس و یونیورسٹی، چھوٹے تاجر اور چھوٹے کارخانوں کے مالک شامل ہیں۔ انکی اوسط آمدنی ۱۵۰ ین ماہوار ہوتی ہے۔ عورتوں کی اوسط آمدنی اسکی نصف یعنی ۷۵ ین ماہوار ہے۔ خوش حال طبقے والوں کی اوسط آمدنی ۳۵۰ ین ماہوار ہے اور اس میں گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام شامل ہیں۔ خوش حال طبقے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ امرا اور رؤسا کا طبقہ ان کے اوپر ہے۔ انکی اوسط قائم کرنی بہت مشکل ہے، یہ ہیں بھی بہت قلیل التعداد۔

مزدوروں کی اُجرت اور خوش پوش تنخواہ دار ملازمین کی تنخواہ در اصل کم ہے۔ اور ان کے اخراجات کیلئے کافی نہیں ہوتی۔ جاپانیوں نے اس کا عجیب و غریب علاج تجویز کیا ہے۔ ہر ملازم کو سال کے آخر پر کم از کم ایک مہینے کی تنخواہ انعام کے طور پر دیجاتی ہے۔ بعض جگہ دو مہینے کی تنخواہ دینے کا قاعدہ ہے۔ مثلاً امپیریل یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کو دو مہینے کی تنخواہ انعاماً دیجاتی ہے۔ اس سے زیادہ انعام کی مثالیں بھی کبھی کبھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً ایک محرر کسی کارخانے میں ۱۲۵ ین ماہوار پر سال بھر تک کام کرتا رہا۔ اور اس کارخانے کو غیر معمولی منافعہ ہوا تو سال کے آخر پر اسکو پورے ایک سال کی تنخواہ انعاماً دیدی جاتی ہے۔ ماہ دسمبر میں دکانداروں کی غیر معمولی بکری اسی انعام کی بدولت ہوتی ہے۔ خانگی ملازمین کو نقد انعام کی بجائے۔ سال میں کپڑوں کے دو جوڑے دئے جاتے ہیں۔

یہاں ایک ڈپارٹمنٹ اسٹور کے ملازمین کی شرح تنخواہ کا حال خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ توکیو میں سب سے بڑا اسٹور میتسوکوشی ہے جس میں تقریباً چار ہزار ملازمین کام کرتے ہیں۔ اور ان میں ۸۰ فیصدی لڑکیاں ہیں۔ مرد یونیورسٹی کے گریجوایٹ ہوتے ہیں۔ ان کی تنخواہ بھرتی کے وقت ۶۵ ین ماہوار ہوتی ہے۔ اور تیس برس میں ۱۵۰ ین ماہوار ہو جاتی ہے۔ لڑکیاں ہائی اسکول کامیاب بھرتی کیجاتی ہیں۔ ابتداءً انکی تنخواہ ۲۰ ین ماہوار ہوتی ہے۔ اور چار سال میں ۵۰ ین ماہوار ہو جاتی ہے۔ ان کی مدت ملازمت کا اوسط چار سال ہے یعنی ۱۷ یا ۱۸ سال کی عمر میں ملازم ہوتی ہیں اور اکیس یا بائیس برس کی عمر میں شادی کر لیتی ہیں۔ اور نوکری چھوڑ دیتی ہیں۔ اس اسٹور میں اکیسو سے اُوپر ڈپارٹمنٹ ہیں اور ہر محکمے کا ایک منیجر مقرر ہے۔ منیجر کی تنخواہ کا اوسط ۲۵۰ ین ماہوار ہے۔ اس تنخواہ کے عہدیدار ۴۰۰۰ ملازمین میں سے صرف ۱۰۰ ہیں۔

جاپانیوں کے نزدیک ۱۰۰ ین ماہوار کی آمدنی ایک خاندان کو عزت سے زندگی بسر کرنے کیلئے کافی ہے۔ پانچ چھ افراد والے [illegible]

کا اوسط ماہانہ صرفہ مندرجہ ذیل ہدایات پر مشتمل ہوتا ہے۔

کرایہ مکان	۱۸ ین
خوراک	۳۶ ین
دیگر مصارف خانگی	۱۸ ین
پارچہ	۱۰ ین
فرائض خاندانی و تعلیم	۹ ین
تفریح	۳ ین
جمع بنک	۶ ین
میزان	۱۰۰ ین

رہائش کا مکان گنجان علاقے میں ہوتا ہو۔ مگر محلہ شریفوں کا ہوتا ہے۔ اس میں چار کمرے ہوتے ہیں اور دو منزلہ ہوتا ہو۔ کمروں کی تقسیم عموماً اس طرح ہوتی ہے کہ دو کمرے چار گز طویل اور تین گز عریض ہوتے ہیں۔ ایک کرہ تین گز مربع ہوتا ہے۔ اور ایک تین گز طویل اور دو گز عریض ہوتا ہو۔ جوتے اُتارنے اور رکھنے کیلئے چھوٹی سی ڈیوڑھی ان کے علاوہ ہو۔ باورچیخانہ، پاخانہ، اور کوئلہ رکھنے کی کوٹھی ضرور ہوتی ہے۔ سامان رکھنے کے لئے ہر کمرے میں الماری نما کوٹھری ہوتی ہے۔ اگر مکان بازار سے دور ہے تو اس میں غسلخانہ بھی موجود ہوگا، ورنہ ہر محلے میں پبلک حمام موجود ہیں۔ ان میں بڑا آدمی ۵ سین دے کر بڑے آرام اور نفاست سے گرم پانی سے غسل کر سکتا ہو۔ بچے کیلئے ۳ سین شرح ہے۔ مکان کے چاروں طرف پتلی سی گلی ہوتی ہے اور چھوٹا سا باغیچہ بھی ہوتا ہو چاہے وہ چار فٹ مربع ہی کیوں نہ ہو۔

جاپانیوں کا کھانے کا صرفہ بہت کم ہے۔ سو ین ماہوار کی آمدنی والے کا پانچ چھ افراد کی خوراک پر صرف ۳۶ ین صرف کرنا مذاق معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت ہے۔ یہ گوشت بالکل نہیں کھاتے۔ اور دودھ بھی نہیں پیتے۔ چاول سے پیٹ بھرتے ہیں۔ صبح، دوپہر، شام، تینوں وقت چاول ہی چاول ہوتا ہے۔ صبح کو چاول کے ساتھ دال اور خشک مچھلی کا شوربہ ہوتا ہو۔ دوپہر کو ترکاریاں اور کچھ اچار ہوتا ہے۔ اور شام کو مچھلی۔ گوشت کی کمی پوری کرنے کیلئے توفو کھاتے ہیں جو ایک قسم کا پنیر (ادہی) ہوتا ہے۔ اور ایک قسم کی دال سے بنایا جاتا ہے۔ اس میں نائٹروجنی مادہ افراط سے پایا جاتا ہے۔ توفو شام کے شوربے میں ضرور ہوتا ہے۔ تیل یا مکھن کی چکنائی سے انہیں چڑ ہے کبھی کبھی تیل میں ترکاریاں یا مچھلی تل لیتے ہیں۔ مگر یہ تکلف میں شمار ہوتا ہے۔ انڈا بھی کھاتے ہیں مگر کم۔ یہی ان کے کھانے کا سب سے قیمتی جزو ہے۔ عموماً کچا انڈا پھینٹ کر چاول میں ڈال لیتے ہیں۔ ان کے کھانے کو مزیدار بنانے والا مسالہ ایک قسم کا ساس یا سرکہ ہوتا ہے جو ایک قسم کی دال کے خمیر سے تیار کیا جاتا ہو۔ مولی بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ مگر کچی نہیں بلکہ ایک قسم کا اچار پڑا ہوا۔ دس سین میں ایک مولی کا اچار آجاتا ہے۔ جو تین چار دن چلتا ہے۔ ترکاری دہلی کے مقابلے میں مہنگی ہے مگر انڈے سستے ہیں۔ بہترین انڈے ایک ین کے دو درجن آجاتے ہیں۔ مچھلی سستی ہو۔ سمندر قریب ہونے کی وجہ سے بافراط ہوتی ہے۔ اسے عموماً بھون کر کھاتے ہیں۔ سوکھی مچھلی اور مچھلی کا اچار بھی کھایا جاتا ہو۔ سیپی کا شوربہ بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ جن لوگوں کے گھر سمندر کے قریب ہیں۔ ان میں اچھے گھرانوں کی عورتیں تک جزر کے وقت ساحل سمندر سے سیپیاں کھود کھود کر لاتی ہیں اور شوربہ پکاتی ہیں سیپی کے اندر کا جانور شوربے میں پک جاتا ہے۔ اسے بھی کھاتے ہیں۔ سیپیوں کا کھانا دراصل جاپانیوں نے دُنیا میں رائج کیا ہے۔ اب یورپ اور امریکہ میں بھی کھائی جاتی ہیں۔ بعض مچھلیاں کچی

بھی کھائی جاتی ہیں۔ مگر یہ پُرتکلف غذا ہے۔ پتلے پارچے بناکر چاول کے لقموں پر لپیٹ لیتے ہیں اور ساس میں ڈبو کر کھاتے ہیں۔ اکثر ہندوستانی احباب سے سُنا ہے کہ کچی مچھلی ان کے حلق سے نہیں اُترتی۔ اس کا تعلق دراصل زبان کے ذائقے سے ہو۔ ہندوستانیوں کو کچے انڈے اور کچی مچھلی کے نام سے اُبکائی آتی ہو۔ میرا ذاتی تجربہ اسکے خلاف ہو۔ مجھے کچی مچھلی میں ملائی کا سا مزہ آتا ہے۔ مسز براؔس کو اسکے خیال سے ہی تنفر تھا۔ مگر میرے اصرار سے اُنہوں نے ایک مرتبہ چکھی تو اپنی رکابی خالی کر کے اُٹھیں۔ چاول سستا ہے۔ بہترین چاول ایک ین کا نو پونڈ آتا ہو۔ دن میں تین وقت ہی کھایا جاتا ہے۔ ایک ایک آدمی تین چار پیالے کھا جاتا ہو۔ جاپان میں گوشت اور دودھ کا رواج یورپ اور امریکہ والوں کی آمد سے شروع ہوا ہے۔ اب عموماً گائے کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ بکری کا گوشت جاپانیوں کو پسند نہیں۔ تیس برس پہلے صرف بڑے بڑے رستورانوں میں ہی دودھ مل سکتا تھا۔ اب جگہ جگہ دودھ کے رستوراں بن گئے ہیں۔ مگر بڑی بوڑھیاں دودھ نہیں پیتیں اور گوشت بھی نہیں کھاتیں۔

مصارف خانگی میں سب سے بڑا خرچ بجلی گیس اور کوئلے کا ہو۔ بجلی اور گیس ہر مکان میں ہوتی ہو۔ بجلی تو گاؤں گاؤں پہنچ گئی ہے اور بہت سستی ہے۔ بجلی کا خرچ دو تین ین ماہوار ہے۔ گیس کھانے پکانیکے کام آتی ہو۔ اس کا ماہانہ خرچ بھی دو تین ین ہوتا ہو۔ چاول عموماً کوئلے پر پکاتے ہیں کیونکہ مزے کے پکتے ہیں۔ جاپانی گھروں میں کوئلہ ہر وقت جلتا رہتا ہو۔ اس پر پانی رکھا رہتا ہو جب کوئی مہمان آیا فوراً چائے تیار ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ خود بھی ہر وقت چائے پیتے رہتے ہیں۔ کھانے کے وقت بھی پانی کے بجائے چائے پیتے ہیں۔ بلکہ چاول ٹھنڈے ہو گئے ہوں تو چائے ڈال کر گرم کر لیتے ہیں۔ جاپانی سبز چائے پیتے ہیں اور اس میں دودھ اور شکر نہیں ڈالتے۔ کوئلہ زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ کیونکہ جاپانی مکان بہت ٹھنڈا ہوتا ہو اور اسے گرم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئلے کا ماہانہ اوسط دو اور تین ین کے درمیان ہوتا ہو۔ پانی کے نل کا ٹیکس ایک ین ماہوار ہوتا ہے۔ کپڑوں کی دُھلائی کا خرچ برائے نام ہوتا ہو۔ گھروالی تمام کپڑے حتیٰ کہ کیمونو تک خود دھوتی ہو اور ان پر استری کرتی ہے۔ گھروالے کے یوروپین سوٹ البتہ دھوبی کو دئے جاتے ہیں۔ جاڑے اور بہار کے سوٹ سال میں ایک مرتبہ دُھلتے ہیں۔ ان کی خشک دُھلائی ہوتی ہو۔ گرمی کے سوٹ بار بار دُھلتے ہیں کبھی کبھی قمیص بھی دُھوبی سے دُھلوائے جاتے ہیں۔ دُھلائی کا ماہانہ اوسط ایک ین سے کم پڑتا ہو۔ گھروالے کو اپنے دفتر پہنچنے کیلئے ریل اور ٹریم میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ اس کا ماہانہ خرچ تین چار ین ہوتا ہے۔

گھر کے رکھ رکھاؤ کا خرچ برائے نام ہے۔ کیونکہ فرنیچر بالکل نہیں ہوتا۔ میز کرسی کی بجائے فرشی گدیلے ہوتے ہیں۔ جو برسوں چلتے ہیں۔ فرش پر تتامیاں بچھی ہوتی ہیں۔ جن پر نفیس چٹائی چڑھی ہوتی ہو۔ تتامی دس پندرہ برس تک چلتی ہے۔ مگر چٹائی دو برس میں بدلی جاتی ہے۔ یہ روز کپڑا بھگو کر صاف کیجاتی ہو۔ اور اس پر جوتی کیا فرشی سلیپر تک استعمال نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے یہ ہمیشہ صاف رہتی ہے اور نئی معلوم ہوتی ہے۔ دو سال سے پہلے چٹائی بدلوائی جائے تو نصف خرچ کرایہ دار کو ادا کرنا پڑتا ہو۔ چھ تتامی کے کمرے کی چٹائیاں بدلوانے میں نو ین صرف ہوتے ہیں۔ دیواروں پر قلعی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مکان میں ایسی دیواریں بہت کم ہوتی ہیں اور جو ہوتی ہے اس پر اس قسم کا پلاسٹر ہوتا ہے کہ برسوں خراب نہیں ہوتا۔ گھر میں دُھواں ہوتا نہیں جو میلا ہو۔ باقی حصہ کاغذ کا ہوتا ہے۔ کمروں کے بیچ کی دیواریں پٹوں کی بنی ہوتی ہیں۔ جن پر دُہرا دبیز رنگین کاغذ چڑھا ہوتا ہے جو دو برس میں بدلا جاتا ہو۔ کمرے کی بیرونی دیواریں لکڑی کی جالی کی بنی ہوتی ہیں جن پر سفید کاغذ چڑھا ہوتا ہے۔ یہ کاغذ ہر سال گرمی کے بعد بدلا جاتا ہو۔ اس پر اوسطاً ایک ین صرف ہوتا ہے۔ گھر میں پلنگ نہیں ہوتے۔ تتامی پر بچھونا بچھا کر سوتے ہیں۔ دن کو بچھونا تہ کر کے کوٹھڑی میں رکھ دیتے ہیں۔ بچھونوں میں لحاف توشک استعمال ہوتے ہیں۔ اوپر نیچے دو توشکیں بچھاتے ہیں ہر ایک میں چھ سات سیر روئی ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک کے اوپر ایک کر کے دو لحاف اوڑھتے ہیں۔ ایک لحاف میں کوئی تین سیر روئی ہوتی ہے۔ دونوں کو احتیاط سے استعمال

کہتے ہیں۔ توشک پر چادر ہوتی ہے اور لحاف پر غلاف چڑھا ہوتا ہے۔ چادر اور غلاف گھر میں دُھل جاتے ہیں۔ لحاف توشک کی رُوئی برسوں چلتی ہے دوسرے تیسرے برس دُھنکوا لیتے ہیں۔ لحاف کی روئی دُھنکوائی ۳ سین اور توشک کی روئی کی دُھنکوائی تقریباً ۷ سین ہوتی ہے۔

جاپانی ریڈیو کے بہت شوقین ہیں۔ ہر چوتھے گھر میں ریڈیو موجود ہے۔ پچیس تیس ین میں خاصا اچھا سٹ آجاتا ہے۔ ماہانہ ٹیکس پہلے پچھتر سین تھا۔ اب ۵۰ سین ہوگیا ہے۔

کپڑوں پر جاپانیوں کو دُہرا خرچ کرنا پڑتا ہے۔ انکو مغربی سوٹ بھی رکھنے پڑتے ہیں۔ اور جاپانی کمونو بھی۔ دونوں قسم کے کپڑے تین موسموں کے رکھنے لازمی ہیں۔ یعنی جاڑا، گرمی اور بہار کے۔ جاڑے اور بہار کے دو دو سوٹ اور گرمی کے تین سوٹ کافی ہوتے ہیں۔ فی سوٹ بیس پچیس ین صرف ہوتا ہے۔ اور چار پانچ برس چلتا ہے۔ گرمی کا سوٹ پندرہ بیس ین میں آجاتا ہے۔ کمونو بھی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ جاڑے اور بہار کے ریشمی کمونو دس پندرہ ین میں آجاتے ہیں۔ گرمی کے کمونو تین تین ین کے بنتے ہیں۔ گھر والی دیکھ بھال کرے تو ریشمی کمونو کم از کم دس سال تک چلتے ہیں۔ ریشمی کمونو کا ضابطے کا سوٹ پچاس ین میں آجاتا ہے جس میں تین کپڑے ہوتے ہیں۔ اوّل سیاہ کمونو، دوئم سیاہ ہاوری یعنے کمونو کے اوپر پہننے کا چغہ جس پر خاندانی نشان لگا ہوتا ہے، اور سوئم ہکا مہ یعنی سایہ جو کمونو پر باندھا جاتا ہے۔ یہ سوٹ پہن کر جاپانی ہر تقریب میں شریک ہوسکتے ہیں۔ عورتوں کے کمونو ذرا مہنگے ہوتے ہیں۔ کمونو گھر میں ہی سل جاتا ہے یا درزی سوا ین میں سی دیتا ہے۔ بچوں میں لڑکی کے کپڑوں پر زیادہ لاگت آتی ہے۔ لڑکوں کے مدارس و کالج اور یونیورسٹی میں ایک ہی وردی مقرر ہے جو ہر جگہ کام آتی ہے۔ اس میں بند کالر کا کوٹ اور پتلون ہوتا ہے۔ جاڑے کی اُونی سیاہ یا گہری نیلی وردی آٹھ دس ین میں تیار ملتی ہے۔ بہار کی نیم گرم وردی پانچ چھ ین کی ہوتی ہے۔ گرمی میں سوتی وردی ہوتی ہے جسکا رنگ خاکستائی ہوتا ہے۔ یہ تین چار ین میں تیار ملتی ہے۔ مزدوری پیشہ لوگوں کے کپڑے مغربی وضع کی وردی پر مشتمل ہوتے ہیں۔

تفریح طبع جاپانیوں کیلئے لازمۂ زندگی ہے۔ ہر خاندان وقتاً فوقتاً تفریح پر کچھ نہ کچھ روپیہ خرچ کرتا ہے۔ مندروں اور درگاہوں کے تہواروں میں صرف آمد و رفت کا صرفہ ہوتا ہے۔ سال میں دو تین مرتبہ سینما اور تھیٹر جاتے ہیں۔ اچھے سے اچھے سینما گھر میں ۳۰ سین میں گدے پر بیٹھنے کی جگہ مل جاتی ہے اور ۵۰ سین میں کرسی۔ اچھے تھیٹر مہنگے ہیں۔ مگر بیس تیس سین والے تھیٹر بہت ہیں۔ سال میں دو مرتبہ پھول دیکھنے اور خزاں میں چنار کے سُرخ پتوں کا نظارہ کرنے۔ ایسے موقعوں پر کھانا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ جاپانی فطرتاً خاموش تفریح کو پسند کرتے ہیں۔ جیب میں پیسے نہ ہوئے تو ٹرام میں بیٹھ کر کسی بڑے بازار میں چلے جائیں گے اور پٹریوں پر ٹہل کر دُکانوں کے نظارے سے حظ اُٹھائیں گے۔

بیماری کے علاج کے لئے جاپان میں خیراتی شفاخانے نہیں ہیں۔ سوائے نہایت غریب لوگوں کے جن کو غریبی کی شہادت پیش کرنی پڑتی ہے ہر شخص کو دوا اور طبّی مشورے کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ طبی مشورہ گراں نہیں ہے۔ ایسے شفاخانے موجود ہیں جہاں روزانہ مشورے کے ۵۰ سین ادا کئے جاتے ہیں۔

تناسب آبادی کے لحاظ سے دُنیا بھر میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں اتنے اخبار اور رسالے پڑھے جاتے ہوں جتنے جاپان میں۔ بڑے سے بڑا جاپانی اخبار ایک ین ماہوار میں صبح و شام دن میں دو مرتبہ گھر پر پہنچ جاتا ہے۔ ۵۰ سین ماہوار میں ۲۵۰ صفحے کا مصور رسالہ آجاتا ہے۔ بڑے شہروں میں ایسی کمپنیاں موجود ہیں جو ۵۰ سین ماہوار میں ہر ہفتے ایک ماہوار رسالہ پڑھنے کے لئے دیتی ہیں اور ہفتہ گزرنے پر واپس

لے لیتے ہیں۔ بہت سے لوگ اسی طرح مہینے میں چار رسالے پڑھ لیتے ہیں۔ کم معاش لوگ ایک مہینے کے پرانے رسالے تہائی یا چوتھائی قیمت میں خرید کر پڑھتے ہیں۔

جاپانی پرتکلف دعوتیں کرنیکے عادی ہیں۔ سوسائٹیوں، انجمنوں اور کلبوں کے جلسے عموماً رستوراں میں ہوتے ہیں۔ اور وہاں ہر شخص اپنی چائے یا کھانیکے دام اپنی جیب سے دیتا ہے۔ کسی کے یہاں مدعو ہوتے ہیں تو کوئی تحفہ ضرور لے جاتے ہیں۔ یوں بھی تحفہ تحائف دینے کے بہت شوقین ہیں۔ نیا پھل پھول، جاپانی کیک، کھلونے وغیرہ اکثر دیتے رہتے ہیں۔

اپنے رشتے داروں کی امداد کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ شاید ہی کوئی جاپانی گھر ایسا ہوگا جو ضرورت مند رشتے داروں کی کچھ نہ کچھ خدمت نہ کرتا ہو۔

ہر جاپانی اپنی آمدنی میں سے ماہوار کچھ نہ کچھ پس انداز کرکے سیونگ بنک میں جمع کرتا ہے۔ اگر پس انداز کرنے کیلئے انہیں مہینوں چاول اور اچار پر گذارہ کرنا پڑے تب بھی یہ تکلیف برداشت کرینگے اور کچھ رقم بنک میں ضرور جمع کرینگے۔ زندگی کا بیمہ کرنا مردوں اور عورتوں دونوں میں عام ہے۔ سو ین ماہوار آمدنی والا خاندان شوہر اور بیوی کی زندگی کا بیمہ ایک ایک ہزار ین میں کراتا ہے۔ اور ہر بیمے کے ۲۵ ین سالانہ ادا کرتا ہے۔ بچوں کے نام پر ماہوار جمع کرنے کی رقم اسکے علاوہ ہے۔ جب تک اولاد کمانے کے قابل ہو ہر ایک کے نام پر بنک میں رقم جمع کرائی جاتی ہے۔

جن خاندانوں کی آمدنی ۳۵۰ ین ماہوار ہے وہ گویا امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ لوگ جاپانیوں کے نزدیک بہت خوش حال ہیں۔ ایسے خاندانوں کا اوسط ماہانہ خرچ حسب ذیل ہوتا ہے:-

کرایہ مکان	۶۵ ین
خوراک	۶۵ ین
پارچہ	۴۰ ین
دیگر مصارف خانگی	۳۰ ین
ملازمین	۳۰ ین
فرائض خاندانی	۳۰ ین
تعلیم اور تربیت مذاق	۴۵ ین
تفریح	۲۰ ین
جمع	۲۵ ین
میزان	۳۵۰ ین

۶۵ ین ماہوار کا مکان خاصہ بڑا اور ہوادار ہوتا ہے۔ ایسے مکان میں ایک کمرہ یورپین وضع کا ضرور ہوگا جس میں قالین پر گدیلے دار کرسیاں اور صوفے لگے ہوتے ہیں۔ ایک پیانو بھی ضرور ہوگا۔ یہ کمرہ غیر ملکی مہمانوں کے استقبال کیلئے ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی جوتیاں اتار کر جانا پڑتا ہے۔ جاپانی وضع کا گول کمرہ اسکے علاوہ ہوتا ہے جس میں مہمان فرش پر بیٹھتے ہیں۔ جاپانی کمرے چونکہ فرش سے معرا ہوتے ہیں۔ انکی گنجائش المضاعف ہوجاتی ہے۔ ایک کمرہ کئی کام دیتا ہے۔ مثلاً گول کمرے میں ہی مہمانوں کی دعوت ہوتی ہے۔ جاپانی مکان نہ صرف فرنیچر سے خالی ہوتے ہیں۔ بلکہ ان میں کہیں لکڑی پر روغن بھی نہیں ہوتا۔ لکڑی بہت صاف کرکے لگائی جاتی ہے۔ کہیں کھردرا پن نہیں ہوتا۔ کرائے کے لحاظ سے لکڑی بڑھیا گھٹیا ہوتی ہے،

اسکی خوبی یہ ہے کہ قدرتی ریشے اور دھاریاں نمایاں ہوں۔ اور قدرتی رنگ میں آب رواں کی صورت میں نظر آ ۔ جاپان میں دیمک نہیں ہوتی جو لکڑی کو کھا جائے۔ مکانوں میں ایسی لکڑیاں لگائی جاتی ہیں جس میں کیڑا نہ لگے۔ دیواروں پر کہیں چمکدار یا شوخ رنگ نہیں ہوتا، عموماً پیلے رنگ کا روغن ہوتا ہے یا مذاق کی شگفتگی ظاہر کرنی ہو تو سیاہ ہلکے رنگ کا مسالہ لگا ہوتا ہے کہ روشنی کی تیزی مدہم پڑ جائے۔

خوش حال خاندان کے کھانے میں بھی خوراک کا اہم جزو چاول ہے۔ ان کے یہاں مچھلی اور ترکاری کے علاوہ ہفتے میں دو ایک مرتبہ گوشت بھی آتا ہے جو گائے کے گوشت یا مرغی کے پارچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان کا گوشت کا پُر تکلف کھانا 'شکیا کی' ہے یعنی چاول اور گوشت۔ دسترخوان پر ہی انگیٹھی رکھی رہتی ہے کڑھائی میں گوشت پکتا رہتا ہے اور ہر شخص نکال نکال کر کھاتا جاتا ہے۔ گوشت کی ہنڈیا میں بھی مکھن یا کوئی اور چکنائی نہیں پڑتی۔

خوش پوش لوگوں کے مقابلے میں خوش حال خاندانوں کے دیگر مصارف خانگی میں کچھ زیادہ اضافہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ تعیشات میں معقول زیادتی نہیں ہوتی۔

خوش حال گھرانوں میں کپڑوں پر بہت خرچ ہوتا ہے کیونکہ فیشن ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ مردوں کے جاڑے اور بہار کے کمونو سوٹ کی قیمت ۱۰۰ ین ہوتی ہے۔ اور گرمی کے سوٹ کی ساٹھ ستر ین۔ اسکے علاوہ ان کو یورپین سوٹ بھی رکھنے پڑتے ہیں۔ اس میں ضابطے کا لباس مارننگ سوٹ یا درباری سوٹ ہوتا ہے جسکی قیمت ۱۲۵ ین ہوتی ہے۔ ٹیل کوٹ اور ڈنر جیکٹ ان کے علاوہ ہیں۔ عورتوں کے کپڑوں میں کمونو کی وضع ہر موسم میں بدلتی رہتی ہے۔ کمونو کی کاٹ تو ہمیشہ یکساں رہتی ہے مگر کپڑے پر بیل بوٹوں کی وضع اور دوسرا کام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ پھر عمر کے ساتھ کپڑوں کے رنگ میں اور بیل بوٹوں کی بڑائی چھٹائی میں فرق ہوتا ہے۔ چھوٹی لڑکیاں ایسے رنگ برنگ کے پھولدار کمونو پہنتی ہیں کہ تیتریاں معلوم ہوتی ہیں۔ بیس پچیس برس کی عمر تک کنواری لڑکیوں کے رنگ اور بیل بوٹے الگ ہیں۔ بیاہنے کے بعد رنگوں میں شوخی کم ہو جاتی ہے پینتیس چالیس برس کی عمر کے بعد کپڑوں میں ملگجا رنگ غالب ہوتا ہے۔ اور پھول غائب ہو جاتے ہیں۔ پچاس برس کی عمر کے بعد عموماً کالے رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔ کپڑوں کے رنگ سے دیکھنے والوں کو عورت کی عمر کا پتہ لگ جاتا ہے۔ یہ فرق صرف اعلیٰ طبقے کیساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہر طبقہ سختی سے اس بات کا پابند ہے۔ جاپان میں آنیکے تھوڑے عرصے بعد مسز برلاس کو کمونو اور ہاؤری پہننے کا شوق ہوا۔ ایک جاپانی سہیلی کو ساتھ لیکر کپڑا خریدنے گئیں۔ اس نے اپنی قومی وضع کے مطابق انہیں کپڑا دلوانا چاہا۔ مگر انہوں نے کہا میں بڑے پھولوں کا کپڑا خریدونگی۔ مجبوراً اس نے انہیں ویسا ہی کپڑا دلوا دیا۔ اس کا رنگ تو صوفیانہ ہے۔ مگر پھول بڑے بڑے ہیں۔ پھر جب سلوایا تو آستینیں بہت لمبی قطع کرائیں۔ پہننا شروع کیا تو جس جاپانی دوست نے دیکھا بہت ہنسا۔ آخر آستینیں چھوٹی کرائیں مگر بیل بوٹے تو نہیں بدلے جا سکتے۔ اب کبھی اسے نکال کر پہنتی ہیں تو پہلے تو ملازمہ بگڑتی ہے اور کہتی ہے کہ اتنے بڑے پھولوں کا کپڑا بیگم صاحب نے کیوں خریدا۔ پھر دوست احباب ہنستے ہیں۔

عورتوں کا کمونو خود قیمتی ہوتا ہے۔ مگر اوبی یعنی پیٹی اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ ۱۰۰ ین کی اوبی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ بڑی تقریبوں اور جلسوں میں ڈھائی تین سو ین کی اوبی پہنتی ہیں۔ جاڑے اور بہار کے لئے عورتوں کا سوٹ ۲۰۰ ین کا ہوتا ہے جس میں اوبی ۱۰۰ ین کی ہوتی ہے۔ کمونو ستر ین کا اور ہاؤری پچاس ین کی۔ کمونو کے نیچے ایک ہلکا کمونو "جبا" نامی پہنا جاتا ہے، اسکی قیمت بھی ۵۰ ین ہوتی ہے۔ گرمی کا سوٹ ۱۰۰ ین کا ہوتا ہے۔ جاپانی عورتیں زیور بالکل نہیں پہنتیں۔ بلکہ اپنا روپیہ بنک میں رکھتی ہیں۔

خوش حال گھر میں دو ایک ملازم ضرور ہوتے ہیں۔ ملازمہ کی تنخواہ کا اوسط ۲۰ ین ماہوار ہے۔ مگر بہت سی ملازمائیں ۱۵ ین ماہوار پاتی ہیں۔ تنخواہ کے علاوہ انہیں بہت سے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو گھر کی لڑکیوں سے کچھ ہی کم سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ آداب کی پابندی ان کو زیادہ کرنی

پڑتی ہے۔ لڑکیوں کو تو خوب جہیز دیا جاتا ہے۔ ان کو بھی کم از کم ایک اچھا جوڑا اور کپڑوں کی الماری شادی کے وقت دیجاتی ہے۔ گھر میں انہیں علیٰحدہ کمرہ دیا جاتا ہے اور خانگی استعمال کا کوئی برتن انہیں خریدنا نہیں پڑتا۔ کھوانے جیسا خود کھاتے ہیں ویسا ہی نوکر کو دیتے ہیں۔ نوکروں کو صبح پانچ ساڑھے پانچ بجے اُٹھ کر گھر کا تمام کام کرنا پڑتا ہے۔ گھر والی بھی ان کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ بازار سے سودا سلف لانا، کپڑے دھونا، استری کرنا، کپڑے سینا، جوتے پر پالش کرنا بھی ان کا کام ہے۔ گھر کی صفائی کیساتھ باہر گلی کی صفائی بھی کرنی پڑتی ہے۔ ملازمہ نہ صرف خدمت کرتی ہے بلکہ خانہ داری کے ہنر بھی سیکھتی ہے جو آئندہ عمر میں اسکے کام آئیں۔ عام طور سے نوکریں کنواری ہوتی ہیں اور شادی ہونے پر نوکری چھوڑ دیتی ہیں۔

جاپان میں ہر شخص کچھ نہ کچھ تعلیم پائے ہوئے ہے۔ ابتدائی تعلیم لازمی اور مفت ہے۔ جاپانی تحریر چینی حروف کے استعمال کی وجہ سے سخت مشکل ہے۔ جاپانیوں کو اپنی زبان کی تعلیم حاصل کرنے میں بہت مدت لگتی ہے۔ تاہم ابتدائی تعلیم کا انتظام نہایت اعلیٰ ہے اور دنیا بھر میں بہترین کہا جاسکتا ہے۔ ابتدائی مدارس کا نصاب چھ سال کا ہے۔ اسکے بعد وسطانیہ مدارس ہیں جن کا نصاب پانچ سال کا ہے۔ انکی فیس ۶۰ ین سالانہ ہے جو مزدور لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ دارالعلوم اور جامعے میں زیادہ فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔ جاپان کے دارالعلوم ہندوستان سے مختلف ہوتے ہیں، یہ درصل دارالفنون ہیں جن میں کسی نہ کسی پیشے کی تعلیم دیجاتی ہے۔ انکی سالانہ فیس ۵۰ ین ہے۔ یہ فیس سرکاری اداروں کی ہے۔ خانگی اداروں میں اس سے زیادہ فیس لیجاتی ہے۔ جامعے دونوں حیثیتیں رکھتے ہیں۔ دارالعلوم کی بھی اور دارالفنون کی بھی۔ ان کا معیار تعلیم بلند ہوتا ہے اور فیس بھی زیادہ ہے۔ بعض جامعوں میں ڈاکٹری تعلیم کی فیس ۲۰۰ ین سالانہ ہے۔ صرف اعلیٰ خوش پوش اور خوشحال خاندانوں، امرا اور رؤسا کے لڑکے ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکتے ہیں۔ جامعے اور دارالعلوم کے ہوسٹل میں خوراک و رہائش کا خرچ بیس پچیس ین ماہوار کا ہوتا ہے۔ ایسے خانگی ہوسٹل بھی بہت سے ہیں جن میں خوراک و رہائش کا خرچ ۱۵ ین ماہوار ہوتا ہے۔

خوش حال گھرانوں کی لڑکیاں کچھ ہنر شوقیہ ضرور سیکھتی ہیں۔ گانا اور ناچنا تو انکی تعلیم کے لازمی جزو ہیں۔ ان کے علاوہ طرز چائے نوشی، پھولوں کی آرائش، 'بونکیی' یعنی مناظر قدرت کے چربے اُتارنا، مختلف باجے بجانا، اور گانے ناچنے میں مزید مہارت پیدا کرنا انکے آرائشی یا مجلسی مشاغل ہیں، ان فنون کے سیکھنے کی فیس چھ سات ین ماہوار ہے۔ پھولوں کا خرچہ اسکے علاوہ ہے جسکا اوسط تین چار ین ماہوار پڑتا ہے۔

ان گھروں میں کتابوں کا معقول ذخیرہ ہوتا ہے۔ جاپان میں کتابیں سستی ہیں اعلیٰ درجے کے کاغذ اور طباعت کی مصور اور مجلد کتاب ۵ ین میں ملجاتی ہے۔ اسی طرح ان گھروں میں گراموفون اور ان کے بہت سے ریکارڈ ملیں گے۔ ریڈیو ان سے کم حیثیت لوگوں کے یہاں موجود ہوتا ہے ان کے یہاں تو لازمی ہے۔

خاندان کے اکثر افراد سال میں کئی مرتبہ تھیٹر جاتے ہیں۔ سینما تو کثرت سے دیکھتے ہیں۔ تھیٹر میں اعلیٰ درجہ کا ٹکٹ ۵ ین کا ہوتا ہے اور سینما میں ۱½ ین کا۔ گھر کے لڑکوں کو بیس بال، سکی، اور ہائیکنگ کا شوق ہوتا ہے۔ بیس بال شہروں میں ہر جگہ کھیل سکتے ہیں۔ سکی کیلئے جاڑے میں برفانی پہاڑوں پر جاتے ہیں۔ مقامات سکی تک تیسرے درجے کا واپسی کرایہ پانچ ین سے آٹھ ین تک ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر اوسط درجے کے ہوٹل میں کمرے اور خوراک کا خرچ ڈیڑھ دو ین روزانہ ہوتا ہے۔ ہائیکنگ کیلئے بہار، گرمی اور خزان کے موسم ہیں۔ اسکے لئے بھی پہاڑی علاقوں میں جاتے ہیں اور پیٹھ پر رخت سفر باندھے پھرتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں جانیکے لئے تین چار ین میں واپسی ٹکٹ ملجاتا ہے۔ سکی اور ہائیکنگ کے لئے ہفتے اور اتوار کے دن مقرر ہیں۔ تعطیلات میں لمبے سفر کرتے ہیں۔ سفر کا اس قدر شوق ہے کہ ایسے گھرانے کا ہر فرد تمام جاپان کا سفر کئے ہوئے ہوتا ہے۔ ابتدائی مدارس کے بچوں کو آس پاس کے تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ وسطانیہ مدارس کے لڑکوں اور لڑکیوں کو دُور دُور کے مقامات دکھائے جاتے ہیں۔

سفر کی بہت سہولتیں ہیں۔ شہروں میں لوکل گاڑیاں، ٹرامیں، بسیں، اور ٹیکسیاں ہوتی ہیں۔ ہر سواری میں مخملی گدیلے لگے ہوتے ہیں۔ ۱۰ سین کے ٹکٹ میں شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹریم میں دس پندرہ میل سفر کیا جا سکتا ہے۔ بس کا کرایہ ۱۰ سین ہے ٹیکسی دنیا بھر میں کہیں اتنی سستی نہیں ہے جتنی جاپان میں۔ ۲۰ سین میں میل دو میل اور ۵۰ سین میں پانچ میل تک ٹیکسی لیجاتی ہے۔ یہ ٹوکیو اور یوکوہامہ کا نرخ ہے اوساکا میں کچھ گراں ہے۔ ریل میں عام طور سے تمام جاپانی تیسرے درجہ میں سفر کرتے ہیں۔ تیسرے درجے والوں کیلئے بھی ۲۰ ین میں سونیکے واسطے برتھ مل جاتی ہے۔ دوسرے درجہ میں صرف اُمراء بیٹھتے ہیں۔ پہلے درجے میں شاذ و نادر کوئی بیٹھتا ہے۔ بلکہ پہلے درجے کی گاڑیاں صرف ٹوکیو اور کوبے کے درمیان چلتی ہیں۔ ملک کے دوسرے حصص میں یہ درجہ ہے ہی نہیں۔ ڈیوڑھا درجہ جاپان میں نہیں ہے۔

یوں تو ہر جاپانی اپنے گھر کی آرائش پر کچھ نہ کچھ خرچ کرتا ہے۔ مگر خوش حال گھرانے اس جانب بہت توجہ کرتے ہیں۔ جاپان میں پھولوں کے گلدستے لازمۂ زندگی ہیں۔ غریب سے غریب گھروالے بھی ''توکونوما'' میں کچھ نہ کچھ پھول بارہ مہینے سجائے رکھتے ہیں۔ بے موسم کے پھول پسند نہیں کئے جاتے، امیر لوگ بھی موسمی پھولوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ۱۰ سین میں اچھا گلدستہ ملتا ہے جس میں چار پانچ نفیس پھول اور کچھ شاخیں ہوتی ہیں۔ ان کو خود ہی گلدان میں سجاتے ہیں۔ ہر گھر میں کئی کئی طرح کے گلدان ہوتے ہیں۔ جو مختلف پھولوں کی آرائش میں کام آتے ہیں اور مختلف موسموں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے گلدان پھولوں کی موجودگی کے بغیر آرائش کا کام نہیں دیتے۔ جاڑے میں یہ پھول آٹھ آٹھ روز تک تازہ رہتے ہیں۔ اور گرمی میں دو تین روز تک۔ خوشحال گھرانے چھوٹا سا باغیچہ بھی لگاتے ہیں۔ اور اسکی رکھوالی کیلئے کسی مالی کو اجرت دیتے ہیں۔ یا خود دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً اس باغیچے کی وضع بدلتے رہتے ہیں۔ تین چار ین میں صنوبر کا پودا یا بانسوں کا جھنڈ ملجاتا ہے۔ دوسرے سستے پودے بہت سے ہیں۔ جاپانی باغبانی ایک فن ہی نرالا ہے۔ باغ کے ساتھ پھولوں کا جوڑ ہے۔ مگر جاپانی وضع کے باغ میں پھول لازمی نہیں۔ پھول تو پھول یہاں بغیر پودے اور پانی کے بھی باغ ہوتے ہیں جن میں قدرتی مناظر ریت اور پتھر سے بنائے جاتے ہیں اور یہی روحانی سکون کا باعث ہوتے ہیں۔

جاپانی مکان اپنی وضع کی ایک نئی چیز ہے۔ دنیا کے اور ملکوں میں بھی لکڑی کے مکان بنائے جاتے ہیں۔ اور لوگ انہی میں رہتے ہیں۔ مگر کوئی قوم ایسا نازک اور خوبصورت مکان نہیں بنا سکی۔ ڈیوڑھی سے لیکر گول کمرے تک ہر چیز شبک اور متناسب، کمروں میں صاف شفاف کاغذ اور جالیدار لکڑی کی دیواریں۔ تختوں پر مخملی تتامی کا فرش۔ چھت میں پتلی پتلی کڑیوں پر آبِ رواں کے تختے۔ کہیں کیل کانٹے کا نشان نہیں اور کہیں لکڑی پر روغن نہیں۔ کمرے اپنی سادگی میں خوشنما۔ اس پر مکینوں کی خوش مذاقی، غریب سے غریب لوگوں کے گھر صفائی، خوش سلیقگی اور خوبصورتی کے نمونے ہیں۔

جاپانیوں کی معاشرت بہت سستی ہے سستی ہونیکے ساتھ تکلیف دہ بھی ہے۔ انکی دوزانو نشست سے انکی ٹانگیں بدنما ہو گئیں ہیں۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جسکی ٹانگیں ایسی بدنما ہوں۔ ان کے گھر خوشنمائی اور سلیقے کے طلسم خانے ہیں۔ مگر جاڑے میں سخت تکلیف دہ۔ ہر درز میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا داخل ہو کر ہاتھ پاؤں کو سُن کئے دیتی ہے۔ انہی درزوں کی وجہ سے جاپانی گھر میں ہوا کی آمد و رفت کیلئے کوئی کھڑکی نہیں ہوتی۔ کھانے میں بھی ان کا معیار بہت پست ہے۔ اس تکلیف دہ اور سستی معاشرت کیساتھ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان کا مذاق گندہ ہوگا اور انکی رہائش میلی مگر اسکے برخلاف صفائی میں کوئی قوم ان کی برابری نہیں کر سکتی۔ نفاستِ مذاق میں تو یہ بہت ارفع و اعلیٰ ہیں۔

برلاس

گلگشت

ٹوکیو

تھوڑے روز ہوئے ایک جاپانی باغ دیکھنے گئے۔ ان کے باغات کی وضع ہمارے باغات سے مختلف ہوتی ہے۔ ہمارے باغوں میں پھولوں کے تختے اور روشیں لازمی ہوتی ہیں۔ ان کے یہاں یہ ضروری نہیں۔ یوں تو جاپانی لوگ پھولوں کے بڑے دلدادہ ہیں۔ مگر اپنے باغات کو پھولوں سے محروم رکھتے ہیں۔ اور ان کا یہ نقطۂ نظر ہمارے طرزِ عمل کے خلاف ہے۔

ٹوکیو بڑا گنجان شہر ہے۔ اسکے اکثر محلوں میں رہائشی مکان ملنے ناممکن ہیں۔ ایسی صورت میں سترہ ایکڑ زمین باغ کے لئے گھیری کا رکھے دارد۔ پھر طرہ یہ کہ یہ باغ پبلک نہیں ہے جس سے ہر کس و ناکس مستفید ہو سکے۔ بلکہ ایک صاحب کی ذاتی ملکیت ہے۔ اس باغ کے مالک مسٹر نیزو ہیں۔ اور انہی کے نام نامی سے یہ باغ مشہور ہے۔ عام لوگوں کو اس میں آنے کی اجازت نہیں جن اصحاب کو مسٹر نیزو مدعو کریں وہی دیکھ سکتے ہیں یا جو صاحب جاپانی باغوں کا حال معلوم کرنا چاہیں وہ انکی اجازت سے جا سکتے ہیں۔ ہم بھی اسی طرح گئے تھے۔ اس ٹولی میں تقریباً پچاس آدمی ہونگے جس میں یورپ و امریکہ کئی ملک کے لوگ شامل تھے۔ وقت مقررہ پر سب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ اور ایک ساتھ ملکر باغ کی طرف روانہ ہوئے۔

باغ کے دروازہ پر شاندار پھاٹک ہے۔ اندر دُور تک پُختہ سڑک گئی ہے۔ مگر سواریاں اندر نہیں جا سکتیں۔ سڑک کے دو طرفہ اونچے اونچے سدابہار درخت لگے ہوئے ہیں۔ یہ سڑک بڑی لمبی ہے۔ کہیں چڑھائی پر چڑھنا پڑتا ہے۔ کہیں اُتار ہے۔ اسی سڑک پر بعض جگہ گھنے درختوں کے جھُنڈ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے ہیں۔ ان کے سایہ میں چلنے سے روح کو بڑی تازگی محسوس ہوئی۔ باغ میں گھستے ہی یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی گھنے جنگل میں چلے جا رہے ہیں۔ یہ تمام باغ ایک جنگل ہی کا نمونہ ہے۔ اس میں نشیب و فراز بہت ہیں۔ کہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑی کے ایک پہلو پر چل رہے ہیں، دوسری پہاڑی سامنے نظر آ رہی ہے۔ نیچے گھاٹی میں دریا بہہ رہا ہے۔ کہیں ایسا منظر ہے کہ چاروں طرف پہاڑیاں ہیں۔ بیچ میں تھوڑی سی کھلی جگہ ہے۔ جہاں چھوٹی سی جھیل بنی ہوئی ہے۔ ہر جگہ سدابہار درخت جھُوم رہے ہیں جو بارہ مہینے ہرے رہتے ہیں۔ باغ میں ہر طرف سُنسان گھٹا مسلط ہے جدھر نظر اُٹھاؤ ہُو کا عالم ہے۔ گرد و پیش سوائے درختوں اور ٹیڑھی سیدھی سڑکوں کے میدان کا کہیں پتہ نہیں۔ سڑکوں پر چلنے والی ٹریموں اور ٹیکسیوں کی کہیں آواز سُنائی نہیں دیتی۔ آدمی چاروں طرف چلے اور خدا کی قدرت پر غور کرتا پھرے۔

ایک جگہ چوبی بارہ دری کھڑی ہے۔ اس میں کئی کمرے ہیں اور سب میں صاف ستھری تتامیوں کا فرش ہے۔ بارہ دری کے ایک کمرہ کی چھت سفید لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور اس لکڑی میں قُدرتی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ چھت نہایت خوبصورت اور قابل دید ہے۔ یہ لکڑی قیمتی ہوتی ہے۔ بارہ دری کی لمبائی میں اولتی کے نیچے ایک گول شہتیر اس سرے سے اُس سرے تک جسکی لمبائی پچاس ساٹھ فٹ کے قریب ہوگی لگا ہوا ہے۔ صنوبر کے درخت عموماً لمبے لمبے اور سیدھے ہوتے ہیں۔ یہ شہتیر صنوبر ہی کا ہے۔ یہیں مہمانوں کی تواضع کیجاتی ہے۔ مگر ہماری جماعت میں چونکہ تمام غیر ملکی تھے ان کو فرش پر دو زانو بیٹھنے میں تکلیف ہوتی۔ چائے کا دوسری جگہ انتظام کیا گیا تھا۔ اس بارہ دری میں "نوڈرامہ" کرنیکے لئے ایک چھوٹا سا اسٹیج بھی بنا ہوا ہے۔

آگے چلکر ایک اور جگہ دہقانی مکان بنا ہوا ہے۔ اس میں کسانوں کے گھر کا تمام سامان لگا ہوا ہے کھیتی باڑی کا سامان بھی موجود ہے

ایک کونہ میں چرخہ بھی براج رہا تھا جو ہندوستانی چرخے سے ملتا جلتا ہے۔ ایک اور مقام پر شنتو درگاہ بنی ہوئی ہے۔ اسکے سامنے پتھر کی "توڑی" یعنی دروازہ کھڑا ہوا ہے۔ اسکے پاس ہی بدھ مندر کا منظر ہے جہاں پتھر کی لالٹینیں لگی ہوئی ہیں۔

تھوڑی دور چلکر ایک سنسان جگہ چائے نوشی کا مکان ہے۔ اس کا احاطہ علیحدہ کھنچا ہوا ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کا راستہ بڑا اونچا نیچا ٹیڑھا سیدھا بنا ہوا ہے۔ سب لوگ ایک کے پیچھے ایک چل رہے تھے۔ پھر بھی جگہ ایسی تنگ تھی کہ دائیں بائیں گرنے کا اندیشہ تھا۔ احاطہ کا دروازہ اسقدر نیچا ہے کہ انسان رکوع کرتا ہوا اندر داخل ہو۔ اندر پہنچے تو بانکی ترچھی زمین کے قطعہ پر پتھر کا لہریہ نما راستہ بنا ہوا ہے۔ ایک ایک قدم پر گول پتھر زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ انہی پتھروں پر راستہ چلنا پڑتا ہے۔ مخملی فرش کو پیروں سے روندنے کی اجازت نہیں۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا چھپر کا سائبان پڑا ہوا ہے۔ ہمیں بیٹھنے کیلئے لکڑی اور بانس کا ایک بنچ دیوار کے سہارے لگا ہوا تھا۔ اس بنچ پر زیادہ سے زیادہ پانچ آدمی بیٹھ سکتے ہیں، چائے نوشی کیلئے اتنے ہی آدمیوں کو بلایا جاتا ہے۔ سامنے نشیب میں ناہموار پتھر کا حوض بنا ہوا ہے جس میں بانس کی نلکی سے پانی گر رہا تھا۔ چائے نوشی کے مہمان اسی حوض کے پانی سے کلی کرکے چائے کے کمرے میں جاتے ہیں۔ آگے ایک کونہ میں چائے نوشی کا کمرہ تھا۔ اس کا دروازہ بہت نیچا تھا۔ زیادہ سے زیادہ بڑی کھڑکی کے برابر پست قد آدمی بھی جھک کر ہی جا سکتا ہو اندر جھانک کر دیکھا تو ایک مختصر سا کمرہ تھا جس میں پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتے۔ یہیں چائے نوشی ہوتی ہے۔ اس کمرہ میں بھی تتامی بچھی ہوئی تھیں۔ —————— اسکے متصل ہی چائے کا ایک راستہ تھا۔ وہ کمرہ اس سے بڑا تھا۔

یہاں سے دیکھ بھال کر ایک گھاٹی میں پہنچے۔ اس جگہ چھوٹی سی جھیل تھی۔ یہ جگہ بھی بہت اونچی نیچی تھی۔ سامنے آرام کرنے کیلئے مع برآمدے کے کمرہ تھا۔ جگہ جگہ چڑھائی اُترائی پر پتھروں کے ڈھیر رکھے تھے۔ جاپانی سینری میں قدرتی اُمور کا بڑا لحاظ رکھتے ہیں۔ یہاں سے آگے بڑھے تو ایک اور جگہ پہنچے یہ کھلا میدان تھا اس جگہ سدا بہار پودے گملوں میں لگے ہوئے تھے جنکی عمر خیر سے بیس بیس پچیس پچیس برس کی تھی اور سب سرسبز شاداب تھے، یہ پودے مشکل سے لمبان میں آدہ گز کے قریب ہونگے۔ یہ واضح رہے کہ یہ پودے انہی قدآور اور تناور صنوبروں کی اولاد ہیں، جنکا پورا درخت ساٹھ ستر فٹ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ درختوں کا قد اپنی مرضی کے موافق چھوٹا رکھنا جاپانی باغبانوں کا خاص فن ہے اور انکو طرح طرح کی شکلوں میں بنانا تو انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس میں انکا مشاہدہ اسقدر تیز ہے کہ پودے کو دیکھکر فوراً بتا سکتے ہیں کہ یہ آئندہ قد نکالیگا یا یونہی ٹھہرا رہیگا۔ چنانچہ ایک پودا میں نے خریدا تو گھر پر آنیوالے مالی نے فوراً بتا دیا کہ یہ پودا بڑھنے والا نہیں۔ الغرض وہ پودا میرے پاس اب قریب ڈھائی سال سے ہے۔ مگر ایک انگل نہیں بڑھا۔ یوں ہرا بھرا ہے اور موسم میں پھول بھی دیتا ہے۔

تمام باغ میں گشت لگایا کہیں دیکھنے کو پھول پھل نظر نہیں آیا۔ اتنا بڑا باغ مگر جہاں سے دیکھو چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے اور جس جس جگہ پھرے ان راستوں کا پتہ نہیں لگتا۔ انجان آدمی تو اس بھول بھلیاں میں ٹاپے ٹوئیاں مارتا پھرے جس گوشے میں جاتے تھے عجیب سماں تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے ٹپک پڑے ہیں یا زمین نے اُگل دیا ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ ہم سے آئے ہیں کدہر جائینگے۔ درخت نہایت اُونچے اُونچے اور اسقدر گنجان تھے کہ باوجود دھوپ کے ابر مطیر کا گمان ہو رہا تھا۔ راستہ وہی تنگ تنگ! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی پہاڑی جنگل کو اُٹھا لائے ہیں اور شہر ٹوکیو کے بیچ میں اوپر سے پھینک دیا ہے۔ اور وہ بجنسہ جم گیا ہے چنانچہ پھر ایک خمدار اور چور راستے سے نکلکر دوسرے میدان میں پہنچے۔ یہ جگہ البتہ کشادہ تھی اور ہموار زمین پر سبز مخملی فرش آنکھوں میں طراوت پیدا کر رہا تھا میں نے تو یہاں پہنچکر لمبے لمبے سانس لئے اور آنکھوں کو خوب پھاڑ پھاڑ کر ہرے بھرے میدان کی بہار سے لطف اندوز ہوئی۔ اس میدان میں چائے کا انتظام تھا گھاس پر ہر جگہ لمبی لمبی فرشی میزیں لگی ہوئی تھیں اور ان پر سُرخ بانات کے میز پوش بچھے ہوئے تھے۔ انہی میزوں پر سب نے کھڑے کھڑے چائے پی، جاپانی کیک اور بسکٹ بھی موجود تھے باغ کی سینری کے کارڈ بھی ہر شخص کو تقسیم کئے گئے۔ یہاں پھر دوبارہ سب کا فوٹو لیا گیا۔ اس باغ کو لگائے ہوئے ۲۰ سال ہوئے ہیں۔ مگر اس میں پتھر کے بت وغیرہ سینکڑوں سال کے ہیں جو پرانے زمانے مندروں سے لائے گئے ہیں۔ میزبان کی طرف سے ایک صاحب باغ کے حالات بتلانے پر مامور تھے۔ مگر وہ انگریزی نہیں جانتے تھے۔ مہمانوں میں سے ایک جاپانی خاتون جو

جاپانی شادی

جاپانی سوسائٹی خاندانوں سے مرکب ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے خاندان کی عزت برقرار رکھے اور کسی ایسے فعل کا مرتکب نہ ہو جو خاندانی تخریب کا باعث ہو۔ خاندانیت کا احساس اس قدر مستحکم ہے کہ ہر فرد اپنی انفرادیت کو مغلوب کر کے خاندان کی خاطر ہر قسم کی قربانی کیلئے آمادہ رہتا ہے۔ اسکی ذمہ داری موجودہ خاندان تک محدود نہیں ہوتی بلکہ آباؤ اجداد کی روحوں کے آگے اپنے افعال کا جوابدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی اولاد اور نسل کے نام کا بھی تحفظ کرتا ہے۔ وہ ایسا کوئی کام نہ کرے گا جس سے اسکی نسل کو شرم آئے۔

جاپان مشرقِ بعید میں واقع ہے۔ اس ملک کے تمدن میں مشرق کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مغرب میں شخصی آزادی اور انفرادیت پر زور دیا جاتا ہے مشرق میں افراد کی حیثیت جزو خاندان کی ہوتی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں بچوں کی تربیت اس اصول پر کیجاتی ہے کہ وہ قابل شہری بنیں۔ اسکے مقابلے میں جاپان میں بچوں کی تربیت میں یہ التزام رکھا جاتا ہے کہ خاندان کے لائق فرزند بنیں۔ بڑے ہو کر ان پر لازم ہے کہ خاندان کا نام روشن کریں۔

اپنے آباؤ اجداد کی نسل جاری رکھنے کیلئے ہر جاپانی کا فرض ہے کہ وہ شادی کرے۔ شادی کرنا اس کا ذاتی فرض نہیں ہے بلکہ خاندانی فرض ہے۔ لہٰذا شادی کا انتظام اسکے خاندان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جاپان میں خاندان کو منسلک کرنے والا جذبہ جنسی محبت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہاں پدری محبت کا جذبہ کارفرما ہے۔ پدری تعلق ایک مستقل چیز ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ برخلاف اسکے زوجین کا تعلق عارضی ہے۔ جس طرح خاندان زوجین کو ایک رشتے میں جوڑتا ہے اسی طرح وہ انمیں افتراق بھی پیدا کر سکتا ہے۔ بہو اپنے شوہر کے خاندان کا ایک جزو بن جاتی ہے۔ اگر وہ ایک جزو کی حیثیت سے نئے خاندان میں نہیں نبھ سکتی تو شوہر اپنے خاندان کی ہدایت کے بموجب اسے علیحدہ کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی کا تعلق اپنے شوہر سے اس بنا پر ہوتا ہے کہ وہ شوہر کے خاندان کی ایک فرد ہوتی ہے۔ اسی خاندان کے وسیلے سے وہ اپنے شوہر سے دوچار ہوتی ہے۔

زوجین کے افتراق کی ایک اور وجہ بھی خاندان کی اہمیت پر منحصر ہے۔ اگر بہو خاندان کی نسل چلانے میں ناکامیاب ہوتی ہے تو اسکی علیحدگی عمل میں آتی ہے۔

طلاق کی ایک اور وجہ بھی خاندان کے احساس پر مبنی ہے۔ اگر بہو کو برص ہے یا اس کے میکے میں اسکی موجودگی کا پتہ لگ جائے تو بھی علیحدگی واقع ہوتی ہے۔

خاندان کا نام برقرار رکھنے کا فرض بڑے لڑکے پر عاید ہوتا ہے۔ اپنے باپ دادا کے گھر میں رہنا ایسا سخت فرض ہے کہ کسی طرح نہیں ٹل سکتا۔ دوسرے لڑکوں پر اتنی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ وہ تلاش معاش میں دوسرے شہروں میں جا سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنے باپ دادا کے گھر میں رہیں تو چونکہ ان کی اہمیت بڑے بھائی کے مقابلے میں کم ہوتی ہے اپنی بیویوں کو لیکر علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ ساس بہوؤں کے جھگڑے اکثر دوسرا گھر کرنیکا باعث ہوتے ہیں۔ مگر بڑی بہو اپنے شوہر کو لیکر دوسرے گھر ہرگز نہیں جا سکتی۔ خاندانی روایتیں وہ اپنی ساس سے سیکھتی ہے

اور اُن پر کار بند ہوتی ہے۔

بڑا لڑکا باپ کی وفات پر بزرگِ خاندان بنتا ہو، اس کا فرض ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرے۔ دوسرے لڑکے بھی ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں۔ بلکہ لڑکیاں بھی اس خدمت سے سبکدوش نہیں ہوتیں۔ وہ بھی سال میں کم از کم ایک مرتبہ کپڑے کے جوڑے وغیرہ پیش کرتی رہتی ہیں۔ اولاد صرف والدین کے گزارے کی ذمہ دار نہیں ہے۔ بلکہ سال میں دو ایک مرتبہ تفریح کرانا بھی اولاد پر فرض ہے۔

لڑکے لڑکی کیلئے جوڑا تلاش کرنا باپ کے ذمے ہوتا ہو۔ ماں بھی مشورے میں شریک رہتی ہے۔ مگر فیصلہ باپ کے ہاتھ میں ہوتا ہو۔ مناسب جوڑے کی تلاش کسی شادی شدہ دوست کے سپرد ہوتی ہو۔ جو دوست یہ خدمت سر انجام دیتا ہو اسے "نکودو" کہتے ہیں۔ اسے ہم دلال کہہ سکتے ہیں۔ مگر جاپانی دلال کا درجہ ہندوستانی مشاطہ سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ سوسائٹی میں دلال کی خاندانی حیثیت عموماً سمدھیانوں کے مساوی ہوتی ہے۔ بلکہ کبھی اس کا رتبہ سمدھیانوں سے برتر بھی ہوتا ہو۔ نکودو اور اسکی بیوی دونوں ملکر لڑکے لڑکی کے حالات معلوم کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ چونکہ یہ ہمرتبہ ہوتے ہیں۔ اور لڑکے لڑکیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں مناسب رشتہ جوڑنے کے متلاشی رہتے ہیں جب انہیں کوئی موزوں لڑکا لڑکی نظر آتی ہو تو انکے والدین سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ لڑکے والوں کو کوئی موزوں لڑکی نظر آئی تو کسی دوست کو بیچ میں ڈال کر لڑکی والوں سے سلسلۂ جنبانی کرتے ہیں۔ لڑکی والے بھی موزوں لڑکے کا پتہ لگنے پر اسی طرح کسی دوست کو بیچ میں ڈالتے ہیں۔ جو دوست بیچ میں پڑا وہی نکودو کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔

موزوں لڑکے لڑکیوں کی شادی کرانا سوسائٹی کا فریضہ ہے، اسکی اتنی اہمیت ہو کہ جاپانی زبان کی ایک مثل ہو کہ ہر شخص کو کم از کم تین مرتبہ نکودو کی خدمت انجام دینی چاہیئے۔ نکودو کی خدمت بہت اہم اور نازک ہو۔ اس کا صرف یہ کام نہیں کہ لڑکے لڑکی کا نکاح کرا دے۔ بلکہ یہ بھی اسکا کام ہے کہ شادی کے بعد میاں بیوی کو متحد رکھے اور طلاق کی نوبت نہ آنے دے جب کبھی میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا ہو تو وہ بیچ بچاؤ کرتا ہے نکودو کی بیوی ہر کام میں اس کا ساتھ دیتی ہے۔ دونوں کو بڑی دور اندیشی سے کام کرنا پڑتا ہو۔ ان کو سمدھیانے کے دونو خاندانوں کے حالات معلوم کرنے پڑتے ہیں۔ لڑکے لڑکی کی لیاقت اور چال چلن بھی دریافت کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام تحقیقات اس خوبی سے کیجاتی ہو کہ کسی کو بُرا نہ معلوم ہو۔

لڑکی کے انتخاب میں کئی امور کا لحاظ رکھا جاتا ہو۔ اوّل اس کا خاندان دیکھا جاتا ہو پھر ذاتی جوہر۔ خاندان کے بارے میں دو باتوں کی خاص طور سے جانچ کی جاتی ہو۔ اوّل خاندان کا موروثی امراض سے پاک ہونا۔ اگر لڑکی کے خاندان میں دق یا برص وغیرہ امراض چلے آتے ہیں تو اس سے رشتہ نہیں کیا جاتا۔ برص بڑا موذی مرض سمجھا جاتا ہو۔ اگر نکاح کے بعد اس کا پتہ لگ جائے تو لڑکی کو طلاق مل جاتی ہو۔ جن خاندانوں میں برص کا موذی مرض موجود ہے ان میں یہ عجیب بات ہو کہ لڑکیاں خوبصورت ہوتی ہیں۔ ان کو اپنی لڑکیوں کے بر تلاش کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہو۔ وہ عموماً بڑے شہروں میں جا بستے ہیں اور لڑکیوں کی شادی کیلئے اشتہار دیتے ہیں۔ یا شادی کی ایجنسیوں کی معرفت دولہا تلاش کرتے ہیں۔ زمانۂ حال میں اشتہار کا رواج بڑھ گیا ہو۔ اشتہاروں میں اکثر دھوکا ہوتا ہو۔ پولس ایسے اشتہاریوں کی نگرانی کرتی ہو۔ ایجنسیوں کی بھی نگرانی کیجاتی ہو۔ دھوکے بازی سے پبلک کو بچانے کیلئے بعض شہروں کی میونسپلٹیوں میں شادی کی ایجنسی کا محکمہ قائم ہے۔

دوئم۔ خاندانی حیثیت دیکھی جاتی ہو۔ دونو خاندانوں کا ہمرتبہ ہونا نہایت ضروری ہے بعض اوقات بے جوڑ خاندانوں کے لڑکا لڑکی آپس میں محبت کرنے لگتے ہیں۔ انکے والدین شادی کی اجازت نہیں دیتے۔ اس پر دونوں مایوس ہوکر ساتھ ساتھ خودکشی کر لیتے ہیں خودکشی کے ایسے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ یہ جوڑے اس اُمید پر خودکشی کرتے ہیں کہ مرکے

بعد ہماری روح میں مل کر رہیں گی۔

خاندان کی پسندیدگی کے بعد لڑکی کے ذاتی جوہروں پر نگاہ پڑتی ہے۔ اس میں تین صفات لازمی ہیں۔ اوّل ہردلعزیزی۔ دوئم ذہانت۔ سوئم صحت۔ ہردل عزیزی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے لڑکی کی نیک چلنی اور نیک خوئی ظاہر ہوتی ہے۔ ان صفات کے بعد اس کے ہُنر دیکھے جاتے ہیں۔ ہُنروں کی وقعت خاندان کے رتبے کے بموجب ہوتی ہے۔ اُمرا میں آرائشی ہنروں کی قدر ہوتی ہے۔ مثلاً طرزِ چا، سے نوشی، پھولوں کی آرائش وغیرہ۔ ان سے نیچے اُتر کر مفید ہُنروں کی قدر کی جاتی ہے۔ لڑکے کی ذاتی خوبیوں میں کمانے کی قابلیت پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔

جب جانبین کے ماں باپ راضی ہو جاتے ہیں تو نکودو لڑکا لڑکی کو ایک دوسرے کو دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے 'میاٸی' کی رسم کہتے ہیں۔ یہ عموماً تھیٹر، سینما، یا کسی دیگر تفریح گاہ میں قرار پاتی ہے۔ پہلے زمانہ میں لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لڑکا تو کچھ دیکھ بھی لیتا تھا مگر لڑکی شرم کے مارے اچھی طرح نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آجکل دونوں کو بات کرنیکا موقع بھی دیدیا جاتا ہے۔ میاٸی کا نتیجہ طے شدہ سا ہوتا ہے۔ عموماً دولہا دلہن ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں تو لڑکی کو بولنے کی مجال نہ تھی۔ جو ماں باپ کو پسند ہے وہ اسے بھی پسند ہونا چاہیئے۔ اب دونوں کو رائے زنی کرنیکا موقع دیا جاتا ہے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو پسند نہ کرے۔ اگر کسی کو ناپسند ہے تو گفت وشنید منقطع ہو جاتی ہے۔

لڑکے لڑکی کی مرضی پانے پر والدین منگنی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ یہ رسم نکودو اور اسکی بیوی کی موجودگی میں عموماً لڑکے کے گھر میں انجام پاتی ہے۔ یہاں لڑکی اور اُسکے والدین بھی موجود ہوتے ہیں۔ معاہدہ طے ہونے پر جانبین ایک دوسرے کو تحائف بھیجتے ہیں۔ اوّل لڑکے کی طرف سے تحفہ بھیجا جاتا ہے۔ اسے جوڑا چڑھانا کہا جاسکتا ہے۔ یہ تحفہ نقد روپے کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور اسکے ہمراہ سامان کی فہرست ہوتی ہے جسے 'یوئینو' کی فہرست کہتے ہیں۔ لڑکی والوں کو اختیار ہوتا ہے کہ اس فہرست کے بموجب اپنی مرضی سے سامان خرید لیں۔ نقد رقم اور فہرست جانبین کی حیثیت پر منحصر ہے مگر چند اشیا ایسی ہیں جنہیں شگون کے طور پر فہرست میں ضرور شامل کیا جاتا ہے۔ ایک مختصر فہرست کا نمونہ ذیل میں درج ہے۔

یوئینو کی فہرست!

بخدمت .... صاحبہ (دلہن کا نام)

اوبی ———————— یک عدد

سُرومے۔ ایک قسم کی خشک مچھلی ———————— ۵ عدد

کومبُو۔ ایک قسم کی بحری گھاس ———————— چند عدد

کاتسوؤبشی۔ ایک قسم کی خشک مچھلی ———————— ۲ عدد

تومو شِراگا۔ سفید سن کے لچھے ———————— ۲ عدد

شُوئے ہرو۔ جاپانی پنکھا ———————— ۲ عدد

یناگیتارُو۔ چاول کی شراب ———————— ۲ پیپے

براہِ کرم مندرجہ بالا اشیا وصول فرمایئے۔ یہ ہمیشہ آپ کی رہیں گی۔ مورخہ ....

راقم .... (دولہا کا نام)

امیر گھرانوں میں اوبی کیساتھ کمونو وغیرہ بہت سے کپڑے بڑھا دیے جاتے ہیں۔ اس فہرست میں اوبی کے علاوہ دیگر اشیا کے لئے جو الفاظ استعمال

کئے گئے ہیں وہ ذومعنی ہیں۔

سُرُومے ایک قسم کی مچھلی ہے جسے انگریزی میں کٹل فش کہتے ہیں۔ اس کا پیٹ چاک کرکے چوڑے پتے کی شکل میں خشک کیا جاتا ہے۔ اس سے شگون لیا جاتا ہے کہ دلہن کی عمر دراز ہو۔

کوبُو ایک قسم کی بحری گھاس ہے جس کا پتہ لمبا اور چوڑا ہوتا ہے۔ ایک ایک پتہ خشک کرکے لپیٹ لیتے ہیں۔ یہ اولاد ہونیکا شگون ہے۔

کاتسوؤبشی ایک قسم کی خشک کی ہوئی مچھلی ہے، ہر جاپانی گھر میں روزانہ اسے گھسکر بُرادے کا شوربہ بناکر پیا جاتا ہے۔ یہ اس شگون کے لئے ہے کہ دونوں میاں بیوی دُنیا کی کشمکش میں غالب رہیں۔

توموشیراگا جاپانی سن کی ایک قسم ہے جس کا ریشہ بالکل سفید ہوتا ہے۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ دولہا دلہن کے بال اس کی طرح سفید ہوں۔

سُوئے ہیرو جاپانی پنکھا ہے جس طرح پنکھا کھل کر پھیل جاتا ہے۔ اسی طرح دولہا دُلہن پھلیں پھولیں۔

ینا گیتا رُو سے یہ مراد ہے کہ دونوں خوش حال رہیں۔

یوئنو کی فہرست کے ساتھ زندہ رشتے داروں کی فہرست بھی بھیجی جاتی ہے۔ اسمیں حسب مراتب نام درج ہوتے ہیں۔ اول دادا دادی یا ان کے اوپر کوئی زندہ ہو تو ان کا نام۔ ان کے ماں باپ اور بھائی بہن۔ بعد ازاں حسب ذیل ترتیب ہوتی ہے۔ چچا چچی اور انکی اولاد۔ پھوپھا پھوپھی اور انکی اولاد ماموں ممانی اور انکی اولاد۔ خالو خالہ اور انکی اولاد۔

یہ دونوں فہرستیں اور نقد رقم سفید لکڑی کی ایک خاص وضع کی کشتی میں رکھکر دُلہن کے گھر روانہ کردیجاتی ہے۔ اس کشتی میں پنکھوں کی ایک جوڑی بھی ہوتی ہے۔ جاپانیوں میں تحفہ دینے کا یہ طریقہ ہے کہ پُلندے کو سوتی ڈوریوں سے باندھا جاتا ہے جو نصف سفید ہوتی ہیں اور نصف سُرخ۔ ڈوری کے نیچے 'نوشی' اُڑس دی جاتی ہے جو کاغذ کی چھوٹی سی چھتری کی تصویر کٹی ہوتی ہے۔ یوئنو کا تحفہ ڈوری سے نہیں باندھا جاتا۔ بلکہ اس پر ایک بڑی نوشی رکھدی جاتی ہے۔

بعض اوقات کشتی میں مندرجہ بالا خشک مچھلیاں گھاس، اور سن بھی رکھ دیا جاتا ہے۔ نیز بعض اوقات شراب کے پیپے بھی ان اشیا کے ساتھ روانہ کئے جاتے ہیں۔

دلہن والے تمام سامان کی رسید دُلہن کی دستخطی روانہ کردیتے ہیں۔ دُولہا والوں کے یہاں سے جب سامان پہنچتا ہے تو دُلہن کے گھر میں رشتے دار جمع ہوتے ہیں اور ان کے سامنے فہرست پڑھکر سُنائی جاتی ہے سب رشتے دار دولہا والوں کی فیاضی کی تعریف کرتے ہیں۔ نکتہ چینی کرنا سخت معیوب ہے گھر بیٹھے کوئی کچھ ہی کہے۔ مگر دُلہن والوں کے سامنے دولہا والوں کی بُرائی کرینکے یہ معنی لئے جاتے ہیں کہ انہیں بیوقوف بنایا جارہا ہے کہ ایسے نااہل خاندان میں لڑکی بیاہنا حماقت ہے۔

دُلہن والوں کی جانب سے رشتے داروں کی فہرست اور وصول شدہ رقم کی نصف ایک لفافہ میں بند کرکے روانہ کی جاتی ہے۔ لفافے کے اُوپر لکھا ہوتا ہے کہ یہ رقم ہکامہ بنانے کے لئے ہے۔ دولہا کے یہاں بھی رشتے دار جمع ہوتے ہیں۔ اور دُلہن والوں کی فیاضی کی رسمی تعریف کرتے ہیں۔

سامان کی مقدار کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ متوسط درجہ کے لوگوں میں یوئنو کے لئے سو پچاس ین روانہ کئے جاتے ہیں۔ دُلہن والے اسکا نصف بھیجتے ہیں۔

ان تحائف کے تبادلے سے منگنی کی رسم مکمل ہوجاتی ہے اور معاہدہ پختہ ہوجاتا ہے۔ اب نکاح اٹل ہے۔ لڑکے لڑکی کو ملنے جلنے کی اجازت ملجاتی ہے۔

دونوں کرسینما تھیٹر وغیرہ جاتے رہتے ہیں۔ اس سے ان میں دوستی بڑھتی رہتی ہے۔ منگنی کے کچھ عرصہ بعد نکاح قرار پاتا ہے۔ دونوں میں برس چھ مہینے کا وقفہ ضرور لگتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔

منگنی کے بعد دُلہن والے جہیز کی تیاری کرتے ہیں۔ لڑکی ہوشیار ہونیکے بعد سے اپنی دستکاری سے جہیز کی اشیاء خود بھی تیار کرتی رہتی ہے۔ اُنیسویں صدی کے آخر تک خوش حال گھرانوں میں یہ دستور تھا کہ لڑکی کی پیدائش پر سکورا کا پودا بو دیا جاتا تھا۔ جوان ہونے پر اُسکی لکڑی کی الماری بنائی جاتی تھی۔ اور جہیز میں دیجاتی تھی۔ پہلے جہیز میں بہت اسراف ہوتا تھا۔ اب بہت کمی ہوگئی ہے۔ کیمونو کے جوڑوں کے علاوہ نقد رقم دیجانے لگی ہے کہ لڑکی اپنے گھر کی ضرورت کا سامان خود خرید لے۔ اور باقی رقم بنک میں جمع رکھے۔ اُمرا اپنی لڑکیوں کو خوب جہیز دیتے ہیں۔ نکاح کے جوڑے کی اوبی چار چار ہزار ین تک کی ہوتی ہے۔

اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے تک جہیز کا جلوس نکالا جاتا تھا۔ اب کہیں نظر نہیں آتا۔ دیہات میں خال خال کہیں یہ دستور برتا جاتا ہے۔ اب جہیز موٹر لاری میں بھر کر روانہ کیا جاتا ہے۔ زمانۂ سابق میں جہیز کے جلوس کی یہ صورت ہوتی تھی کہ بستروں کے لئے لمبے لمبے صندوق بنائے جاتے تھے۔ انکو دو دو آدمی ڈولی کیطرح لکڑی میں لٹکا کر لے جاتے تھے۔ دوسرے سامان کے لئے چھوٹے چھوٹے صندوق ہوتے تھے۔ ان کو ایک ایک آدمی لمبی لکڑی میں لٹکا کر کندھے پر رکھ لیتا تھا۔ پھر قطار کی صورت میں جلوس روانہ ہوتا تھا۔ جہیز میں زیور بالکل نہیں ہوتا کیونکہ جاپانیوں میں زیور کا استعمال مُطلق نہیں ہے۔ دُلہن والے لڑکی کی کوئی چیز اپنے گھر میں نہیں رکھتے۔ جہیز کیساتھ اسکی تمام مستعملہ اشیاء روانہ کردیتے ہیں یہانتک کہ اسکی پُرانی جوتیاں اور کھڑاویں بھی بھیج دیتے ہیں۔ جو چیز استعمال کے قابل نہیں ہوتی اُسے جلا ڈالتے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے لڑکی سے قطع تعلق کر چکے۔ جہیز نکاح کے کئی روز پہلے روانہ کردیا جاتا ہے۔ بہت دیر کی تو نکاح کے روز روانہ کیا۔ بہرحال نکاح کے قبل بھیج دیا جاتا ہے۔ پہلے غریب لوگوں میں یہ دستور تھا کہ دُلہن کا جہیز وصول ہونے پر گھر کے دروازے پر رکھدیتے تھے کہ لوگ دیکھ لیں۔ اب بھی کہیں کہیں یہ رواج نظر آتا ہے۔

جب لڑکی رخصت ہوتی ہے تو گھر میں جھاڑو دیجاتی ہے گویا اس کا جنازہ نکل گیا۔ اور گھر کو جنازے کی آلودگی سے پاک کرنیکی ضرورت ہوئی۔ لڑکی سے یہ توقع کیجاتی ہے کہ وہ مر کر ہی اپنی سُسرال سے نکلے گی۔

پہلے زمانے میں نکاح عموماً دولہا کے گھر میں ہوتا تھا۔ یا کبھی کبھی شنتو درگاہ میں۔ آجکل شنتو درگاہ اور بُدھ مندر میں نکاحوں کی تعداد کچھ زیادہ ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی ہوٹل میں بھی ہوتا ہے۔ مگر گھر میں زیادہ۔ ہوٹلوں میں اس مقصد کیلئے جاپانی وضع کے کمرے بنے ہوتے ہیں جو کرائے پر مل جاتے ہیں۔ جائے نکاح کہیں بھی ہو، تاتامی کے فرش پر دوزانو نشست ہوتی ہے۔

دولہا دُلہن اپنی قوم کے رسمی لباس میں ہوتے ہیں۔ دولہا کیمونو پر ہکاما باندھتا ہے اور اوپر سے ہاوری پہنتا ہے۔ دلہن کیمونو میں ملبوس ہوتی ہے۔ اسکی اوبی بہت قیمتی ہوتی ہے۔ دُلہن کے بال قدیم وضع کے بنے ہوتے ہیں۔ جاپانی عورتیں سر پر کچھ نہیں اُوڑھتیں۔ مگر دلہن کے سر پر بڑا سا کپڑے کا سفید ٹوپ سا ہوتا ہے۔ جاپانی زبان کی ایک مثل ہے کہ عورت بدمزاج ہوتی ہے تو اسکے سر پر سینگ نکل آتے ہیں جس زمانے میں ٹوپ رکھنے کی رسم شروع ہوئی تھی تو اس کا مقصد یہ تھا کہ دلہن کے سر پر سینگ نہ نکلیں۔ اب یہ ٹوپ رسمی طور سے رکھا جاتا ہے۔

جب نکاح کے لئے روانہ ہوتے ہیں تو دولہا دلہن کے ساتھ برات نہیں ہوتی۔ صرف نکودو اور اسکی بیوی ہوتی ہے۔ یا کبھی کبھی دولہا کے والدین کبھی کبھی دُلہن کے ساتھ اس کا کوئی رشتے دار مرد یا عورت بھی ہوتی ہے۔ اوّل دُلہن مع ساتھ والے اور نکودو کی بیوی کے جائے نکاح پر پہنچتی ہے اور کمرے میں جا بیٹھتی ہے۔ دلہن کے پہلو میں نکودو کی بیوی بیٹھتی ہے اور دلہن کے پیچھے اس کا ساتھ والا ہوتا ہے۔ بعد ازاں دولہا مع اپنے

والدین اور نکودو کے پہنچتا ہے۔ والدین باہر رہ جاتے ہیں اور دولہا اور نکودو کمرے میں جا بیٹھتے ہیں۔ دولہا کی نشست دُلہن کے مقابل ہوتی ہے۔ نکودو کے سامنے ہوتی ہے۔ نکودو اسکی بغل میں اپنی بیوی کے سامنے بیٹھتا ہے۔

پہلے زمانہ میں دُلہن پالکی میں بیٹھ کر گھر سے روانہ ہوتی تھی۔ آجکل پالکی متروک ہوگئی ہے۔ ہر جگہ ٹیکسی استعمال ہوتی ہے۔

گھر پر نکاح خوانی کی رسم عموماً ناکتخدا کم عمر لڑکی انجام دیتی ہے۔ کبھی کبھی اسکا ہم عمر ایک لڑکا بھی ہوتا ہے جو جام برداری کی خدمت انجام دیتا ہے۔ اس رسم کو "سان۔ سان۔ کُدو۔ نو۔ سکا۔ زُکی" کہتے ہیں یعنی تین تین نو مرتبہ کا جام شراب۔ جام شراب دراصل پیالہ یا گلاس نہیں ہوتا بلکہ چھوٹی سی اُتھلی طشتری ہوتی ہے۔ سامان نکاح میں ایک چھوٹی سی چوبی کشتی میں چینی کی صراحی ہوتی ہے اور اسی میں تین چوبی طشتریاں ایک کے اوپر رکھی ہوتی ہیں۔ نکاح کی شراب سفید ہوتی ہے۔ اور اسمیں زیادہ نشہ نہیں ہوتا۔ اول لڑکی جام میں تھوڑی سی شراب اُنڈیل کر دولہا کو دونوں ہاتھوں سے پیش کرتی ہے۔ دولہا دونوں ہاتھوں سے جام لے کر شراب پی جاتا ہے۔ اور جام واپس کر دیتا ہے۔ پھر اسی جام میں شراب ڈال کر دلہن کو پیش کرتی ہے۔ دلہن اسی طرح شراب پی کر واپس کر دیتی ہے۔ لڑکی پھر اسی جام میں شراب ڈال کر دولہا کو پیش کرتی ہے۔ اور وہ پی کر واپس کر دیتا ہے۔ اب لڑکی یہ جام رکھ دیتی ہے۔ اور دوسرے جام میں شراب ڈال کر پہلے دُلہن کو پیش کرتی ہے۔ اس جام کے پہلے کی طرح تین دور ہوتے ہیں۔ اور تیسرا دور دُلہن پر ختم ہوتا ہے۔ آخر میں تیسرا جام لیا جاتا ہے اور اس کا دور دولہا سے شروع ہوتا ہے۔ اس جام کے بھی تین دور ہوتے ہیں اور تیسرا دور دولہا پر ختم ہوتا ہے۔ تینوں جاموں کے نو دور پورے ہونے پر نکاح کی رسم ختم ہو جاتی ہے۔

اب دولہا کے والدین کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ اول باپ دلہن کے ساتھ شراب نوشی کرتا ہے یعنی اسکے ہاتھ سے خود پیتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اُسے پلاتا ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ میں نے تمہیں اپنی بیٹی بنا لیا۔ اس کے بعد ماں دُلہن کے ساتھ شراب نوشی کر کے اُسے اپنی بیٹی بناتی ہے۔

نکاح ختم ہونے پر دُلہن اپنے دولہا اور ساس سسرے کے ہمراہ سسرال چلی جاتی ہے۔ دولہا والے اپنے رشتے داروں اور احباب سے بہو کا تعارف کرانے کے لئے انہیں دعوت پر مدعو کرتے ہیں۔ اسے ولیمے کی دعوت کہہ سکتے ہیں۔ اسی میں سمدھیانے والوں کے رشتہ دار اور احباب بھی مدعو ہوتے ہیں۔ اس دعوت میں دُلہن دولہا کے پہلو میں بیٹھتی ہے۔

جاپانیوں میں یہ رسم ہے کہ چائے یا کھانے پر مدعو ہونے پر کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لے جاتے ہیں۔ مگر ولیمے کی دعوت میں کوئی تحفہ نہیں لایا جاتا۔ دراصل اس میں وہی لوگ مدعو ہوتے ہیں جو منگنی کے وقت تحفہ پیش کر چکے ہیں۔ اُس موقع پر دولہا کے احباب و اعزا دولہا والوں کو تحفہ دیتے ہیں۔ اور دلہن کے احباب و اعزا دلہن والوں کو۔

نکاح عموماً شام کو ہوتا ہے اور ولیمے کی دعوت اُسی رات کو۔ دعوت میں شراب نوشی بھی ہوتی ہے اور بڑی رات گئے تک دور رہتا ہے۔ اسی دوران میں دُلہن اپنے جہیز کے کپڑے مہمانوں کو دکھاتی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے اور کپڑے کا جوڑا پہن کر پھر واپس آجاتی ہے۔ اسی طرح وہ اپنے اچھے اچھے جوڑوں کی نمائش کر دیتی ہے۔

آدھی رات گذرنے پر نکودو اور اسکی بیوی دولہا دُلہن کو شب عروسی کے کمرے میں لے جاتے ہیں۔ یہاں دولہا دلہن سے محبت کے عہد و پیمان پختہ کرتے ہیں۔ اس وقت دلہن بیوی کی حیثیت سے جام شراب بھر کر شوہر کو پیش کرتی ہے۔ پھر دولہا بیوی کو پیش کرتا ہے۔

پہلے زمانہ میں ولیمے کی دعوت بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ عموماً تین روز تک اور کبھی کبھی پانچ روز تک دولہا کے گھر ...

تھے اور دن رات شراب کا دور چلتا تھا۔ آجکل صرف ایک روز رات کو دعوت ہوتی ہے۔ دیہات میں کہیں کہیں تین روز کی دعوت سننے میں آتی ہے۔ مگر کسانوں کے پاس اتنا روپیہ کہاں کہ وہ اسے نبھا سکیں۔ شادی کی رسوم میں روزانہ سادگی بڑھتی جارہی ہے۔ اسراف جاتا رہا۔ متوسط درجے کے لوگ گھروں میں دعوت کرنے کی بجائے کسی ہوٹل میں دعوت کا انتظام کرتے ہیں۔

نکاح کے دو روز بعد یعنی تیسرے روز دُلہن اپنے شوہر کے ساتھ میکے جاتی ہے۔ اس رسم کو ستوگائری کہتے ہیں یعنی میکے کی واپسی۔ دولہا اپنے ساس سسرے کو آداب بجالاتا ہے۔ یہاں اُسکی دعوت ہوتی ہے۔ اس میں دلہن کے چند عزیز واقارب بھی مدعو ہوتے ہیں۔ دولہا کی طرف سے صرف اسکے والدین مدعو ہوتے ہیں۔

ستوگائری کے ساتھ شادی کے تمام مراسم ختم ہوگئے۔ اب سوسائٹی میں یہ جوڑا میاں بیوی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر قانوناً ان میں یہ رشتہ قائم نہیں ہوا۔ قانونی وقار قائم کرنے کیلئے رجسٹری کی ضرورت ہوتی ہے۔ رجسٹری میونسپلٹی میں ہوتی ہے۔ جہاں خاندانوں کا رجسٹر ہوتا ہے۔ رجسٹری کے وقت دُلہن کا نام اسکے خاندانی رجسٹر سے کاٹ کر اسکے شوہر کے خاندان میں درج کردیا جاتا ہے۔ دُلہن شوہر کے خاندان کا ایک رکن بنجاتی ہے۔ اور اس کا خاندانی نام اختیار کرلیتی ہے۔

نکاح کی رجسٹری کرانا دولہا والوں کا کام ہے۔ اس بارے میں دولہا والے عجیب تساہل برتتے ہیں۔ اکثر مہینوں بلکہ برسوں رجسٹری نہیں کراتے۔ شاید اس کا یہ مقصد ہو کہ دلہن سے نباہ کی صورت نہ ہو تو اسے میکے واپس کردیا جائے۔ اسکی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سرکار نے رجسٹری پر کافی زور نہیں دیا اور سوسائٹی پرانی روش پر چلی جارہی ہے۔ غریبوں میں ایسی مثالیں بہت سی ملتی ہیں کہ نہ نکاح کی رجسٹری ہوئی اور نہ بچوں کی۔ اب بچے مدرسے جانے کی عمر کے ہوئے تو سرکاری مدارس میں داخلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ناجائز ہیں۔

رجسٹری کی یہ صورت ہو کہ دولہا اور دُلہن مع دو گواہوں کے یا تو خود میونسپلٹی میں حاضر ہوکر اطلاع کریں یا بذریعہ تحریر اطلاع دیں۔ دولہا دُلہن کو یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے والدین کی مرضی سے نکاح کیا ہے۔ اسکی سہل ترکیب یہ ہے کہ دولہا کا باپ اور دُلہن کا باپ میونسپلٹی کو نکاح کی اطلاع دیدیں۔ عموماً یہی طریقہ برتا جاتا ہے۔

قانوناً لڑکی پچیس برس کی عمر تک بلا باپ کی مرضی کے نکاح نہیں کرسکتی۔ اسی طرح لڑکا تیس برس کی عمر تک باپ کی اجازت کا محتاج رہتا ہے۔ بعض صورتیں ایسی آپڑتی ہیں کہ یہ اجازت لازمی نہیں ٹھیرتی۔ مگر یہ مستثنیات ہیں۔ مثلاً جانبین میں سے کسی کی ماں سوتیلی ہے اور وہ اپنے شوہر کی اولاد کے نکاح میں رکاوٹیں پیدا کررہی ہے۔ اگر دولہا دُلہن میونسپلٹی میں یہ ثابت کردیں کہ سوتیلی ماں موجود ہے تو وہ والدین کی اجازت سے بری الذمہ ہوجاتے ہیں اور نکاح رجسٹر کرلیا جاتا ہے۔

جاپانی قانون میں لڑکی کے لئے نکاح کی عمر کم از کم پندرہ سال مقرر ہے اور لڑکے کے لئے سترہ سال۔ مگر سوسائٹی کی روشن خیالی قانونی حدود سے بہت بڑھ گئی ہے۔ شہروں میں کہیں بیس برس سے پہلے نکاح نہیں ہوتا عموماً بیس اور پچیس برس کے درمیان ہوتا ہے۔ اوسط تئیس سال کی عمر ہے۔ لڑکوں کی شادی پچیس اور تیس برس کے درمیان اور تیس برس کے لگ بھگ ہوتی ہے۔

پہلے زمانے میں نجومیوں سے پوچھ کر نکاح کے لئے نیک یوم مقرر کیا جاتا تھا۔ آجکل تعلیم کی روشنی میں نجوم پر اعتقاد نہیں رہا۔ پھر بھی بعض تاریخیں نیک تصور کیجاتی ہیں۔ مثلاً بادشاہ کی سالگرہ کا دن مبارک ہے۔ اسی طرح یکم اپریل کا روز مبارک ہے۔ اگرچہ مغرب میں اس روز ہر قسم کا مذاق جائز تصور ہوتا ہے۔ یوں تو بارہ مہینے شادیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر خزاں کے موسم میں شادیوں کی بہار ہوتی ہے۔

ڈپارٹمنٹ اسٹوروں میں اور بڑی بڑی دکانوں میں نفیس نفیس کوتو اور خوبصورت اوبیوں کی نمائش ہوتی ہے۔

شادی کے بعد دلہن ساس کی نگرانی میں بہو کی حیثیت سے رہتی ہے۔ اور اسکے تمام جور اور سختیاں جو ساسیں بہوؤں پر روا رکھتی ہیں صبر سے سہتی ہے۔ اسکی محبت کا زمانہ بھی شادی کے ساتھ آتا ہے۔ مغرب میں محبت کا آغاز شادی کے قبل ہوتا ہے۔ مگر شادی ہونے پر قبر میں دفن کردی جاتی ہے۔ اسکے برخلاف جاپان میں شادی سے محبت کا عہدِ زرّین شروع ہوتا ہے۔ بچے ہونے پر دل بہلاوے کا ایک ذریعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ دادا دادی انہیں محبت سے پالتے ہیں۔

شوہر اپنی بیوی کو 'اوئی' کہہ کر پکارتا ہے جیسے ہم 'ارے بی' یا 'اے بی' سے ظاہر کرسکتے ہیں کبھی بیوی کا نام بھی لیتا ہے۔ بیوی اپنے شوہر کو 'آنتہ' کہتی ہے جس کے معنی ہیں 'جناب'، وہ کبھی نام لیکر نہیں پکارتی۔ یہ دستور عام ہے بڑے خاندانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ بچے ہونے پر شوہر بیوی کو 'اوکاساں' یعنی اماں کہتا ہے اور بیوی شوہر کو 'اوتوساں' یعنی ابا کہتی ہے۔ یہ بچوں کو سکھانے کیلئے ہے اور غالباً انگریزی رسم کی نقل ہے کیونکہ 'اوئی' کہہ کر پکارنا بچے ہونے پر متروک نہیں ہوتا۔

سوسائٹی بہو کو اطاعت و فرمانبرداری کا سبق ہر طریقے سے دیتی ہے۔ سرکار بھی ساس کی تائید کرتی ہے۔ لڑکیوں کے مدارسِ فوقانیہ میں ایک درسی کتاب محکمۂ تعلیم کی مرتبہ رائج ہے۔ اس ساس بہو کے رشتے پر بہو کو یوں مشورہ دیا جاتا ہے۔

"ساس بہو میں اکثر کشمکش نظر آتی ہے۔ اسکی وجہ اکثر بہو کی نافرمانی اور اپنے فرائض سے غفلت ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ساس بہت پرانے خیال کی ہو اور ایسی بہو سے ہمدردی نہ ہو جس نے جدید فضا میں تعلیم پائی ہو۔ مگر بہو کی فرض شناسی تحمل اور صدق دلی سے دونوں میں اتفاق اور صلح قائم رہ سکتی ہے۔ بہو اپنی کمزوریوں سے چشم پوشی کرکے اپنی ساس پر نکتہ چینی کرے اور اسکی شکایت کرتی پھرے تو وہ خود اپنی نااہلیت ثابت کرتی ہے۔ جوان لڑکیوں کو یہ باتیں ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہئیں۔"

جاپانی تمدن میں عورت کا درجہ مرد سے بہت کم ہے۔ بدھ مذہب کو عروج حاصل ہونے سے پیشتر یہ بات نہ تھی۔ پہلے عورتیں مردوں کے ہم پلہ تھیں جنگ میں بھی مردوں کے پہلو بہ پہلو لڑتی تھیں۔ آٹھویں صدی عیسوی میں عہدِ نارہ میں جب کہ نارہ پایہ تخت تھا۔ آٹھ حکمراں گزرے ہیں جن میں سے چار بادشاہ تھے اور چار ملکہ۔ ان میں سے دو کے عہدِ حکومت میں جاپان کی قدیم ترین تاریخیں 'کوجیکی' اور 'نیہونگی' انہی کے حکم سے تحریر میں آئیں۔ دسویں عیسوی مصنفات کا عہدِ زرین ہے ایسی ایسی مایۂ ناز خواتین گزری ہیں جن کی تصنیفات آج کلاسیک کا درجہ رکھتی ہیں۔ رفتہ رفتہ بدھ مذہب نے عورتوں کا زور گھٹانا شروع کیا کنفیوشس کے مذہب نے اس بارے میں بدھ مذہب کی تائید کی۔ عورت کی پستی اس قدر بڑھی کہ مرد کے ہاتھ میں کھلونا بنکر رہ گئی۔ اواخر اٹھارہویں صدی کے ایک مشہور مصنف 'کائیبارہ' نے ایک کتاب بنام 'اونا دائی گکو' یعنی عورتوں کے علوم اعلیٰ لکھی ہے اسمیں طلاق کے سات وجوہ بتائے ہیں۔ (۱) سسرے یا ساس کی نافرمانی۔ (۲) بانجھ ہونا۔ (۳) شہوت پرستی (۴) حسد۔ (۵) برص۔ (۶) زیادہ باتونی ہونا اور بدتمیزی سے گفتگو کرنا۔ (۷) چوری کرنا۔ اسکے بعد عورتوں کو ان الفاظ میں ہدایت کی ہے۔

"عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنے شوہر کو دیوتا سمجھے اور ہمیشہ اس دھن میں لگی رہے کہ میں اپنے شوہر کو کس طرح خوش رکھوں۔ اس طریقہ سے آسمانی سزا کی نجات حاصل کرے۔ اُسے اپنے شوہر کے کپڑے تہ کرنے چاہئیں، اس کا بچھونا جھاڑنا چاہیئے۔ اُسکے بچے پالنے چاہئیں۔ جو چیز میلی ہو اُسے دھونا چاہیئے۔ ہمیشہ گھر کے دھندوں میں لگا رہنا چاہیئے اور بلا ضرورت گھر کے باہر نہ جانا چاہیئے۔"

"عورت اپنے ماں باپ کی افزائشِ نسل کا ذریعہ نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنی ساس سسرے کی نسل بڑھاتی ہے۔ اس لئے ساس سسرے کو

ماں باپ سے افضل سمجھنا چاہیئے اور سعادت مندی سے انکی خدمت کرنی چاہیئے۔"

دولتمند خاندان اپنی لڑکیوں کے انسانی حقوق کا تحفظ دوسری طرح کرتے ہیں۔ وہ گھر داماد تلاش کرتے ہیں جس طرح معمولی صورتوں میں عورت اپنے خاندانی نام سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ اُسی طرح گھر داماد اپنا خاندانی نام ترک کرکے اپنی بیوی کا خاندانی نام اختیار کرلیتا ہے۔ اُسی کے گھر میں رہتا ہے اور اُسکے خاندان کا ایک رکن بنجاتا ہے۔ اس کا تمام بار بیوی کے خاندان پر پڑتا ہے۔ لازمی طور سے وہ اپنی بیوی کو اتنا نہیں دبا سکتا جتنا اپنے گھر میں دبا سکتا ہے۔ عام طور سے جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو بیوی اپنے میکے واپس چلی جاتی ہے اور اپنا خاندانی نام پھر اختیار کرلیتی ہے۔ گھر داماد جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو بیوی وہیں رہتی ہے۔ شوہر گھر چھوڑ کر اپنے خاندان میں واپس چلا جاتا ہے اور اپنا پرانا نام اختیار کرلیتا ہے۔ بیوی کو کسی صورت میں خلع کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

گھر داماد کو جاپانی زبان میں مکویوشی کہتے ہیں۔ اسکی حالت قابل رشک نہیں ہوتی۔ اسکے متعلق ایک مثل مشہور ہے کہ تمہارے پاس آدھ سیر بُسے ہوئے چاول بھی باقی ہوں تو مکویوشی نہ بنو۔ مگر مکویوشی جاپانی معاشرت کا ایک لازمی جزو ہے۔ قانوناً لڑکی خاندان کی وارث نہیں ہوسکتی۔ خاندان کا نام چلانے کیلئے نرینہ وارث کی ضرورت ہے۔ کسی خاندان میں صرف ایک لڑکی یا لڑکیاں اولاد ہوں تو ان کو مکویوشی تلاش کرنا پڑتا ہے۔ خسر کی وفات پر یہی بزرگ خاندان بنجاتا ہے۔ اگر اسے جائداد کا وارث بھی قرار دے لیا گیا تو اس کا درجہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔ عموماً اسے وارث بنا لیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسکے لئے سُسرال والوں کو اپنا پورا اطمینان کرنا پڑتا ہے۔ جاپانی گھر میں لڑکی کی تربیت اس طرح کیجاتی ہے کہ وہ لڑکے کو اپنے سے افضل سمجھے۔ شادی کی عمر تک اسکی طبیعت میں پختگی پیدا نہیں ہوتی وہ اپنی شخصیت جتانا نہیں جانتی۔ جاپانی نوجوان اسی قسم کی لڑکی پسند کرتا ہے جسکی طبیعت کی تربیت وہ اپنی مرضی کے مطابق کرسکے۔ یوروپین لڑکی کے مقابلے میں جاپانی لڑکی بالکل مسکین نظر آتی ہے۔ مگر شادی کے بعد اسکی شخصیت کی نشوونما ہونے لگتی ہے۔ جب وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچتی ہے تو قابلیت میں مغربی عورت پر سبقت لیجاتی ہے۔ اسکی تصدیق مغربی خواتین کرتی ہیں۔ ایک جلسے میں دو تین جاپانی پروفیسر اپنی معاشرت میں عورت کی شخصیت پر بحث کر رہے تھے۔ ان میں سے دو صاحبان برسوں یورپ اور امریکہ میں رہ آئے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمیں مغربی لڑکی کی شخصیت بہت پسند آئی اور ہمارا ارادہ ہوگیا تھا کہ اسی قسم کی جاپانی لڑکی سے شادی کرینگے۔ مگر وطن پہنچکر ہمیں اپنی معاشرت میں بہت سی خوبیاں نظر آئیں اور ہمیں بہت سہولت معلوم ہوئی کہ کچی طبیعت کی لڑکی سے شادی کرکے اسے اپنی مرضی کے مطابق سدھالیں۔ اس پر ایک امریکن خاتون نے جو غالباً نا کتخدا تھیں یہ سوال کیا کہ لڑکی ہی اپنی مرضی کے مطابق اپنے شوہر کو کیوں نہ سدھالے۔ جاپانی پروفیسر اسکا کچھ جواب نہ دیسکے اور چُپ ہوگئے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مرد کے مفاد کیساتھ خود عورت کا مفاد کس تمدن میں ہے۔ جب خود مغربی خواتین کے نزدیک انجام کار جاپانی عورت مغربی عورت سے بازی لیجاتی ہے تو انجام کو دیکھتے ہوئے جاپانی تمدن کو مغربی تمدن پر ترجیح دینی پڑتی ہے۔ یہ صرف جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ ورنہ یہ بحث بہت طویل ہے اور اس سرسری طریقے سے کوئی فیصلہ صادر کرنا نادرست ہے۔ عورت کی شخصیت کو دبانے کی خواہش مغربی خیالات کی نشر و اشاعت سے کمزور ہو رہی ہے۔ عورت کا درجہ پچاس ساٹھ برس پہلے کے مقابلے میں بہت بلند ہوگیا ہے۔ جہاں مغربی خیالات نے مردوں میں انفرادیت کا احساس پیدا کردیا ہے۔ وہیں جاپانی عورت نے اپنی شخصیت کا اقرار مردوں سے کرانا شروع کردیا ہے۔ انفرادیت کی رَو بہت تیز اور قوی ہوگئی ہے اور اسکے ساتھ ماں باپ کا دباؤ کم ہوگیا ہے۔ پہلے ماں باپ اپنی اولاد کے معاملات میں مداخلت کرتے تھے اب صرف مشاورت پر اکتفا کرتے ہیں۔ لڑکے اپنے والدین کے کہنے پر بیویوں کو طلاق نہیں دیتے اور سوائے بڑے لڑکے کے دوسرے لڑکے اکثر الگ گھر میں رہنے لگے ہیں۔ جب چھوٹے بھائیوں نے اتنی آزادی حاصل کرلی تو بڑے لڑکے نے اپنے ماں باپ سے زیادہ مراعات حاصل کرلیں۔ بہوؤں کی وقعت بہت بڑھ گئی ہے۔ لڑکے کی بہنیں عام طور سے یہ خواہش کرتی ہیں کہ بھاوج کے آنے سے پہلے ہم کسی گھر میں بیاہ کر چلے جائیں کہ بھاوج کے دباؤ سے بچ جائیں۔ رفتہ رفتہ جاپانی سوسائٹی میں انقلاب پیدا ہو رہا ہے۔ عورت اُبھر رہی ہے۔ شہروں میں اسے بہت فوقیت حاصل ہوگئی ہے مختصر خاندانوں میں تو اسے مرد کے تقریباً مساوی رُتبہ حاصل ہوچکا ہے۔

برلاس

جاپان

مطلعِ مشرق جو تھا روشن گرِ ارض و سما
گردشِ دوراں سے اس پر چھا گئی غربی گھٹا

کیا قیامت ہے کہ ظلمت نور پر غالب ہوئی
کتنی عبرت خیز ہے نیرنگیِ صبح و مسا

اللہ اللہ بن گیا اپنا نشیمن ہی قفس
دیکھتے ہی دیکھتے پلٹی گلستاں کی ہوا

عیش و راحت اور اس عہدِ مصیبت ناک میں
زندگی دشوار ہے ایسی مکدر ہے فضا

خرمنِ تاب و تواں ہے اور برقِ ظلم و جور
لطف سے بیگانہ ہیں دل رحم سے نا آشنا

سانس آزادی سے لے سکتا نہیں کوئی بشر
ہو گئی مسموم کچھ ایسی زمانے کی ہوا

پا شکستہ، چشم تر، لب خشک، دل کم حوصلہ
ہم سفر بد عہد، منزل دور، رہبر بے وفا

ہے حصارِ یاس میں محصور ہر پیر و جواں
زندگی کا کوئی حاصل ہے نہ کوئی مدعا

لیکن اس طوفانِ تاریکی میں بھی نجم السحر
کس ادا کس شان سے ہے چرخ پر جلوہ نما

رفتہ رفتہ ہو رہا ہے پردۂ ظلمات چاک
پھر افق پر ہے نمایاں ہلکی ہلکی سی ضیا

مرحبا اے قومِ جاپان اے نقیبِ صبحِ نو
تو نے ہر خوابیدہ کو پیغامِ بیداری دیا

تیری جہدِ مستقل ہے کاشفِ رازِ حیات
مشعلِ راہِ ترقی ہے ترا ہر نقشِ پا

آبروئے اقوامِ رنگیں کی، جہاں میں تجھ سے ہے
تیرے بل بوتے پہ قائم ہے وقارِ ایشیا

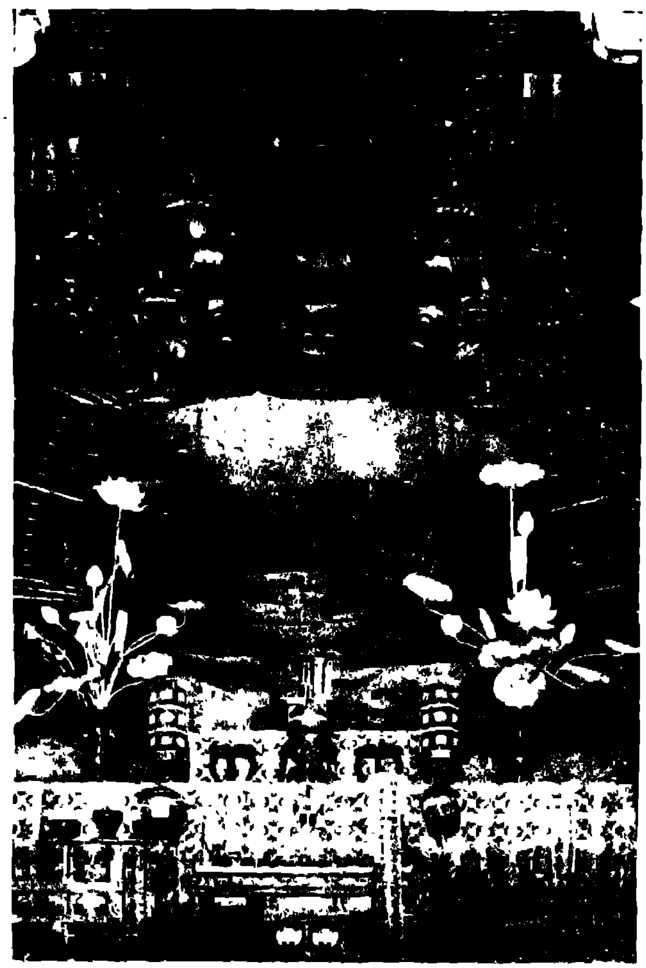
آنکھ اٹھا سکتے نہیں تیری طرف تیرے حریف
کس میں ہمت ہے کہ ہو اب تجھ سے قوت آزما

ہمسرِ امریکہ و یورپ ہے تو ہر بات میں
لاج رکھ لی ایشیا کی، مرحبا صد مرحبا

تیرے دستور العمل نے پیش کی راہِ نجات
نیم جانوں کو دیا تو نے پیامِ جاں فزا

بارک اللہ اے علمبردارِ دنیائے عتیق
کارواں سالارِ مشرق رہنمائے ایشیا

سرور شاہجہاں پوری



Daibutsu (Gigantic Bronz Image of Buddha), Nara.

دائی بتسو (نارہ)

Calcutta Art Press Delhi.

"SAQI"



تودائیجی کا مندر

دُنیا کی سب سے عالیشان چوبی عمارت

جاپان میں ہوریُوجی کا مندر دُنیا کی سب سے قدیم چوبی عمارت ہے جس کے بارے میں ایک مختصر مضمون علیحدہ تحریر کر چکا ہوں۔ اب میرے مہربان دوست پروفیسر برآس صاحب نے دوبارہ ارشاد کیا ہے کہ جاپان پر ایک مضمون اور چاہیئے۔ اس لئے یہ دوسرا مضمون لکھنے پر مجبور ہوا۔ اس دفعہ میں نے اپنے مضمون کے لئے تودائیجی کا مندر انتخاب کیا ہے۔ افسوس وقت کافی نہیں۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی مختصر ہی لکھا ہے۔

تودائیجی کے معنی مشرقی عالیشان مندر کے ہیں۔ یہ مندر بھی شہر نارہ میں واقع ہے جو نہایت خوبصورت مقام ہے۔ یہ شہر سنہ ۷۱۰ء سے سنہ ۷۸۴ء تک جاپان کا دارالسلطنت رہا۔ شہر کیوتو بھی نارہ کے نزدیک ہی ہے جو سنہ ۷۹۴ء سے سنہ ۱۸۶۹ء تک دارالسلطنت رہا۔ جاپان میں یہ دونوں شہر نہایت مشہور و معروف تاریخی مقام ہیں اور دونوں قدرتی مناظر میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ نہ صرف اہل جاپان بلکہ ہزاروں سیاح ان تاریخی اور خوشنما مقاموں کو دیکھنے کے لئے دُنیا کے ہر حصے سے آتے ہیں اور یک زبان ہو کر ان کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔

تودائیجی کا جلیل القدر مندر جس پر اہل جاپان کو ناز ہے دُنیا کی سب سے عالیشان چوبی عمارت ہے جس میں بدھ دیوتا کا نوی بُت نصب ہے۔ جو دائی بُتسُو یعنی سب سے بڑا بدھ کہلاتا ہے۔ بدھ دیوتا کنول کے شگفتہ پھول پر جلوہ فگن ہیں اور اپنے دھیان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

دائی بُتسُوجی جاپان میں تو کیا شائد تمام دُنیا میں سب سے بڑا تانبے کا بُت ہے۔ اس کا قد ۵۳ فُٹ، چہرے کی لمبائی ۱۶ فٹ، چہرے کی چوڑائی ۹ فٹ ۶ انچ؛ ناک کی بلندی ایک فٹ، ۶/۵ انچ، دہانہ ۳ فٹ ۸ ½ انچ، کان کی لمبائی ۸ فٹ ۶ انچ، انگوٹھے کا گھیر ۴ فٹ ۹ ۳/۵ انچ، گھونگر والے بالوں کی اونچائی ایک فٹ اور گھیر، ۱/۵ انچ ہے۔ تخت کے کنول کی پتیاں تعداد میں ۵۶ ہیں اور اُن کی بلندی ۱۰ فٹ ہے۔ کنول کے پھول کا گھیر ۶۸ فٹ ہے۔

اِس مورتی کی ساخت کے لئے ۴۳۷ ٹن کانسی، ۲۸۸ پونڈ سونا، ۷ ٹن موم، ۱۶۵۰ پونڈ پارہ اور کئی ہزار ٹن کوئلہ استعمال ہوا تھا۔ سونا اور پارہ صرف چمک پیدا کرنے میں صرف ہوا۔ یہ مورتی دو سال کی لگاتار کوشش کے بعد مکمل ہوئی۔ یہ مندر ابتداءً سنہ ۷۴۳ء میں جاپان کے پینتالیسویں شہنشاہِ معظم شوموتینو کی فرمائش سے تعمیر کیا گیا تھا۔ شہنشاہِ اعظم نے خود اس کی بنیاد رکھنے کے لئے دستِ مبارک سے مٹی اُٹھائی منظور کی۔ بعض مُصنّفین یہ بیان کرتے ہیں کہ اس بُتِ اعظم کی تکمیل میں ۹ سال صرف ہوئے۔ کاریگروں نے اس کی صناعی میں کمال کر دیا ہے۔ اس کی زیارت سے جو سکون دل کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے۔

قدیم زمانے میں اس مندر کا احاطہ تقریباً ڈھائی مربع میل تھا جس میں کتنی ہی خوبصورت عمارتیں مثلاً لکچر ہال، مینار ہشت وغیرہ بنائی گئی تھیں۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر عمارتیں آتش زدگی اور زلزلے سے تباہ ہو گئیں۔ چنانچہ موجودہ مندر سنہ ۱۷۰۸ء میں از سرِ نو

میر ہوا۔ بُت کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ جس کی وجہ سے سر کا حصّہ فوراً تبدیل کرنا پڑا۔ لیکن اب نئی مُورتی اور اُس کے نئے مندر کے سوا قرب میں طرح طرح کے چھوٹے پُرانے مندر، دروازہ اور ایک عظیم الشان گھنٹی سب تو دائجی مندر کی ملکیت ہیں۔ چوبی یا تانبے کی رنگ برنگ کی مورتوں کے علاوہ دیوتاؤں وغیرہ کے بڑے بڑے چوبی بُت اور تصاویر بھی اس مندر کا بیش بہا خزانہ ہیں جو قدیم زمانے سے متبرک تصور کئے جاتے ہیں۔ دائی بُتسُوجی کے مندر کی چھت ۲۰ فٹ سے زیادہ اونچی ہے اور موجودہ عمارت کی بلندی میں قدیم مندر سے زیادہ فرق نہیں ہے لیکن چوڑائی میں کچھ چھوٹا ہو گیا ہے۔

ایک عمارت اور قابلِ ذکر ہے جس کا نام شوسوین ہے۔ یہ بھی ایک دیرینہ عمارت ہے جو اس مندر کے قدیم احاطے میں واقع ہے۔ شوسو کے معنی خزانہ اور ین کے معنی عمارت یا مکان ہے۔ اس موقعہ پر اس عمارت کا ذکر بیجا نہ ہوگا۔ یہ خزانہ شاہی کی ملکیت ہے۔ اس کے اندر بیش قیمت سامان بھی ایک بے بہا رتن ہے۔ اہلِ جاپان اس کی پوری پوری عزت کرتے ہیں اور شاہی فرمان کے بموجب اس کی بڑی نگہداشت کی جاتی ہے۔ یہ عمارت اپنی وضع قطع میں بہت نرالی ہے اور ایسے عجیب طریقے سے بنائی گئی ہے کہ ہر موسم میں، خواہ گرمی ہو خواہ جاڑا خواہ برسات، کسی قسم کا ذخیرہ جو اس میں رکھا جاتا ہے خراب نہیں ہوتا۔ درحقیقت جو سامان اس میں موجود ہے اسے رکھے ہوئے آج بارہ سو برس ہو گئے، بجنسہٖ رکھا ہوا ہے۔ یہ چیزیں اکثر بادشاہ شوموتُو کے زمانے کی یادگار ہیں جو اس عہد کی عظمت ظاہر کرتی ہیں۔

اس سامان میں سینکڑوں قسم کی اشیا مثلاً آئینے، باجے، کھیلوں کا سامان، قسم قسم کے صندوق، متفرق اقسام کی ڈبیاں، برتن بھانڈے، ٹوپیاں، لباس، ہتھیار، بُدھ مذہب کی مورتیاں، بُدھ مذہب کا سامان، لکھنے کا سامان، بستر کا سامان، گھوڑوں کا اسباب، زراعت کے اوزار اور دیگر اشیا موجود ہیں جو آج بتہ دیتی ہیں کہ اُس زمانے میں جاپان کی تمدنی حالت کیا تھی اور جاپان کے مراسم غیر ملکوں کے ساتھ کیا تھے اور کیسا ربط ضبط تھا۔ اس لحاظ سے یہ خزانہ یکتا و بے نظیر ہے۔ یہ بھی صاف طور سے عیاں ہوتا ہے کہ ہماری صنعت و حرفت پر اس وقت چین و ایران کا اثر تھا۔ واقعی شوسوین کی اشیا، اور ہوریوجی کے مندر کی صنعت ملکی ترقی کا ایک بہترین نمونہ ہیں جو اس زمانے کی کاریگری پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔

ی۔ ساوا

لال قلعہ کی ایک جھلک

سید ناصر نذیر فراق (مرحوم) کی تصنیف ہے جس میں اُنھوں نے دکھایا ہے سلطنت مُغلیہ کے آخری تاجدار شاہ ابوظفر کے زمانے میں لال قلعہ کا کیا حالت تھی اور اُس انتہائی انحطاط کے زمانہ میں بھی وہاں کی دلچسپیوں کا کیا عالم تھا۔ سید ناصر نذیر فراق دہلی کے مشہور انشا پرداز تھے اور اس اسکول کے لوگوں میں سے تھے جس کا اب ایک فرد بھی باقی نہیں، زبان کی حلاوت، اندازِ بیان کی شیرینی اُردوئے معلّیٰ کے ٹکسالی محاورے، تہذیب قدیم کے عوائد و مراسم کا بیان۔ الغرض اس چھوٹی سی کتاب میں وہ کیا چیز نہیں ہے جس سے اس وقت انشا پردازی کی بڑی سے بڑی کتاب خالی نظر آتی ہے۔ میں نے اس کتاب کو ہاتھ میں لینے کے بعد اُس تک کوئی دوسرا کام کیا ہی نہیں جب تک وہ ختم نہیں ہو گئی۔ قیمت (۸؍) علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ:۔ ساقی بُکڈپو۔ دہلی۔

نیاز فتحپوری

جوشی شوگو گیو گکو

جاپان میں لڑکیوں کے مدارس میں صنعتی مدارس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بڑے شہروں میں خصوصاً ٹوکیو اور اوساکہ میں بہت سے صنعتی مدارس ہیں۔ اُن میں لڑکیوں کو ایسے ہنر سکھائے جاتے ہیں جو خانگی زندگی میں ان کے کام آسکیں اور اگر وہ کمانا چاہیں تو اپنے پیٹ بھی پال سکیں۔ یہ تمام مدارس خانگی ہیں۔ یا تو کوئی فرد واحد مدرسہ چلاتا ہے یا پبلک کی ایک جماعت اس کی منتظم ہے۔ سرکار کی طرف سے کوئی صنعتی مدرسہ قائم نہیں ہے۔ ان میں سے اکثر مدرسے فوقانیہ کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی ان میں ابتدائی مدارس کی کامیاب لڑکیاں داخل ہوتی ہیں۔ بعض دارالفنون کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اُن میں مدارس فوقانیہ کی کامیاب لڑکیاں آتی ہیں۔ چونکہ اس قسم کے مدارس کے لئے سرکاری نصاب مقرر نہیں ہے۔ ہر مدرسے نے اپنی سہولیت اور ضرورت کے لحاظ سے نصاب تعلیم مقرر کر رکھا ہے۔ مدّت تعلیم کا بھی یہی حال ہے۔ کہیں دو برس کا نصاب ہے اور کہیں پانچ برس کا۔ ان حدود کے اندر ہی جملہ مدارس میں تعلیم کا انتظام ہے۔

جوشی شوگو گیو گکو اسی قسم کا مدرسہ ہے۔ اس کی حیثیت دارالفنون کی سی ہے کیونکہ اس میں فوقانیہ مدارس کی فارغ التعلیم لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ منجملہ دیگر خصوصیات کے یہ ٹوکیو کا سب سے بڑا دارالفنون ہے۔ اس شہر میں لڑکیوں کے صنعتی دارالفنون اور بھی ہیں مگر اس میں طالبات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس وقت اس میں تقریباً ڈھائی ہزار لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ ابتدائے قیام سے اب تک پندرہ ہزار طالبات سند پاکر نکل چکی ہیں۔

جاپان میں موجودہ تعلیم کا دور ۱۸۷۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس سن میں جبری ابتدائی تعلیم کا قانون نافذ ہوا اور رفتہ رفتہ ثانوی تعلیم کے مدارس جاری ہوئے۔ تعلیم کا ابتدائی شوق تھا اور مغرب کی تقلید کا زور۔ فوقانیہ مدارس سے جو لڑکیاں نکلتی تھیں وہ ہندوستان کے مدارس نسواں کی پود کی طرح امور خانہ داری سے نابلد ہوتی تھیں۔ گھر چلانا ان کے لئے مشکل ہوگیا۔ جاپانیوں نے بہت جلد مرض کی تشخیص کرلی اور عام مدارس میں امور خانہ داری کی تعلیم شامل کردی۔ ساتھ ساتھ ایسے مدارس کھولنے شروع کئے جن میں عورتوں کے فنون کی تعلیم اہم قرار پائی۔ جوشی شوگو گیو گکو اسی زمانے کی پیداوار ہے۔

۱۸۸۶ء میں چند روشن خیال جاپانیوں نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ایک انجمن قائم کی۔ اس میں ۲۹ مرد اور ۴ عورتیں شامل تھیں جن میں موجودہ صدر محترمہ ہاٹرکو ہتویامہ موجود تھیں۔ ان صاحبان نے اس امر کا احساس کرکے کہ لڑکیوں کے لئے محض عام تعلیم کافی نہیں ہے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ اس میں عام تعلیم کے ساتھ ساتھ چند دستکاریوں۔ مثلاً سینا، بُننا وغیرہ اور امور خانہ داری کی تعلیم لازمی قرار دی۔ اسی سال مدرسہ جاری ہوگیا۔

کارکنانِ مدرسہ نے خلوص دل سے کام اٹھایا تھا۔ استقلال سے کام کرتے رہے، بہت جلد مدرسہ مقبول ہوگیا۔ پبلک نے قدردانی کی اور اپنی لڑکیاں اس مدرسے میں داخل کیں۔ چند سال میں اس کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔ پچیس برس تک یہ مدرسہ اسی طرح چلتا رہا۔ اس عرصہ میں تعلیم نسواں کو کافی ترقی ہوگئی تھی اور لڑکیوں کے بہت سے مدارس وسطانیہ قائم ہوچکے تھے۔ مگر ان مدارس کیلئے قابل مع

دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ کارکنان مدرسہ نے اس وقت کو محسوس کر کے اسی مدرسہ میں ایک شعبہ معلمات کی تیاری کے لئے جاری کردیا۔ اسی سال مدرسے میں امورِ خانہ داری کا مستقل شعبہ قائم ہوا۔ پندرہ سال تک یہی نصاب جاری رہا۔ آخر ۱۹۲۵ء میں شعبہ معلمات کا نام حذف کر کے شعبۂ دستکاری کے نام سے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں مدرسے کے نظام میں پھر خفیف سی تبدیلی ہوئی۔ جب سے اسی نظام کے ماتحت کام ہو رہا ہے۔

اس وقت اس دار الفنون میں تین شعبے قائم ہیں :۔

(۱) شعبۂ دستکاری۔ اس میں فوقانیہ مدارس کی سند یافتہ لڑکیاں داخل ہوسکتی ہیں۔ تین سال کا نصاب ہے۔

(۲) شعبۂ امورِ خانہ داری۔ اس میں فوقانیہ مدارس کی سند یافتہ لڑکیاں داخل ہوسکتی ہیں۔ دو سال کا نصاب ہے۔

(۳) شعبۂ دستکاری ادنیٰ۔ اس میں ابتدائی مدارس کی سند یافتہ لڑکیاں داخل ہوسکتی ہیں۔ چار سال کا نصاب ہے۔

شعبۂ دستکاری

اس شعبے میں ۲۵۰ طالبات داخل ہیں۔ جو مضامین سکھائے جاتے ہیں اُن کا مطالعہ بہت دلچسپ ہے۔ مگر اس مقالے میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ یہاں صرف سال وار نصابِ تعلیم درج کیا جاتا ہے۔

سالِ اوّل

اخلاق۔ تعلیم پر شاہی فرمان۔
فنِ تعلیم۔ نظری۔
جاپانی زبان۔ مضمون نویسی، نوشت، خواند۔
امورِ خانگی۔ لباس، رہنے کا کمرہ۔
نقاشی۔ نقاشی، فنونِ لطیفہ کی تاریخ۔
سینا۔ معمولی جاپانی کپڑے (سوتی، اونی، موٹے ریشمی)
دستکاری۔ بُننا، کشیدہ کاری، مصنوعی پھول۔

سالِ دوئم

اخلاق۔ تعلیم پر شاہی فرمان۔
فنِ تعلیم۔ نظری۔
جاپانی زبان۔ موافق سالِ اوّل۔ امورِ خانگی۔ پکانا، رنگنا، مشق، نقاشی۔ نقاشی، وضع، تراشنا، سینا۔ معمولی کپڑے (اونی، موٹے ریشمی) بچوں کے غیر ملکی کپڑے۔
دستکاری۔ بُننا، کشیدہ کاری (دوسری قسم)،
مصنوعی پھول (پھول بنانے میں کلوں کا استعمال، رنگنا، پھول پتوں وغیرہ کی نباتاتی شکل)

سالِ سوئم

اخلاق۔ جاپانی اخلاق کی خصوصیات، اخلاقیات،
فنِ تعلیم۔ طرزِ تعلیم، انتظامِ مدرسہ۔ مشقِ تعلیم۔
جاپانی زبان۔ حسبِ سابق۔
امورِ خانگی۔ تیمارداری، تربیتِ اطفال، پکانا، مشق۔
نقاشی۔ نقاشی، جمالیات کا خاکہ۔
سینا۔ معمولی جاپانی کپڑے، بچوں اور عورتوں کے غیر ملکی کپڑے، بٹوے۔
دستکاری۔ بُننا (دوسری قسم) کشیدہ کاری (دوسری قسم) مصنوعی پھول، (نقاشی، پھولوں کی ترتیب، گلدان میں رکھنے کا طریقہ)۔

شعبۂ امورِ خانہ داری

اس شعبے میں ۱۰۰۰ طالبات داخل ہیں۔ دو سال کا نصاب ہے۔ سال وار نصاب درج ذیل ہے۔

سالِ اوّل

اخلاق۔ عملی اخلاق، نیکی۔
خانہ داری۔ عام اصول۔
فنِ تعلیم۔ نظری۔
جاپانی زبان۔ مضمون نویسی، نوشت، خواند۔
امورِ خانگی۔ لباس، کھانا، رہائش، پکانا۔ مشق۔

افعال الاعضا اور حفظانِ صحت۔ جسم انسانی۔
قانون سازی اور اقتصادیات۔ عام اصول۔
سینا۔ معمولی جاپانی کپڑے (سوتی، اونی، موٹے ریشمی)، اندر پہننے کے غیر ملکی کپڑے۔
دستکاری۔ بُننا (خانگی ضروریات کے لئے) کشیدہ کاری (خانگی ضروریات کے لئے) مصنوعی پھول (معمولی)

سالِ دوئم

اخلاق۔ موافق سالِ اوّل۔
خانہ داری۔ عام اصول۔
فنِ تعلیم۔ نظری، طرزِ تعلیم، تنظیم مدرسہ۔
جاپانی زبان۔ موافق سالِ اوّل۔
سینا۔ معمولی جاپانی کپڑے، بچوں اور عورتوں کے غیر ملکی کپڑے، معمولی بٹوے۔

امورِ خانگی۔ تیمارداری، تربیت اطفال، خانگی اقتصادیات، صفائی، کپڑے دھونا اور رنگنا (مشق) پکانا (مشق)،
افعال الاعضا اور حفظانِ صحت۔ جسم انسانی۔
قانون سازی اور اقتصادیات۔ عام اصول۔
دستکاری۔ موافق سالِ اوّل۔

امورِ خانہ داری فوق السند

شعبۂ امورِ خانہ داری کی فارغ التعلیم لڑکیاں اگر اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہیں تو ان کے لئے ایک سال کا نصاب مقرر ہے جو فوق السند کا نصاب کہلاتا ہے۔ نصاب درج ذیل ہے۔

فوق السند

اخلاق۔ جاپانی اخلاق کی خصوصیات، اخلاقیات۔
فنِ تعلیم۔ نظری۔ طرزِ تعلیم۔ مشق تعلیم۔
امورِ خانگی۔ صفائی، کپڑے دھونا، رنگنا، پکانا، مشق نقاشی، معمولی نقاشی، وضع تراشنا۔

سینا۔ جاپانی کپڑے، بچوں اور عورتوں کے غیر ملکی کپڑے، بٹوے۔
دستکاری۔ بُننا (ہر قسم) کشیدہ کاری (ہر قسم) مصنوعی پھول (ہر قسم)

تکمیلِ تعلیم دستکاری و امورِ خانہ داری

اِن دونوں شعبوں کی بعض سند یافتہ لڑکیاں معلمی کا پیشہ اختیار کرنا چاہتی ہیں۔ اُن کی تکمیلِ تعلیم کے لئے ایک سال کا نصاب مقرر ہے۔ یہ نصاب ختم کرنے پر انہیں لڑکیوں کے مدارس فوقانیہ میں معلمی کی خدمت مل جاتی ہے۔ یہاں کی ہزاروں سند یافتہ لڑکیاں معلمہ کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ نصاب درجِ ذیل ہے۔

تکمیلِ تعلیم

اخلاق۔ جاپانی اخلاق کی خصوصیات۔ اخلاقیات۔	سینا۔ جاپانی اور غیر ملکی کپڑے، بٹوے۔
فنِ تعلیم۔ نظری، طرزِ تعلیم، تنظیم مدرسہ۔ مشقِ تعلیم۔	دستکاری۔ بُننا، کشیدہ کاری، مصنوعی پھول۔

شعبۂ دستکاری ادنیٰ

یہ شعبہ اُن لڑکیوں کے لئے ہے جو ابتدائی مدارس کی تعلیم ختم کر چکی ہیں۔ آگے تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہیں، مگر ثانوی مدارس میں نہیں، بلکہ دستکاری بھی سیکھنا چاہتی ہیں۔ اس کا نصاب چار سال کا ہے۔ اس میں ۸۳۰ لڑکیاں داخل ہیں۔ یہ وہی شعبہ ہے جو کارکنانِ مدرسہ نے عام ثانوی مدارس کا نقص رفع کرنے کے لئے ابتدا میں جاری کیا تھا۔ اس میں عام مضامین کی تعلیم بھی دی جاتی ہے مگر دستکاری اور امورِ خانہ داری کی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے۔ نصاب درجِ ذیل ہے۔

سالِ اوّل

اخلاق۔ عملی اخلاق، نیکی،	سائنس۔ اسباق الاشیا۔
جاپانی زبان۔ مضمون نویسی، نوشت، خواند۔	نقاشی۔
غیر زبان۔ انگریزی۔	سینا۔ جاپانی کپڑے۔
جغرافیہ۔ جغرافیہ جاپان۔	دستکاری۔ بُننا۔
ریاضی۔ حساب۔	جمناسٹک۔ معمولی جمناسٹک اور کھیل۔

سالِ دوئم

اخلاق۔ موافق سالِ اوّل۔	سائنس۔ طبعیات، کیمیا۔ اسباق الاشیا۔
جاپانی زبان۔ موافق سالِ اوّل۔	نقاشی۔
غیر زبان۔ انگریزی یا کوئی دستکاری۔	سینا۔ موافق سالِ اوّل۔
جغرافیہ۔ جغرافیہ دُنیا۔	دستکاری۔ بُننا، کشیدہ کاری۔
ریاضی۔ حساب۔	جمناسٹک۔ موافق سالِ اوّل۔

سالِ دوئم کے نصاب میں طالبات کو اختیار ہے کہ وہ انگریزی پڑھیں یا اُس کی بجائے کوئی دستکاری سیکھیں۔

سال سوئم

اخلاق۔ عملی اخلاق، نیکی، اچھا شہری بننا۔
جاپانی زبان۔ حسب سابق۔
غیر زبان۔ انگریزی یا کوئی دستکاری۔
تاریخ۔ تاریخ جاپان۔
ریاضی۔ جبرو مقابلہ۔
سائنس۔ طبعیات، کیمیا۔
نقاشی۔ نقاشی، وضع تراشنا۔
امورِ خانگی۔ لباس، کھانا، کپڑے دھونا، رنگنا، مشق۔
سینا۔ جاپانی کپڑے، بچوں اور عورتوں کے غیر ملکی کپڑے، بٹوے۔
دستکاری۔ بُننا، کشیدہ کاری۔
جمناسٹک۔ حسب سابق۔

سال چہارم

اخلاق۔ موافق سال سوئم۔
جاپانی زبان۔ حسب سابق۔
غیر زبان۔ انگریزی یا کوئی دستکاری۔
تاریخ۔ تاریخ جاپان۔
ریاضی۔ جبرو مقابلہ۔
سائنس۔ افعال الاعضا، حفظانِ صحت۔
نقاشی۔ نقاشی، وضع تراشنا۔
امورِ خانگی۔ رہائش کا کمرہ، تیمارداری، تربیت اطفال، خانگی اقتصادیات، پکانا، مشق۔
سینا۔ جاپانی کپڑے، بچوں اور عورتوں کے غیر ملکی کپڑے، بٹوے۔
دستکاری۔ کشیدہ کاری، مصنوعی پھول۔
جمناسٹک حسب سابق۔

فوق السند شعبہ دستکاری ادنیٰ

اس شعبے کی لڑکیاں اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہیں تو ان کے لئے ایک سال کا نصاب مقرر ہے۔ نصاب درج ذیل ہے۔

فوق السند

اخلاق۔ عملی اخلاق، نیکی،
فنِ تعلیم۔ عام اصول۔
نقاشی۔ نقاشی، وضع تراشنا۔
امورِ خانہ داری۔ لباس، کھانا، رہائش، تیمارداری، تربیت اطفال، حفظانِ صحت، کپڑے دھونا، صاف کرنا، رنگنا، پکانا، مشق،
سینا۔ جاپانی کپڑے، بچوں اور عورتوں کے غیر ملکی کپڑے، بٹوے۔
دستکاری۔ بُننا، کشیدہ کاری، مصنوعی پھول۔
جمناسٹک۔ معمولی جمناسٹک اور کھیل۔

امورِ خانگی کی اہمیت

تینوں شعبہ جات کے نصاب پر نظرِ غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانیوں نے تعلیمِ نسواں کے مسئلے کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ یہ تعلیمِ نسواں کی غرض و غایت کو سمجھ گئے ہیں۔ محض سرکاری مدارس کی سند حاصل کر لینا تعلیمِ نسواں کا مقصد نہیں ہے۔ یہ دارالفنون

اس بارے میں کچھ انوکھا نہیں ہے۔ اس جیسے بیسیوں مدارس شہر ٹوکیو میں قائم ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مدارس فوقانیہ بھی جاری ہیں۔ ان میں بھی امورِ خانہ داری سے غفلت نہیں برتی جاتی اگرچہ ان فنون کی تعلیم پر اتنا وقت صرف نہیں کیا جاتا۔ ان فنی مدارس سے جو لڑکیاں نکلتی ہیں وہ گھر کے کام میں طاق ہوتی ہیں۔ کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور رنگنا معمولی باتیں ہیں مگر یہ بھی سیکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے اور بچوں کے جاپانی اور یورپین کپڑے اور مردانہ جاپانی کپڑے خود سی سکتی ہیں۔ گھر کی صفائی، سامان کی دیکھ بھال، روپیہ کا لین دین، خرید و فروخت کر سکتی ہیں۔ حفظانِ صحت سے واقف ہوتی ہیں۔ بچوں کی تربیت کر سکتی ہیں۔ اس مدرسے کے تینوں شعبوں میں فنِ تعلیم کا مضمون عام ہے۔ یہ مضمون اس مدرسے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مدارس فوقانیہ کی اعلیٰ جماعتوں میں بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ تمام طالبات کو اُستانی بنادیا جائے۔ اگرچہ پہلے دو شعبوں کی طالبات کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اس لئے سیکھایا جاتا ہے کہ اُن کو بچوں کی تعلیم و تربیت کا طریقہ آجائے۔ ان سب باتوں پر طرہ یہ ہے کہ تمام لڑکیاں تمیز دار بن کر نکلتی ہیں۔ اخلاق کے عنوان سے ان کو حفظِ مراتب سیکھا دیا جاتا ہے۔ بزرگوں کی تعظیم، خوردوں پر شفقت اور ہمسروں سے انکسار برتنے کی عملی تعلیم دی جاتی ہے۔ خانگی فرائض کے ساتھ ان کو شہریت کی تعلیم دیکر سوسائٹی کا مفید جزو بنا دیا جاتا ہے۔ سولہ سترہ برس کی عمر میں اس مدرسے میں داخل ہوتی ہیں۔ بیس اکیس سال کی عمر میں فارغ ہو کر نکلتی ہیں۔ اِس کے بعد شادی کی فکر ہوتی ہے۔ جب بیاہی جاتی ہیں تو سسرال پہنچتے ہی گھر چلانے کی اہلیت رکھتی ہیں۔

اخراجاتِ تعلیم

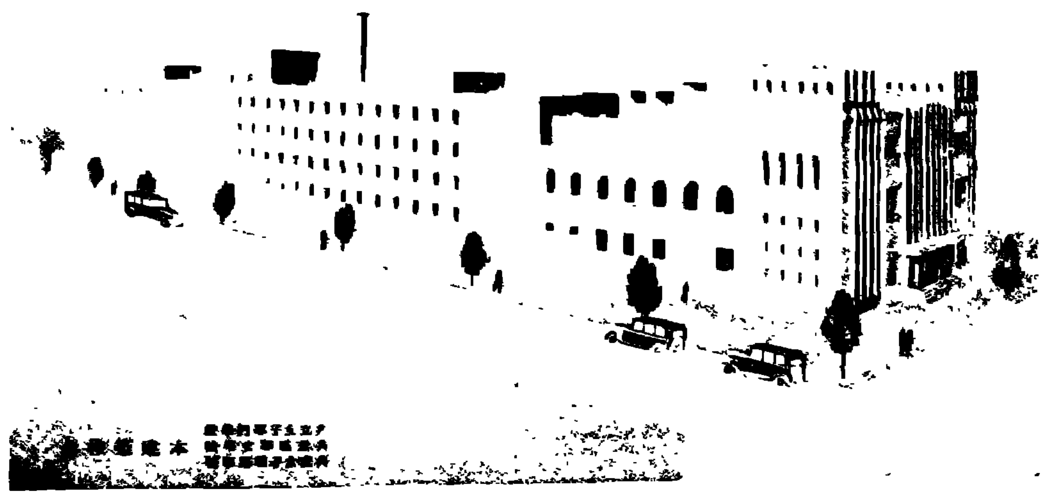
شعبۂ دستکاری کے تین سال کے نصاب کے لئے فیس تعلیم ۵۰ ین سالانہ، شعبۂ امورِ خانہ داری کے دو سال کے نصاب کے لئے اور فوق السند کے ایک سال کے نصاب کے لئے بھی ۵۰ ین سالانہ فیس ہے۔ تکمیلِ تعلیم کے ایک سال کے لئے صرف ۵۴ ین فیس ہے۔ شعبۂ دستکاری ادنیٰ میں چار سال تک ۴۰ ین سالانہ فیس ہے اور فوق السند کے ایک سال کے لئے ۵۴ ین۔

دستکاری کے تمام فنون سیکھنے کے لئے لڑکیوں کو اپنے پاس سے سامان لانا پڑتا ہے۔ اسی طرح کتابیں اور سامان نوشت و خواند خود خریدنا پڑتا ہے۔ فیس تعلیم اور دیگر اخراجات ملا کر پہلے دو شعبوں میں ۲۰ ین ماہوار کا اوسط پڑتا ہے۔ تیسرے شعبے میں ۱۵ ین ماہوار خرچ آتا ہے۔ سواری کا خرچہ اس کے علاوہ ہے۔ لڑکیاں شہر کے دور دراز علاقوں سے آتی ہیں بلکہ بعض لڑکیاں دوسرے قریبی شہروں سے مثلاً یوکوہامہ سے آتی ہیں۔ ان کو ریل اور ٹریم یا بس کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ لڑکیاں جو سامان دستکاری تیار کرتی ہیں وہ ان کی ملکیت ہوتا ہے۔ اسی طرح جو کھانا پکاتی ہیں وہ خود کھا لیتی ہیں۔ استانیوں کی نگرانی شروع سے ایسی ہوتی ہے کہ ابتدائی مشق میں بھی سامان ضائع نہیں ہوتا۔

کچھ لڑکیاں مدرسے کی قیام گاہ میں رہتی ہیں۔ اس وقت ان کی تعداد ۵۰ ہے۔ قیام گاہ کی فیس ۱۸ ین ماہوار ہے جس میں کمرے کا کرایہ، کھانا اور غسل شامل ہے۔ مقیم لڑکی کا جملہ صرفہ تعلیم ۳۸ ین ماہوار ہوتا ہے۔



محترمه هاروکو هتویامه . خانم (صدر [illegible]



جوشی شوکو کوڈو گکو (جدید عمارت)

Calcutta Art Press Delhi

عمارت مدرسہ

تاریخ قیام سے یہ مدرسہ بہت سے مکان بدل چکا ہے۔ ابتدا میں ایک کارکن کے ذاتی مکان میں قائم ہوا تھا۔ پھر جوں جوں تعداد طالبات بڑھتی گئی نئے نئے مکان بنتے اور بدلتے رہے۔ ۱۹۲۳ء کے زلزلے میں اس کی عمارت جل کر خاکستر ہوگئی۔ اس آگ میں مدرسے کی ۷۳ لڑکیاں اور معلمات جل کر مرگئیں۔ اگلے سال علاقہ کندہ میں موجودہ عمارت بنی۔ یہ دراصل دو عمارتوں پر مشتمل ہے جو تقریباً سو گز کے فاصلے پر واقع ہیں۔ دونوں عمارتیں سہ منزلہ ہیں اور کچی یعنی چوبی ہیں۔ خاص عمارت میں پہلے دو شعبوں کی جماعتیں قائم ہیں۔ دوسری عمارت میں تیسرے شعبے کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ یہی عمارت قیام گاہ کا کام دیتی ہے۔ رات کو لڑکیاں یہیں سوتی ہیں۔ دن کے وقت تمام کمرے تعلیم کے کام آتے ہیں۔ اس میں یہ بڑا نقص ہے کہ پاخانہ کمروں کے بالکل متصل ہے۔ چار کمرے ایسے بے موقع واقع ہوتے ہیں کہ بدبو کا گھر ہیں۔ جب ہم دیکھتے دیکھتے وہاں پہنچے تو تعفن سے دماغ پریشان ہوگیا۔ لڑکیاں حسب معمول میٹھی کام کر رہی تھیں۔

اس مدرسے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام کمروں میں فرش پر نشست کا انتظام ہے۔ جب لڑکیاں مدرسے آتی ہیں تو ڈیوڑھی میں جوتیاں اُتار دیتی ہیں۔ ایک متصل کمرے میں الماریاں لگی ہوئی ہیں کبوتر خانے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں جوتیاں رکھ دیتی ہیں۔ عمارت کے اندر ہر جگہ لکڑی کا مجلا فرش ہے۔ کمروں میں تتامیاں بچھی ہوئی ہیں۔ ہر لڑکی کے آگے فرشی میز ہے جس پر اُس کا دستکاری کا سامان رہتا ہے۔

کھانا پکانے کے کمرے میں اونچی اونچی میزیں ہیں جن پر گیس کے چولھے لگے ہوئے ہیں۔ کھڑے ہو کر پکاتی ہیں۔ ایک میز پر چار لڑکیاں ایک وقت میں پکا سکتی ہیں۔ اسی طرح رنگائی کے کمرے میں اونچی میزیں ہیں۔ ہر میز پر ایک خانے میں شیشے کی نلکیاں رکھی ہوئی ہیں جن میں لڑکیاں رنگ ملا کر مطلوبہ مرکب کا اندازہ کر سکتی ہیں۔ یہاں اُستانیوں نے ہمیں لڑکیوں کی رنگی ہوئی چندریاں دکھائیں جن میں بہت باریکی سے رنگ بھرا گیا تھا۔ اُنہوں نے ہمیں چند اور نمونے بھی دکھائے جن میں کپڑوں پر تصویریں بنا کر رنگ بھرا تھا۔ ایک کپڑے میں ہندوستانیوں کی تصویریں تھیں اور یہ بڑے شوق سے دکھایا۔

موجودہ عمارتیں مدرسے کے لئے ناکافی ہیں۔ مخدوش بھی ہیں کہ ہر وقت آگ کا خوف لگا رہتا ہے۔ کارکنانِ مدرسہ جدید عمارت بنا رہے ہیں جو سامنے کے قطعے پر واقع ہے۔ یہ عمارت فیرو کنکریٹ کی ہے اور زلزلہ و آتش پروف ہے۔ اس میں پانچ منزلیں ہیں تعمیر کا کام جاری ہے اور دو تین مہینے میں عمارت مکمل ہو جائیگی۔ جب یہ مقالہ رسالے میں چھپے گا تو عمارت مکمل ہو چکی ہوگی۔ اس میں ۳۲۰۰ لڑکیوں کے لئے گنجائش ہوگی۔ میز کرسی پر نشست ہوگی۔ موجودہ عمارتوں کو قیام گاہ میں منتقل کر دیا جائیگا۔ اُس وقت ۸۰۰ لڑکیاں رہ سکینگی۔ جدید عمارت کا تخمینہ دس لاکھ ین ہے۔

اوقات مدرسہ

مدرسے میں تین ٹرم ہوتے ہیں۔ پہلا ٹرم ۸ر اپریل سے ۲۰ر جولائی تک رہتا ہے۔ پھر تعطیلات گرما شروع ہوتی ہیں جو ۳۱ر اگست

تک رہتی ہیں۔ دوسرا ٹرم یکم ستمبر سے شروع ہوکر ۲۴ دسمبر تک رہتا ہے۔ اس کے بعد تعطیلاتِ سرما ہوتی ہیں۔ تیسرا ٹرم ۸ جنوری سے ۲۰ مارچ تک رہتا ہے۔ تعطیلات بہار ۱۸ روز کی ہوتی ہیں۔ موسمی تعطیلات کے علاوہ اتوار کو اور قومی تعطیلات کو مدرسہ بند رہتا ہے۔

جاڑے میں یکم نومبر سے ۱۰ مارچ تک مدرسہ صبح ۹ بجے سے ۳ بجے تک رہتا ہے۔ موسم بہار وخزاں میں مدرسے کا وقت ۸ بجے صبح سے ۳ بجے سہ پہر تک ہے گرمی میں یعنی جولائی کے ۲۰ روز اور شروع ستمبر کے ۱۰ روز صبح ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک ہوتا ہے۔ اوقات تعلیم میں ہر گھنٹے کے بعد ۱۰ منٹ کا وقفہ ملتا ہے گویا ہر گھنٹے میں ۵۰ منٹ تعلیم ہوتی ہے۔ دوپہر کو کھانے کے لئے ایک گھنٹے کی چھٹی ملتی ہے۔

معلمین

مدرسے میں ۵۵ معلمین ہیں جن میں ۱۵ مرد اور ۴۰ عورتیں ہیں۔ تمام سند یافتہ ہیں۔ میں نے ان کی ابتدائی اور انتہائی تنخواہ معلوم کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ جاپانی ادارے اپنی مالی حالت پبلک کو نہیں بتاتے۔ اتنا معلوم ہو گیا کہ مردوں اور عورتوں کی تنخواہ برابر ہے اور تنخواہ کا اوسط ۸۰ ین ماہوار ہے کوئی معلم یا معلمہ بلا تنخواہ کام نہیں کرتی۔
لڑکیوں کے مدارس میں مرد و عورتیں مل کر کام کرتے ہیں۔ عام مدارس میں ان کی تعداد تقریباً نصف نصف ہوتی ہے عورتوں کی تنخواہ مردوں سے کم ہوتی ہے کیونکہ مردوں کو کنبہ پالنا ہوتا ہے۔ اس مدرسے میں عام رواج کے خلاف دونوں کی تنخواہ برابر ہے۔

غیر ملکی طالبات

اس دارالفنون میں غیر ملکی طالبات کے لئے تعلیم کا انتظام ہو سکتا ہے تیسرے شعبے میں ان کا داخلہ بیسود ہے۔ کیونکہ اس میں مدرسہ فوقانیہ کے بہت سے علوم پڑھائے جاتے ہیں جو لڑکیاں اپنے ملک کے عام مدارس میں سیکھ سکتی ہیں۔ پہلے دو شعبے البتہ مفید ہیں کہ ان میں فنون کی تعلیم معقول ہے۔ ان شعبوں میں یہاں کے مدارس فوقانیہ سے لڑکیاں آتی ہیں جن کی قابلیت ہندوستان کے مدارس وسطانیہ و فوقانیہ کے درمیان ہوتی ہے۔ ہندوستان کے مدارس وسطانیہ کی سند یافتہ لڑکیاں تعلیم سے اچھی طرح مستفید ہو سکتی ہیں۔ نقاشی اچھی طرح آنی چاہیئے۔ کیونکہ ہر فن کے لئے ضروری ہے کہ لڑکی نقشہ اور تصویر کھینچ سکے۔ ہندوستان کی کوئی زبان یہاں مفید نہیں ہو سکتی۔ انگریزی کا علم مفید ہے مگر اس سے کام نہیں چل سکتا۔ طالبہ کو پہلے برس چھ مہینے جاپانی زبان سیکھنی چاہیئے پھر مدرسے میں داخل ہونا چاہیئے۔ ہندوستانی لڑکی کو کئی مضامین مثلاً جاپانی۔ اخلاق اور جاپانی کپڑوں کی سلائی سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر لڑکی ہوشیار ہے تو ان مضامین کو چھوڑ کر دیگر مضامین کا نصاب دو سال میں ختم کر سکتی ہے۔ جاپانی زبان کی ابتدائی تعلیم کو شامل کر کے تین سال کی مدت اقل ترین ہے۔ پوری مدت تعلیم چار سال ہے۔
اس مدرسے میں صرف لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ لڑکوں کا گزر نہیں۔ حال میں ایک ہندوستانی طالب علم جاپان آئے وہ مصنوعی پھول کی صنعت سیکھنا چاہتے تھے جو عموماً لڑکیاں سیکھتی ہیں۔ اس مدرسے میں داخلے کی کوشش کی اور اجازت مل گئی۔ چنانچہ

چند مہینے انہوں نے یہ فن سیکھا۔ لڑکیاں ان کو اپنے ساتھ کام کرتے دیکھ کر زیر لب ہنستی تھیں۔

مالیات

یہاں کی مالی حالت معلوم کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوا۔ جاپانی اداروں کا دستور حائل تھا۔ اس غرض کے لئے دو مرتبہ مدرسے گیا۔ صدر صاحبہ اور نائب صدر صاحب سے ملا۔ انہوں نے اظہار افسوس کے ساتھ معذرت کی۔ ان حالات میں مجھے حکمت عملی سے کام لینا پڑا۔ مندرجہ ذیل اعداد نائب صدر صاحب کے بتاتے ہوئے ہیں مگر یہ بالراست سوالات کے جواب نہیں ہیں۔

مدرسے کا سالانہ خرچ ۲۲۰۰۰۰ ین ہے۔ آمدنی کے مدات حسب ذیل ہیں۔

فیس تعلیم - - - -	۱۷۶۰۰۰ ین
امداد بورڈ ٹوکیو ضلع	۱۲۰۰
فروخت کتب درسی، سامان نوشت وخواند،	
اشیائے دستکاری تیار کردہ طالبات۔	۴۲۸۰۰
میزان	۲۲۰۰۰۰ ین

سرکار سے یا ٹوکیو میونسپلٹی سے کچھ امداد نہیں ملتی۔ ضلع ٹوکیو کے بورڈ کی جانب سے ایک سو ین ماہوار کی حقیر رقم ملتی ہے۔ پبلک سے کوئی چندہ وصول نہیں کیا جاتا بلکہ مدرسہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہے۔ دستکاری کے فنون پر مدرسے کی مرتبہ چند کتب ہیں جن کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ ان کی فروخت سے کچھ منافع مل جاتا ہے۔ مدرسے میں نوشت وخواند کے سامان کی دکان ہے۔ لڑکیاں یہیں سے سامان خریدتی ہیں۔ اس کا منافع بھی آمدنی میں جمع ہوتا ہے۔ پھر ہر سال مدرسے میں طالبات کے تیار کردہ سامان دستکاری کی نمائش ہوتی ہے۔ ملک جاپان اور دیگر ممالک کی نمائشوں میں بھی یہاں سے سامان بھیجا جاتا ہے۔ اس سامان کا منافع بھی مدرسہ لیتا ہے۔ عام طور سے جو سامان طالبات تیار کرتی ہیں وہ انہی کی ملکیت ہوتا ہے۔ مگر نمائش کے لئے جو اشیا تیار کی جاتی ہیں۔ ان کے لئے مدرسہ سامان فراہم کرتا ہے۔ سال میں ایک مہینہ لڑکیوں کو سامان نمائش کے لئے کام کرنا پڑتا ہے۔ ان تینوں مدات سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ۴۲۸۰۰ ین مدرسے کی آمدنی پوری کرنے کے کام آتے ہیں۔ باقی رقم مد محفوظ میں جمع کر دی جاتی ہے۔ جو عمارت مدرسے کی تعمیر میں اور فرنیچر کی خرید میں صرف ہوتی ہے۔

سابق میں کئی مرتبہ مدرسے کو خاندان شاہی اور سرکار سے بھی امداد ملی ہے۔ شاہی عطیہ پہلی مرتبہ ۱۹۱۷ء میں عمارت مدرسہ کی تعمیر کے لئے عطا ہوا تھا۔ سرکار کی جانب سے ۱۹۲۲ء و ۱۹۲۴ء میں اسی غرض سے رقم ملی تھی۔ ضلع ٹوکیو کے بورڈ نے ۱۹۲۲ء سے مدرسے کی امداد کرنی شروع کی۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۳۱ء تک تینوں مدات سے جو امداد ملی اس کی مقدار صرف ۳۰۰۰۰ ین ہوتی ہے۔ پندرہ برس میں تیس ہزار کی رقم کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ گویا مدرسہ ہمیشہ سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ شاہی عطیہ و سرکاری امداد محض اعزازی درجہ رکھتی ہے۔

جدید عمارت کے لئے سرکار سے ۶۰۰۰۰ ین کی امداد ملی ہے۔ مدرسے نے اپنی جمع پونجی سے ۶۰۰۰۰ ین ملائے ہیں اسقدر کثیر رقم

مدرسے کے خزانے میں موجود ہونی کارکنانِ مدرسہ کی نہایت دور اندیشی، کفایت شعاری اور ایثار پر دلالت کرتی ہے۔ وہ اپنی خدمات کے معاوضے میں اضافے کا مطالبہ کرسکتے تھے، اور مدرسے کی آمدنی اس اضافے کو برداشت بھی کرسکتی تھی۔ مگر تعمیر مکان کے وقت دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑتے۔ انھوں نے نہ صرف مناسب مشاہرے پر قناعت کی بلکہ طالبات سے پوری فیس وصول کی۔ مالی حالت کی پختگی، کارکنان کا ایثار، تعلیم کی خوبی، انتظام کی درستی، یہ سب باتیں مدرسے کی کامیابی کی ضامن ہیں۔

سامان دستکاری کی نمائش

اہلِ جاپان کو اپنے شہنشاہ سے جو عقیدت ہے اُس کا اظہار اِس مدرسے کے کارکنان اور طالبات بھی وقتاً فوقتاً کرتی رہی ہیں۔ اوّل اوّل سنہ ۱۸۸۹ء میں ملکہ کی خدمت میں معائنہ مدرسہ کی درخواست پیش کی گئی۔ آنجنابہ نے درخواست قبول فرماکر معائنہ کیا اور دو سو ین کی رقم عطا فرمائی۔ اس کے بعد سے ہر سال لڑکیوں کی دستکاری کے نمونے شہنشاہ و ملکہ کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ مختلف اوقات میں طالبات کی مصنوعات شہنشاہ و ملکہ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً شاہی شادی اور ولی عہد کی شادی پر، جشنِ تاجپوشی اور ولادت ولی عہد کے موقعوں پر۔

لڑکیوں کی مصنوعات نہ صرف جاپان کی نمائشوں میں بلکہ دیگر ممالک یورپ و امریکہ کی نمائشوں میں بھی مثلاً پیرس، نیویارک، شکاگو، سینٹ لوئیس، سان فرانسسکو، روم، اور اینٹورپ میں بھی بھیجی جاچکی ہیں۔ وہاں سے لڑکیوں کو انعام میں تمغے اور سندات ملی ہیں۔

محترمہ ہاروکو ہتویامہ

جملہ کارکنانِ مدرسہ میں محترمہ ہاروکو ہتویامہ خاص امتیاز رکھتی ہیں۔ آپ ابتدائے قیام سے مدرسے کی سرپرستی کررہی ہیں۔ آپ کو مدرسے کی خدمت کرتے ہوئے پچاس سال ہوگئے۔ اِس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال ہے۔ روزانہ برابر مدرسے آتی ہیں اور صدر مدرسہ کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ آپ ایک نائب وزیر کی اہلیہ ہیں اور ایک وزیرِ تعلیم کی والدہ ہیں۔ خود خواتین جاپان کی مسلمہ رہنما ہیں۔ بیسیوں انجمنوں کی صدر رہیں۔ دیگر ممالک میں خواتین جاپان کی نمائندگی کرچکی ہیں۔ حال ہی میں انجمن خواتین فدایانِ قوم کی صدارت سے جس کی رُکن کئی لاکھ خواتین ہیں استعفیٰ دیا ہے۔ مگر خاندانِ شاہی کی بیگمات نے اسی انجمن میں آپ کا اعزازی رُتبہ بڑھادیا ہے۔ مجھ سے فرماتی تھیں کہ اب میں بوڑھی ہوگئی ہوں، اتنی انجمنوں کا کام نہیں سنبھلتا۔ بہت سی انجمنوں سے استعفیٰ دے رہی ہوں کہ اِس مدرسے کی زیادہ تندہی سے خدمت کرسکوں۔ اہلِ جاپان ایسی مایہ ناز ہستی کی جتنی قدر کریں کم ہے۔

برلاس

ہندوستانی طلبا جاپان میں

عرصہ دراز سے میں اس امر کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ کہ اُن طلبا کو جو علم سائنس۔ یا علم صنعت و حرفت کے شائق ہیں۔ اُن کے لئے جاپان میں جو جو آسانیاں بہم پہنچائی جاسکتی ہیں۔ اُن کی بابت کارآمد اور مفید مطلب اطلاعات بہم پہنچاؤں۔ لیکن میری بدقسمتی کہ میں ابھی تک بوجہ مصروفیت کے اپنے اس خیال کو جامۂ عمل میں نہ لاسکا۔ ان اطلاعات کے طبع کرنیکی گذشتہ چار سال سے آجتک ہندوستان کے ہر گوشے سے میرے نام ہزاروں خطوط آچکے ہیں۔ اور جاپان کی بابت بہت سی باتیں دریافت کی گئی ہیں۔ لیکن افسوس کہ میں کبھی اُن کا بروقت جواب نہیں دے سکا۔

ان خطوط کے مضامین اور نوجوانوں سے ملکر جو ہندوستان سے جاپان آتے ہیں۔ مجھے اس امر کے یقین کی گنجائش ہوئی۔ کہ بلا شک و شبہ ہمارے ہندوستانی نوجوان اور خواتین ہندوستان کے مدارس میں تعلیم پانیکے باوجود جاپان کے متعلق معمولی اور اصولی باتوں سے بھی نابلد ہیں۔ جاپان کے موجودہ حالات نے مجھے اس احساس کی تقویت دی کہ ہندوستانی طلبا کی تعلیم کے لئے جاپان بہ نسبت یورپ اور امریکہ کے بہتر جگہ ہے۔

ہندوستان اور جاپان کے حالات میں کچھ ایسی موافقت ہے کہ مغربی تعلیم پاکر واپس آنے پر جو مشکلات ہمارے طلبا کو پیش آتی ہیں۔ ان کا حل بہت آسان طریقہ سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہندوستانی جاپان کی دستکاریوں کے طریقہ کی بہ نسبت مغربی طریقوں کے جلدی تقلید کرسکتا ہے۔ جاپان میں عموماً دستکاریاں چھوٹے پیمانہ پر جاری ہیں اور اُن کی فیکٹریوں میں کام کرنیوالے خود مالک۔ اہل کنبہ اور پڑوسی ہیں۔ جو جوش سلوک اور یگانگت کے ساتھ کام کرتے ہیں اور کسی جاپانی کو یہ دل نشین کرنیکے لئے کہ ہر ایک مزدور برابر کی عزت کا مستحق ہے۔ کسی بالشویک تحریک کی ضرورت نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کے مزدوروں میں کوئی فساد نہیں ہوتا۔ اور ایک کارخانہ بنانیکے لئے کسی بڑے سرمایہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ جاپان اپنی دستکاریوں میں جدید طریقہ استعمال کرنیکے سبب دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔

اخراجات بود و باش اور دیگر ضروریات زندگی کے پورا کرنیکے لئے جاپان بہت ارزاں ہے۔

جاپانی اور ہندوستانیوں میں بلحاظ غور و فکر و بلحاظ عادات اور اخلاق بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ جاپان میں رنگ کا تعصب نہیں ہے۔ اور اگر ہم ان لوگوں سے گھل مل جائیں تو اس بات کا خیال بھی نہیں آئیگا کہ ہم کسی دوسرے ملک میں ہیں۔ یہ تمام باتیں بہت سی اور باتوں کے علاوہ تجارت اور صنعت پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔

ہندوستان سے آنیوالے ایک ایسے طالب علم کو جو عیش و عشرت اور اسراف پسند نہ ہو اور صرف تعلیم کے لئے آنا چاہے ایک اس طالب علم کو کسی قریبی جگہ سے کلکتہ یا بمبئی میں بورڈنگ ہاؤس میں رہکر تعلیم حاصل کرے۔ کچھ زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑیگا۔ بشرطیکہ وہ جاپان میں آئے اور ہندوستانی طریقہ سے زندگی بسر کرے۔ لیکن جاپان آکر ہندوستانی کھانے پینے کا خیال چھوڑ دینا ہوگا۔ اور اپنے کو جاپانی کھانوں کا عادی بنانا ہوگا۔ باوجودیکہ جاپانی کھانوں کا ذائقہ ہندوستانی کھانوں سے جدا ہے۔ پھر بھی ایسا ہے کہ

عادات ڈالی جاسکتی ہے۔

کوبے میں انڈیا لاج
"India Lodge" in Kobe

ہندوستانی طلبا کی ہمت افزائی کے لئے اور انکو آرام بہم پہنچانے کے لئے اور مسئلہ رہائش کے حل کرنے کے لئے کوبے میں یہ لاج قائم کیا گیا ہے جس کا نام انڈیا ہاؤس ہے اور Kamitsutsui-dori 2-chome میں متصل دروازہ سابق یونیورسٹی آف کمرس کوبے۔ واقع ہے۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کہ ابتدا میں ہندوستانی طلبا جاپانی کھانے پر نہیں رہ سکیں گے ہندوستانی کھانوں کا انتظام بہم پہنچایا گیا ہے۔ اور ہر ایک طالب علم سے (30-0-0 ین) تیس ین۔ (یعنی ۲۵ روپے) ماہوار خوراک اور کمرہ کا کرایہ لیا جاتا ہے۔ دوسرے مسافر بھی آکر قیام کر سکتے ہیں۔ لیکن اُن کیلئے نرخ علیحدہ ہے۔

بہر حال ہر طالب علم کو چاہیئے کہ جلد از جلد جاپانی کھانے پینے کی عادت ڈال لے۔ تاکہ کوبے کے علاوہ کسی دوسری جگہ اگر بغرض تعلیم جانا پڑے تو کسی قسم کی مشکل درپیش نہ آئے۔ کوبے سے دور مقامات پر نہ اُسکو ہندوستانی کھانا ملے گا۔ اور نہ بات چیت کے لئے ہندوستانی آدمی۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے۔ کوبے کا انڈیا ہاؤس ایسی جگہ ہے کہ جہاں پہنچکر طلبا کو جاپانی طالب علموں کے طریقے اور جاپانیوں کی عادات اور خصلات سے بخوبی واقفیت ہو سکتی ہے۔ جو کسی علم کے حاصل کرنیکے لئے بذاتِ خود بہت ضروری چیز ہے۔

جاپان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے زبان سے ناواقفیت بھی ایک مشکل ہے۔ لیکن جاپانی سیکھنا کچھ ایسا دشوار کام نہیں ہے، اور باوجودیکہ پورے طور سے جاپانی جان لینا بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن صرف گفتگو کے قابل بھی زبان کا سیکھ لینا اتنا کافی ہے کہ بآسانی کسی اسکول یا فیکٹری میں داخل ہو کر مطلب براری کی جاسکتی ہے۔ انڈیا ہاؤس بھی اس کے متعلق طلبا کو کافی مدد دے گا لیکن زیادہ تر زبان کا جلدی سیکھنا طلبا کی دانائی اور ذہن پر منحصر ہے۔

ضروریات

جب کوئی ہندوستانی طالب علم بغرض تعلیم جاپان آنے کا قصد کرے تو سب سے پہلے اُسکو گورنمنٹ سے پاسپورٹ (Pass-port) حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ پاسپورٹ صوبہ کے کسی اعلیٰ افسر کے ذریعہ سے مل سکتا ہے۔ اور متعلقہ باتیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے دریافت کی جاسکتی ہیں۔ ہندوستانی پاسپورٹ مل جانیکے بعد کلکتہ۔ بمبئی۔ یا کولمبو میں جاپانی کونسل سے اسپیشل "وزا" (Visa) لینا چاہیئے۔ یہ وزا روانگی سے ایک دو روز پہلے بھی لیا جاسکتا ہے۔ اس لئے صرف وزا کے لئے کوئی صاحب کلکتہ بمبئی یا کولمبو جانے کا قصد نہ فرمائیں۔ بمبئی۔ کلکتہ اور کولمبو سے تقریباً ہر ہفتہ جہاز چلتے ہیں۔ اور سیٹ پہلے سے رزرو (reserve) کرائی جاسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل کمپنیوں کے جہاز جاپان آتے ہیں۔

1. British India Steam Navigation Co. Ltd.

کلکتہ سے برٹش انڈیا اسٹیم نیویگیشن کمپنی لمیٹیڈ۔

(۲) نپن یوسن کیشا۔ 2. Nippon Yusen Kaisha.

(۳) اوساکا شوسن کیشا۔ 3. Osaka Shosen Kaisha.

(۴) لائڈز ٹرسٹینو۔ 4. Lloyds Triestino.

(۵) پی۔ اینڈ۔ او سٹیم نیویگیشن۔ 5. P. & O. Steam Navigation Co. Ltd.

(۶) میسجریز میری ٹائمز (کولمبو سے) 6. Messageries Maritimes.

ان کمپنیوں کے جہاز بمبئی اور کولمبو سے برابر آتے رہتے ہیں۔ نمبر ۲-۳-۴-۶- کے جہازوں میں تیسرے درجے کا کرایہ بہت سستا ہے۔ اور طلبا کو ہر قسم کا آرام رہیگا۔ نمبر ۴ کے جہاز و نیز شنگھائی میں تبدیلی کرنی ہوگی۔ لیکن یہ جہاز بہت تیز ہیں اور صرف پندرہ روز میں بمبئی سے اور ۱۲ روز میں کولمبو سے جاپان پہنچا دیتے ہیں۔ (N. Y. K.) میں کلکتہ سے معہ خوراک ۱۵۰ روپیہ کرایہ ہے۔

جاپان میں ورود

جاپان سرد ملک ہے۔ اور عموماً شروع اکتوبر سے مئی کے آخیر تک کافی سردی رہتی ہے۔ اس لئے گرم کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر یورپین لباس پہنتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ طلبا اپنی ضروریات کو یہیں پہنچکر یہاں کے طرز لباس کے موافق پورا کریں۔ صرف یہی نہیں کہ چیزیں یہاں کے فیشن اور رواج کے مطابق بن جائینگی بلکہ جاپانی سکہ کے ارزاں ہونیکے سبب خرچ کم پڑیگا۔ جاڑے میں علاوہ گرم سوٹ کے ایک موٹے اوورکوٹ اور اونی بنیان کا ہونا لازمی ہے۔ گرمی میں سوتی سوٹ بھی کام دیجائیں گے۔

ہر طالب علم کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے ہمراہ کم از کم دو سو روپیہ کی ہنڈی لیکر آئے۔ تاکہ اترتے وقت جاپانی پاسپورٹ پولیس کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے۔ اس جگہ یہ کہنا غیر موزوں نہ ہوگا کہ کامل طور پر کسی چیز کا علم حاصل کرنیکے لئے قبل از روانگی جاپان میں تین سال کے قیام کے خرچ کا بندوبست کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی دستکاریاں چھ ماہ میں بھی سیکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن بڑے پیمانہ کی دستکاریاں سیکھنے کے لئے ڈھائی سال سے تین سال تک قیام اشد ضروری ہے۔ اور اس عرصہ میں طلبا کو چاہیئے کہ وہ گھر سے ہی اپنے ماہانہ اخراجات کی رقم کا انتظام کرآئیں۔ تاکہ یہاں پہنچکر کسی قسم کی تکلیف یا پریشانی کا شکار نہ بنیں۔ یہ خیال بالکل خام ہے کہ یہاں پہنچکر آمدنی کا کوئی ڈول پڑجائیگا۔ اس امید موہوم پر کبھی بھروسہ نہ کریں۔ ضروری لباس، کالج کی فیس اور کتابوں کے علاوہ ایک طالب علم کو ۶۰ روپیہ ماہوار کافی ہوگا۔ اسکی ترسیل کا انتظام تھوس کک اینڈ سن (Thomas Cook & Son.) یا یوکوہاما اسپیسی بنک لیمٹیڈ (Yokohama Specie Bank Ltd.) کے ذریعہ کیا جائے تو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کی شاخیں جاپان اور ہندوستان دونوں جگہ موجود ہیں۔ نقد روپیہ دیدینے پر یہی بنک درشنی ہنڈی (Demand Draft) بھی بناکر دے سکتے ہیں۔ جسکے ذریعہ طلبا جس جگہ چاہیں روپیہ وصول سکتے ہیں۔

زبان

پہلے بھی میں لکھ چکا ہوں۔ کہ ہندوستانی طلبا جب جاپان میں پہنچتے ہیں تو انکو زبان کی ناواقفیت کی بنا پر بہت دقتیں پیش

آتی ہیں۔ اس موقعہ پر میری یہ خواہش ہے۔ کہ ہماری ہندوستانی درسگاہیں۔ مثلاً بنارس کی ہندو یونیورسٹی۔ علیگڈھ کی مسلم یونیورسٹی ڈاکٹر ٹیگور کی وشوا بھارتی وغیرہ اور دیگر قومی درسگاہیں جاپانی سکھانے کا مکمل انتظام کریں۔ فی الحال یہ انتظام نہ ہونیکے سبب ہندوستان سے جاپان آنیوالے طلبا کو جاپانی سیکھنے کے لئے صرف چند اینگلو جاپانیز کنورسیشن کی کتابوں پر اکتفا کرنا پڑتا ہی لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو کسی زبان کے سیکھنے کے لئے وہی سرزمین زیادہ موزوں ہی جہاں وہ مستعمل ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ جو وقت جاپان میں پہنچنے پر داخلہ سے قبل فالتو ملے۔ اُس میں زبان سیکھنے کی کوشش کی جائے۔ اس بارے میں انڈیا ہاؤس بھی اپنی سی سعی زبان سیکھانے میں کریگا۔ اور خاص طور پر پڑھانیکا انتظام یا نوان طلبا کے ذریعہ جو انگریزی سیکھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ یا ایسے اُستادوں سے جو کم معاوضہ لیکر پڑھانیکو تیار ہیں۔ کردیا جائیگا۔

میں قبل ازیں اشارتاً لکھ چکا ہوں کہ کوئی صاحب تلاشِ معاش کا سبق حصولِ علم کیساتھ باندھکر نہ لائیں۔ وجہ اس کی یہ ہی کہ جاپان میں جوان مرد اور جوان عورتیں بکثرت ٹائپسٹ اور شارٹ ہینڈ جاننے والے موجود ہیں۔ اور بہت ہی کم تنخواہ پر وہ ملازمت کے لئے تیار ہیں۔ اِس حالت میں ظاہر ہے کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو اس میدان میں شکست ہوگی۔ اور جب ناکامیابی پیش قدمی کر رہی ہو تو ایسے کام میں دخل دینا بیوقوفی اور اپنا خاکہ اڑانا ہی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہاں تعلیم کا وقت بھی ایسا ہے کہ کوئی صاحب اتنا فالتو وقت نہیں نکال سکتے کہ تلاشِ معاش بھی کریں اور علم بھی حاصل کریں۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ زیادہ تر طلبا ہندوستان سے اپنے اخراجات کا فکر کرکے آتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اُن کا خرچ آنا بند ہوجاتا ہے۔ یہ طلبا کے لئے تو تکلیف دہ اور پریشان کُن ہے ہی۔ لیکن اس میں سرپرستوں کا بھی سراسر نقصان ہے۔ اور کسی سرپرست کا تعلیم شروع کرادینے کے بعد ادھورا چھوڑ دینا اپنا نقصان اور طالب علم کی زندگی خراب کرنا ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ جب اپنے میں اتنی سہار نہ دیکھی جائے تو اس سلسلہ کو شروع ہی نہ کیا جائے۔ یہاں کی درسگاہوں پر اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ بعض اوقات سرپرستوں کا بھی کوئی قصور نہیں ہے بلکہ طلبا کی اپنی ہی غلطی ہے۔ وہ یہ کہ ان طلبا کو یکمشت ایک معقول رقم دے کر بھیجا جاتا ہے اور وہ یہاں پہنچکر یہاں کی رنگینیاں دیکھ فریفتہ ہوجاتے ہیں۔ اور اُن میں پھنس جاتے ہیں۔ اُس روپے کو فضولیات میں خرچ کردیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو انکو سلسلۂ تعلیم منقطع کرنا پڑتا ہے۔ یا غیروں سے مدد مانگنے کی نوبت آجاتی ہے۔

ان مصیبتوں سے بچنے کے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ قبل از روانگی سرپرست اور طلبا اپنی اپنی ذمہ داریوں کو خوب سوچ سمجھ لیں۔ غیر ممالک میں طرح طرح کی کشش موجود ہیں۔ لیکن پھر بھی یورپ کے ملکوں کی نسبت جاپان بہت غنیمت ہے۔ ہمارے نوجوان اپنی لذتوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ خاص کر اس حالت میں جبکہ دیکھ بھال اور روک ٹوک کرنیوالا نہ کوئی رشتہ دار قریب ہوتا ہی اور نہ کسی سرپرست کی نگرانی ہوتی ہی۔ وہ اپنی اُس کمزوری کو آزادی آزاد خیال، آزاد رائے اور اسی قسم کے طرح طرح کے دوسرے جملوں کی آڑ میں چھپانا چاہتے ہیں۔ اس کمزوری کی ذمہ دار ہماری سوسائٹی بچپن کی سختیاں اور بندشیں ہیں جو جوانی میں یہ گل کھلاتی ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کسی کو اُس کی مرضی کے خلاف شدھ بنانے میں سوائے اس کے کہ وہ اپنے ظاہر اور باطن کے طرزِ عمل کو بدل دے اور کیا سبق دیتا ہی؟ نوجوانوں کی طرح افراد کیلئے اسقدر سختی اور اتنی تنبیہ کافی ہے کہ جہانتک وہ برداشت کیجا سکے اور بُرا اثر رہے۔

جہاں زنجیر کمزور ہوئی اُس کا ٹوٹنا لازمی امر ہے۔ اور ایسی رکاوٹوں کے بعد جب وہ زنجیر ٹوٹیگی تو اس بُری طرح کہ خود توڑنیوالے ہی کے چوٹ آئیگی

ابھی تک میں نے ہندوستانی طالب علموں کی تعلیم کے متعلق بحث کی۔ لیکن ایک اہم چیز یعنی تعلیمی سہولتوں کی بابت کچھ ذکر نہ کیا مصلحتاً میں اس مسئلہ کو آخر ہی میں چھیڑنا چاہتا ہوں۔ صرف اس سبب سے کہ یہی اس مضمون کا نچوڑ اور لب لباب ہے۔ اور اس لئے بھی کہ میں جانتا ہوں کہ جو صاحب اس مضمون کو ملاحظہ فرمانیکی تکلیف گوارا فرمائینگے۔ وہ ضرور اتنا اور توقف فرمائینگے۔ کہ اس میں وہ اپنے مطلب کی بات تلاش کرسکیں۔ مگر اس سے قبل میں اپنے ہندوستانی نوجوان دوستوں سے استدعا کرتا ہوں۔ کہ جب بھی وہ یہاں آنیکا قصد فرمائیں تو اسپنے جاپان آنیکے مقاصد اور فرائض کو خوب سمجھ لیں۔ اور سمجھ لیں کہ وہ ایسی جگہ آرہے ہیں۔ جہاں زیادہ تر حالات ہندوستان سے جُدا ہونگے۔ اُن کے غیر ملکوں میں آنے پر اُنپر پیش آنیوالی ذمہ داریوں اور فرائض سے خوب واقف ہونا چاہیئے۔ اور ہر کام اس طرح کرنا چاہیئے۔ کہ جس میں اپنے ملک کے نام اور عزت پر بٹہ نہ لگے۔ اور کسی قسم کی بدنامی نہ ہو۔ میں اس امر کا اظہار قطعاً نہ کرتا۔ لیکن صرف اس لئے کہ مجھے یہاں آنیوالوں کے حالات سے واقفیت ہے۔ میں اپنے مندرجہ بالا بیان سے احتراز نہیں کرسکتا۔ نہ صرف یہی بلکہ میں ڈنکے کی چوٹ کہنے پر آمادہ ہوں کہ اگر ہمارے ہندوستانیوں میں شرافت اور انسانیت سے زندگی بسر کرنیکا مادہ نہیں ہے۔ تو بہتر ہے کہ وہ یہاں آنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ باہر کے لوگ کسی ملک کے حالات اور طرزِ عمل سے واقف ہونیکے لئے۔ جو لوگ اُن کے ملک میں موجود ہیں اُنہی کی عادات اور خصلات سے اندازہ لگاتے ہیں۔

تعلیمی سہولتیں

اُن طلبا کو جو جاپان میں بغرض تعلیم آنا چاہتے ہیں۔ دو قسم کی تعلیم دیجاسکتی ہے۔ ایک وہ تعلیم جو کالج اور یونیورسٹیوں میں دیجاتی ہے۔ مثلاً ٹکنیکل۔ میکنیکل۔ تجارتی۔ دستکاری اور سائنٹیفک۔ اور دوسری عملی تعلیم مثلاً تجارتی اشیا کی ساخت کے ذرائع اور طریقے۔ کالج اور یونیورسٹیوں میں داخلہ چنداں مشکل نہیں ہے۔ داخلہ کے لئے طالب علم کا میٹرک ہونا لازمی ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قسم کا علم حاصل کرنا چاہے۔ اُس کے سمجھنے کا مادہ ضرور ہونا چاہیئے۔ یونیورسٹی یا اسکول کا سرٹیفکیٹ طالب علم کی شناخت کے لئے ضروری ہے۔ جاپان میں ٹکنیکل اسکول اور کالج تقریباً ہر بڑی جگہ موجود ہیں۔ اور ہر ایک کا کورس تین سال سے پانچ سال کی مدت تک کا ہے۔ خاص خاص مضامین کے لئے بھی خاص خاص کالج اور اسکول یہاں ہیں۔ مثلاً میکنیکل اور الکٹریکل انجیرنگ۔ زراعت فشری (ماہی گیری) کیمیکل۔ پارچہ بافی اور چھپائی وغیرہ وغیرہ۔ کتابی تعلیم کے علاوہ عملی تعلیم بھی وقتاً فوقتاً فیکٹریوں میں دیجاتی ہے۔ زیادہ تر لکچر جاپانی میں دئے جاتے ہیں۔ اس لئے جاپانی کا لکھنا پڑھنا۔ اور بولنا ضرور سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے تعلیم میں بہت مدد مل سکتی ہے لیکن چونکہ لکھنا اور پڑھنا سیکھنا مشکل ہے۔ اس لئے صرف بولنا سیکھ لینا بھی کافی ہے۔ باقی کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ لکھنا اور پڑھنا بھی جہاں تک ممکن ہوسکے سیکھیں۔

یہاں تک تو جو کچھ تھا یہ کالج کی تعلیم کے سلسلہ میں کہا گیا۔ لیکن فیکٹریوں میں عملی تعلیم کے لئے میں نہیں چاہتا کہ کوئی سبز باغ دکھاؤں۔ بہرحال اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ جو جو مشکلات یہاں فیکٹریوں میں داخل ہونے کے لئے ہوتی ہیں۔ قدرتی طور پر ہونی چاہئیں۔ لیکن اس پر بھی یہاں ایسی خراب حالت نہیں ہے جیسی انگلینڈ، امریکہ یا جرمنی میں ہے۔ فیکٹریوں کے داخلہ کے لئے کوئی زبان نہیں دی

جاسکتی اور نہ کوئی ذمہ داری لی جاسکتی ہو۔ اس کا انحصار فیکٹری کے منتظم اور اپنی کوشش پر ہی۔

اپنے روانہ ہونے کی اطلاع۔ جہاز کا نام اور تاریخ پیشتر ہی اگر سپرانٹنڈنٹ انڈیا ہاؤس کو دے دی جائے تو یہاں پہنچنے پر کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانی پڑیگی۔

ا۔م۔سہائے

چند جاپانی نظمیں

سمندر کی موجوں پر، پہاڑیوں پر،
تیرا خادم مارا پھرا۔ اور تھکا ہوا۔
اور زخمی وہ مر رہا ہے۔
اس جام سنگیں کے لئے کتنے آنسو صرف ہوئے۔
آنسوؤں کا سیلاب!

لٹکا ہوا اوس کا قطرہ!۔
گذرتی ہوئی کرن بھی اس میں نہیں ٹھہرتی!
کوہ اوگورا پر، تاریکی کی پہاڑی پر،
نہیں کیا پانے کی اُمید ہے؟

نہیں، روشنی کی پہاڑی پر،
کون نور، زرد نہ ہوجائیگا؟
کاش تیرے حسن کے نور سے دُور۔
اس جام کی چمک مجھے سچا ثابت کرے۔

گرچہ اس میں میری زندگی ہی کا خطرہ کیوں نہ ہوتا۔
بغیر جواہرات کی شاخ اپنے ہاتھ میں لئے۔
میں تیرے سامنے کبھی آنے کی جرأت نہ کرتا!

اُداس بانس کے کنجوں میں،
عرصہ تک میں بانس کاٹتا رہا ہوں،
جنگلی پہاڑیوں کے دامن میں!
لیکن ایسی غمناک قسمت
میں نے کبھی نہیں دیکھی!

میری آستین آج ہی خشک ہوئی ہے،
اور مصیبتیں جو کتنی ہی میں نے جھیلیں،
اب مجھے یاد نہ آئیں گی!

نہ ختم ہونیوالے ہیں، شعلے محبت کے۔
جو مجھے جلا رہے ہیں!
لیکن آخر کار آج میری آستین خشک ہے،
کیونکہ۔ کیا میں آج اُس کا چہرہ نہ دیکھونگا!

اب وہ کبھی نظر نہ آئیگی!
غم کے آنسو بے اختیار نکل رہے ہیں۔
اور مجھے
آبِ حیات سے
اب کیا مطلب؟

مترجمہ۔ تمنائی

ہوریُوجی بودھ مندر

دُنیا کی سب سے قدیم چوبی عمارت

شہر نارا - جاپان

چونکہ ٹوکیو کے مدرسۂ السنۂ غیر کے پروفیسر برلاس صاحب نے اہلِ ہند کی دلچسپی کے لئے چند اوراق تصنیف کرنے کی فرمائش کی ہے میں ایک نامور پرانے چوبی مندر کے متعلق مختصراً ذکر کرنا چاہتا ہوں - واقعی یہ مندر جسے ہم لوگ ہمیشہ بڑی توقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جاپان کا ایک قومی گوہر ہے - یہ مشہور و معروف مندر ہوریُوجی کے نام سے تمام جاپان میں شہرت رکھتا ہے - شہر نارا پُرانے دار السلطنت کے نواح میں واقع ہے جو شہر اوساکا سے تھوڑے فاصلے پر ہے - اِس مندر کے دیکھنے سے ہمیں اُس وقت کی جاپانی تہذیب کا کامل پتہ چلتا ہے - یہ چھوٹی بڑی چوبی عمارتوں کا مجموعہ ہے جس کے ہر طرف ہرے بھرے درخت اور باغات نظر آتے ہیں اور طبیعت کو فرحت پہنچاتے ہیں - بظاہر گویا یہ ایک خوشنما اور شاداب بہشت ہے -

ہندوستان میں کُل پرانی عمارتیں اینٹ یا پتھر کی بنی ہوئی ہیں - جاپان میں ہر قسم کی پُرانی عمارتیں یعنی مندر - مکان - پُل مینار وغیرہ سب لکڑی کے بنے ہیں - زمانۂ حال میں بھی زیادہ تر عمارتیں خصوصاً طرح طرح کے مندر لکڑی کے بنائے جاتے ہیں - بُت تراشی کے لئے بھی ہندوستان میں کثرت سے پتھر استعمال کیا جاتا تھا - اِسی طرح ہمارے ملک میں خاص کر پُرانے زمانے میں عموماً لکڑی اِس ہنر میں بھی استعمال کی جاتی تھی - حقیقت یہ ہے کہ لکڑی کا استعمال جاپان میں ہر کام میں بکثرت رائج ہے -

ہندوستان کا بودھ مذہب چین اور کوریا سے ہوکر پہلے پہل ۵۷۷ء عیسوی میں جاپان میں داخل ہوا - اُس کے تیس برس بعد یعنی ۶۰۷ء عیسوی میں شوتوکُو تائشی نام کے ایک شاہزادے نے یہ چوبی بودھ مندر ہوریُوجی کا تعمیر کرایا - اِس سے پہلے اگرچہ شہر اوساکا اور شہر نارا میں چند چوبی بودھ مندر بنائے گئے تھے - لیکن سب بالکل مسمار ہو گئے - اس واسطے ہوریُوجی جاپان میں سب سے پُرانا مندر تصور کیا جاتا ہے جو اب تک بجنسہٖ موجود ہے یہ مندر کوریا کے قدیم زمانے کی عمارتوں کی دیکھا دیکھی بنایا گیا ہے - یہاں ماسوا بڑے مندر کے قسم قسم کے چھوٹے مندر - پانچ منزل کا مینار - عجائب خانہ - لمبے لمبے برآمدے - پھاٹک وغیرہ ہیں - اِن میں سے ۲۴ عمارتیں جاپانی سرکار کی جانب سے ملکی رتن مقرر ہوئیں ہیں جن پر اہلِ جاپان کو فخر ہے - اِس مندر میں بہت سے چوبی یا پیتل کے بُت اور بودھ مذہب کے طرح طرح کے سامان موجود ہیں - اِن میں سے بھی ایک سو سے زیادہ چیزیں ملکی رتن مقرر ہوئیں ہیں - یہ سب چیزیں اُنھیں عمارتوں کے ساتھ جاپان کی تاریخِ صنعت میں اعلیٰ سے اعلیٰ قدر رکھتی ہیں - اِس سبب سے جاپانی سرکار کی ہدایت کے بموجب بڑی احتیاط کے ساتھ اِن کی حفاظت کی جاتی ہے - ہم لوگ بھی اِن چیزوں کے بیحد قدر داں ہیں اور اِن کی پوری پوری تعظیم کرتے ہیں - دیکھنے والوں کی عقلیں پُرانے زمانے کی کاریگری کو دیکھکر دنگ رہ جاتی ہیں - اب تک اِس مندر کی تین دفعہ مرمت کی گئی ہے اور اب بھی ہماری سرکار لاکھوں

روپے خرچ کرکے وسیع مرمت کر رہی ہے۔

اس مندر کی بہت سی بیش بہا چیزوں میں سے بڑے مندر کی دیوار پر نقش کی ہوئی تصویریں سب سے زیادہ مشہور۔ باعثِ فخر اور قابلِ ذکر ہیں۔ یہ بھی جاپان کی تاریخِ نقاشی میں سب سے اعلیٰ منزلت رکھتی ہیں اور پُرانے زمانے کی بیش بہا صنعت کا اعلیٰ نمونے ہیں۔ چار بڑی دیواروں پر گوتم بدھ کی علیحدہ علیحدہ صورتیں اور آٹھ چھوٹی دیواروں پر بودھی ستو کی صورتیں نقش کی گئی ہیں۔ حالانکہ حتی الامکان ان تصاویر کی معقول خبرگیری رکھی گئی ہے تاہم نہایت دیرینہ ہونے کی وجہ سے پھیکی پڑ گئی ہیں اور کافی صاف نظر نہیں آتیں۔

وہ مضبوط آہنی تار کی رنگ آمیزی کے ذریعہ سے نقش کی جاتی ہیں اور بیرونی خاکہ گاڑھی سیاہی سے بنایا جاتا ہے۔ ان کی آرائش و زیبائش بھی ازبس غیرملکی لطف و مزا رکھتی ہے۔ اگر ان کے تاریخی حالات پر غور کرکے اصلیت تک پہنچ جائے۔ تو ہمیں ہندوستان کی دیواروں کی تصویریں مثلاً اجنٹا و ایلورا کی تصویریں یاد آتی ہیں۔

ہندوستانی مصوروں نے نقاشی میں تصاویر میں دلیری اور پُراثری پیدا کی ہے۔ لیکن اس مندر کی تصاویر میں اس کے برعکس قدرے انکسار اور نرم مزاجی کا ثبوت موجود ہے۔ با ایں ہمہ خوبصورتی اور خوشنمائی میں یہ تصاویر بہترین سے بہترین تصویروں کی ہم پلہ ہیں۔ شاید ان کا اندازہ اُس زمانے کی پُرانی چینی تصاویر کے اثر سے جو کہ دیواروں پر نقش ہیں لگایا جاسکتا ہے۔

(پروفیسر) یزوساوا
مدرسۃ السنۂ غیر۔ اوساکا







هوریوجی مندر کا مینار

Calcutta Art Press Delhi

تاکے[1] توری کی کہانی

یہ کہانی بہت پُرانی ہے۔ بلکہ جاپانی زبان کی سب سے پرانی کہانی ہے تقریباً ایک ہزار برس ہوئے کہ یہ تحریر میں آئی تھی۔ پُرانی جاپانی زبان میں تحریر ہونے کی وجہ سے موجودہ جاپانیوں کے لئے اس کا پڑھنا آسان نہیں ہے۔ اگر پوری کہانی کا ترجمہ ہوسکتا تو بہت اچھا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستانی میں اس کا ترجمہ بہت مشکل ہو۔ میں نے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

پُرانے زمانے میں کسی گاؤں میں ایک بڈھا اور بڑھیا رہتے تھے۔ بڈھا ہر روز جنگل سے بانس کاٹ کر لاتا تھا۔ اور بانسوں کی مختلف چیزیں بنا کر اپنا پیٹ پالتا تھا۔ ایک دن وہ حسب معمول بانس کاٹ رہا تھا کہ اُسے بانسوں میں کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ وہاں ایک چھوٹی سی لڑکی کھڑی تھی جو تین انچ سے بھی کم تھی۔ بڈھے نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے بہت سے بانس کاٹے مگر کبھی ایسی چیز نہیں دیکھی یقیناً یہ لڑکی خدا نے مجھکو عطا کی ہے۔ اس کا یہ خیال درست تھا کیونکہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ گھر جا کر بڑھیا سے کہا کہ اس بچی کو پالو۔ یہ بڑی ہو کر اچھی لڑکی ہوجائیگی۔ بچی بہت ننھی سی تھی۔ بڑھیا نے اُسے ٹوکری میں ڈال دیا۔

لڑکی ملنے کے بعد بڈھا بدستور جنگل میں جاتا رہا۔ کبھی کبھی اسے بانسوں میں سونا مل جاتا تھا۔ تھوڑے دن میں وہ دولتمند ہوگیا۔ لڑکی جلدی جلدی بڑھ رہی تھی۔ تین مہینے میں وہ بڑی پیاری اور دلفریب ہوگئی۔ بڈھے کے گھر سے اندھیرا دور ہوگیا اور اُس کا گھر روشنی سے بھر گیا۔ جب کبھی وہ بیمار پڑتا تھا تو پیاری لڑکی کا ہنس مکھ چہرا دیکھنے سے اُس کی بیماری جاتی رہتی تھی۔ اس طرح برسوں گزر گئے۔ یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچی۔ بڈھے نے اُس کا نام "کاگو یا ہیمے" رکھا تھا وہ پڑوس کے لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں دل بہلاتی تھی۔

"کاگو یا ہیمے" کی خوبصورتی کی شہرت تمام دُنیا میں پھیل گئی تھی۔ ہر نوجوان یہی چاہتا تھا کہ میں اس کا شوہر بن جاؤں۔ پانچ امیرزادوں نے اس سے شادی کرنے کی بہت کوشش کی۔ ایک دوسرے کی ضد میں انھوں نے بہت روپیہ صرف کیا۔ آپس میں جنگ کی نوبت آگئی مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ تمام خواستگاروں سے انکار کرچکی ہے۔ آخر وہ مایوس ہوکر اپنے شہر واپس گئے۔ یہ خبریں بادشاہ کے کان تک پہنچیں۔ وہ حُسن کر بیتاب ہوگیا۔ اُس کا اشتیاق روز بروز بڑھنے لگا۔ وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اُسے اپنے محل میں لاؤں۔

ایک دن شکار کے نام سے اپنی سپاہ کو ساتھ لے کر کاگو یا ہیمے کو دیکھنے چلا۔ اُس کے مکان پر پہنچا تو بڈھے اور بڑھیا نے اُس کا استقبال کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کاگو یا ہیمے کو پیش کیا جائے۔ تھوڑی دیر تو دونوں ٹالتے رہے۔ پھر کاگو یا ہیمے کو ساتھ لیکر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔

بادشاہ نے اُس سے کہا کہ میرے ساتھ محل میں چلو۔ اُس نے جواب دیا کہ میں انسان کی اولاد ہوتی تو ضرور جہاں پناہ کی خدمت بجا لاتی مگر میں بانس سے پیدا ہوئی ہوں تو محل میں نہیں جاسکتی۔ بادشاہ اُسے زبردستی لے جانا چاہتا تھا۔ مگر وہ سپاہ کے بیچ میں نظروں سے غائب ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں پھر نمودار ہوئی اور عرض کیا کہ اگر حضور مجھے اپنے ہمراہ لے جائیں گے تو میں کسی وقت غائب ہوجاؤنگی۔

---

[1] تاکے کے معنی بانس اور تورو بمعنی کاٹنا۔ مرکب لفظ کے معنی ہوئے بانس کٹا۔

بادشاہ اس پر لاچار ہوگیا۔ کوئی تدبیر اُس کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کرے۔ آخر مایوس ہوکر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے کاگویاہیمے کے نام ایک خط بھی بھیجا۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اس واقعے کو تین سال ہوگئے۔ ایک دفعہ شام کے وقت آسمان پر چاند دیکھ کر کاگویاہیمے کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور وہ فکر میں ڈوب گئی۔ روز شام کو چاند دیکھتی اور رونے لگتی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیوں روتی ہے۔ کاگویاہیمے کا مضطر حال دیکھ کر اُس کی خادمہ نے بڈھے اور بڑھیا سے کہا کہ اُس کا حال متغیر ہے۔ آپ اُس کی کچھ فکر کیجئے۔ بڈھے نے اُسے بُلا کر پوچھا۔

"چاند دیکھکر تم کیوں متفکر ہوجاتی ہو؟"

اُس نے جواب دیا۔ "چاند دیکھنے سے مجھ پر غم طاری ہوجاتا ہے۔"

"تو بیٹی! چاند دیکھنا چھوڑ دو۔"

اُس نے صرف یہ کہا۔ "کیوں نہ دیکھوں۔"

چاند نکلتا تو وہ رویا کرتی تھی۔ ماں باپ اس کا کچھ علاج نہ کرسکے۔

اگست کا چاند پوری آب و تاب سے نکلا۔ دُنیا کا کونہ کونہ روشن ہوگیا۔ اب کاگویاہیمے کو ضبط کی تاب نہ رہی۔ اُس نے یہ بھی پرواہ نہ کی کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ زار زار رونے لگی۔ ماں باپ گھبراتے ہوئے آئے۔ تب اُس نے کہا۔

"مجھے پہلے ہی یہ بات کہہ دینی چاہیئے تھی۔ مگر میں سچ سچ کہہ دیتی تو آپ لوگوں کا دل کڑھتا۔ اس لئے میری زبان بند ہوگئی مگر اب کہنا پڑتا ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سُنیئے۔ دراصل میں اس دُنیا کی نہیں ہوں۔ میرا وطن چاند کے مقام اعلیٰ میں ہے۔ اپنے کئے کا پھل بھگتنے یہاں آئی تھی۔ اب مجھے واپس جانا ہے۔ تھوڑے دن میں میرے وطن کے لوگ مجھے لینے آنے والے ہیں۔"

یہ بات سُنکر بڈھے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اُس نے پوچھا۔

"بیٹی تم کون ہو؟ ہم نے تو تمہیں بانسوں میں سے نکال کر اپنی بیٹی بنایا ہے۔ ہائے! اب مجھے بیٹی کون دیگا! کاش کہ میں بھی مرجاتا۔"

کاگویاہیمے بولی۔ "میرے وطن میں میرے ماں باپ ہیں۔ تھوڑی مدت کے لئے آئی تھی۔ مگر یہاں بہت سال گزر گئے۔ آپ لوگوں کی محبت نے ماں باپ کو بھلا دیا۔ یہاں کھیل ہی کھیل میں اتنا زمانہ گزر گیا۔ اب مجھے وطن جانے کی کچھ خوشی نہیں۔ بلکہ آپ لوگوں کے فراق کے خیال سے دل ٹوٹا جاتا ہے۔ وطن کی واپسی مجھے بہت ناگوار ہے۔"

بڈھا اور لڑکی دونوں لپٹ کر رونے لگے۔

بادشاہ یہ خبر سُنکر بہت سراسیمہ ہوا اور تدبیر کرنے لگا کہ کاگویاہیمے کو چاند کی دُنیا میں کوئی نہ لے جاسکے۔ اس کے گھر کی حفاظت کے لئے ماہِ کامل کی رات دو ہزار سپاہی بھیج دیئے۔ ہر سپاہی تیر کمان اور تلوار سے مسلح تھا۔ کاگویاہیمے نے انہیں دیکھکر کہا کہ "چاند کے باشندے تیر و تلوار سے نہیں مارے جاسکتے۔ یہ نہ کہیئے کہ ہم چاند والوں کو مار ڈالیں گے۔"

ماہِ کامل کی شب آپہنچی۔ بڈھے کے گھر کو دو ہزار سپاہیوں نے گھیر رکھا تھا۔ جُوں جُوں رات آرہی تھی۔ روشنی پھیل رہی تھی یہانتک

کہ تمام عالم دن کی طرح منور ہوگیا۔ آسمان پر سے کچھ لوگ بادل پر بیٹھ کر آئے۔ سپاہی یہ سمجھے کہ دیو سوار ہیں۔ ان پر دہشت طاری ہوگئی۔ بدن کی قوت زائل ہوگئی۔ اور نیند نے غلبہ کیا۔ ایک چاند والا بڈھے سے یوں مخاطب ہوا۔

"بڑے میاں! تم پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتے تھے اس لئے تمہاری مدد کے لئے اس لڑکی کو تمہارے پاس بھیجا گیا تھا۔ اب تم دولتمند ہوگئے ہو۔ لڑکی کو تمہارے پاس رکھنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے رونے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ لڑکی کو تمہارے پاس چھوڑ دیں"!

بڈھے نے جواب دیا کہ "بیس سال ہوئے کہ میں نے کاگو یاہیمے کو پناہ دی تھی۔ اسے اپنی لڑکی کی طرح پالا ہے۔ تمہیں لے جانے کے لئے کیا دوسری لڑکی نہیں ہے؟"

بڈھے کے ایک دوست نے کہا۔ "کاگو یاہیمے جو یہاں موجود ہے اب بیمار ہے۔ وہ جانے کے قابل نہیں ہے"۔

چاند والے نے ان باتوں کا جواب دئے بغیر گاڑی جو چاند سے آئی تھی گھر کے دروازے سے لگا دی۔ گھر کے دروازے جو تمام بند تھے خود بخود کھل گئے۔ کاگو یاہیمے نکل کر آئی اور کہا۔

"اب میں آسمان پر جارہی ہوں۔ مجھے آپ کی جدائی کا بڑا غم ہے۔ مگر اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ مجھے اجازت دیجئے"۔

"میں تمہیں کس دل سے رخصت کرسکتا ہوں۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو"۔ یہ کہکر بڈھا رونے لگا۔

کاگو یاہیمے نے کہا۔ "میں آپ کے سائے میں پل کر اتنی بڑی ہوئی ہوں۔ میں آپکو نہ چھوڑ دینا نہیں چاہتی۔ مگر کیا کروں لاچار ہوں۔ افسوس کہ آپکو دریائے غم میں غوطہ زن چھوڑ کر جارہی ہوں۔ اپنے کپڑے یہیں چھوڑے جاتی ہوں۔ انہیں دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے لیا کیجئے۔ رات کے وقت چاند کو دیکھا کیجئے۔ میں آپ لوگوں کو چاند سے دیکھ دیکھ کر دنیا میں گودنے کا خیال کیا کرونگی"۔

کاگو یاہیمے نے چاند والے سے کپڑے لے کر پہنے اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ چاند والے نے گاڑی ہانک دی۔ وہ دم کے دم میں چاند کی طرف اڑ کر آسمان میں غائب ہوگئی۔ آسمان کے نیچے بڈھا اور بڑھیا پڑے روتے رہ گئے۔

ک۔ ناکامُرا

جاپانی طالب علم کی زندگی

اس میں شک نہیں کہ کسی ملک کی ترقی کے لئے نوجوانوں کی قوت نہایت ضروری ہے۔ جاپان کی ترقی میں یہاں کے طالب علم بڑا حصہ لیتے ہیں۔

جاپانی لڑکے ابتدائی مدرسے میں چھ برس پڑھنے کے بعد مڈل اسکول میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں پانچ برس پڑھ کر پھر امتحان دیتے ہیں اور ہائی اسکول یا کسی صنعتی مدرسے میں داخل ہوتے ہیں۔ جو طلبا ہائی اسکول میں جاتے ہیں اُن کو یونیورسٹی میں داخلے کے لئے تین سال کا کورس ختم کرنا پڑتا ہے۔ یونیورسٹی میں تین یا چار سال تعلیم پا کر فضیلت کی پگڑی بندھتی ہے۔

جاپانی طلبا کی مدت تعلیم بہت طویل ہے اس لئے انہیں ہمیشہ سرگرم کار رہنا پڑتا ہے۔ جو لڑکے آگے بڑھنا چاہتے ہیں ان کو خوب محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگرچہ محنت سے بڑی تکلیف ہوتی ہے مگر جاپانی طلبا مدرسے میں بڑی خوشی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

مدرسے کا سال عموماً اپریل سے شروع ہوتا ہے۔ بہار کا پُر لطف موسم ہوتا ہے۔ شہر ہو یا گاؤں ہر جگہ سکورا کے پیارے پھول نظر آتے ہیں۔ مگر طلبا ہر روز صبح سویرے اُٹھ کر مدرسے آتے ہیں۔ چاہے گرمی کا موسم ہو چاہے سردی کا، مدرسہ عام طور سے صبح کے آٹھ بجے کھلتا ہے ہمیں روزانہ صبح کے چھ بجے اُٹھنا پڑتا ہے۔ ناشتہ کرکے وقت پر مدرسے پہنچ جاتے ہیں۔ مدرسے میں روزانہ کم از کم پانچ گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے تعلیم ہوتی ہے۔ غیر ممالک کے مقابلے میں یہاں روزانہ تعلیم میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہے ایک ہفتے میں بینتالیس سے لے کر چالیس گھنٹے تک تعلیم ہوتی ہے۔

جاپانی مدارس میں عموماً تین ٹرم ہوتے ہیں۔ پہلا ٹرم اپریل کے دوسرے ہفتے سے جولائی کے پہلے ہفتے تک ہوتا ہے۔ دوسرا ٹرم ستمبر کے دوسرے ہفتے سے دسمبر کے تیسرے ہفتے تک اور تیسرا ٹرم جنوری کے دوسرے ہفتے سے مارچ کے پہلے ہفتے تک۔

پہلے ٹرم کے آخر میں یعنی جون میں برسات آتی ہے۔ مگر طلبا محنت میں لگے ہوتے ہیں کیونکہ جولائی میں امتحان ہوتا ہے۔ ہر ٹرم کے آخر میں امتحان ہوتا ہے جس میں ہمیں کامیاب ہونا چاہیئے۔ جولائی کا امتحان ختم ہو جاتا ہے تو تعطیلاتِ گرما آتی ہیں۔ یہ بڑی خوشی کا زمانہ ہے۔ جاپانی طلبا کی زندگی خصوصاً چھٹیوں میں بڑی دلچسپ ہوتی ہے۔

گرمی میں کچھ لڑکے دوستوں کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھنے جاتے ہیں۔ کچھ میدانوں میں پیدل سفر کرتے ہیں اور جگہ جگہ قیام کرتے پھرتے ہیں۔ کچھ سمندر کے کنارے دلچسپیوں میں وقت گزارتے ہیں۔ بہادر جاپانی طلبا ہر جگہ پہنچتے ہیں۔ سمندر میں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ تیرتے ہیں اور کشتی چلاتے ہیں۔ کچھ دن بھر مچھلیاں پکڑتے رہتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں مل کر تفریح میں وقت بسر کرتے ہیں۔ یہ بھی اچھی بات ہو کہ کچھ طلبا اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور کام کاج میں ماں باپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں کچھ طلبا تحصیل علم کی غرض سے سفر کرتے ہیں۔ سب لڑکے اور لڑکیاں گرمی کی چھٹیاں تفریح میں گزارتے ہیں مگر وہ کبھی سبق یاد کرنا نہیں بھولتے۔ جب ستمبر کا مہینہ آتا ہے تو مدرسے کا نیا ٹرم شروع ہوتا ہے۔ اس وقت طلبا ایک دوسرے سے گرمی کی تفریحات کے قصے بیان کرتے ہیں۔

دوسرے ٹرم میں جگہ جگہ جلسے ہوتے ہیں۔ اچھی اچھی تقریریں سننے میں آتی ہیں۔ اسی ٹرم میں تمام مدارس کے لڑکے ایک ایک ہفتے کے

بقیہ بر صفحہ ۱۲۸

جاپانی عورتوں میں انقلاب

ٹوکیو کے ۱۹۲۳ء کے تباہ کن زلزلے اور آگ کے بعد سے جاپانیوں کی معاشرت میں جو انقلاب ہوا تو اُس میں سب سے نمایاں عورتوں کے لباس او روضع کی تبدیلی ہے، عورتوں کے مقابلہ میں مردوں میں اتنے آہستہ آہستہ تبدیلی ہو رہی ہو جیسے ایک پر سکون چشمہ بہتا ہے،

جاپانی عورتوں کی جو تصویریں اکثر سیاح ساتھ لے جاتے رہے ہیں، اُن کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ٹوکوگاوا دور سے ۱۹۰۵ء کی جنگ روس و جاپان تک ہر طبقہ کی عورت کی تصویر بیٹھی ہوئی حالت میں ہے اور اُن کے ہاتھ آستینوں میں چھپے ہوتے ہیں، جو کرسی پر بیٹھی ہیں اُنھوں نے بھی اپنی لمبی لمبی آستینیں گود میں رکھ لی ہیں اور اپنے ہاتھ اُن میں چھپائے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہو گویا اُن کی نشست کا یہ خاص انداز تھا۔

اُن کا یہ انداز محض فوٹو ہی میں نہیں ہوتا بلکہ راستہ چلتے وقت بھی وہ اپنے ہاتھ حتی الامکان چھپائے رہتی تھیں، سردیوں میں وہ اپنے دونوں ہاتھ آستینوں میں لپیٹے اور بڑی خوبصورتی سے سینے پر رکھے ہوئے آہستہ آہستہ چلتی تھیں، جاپانی عورتوں کا سینے پر ہاتھ باندھ کر آگے کو ذرا سا جھک کر آہستہ آہستہ چلنے کا یہ انداز اتنا مشہور، و مقبول ہو گیا کہ یورپ اور امریکہ میں جب کبھی ایکٹرسیں مشرقی خصوصاً جاپانی عورتوں کا پارٹ ادا کرتی ہیں تو اسی طرح چلتی ہیں۔

جاپانی عورتوں کو اپنے ہاتھ کھولتے ہوئے شرم معلوم ہوتی تھی یہ دراصل اُن قدیم آداب کا نتیجہ تھا جن کے مطابق عورتوں کو مردوں کی طرح باہر کام کرنے کی اجازت نہ تھی اور اُن کی شائستگی کا سب سے بڑا ثبوت یہی سمجھا جاتا تھا کہ اُن میں محنت مشقت کرنے والوں کی طرح کرختگی پیدا نہ ہو اس لئے اُن کے لئے یہی زیبا تھا کہ وہ اُمورِ خانہ داری میں، اپنے بچوں کی تربیت میں اور اپنے خاوند کی امداد میں سارا وقت صرف کریں۔

جنگ روس و جاپان کے بعد جاپان بڑی تیزی سے صنعتی ملک بننا شروع ہوا، چنانچہ عورتوں کو بھی اپنی سابقہ تربیت کے باوجود آستینوں میں ہاتھ لپیٹے رکھنا ناگوار گذرنے لگا، ہر سماجی نظریہ قانون اور اخلاق سے بڑی حد تک تجاوز کر کے شروع ہوتا ہے اور قریب قریب آخر دم تک یہ دونوں اُسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ جب تک جاپان خام پیداوار اور مزدوری کرنے والوں کا ملک رہا بیشک وہ مشرق کا ایک خوابیدہ ملک تھا لیکن جب ۱۹۰۴ء میں وہ صنعتی ملک بننا شروع ہوا تو تمام روایات پر نظرِ ثانی کی گئی۔ جنگ روس و جاپان تک اس انقلاب کی تکمیل ہو گئی، اس کے بعد جاپان نے غیر معمولی سُرعت سے صنعت و حرفت میں ترقی کرنا شروع کر دی۔

جاپان میں صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ ہی کارخانوں میں عورتوں کی مانگ بڑھ گئی، کیونکہ وہ سستی پڑتی تھیں اور اُن کے ہاتھ نرم ہوتے تھے مشین کے کارخانوں کو اب مردوں کے سخت ہاتھوں کی ضرورت نہ تھی اس کے علاوہ مرد مزدور مہنگے بھی پڑتے تھے، یہ صحیح ہے کہ شروع شروع میں امیر گھرانوں کی لڑکیاں کارخانوں میں داخل نہیں ہوئیں۔ لیکن سماج تو بہرحال ایک نظام ہو اور اگر اُس کے کسی جزو میں کوئی زبردست انقلاب ہو تو ناممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی سارے نظام پر اُس کا اثر نہ پڑے، کارخانوں میں مزدور کی حیثیت سے ادنیٰ طبقے کی لڑکیوں کے داخل ہونے سے اعلیٰ طبقے کی لڑکیوں کی روزانہ زندگی پر بھی نہایت غیر معمولی اثر پڑا۔

میجی دور کے اواخر سے عورتوں میں کتابیں پڑھنے کا شوق بھی پیدا ہو گیا اور سینکڑوں زنانے رسالے جاری ہو گئے جن کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی، عموماً ان رسائل کے پہلے صفحہ پر اعلیٰ خاندان کی حسین عورتوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں، بعض رسالے تو ان تصاویر کے شائع کرنے میں خاص طور پر مشہور تھے، ان تصویروں میں ہماری نظر سب سے پہلے اس چیز پر پڑتی ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ نہایت آزادی سے کھولے بیٹھی ہیں اس زمانہ میں مغربی وضع کے کپڑے زیادہ مقبول نہ تھے اور بال بھی اس طرح نہ کترے جاتے تھے بلکہ میرا تو یہاں تک خیال ہے کہ مغربی ممالک میں یہ نئے نئے فیشن ابھی نکلے ہیں، بہر حال یہ عورتیں پرانی وضع کا لباس پہنتی تھیں۔ ان کے کرتے کی وہی لمبی لمبی آستینیں ہوتی تھیں اور وہی چھپے ہوئے پینگے ہوتے تھے لیکن ان کے ہاتھ بلا تکلف باہر نکلے ہوتے تھے۔ یہ چیز قابلِ لحاظ ہے اور اس سے جاپانی عورتوں کی معاشرت کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔

تعلیم نسواں:۔ جاپان میں ابتدا میں تعلیم نسواں اس مقصد سے جاری نہیں کی گئی تھی کہ عورتیں مردوں کی ہمسری کرنے لگیں بلکہ صرف اس لئے کہ وہ بہترین بیویاں اور قابلِ تقلید مائیں بن سکیں، ہر زنانہ اسکول کے پرنسپل کو اپنی نوکری کی خاطر اس کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا کہ اس کی طالبات نیک بیویاں اور ہوشیار مائیں بننے کے اصول کو فراموش نہ کر دیں اور ان میں مردوں کی ہمسری کا جذبہ پیدا نہ ہونے پائے، اسی وجہ سے وہ لڑکیوں کو سائنس اور فنون کی تعلیم دینے کا خیال بھی ظاہر نہ کر سکتا تھا، اگر کوئی پرنسپل کھلم کھلا اس تعلیمی اصول کی حمایت کرتا تو ساری پبلک اور حکومت اُسے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگتی اور اُسے خاندانی نظام کے مخصوص آداب و اخلاق کا مخالف اور باغی سمجھتی، تعلیم نسواں کی یہ صورت میجی دور کے اواخر تک جاری رہی۔

قدامت پسند طبقے کی حکومت کے ذریعہ سے بھی اور عوام میں بھی ہر طرح یہ کوشش رہتی تھی کہ تعلیم نسواں کو محض نیک بیویاں اور ہوشیار مائیں بنانے کے اصول تک محدود رکھا جائے لیکن اس کے باوجود سماجی حالات میں جو انقلاب ہو رہا تھا وہ ان کی کوششوں اور آرزوؤں پر خود بخود پانی پھیر رہا تھا، یہ سماجی حالات کیا تھے؟ ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے۔

نوجوانوں کو اپنی روزی کمانے کے سلسلے میں آئے دن مشکلات بڑھ رہی تھیں اس لئے دیر میں شادی کرنے کی طرف ان کا رجحان زیادہ ہو رہا تھا، جنگ چین و جاپان تک کوئی مرد ۲۵-۲۶ برس کی عمر تک غیر شادی شدہ نہ رہتا تھا۔ لیکن جنگ روس و جاپان کے بعد اور میجی دور کے آخر میں یہ عام قاعدہ ہو گیا تھا کہ مرد عموماً تیس سال کے بعد شادی کیا کرتے تھے، تعلیم کے معاملے میں اگرچہ "نیک بیوی" اور "ہوشیار ماں" بنانے کے اصول پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا لیکن لطف یہ کہ ان "نیک بیویوں" اور "ہوشیار ماؤں" کی مانگ روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عورتوں نے ازدواجی زندگی کے دروازے بند دیکھے تو انھوں نے کارخانوں کی طرف قدم بڑھانے شروع کئے اور مردوں کے میدانِ عمل پر حملہ شروع کر دیا، پھر تو ایک چکر سا بندھ گیا یعنی عورتیں مردوں کے روزی کمانے کے حدود میں داخل ہوتی تھیں، جس سے انہیں کام ملنا مشکل ہوتا جاتا تھا اور ان کی آمدنی گرتی جاتی تھی اس لئے وہ تیس پینتیس کی عمر میں بھی شادی نہ کر سکتے تھے، پھر جب شادی کے پوری طرح اہل مردوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی اور عورتوں کے لئے شادی کے تمام راستے مسدود ہوتے جاتے تھے تو وہ کارخانوں کا اور زیادہ رُخ کرتی تھیں، یہ صورت جنگ روس و جاپان کے کوئی دس سال بعد تک جاری رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ "نیک بیویوں" اور "ہوشیار ماؤں" والا فرسودہ اصول جو تعلیم نسواں کی روح رواں تھا خود بخود ختم ہو گیا۔ چنانچہ آج عورتوں میں بھی یہ احساس پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ بھی انسان ہیں اور ہر طرح مردوں کے برابر ہیں، اس مقصد کی تکمیل کے لئے

انھیں بھی سائنس اور فنون کی عملی تعلیم دیجاتی ہے۔ اب وہ ہسپتالوں کی ڈاکٹر، سرکاری عہدہ دار، پروفیسر، جج، وکیل، سب کچھ بن سکتی ہے۔ "نیک بیویوں" اور "ہوشیار ماؤں" والا اصول اب سماجی اور اقتصادی حالات کے ماتحت ہوگیا ہے۔

میجی دور کے آواخر تک "نیک بیویوں" اور "ہوشیار ماؤں" کے اصول پر سختی سے عمل ہوتا تھا، عورتوں کی کُتب بینی پر سخت پابندیاں عائد تھیں اور جسمانی ورزش ممنوع تھی، وہ صرف وہی کتابیں پڑھ سکتی تھیں جو خاص طور پر اُن کے لئے موزوں ہوں، علم و فضل پر ناز کرنا یا کسی مسئلہ میں بحث مباحثہ کرنا، یا مردوں سے تبادلۂ خیالات کرنا اُن کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا۔ صنف نازک پر ایسی ایسی پابندیاں عائد تھیں کہ دورِ حاضرہ کا لحاظ کرتے ہوئے اُن پر کسی طرح یقین نہیں آسکتا، یعنی اگر ریل یا ٹریم میں کوئی عورت اخبار یا کتاب پڑھتی نظر آئے تو یہ اس کی انتہائی بدتمیزی اور ناقابلِ معافی گستاخی سمجھی جاتی تھی۔

اس زمانہ میں اگر متوسط یا ادنیٰ طبقے کی عورتیں روزی کمانے کا خیال کرتی تھیں تو اُن کے لئے ایسے کام تلاش کئے جاتے تھے۔ جو عورتوں کے لئے قطعی موزوں ہوں اور ان کاموں کا رُخ نہ کیا جاتا تھا جس سے اُن کا حُسن و نزاکت مجروح ہو، علاوہ ازیں ایسے کاموں سے بھی انھیں بچایا جاتا تھا جو افزائشِ نسل کے سلسلے میں مُضر پڑیں، کیونکہ صنفِ نازک کا اس زمانہ میں یہی مقصد سمجھا جاتا تھا اور عام طور پر تعلیم یافتہ حضرات بھی اسی رائے کے حامی بھی تھے۔

دوسری جانب زنانہ اسکولوں میں جسمانی ورزش کا نصب العین سال بہ سال بدلتا جاتا تھا اور عورتوں کے کھیلوں اور ورزشوں پر جو قیود عائد تھیں وہ یکے بعد دیگرے ہٹتی جارہی تھیں اس لئے اُن کی صحت بڑی سُرعت سے بہتر ہورہی تھی، چنانچہ جب اُن کی جسمانی حالت بہتر ہونے لگی تو اُن کی اہلیت کو قدیم معیار پر جانچنا بھی ممکن نہ رہا، اس طرح گویا مردوں اور عورتوں کے دائرۂ عمل میں بہت کم فرق رہ گیا۔

جنگِ عظیم کے اثرات:۔ یہاں اس مسئلہ پر کچھ زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جنگ عظیم کے طوفان میں گھر جانے پر یورپین اقوام نے جو صورتیں اختیار کیں اُن کا جاپانی تہذیب پر روحانی اور مادّی دونوں حیثیتوں سے کیا اثر پڑا۔ جیسے جیسے جنگ بڑھتی گئی اور یورپین اقوام فوری اور ہنگامی تدبیریں اختیار کرتی گئیں، ساری جاپانی قوم ان سے اتنی متاثر ہوتی گئی کہ شاید کسی دوسری چیز سے نہ ہوئی ہوگی غرضیکہ ایک قدامت پسند حکومت جو فاش غلطیاں کرسکتی ہے اور اُن کا جو خمیازہ اُسے اُٹھانا پڑتا ہے اُس سے جاپانیوں نے پوری پوری عبرت حاصل کی۔

مزید براں جاپان کو ساری قوم کو مجتمع کرنے کی اہمیت کا بھی احساس ہوا، اب تک چین و جاپان اور روس و جاپان کی جنگوں کے علاوہ اُسے کوئی ایسے غیر معمولی مواقع پیش نہیں آئے تھے کہ وہ قومی نصب العین ترتیب دیتا، اس کا تو بس یہ عقیدہ تھا کہ اگر کسی ملک کے پاس معقول مستقل فوج ہو جسے ساری قوم کی تائید حاصل ہو تو وہ تمام بیرونی حملوں کی مدافعت کرسکتا ہے، لیکن جنگِ عظیم کے زمانہ میں برسرِ جنگ حکومتوں میں جو صورت حالات رُونما ہوئی اُس نے بڑی خوبی سے جاپان کے یہ ذہن نشین کردیا کہ تمام نظریوں کے بُنیادی طور پر بدلنے کی ضرورت ہے، شاید سینکڑوں کتابوں اور لکچروں سے بھی یہ نتیجہ مُرتب نہ ہوتا جو اِس ایک زندہ مثال نے کر دکھایا۔

جاپانیوں پر یہ آشکارا ہوگیا کہ آئندہ کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے محض یہ کافی نہیں ہے کہ قوم کی مدافعت کی ذمہ داری کسی

خاص طبقے کے سپرد کردی جاتی، بلکہ ہر عورت مرد، بوڑھے، بچے، جوان غرضیکہ ہر فرد قوم کو اس میں برابر سے شریک ہونا چاہیئے اور حسب حیثیت استعداد اپنا فرض انجام دینا چاہیئے، ان پر یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بین الاقوامی مشکلات کی صورت میں کوئی قوم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی ورنہ اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکتی ہے جب تک اس کے افراد کی صحت اچھی نہ ہو اور اُن میں قوتِ حیات موجود نہ ہو۔

چنانچہ ۱۹۱۶-۱۹۱۸ء میں شاہ تائشو کے پانچویں تا ساتویں سن جلوس میں نظامِ حکومت میں بنیادی طور پر اصلاح کی گئی، ایک مصنف نے اس تبدیلی کو "تائشو کے خاموش انقلاب" کے نام سے تعبیر کیا ہے، اس خاموش انقلاب کی خاص خاص چیزیں یہ تھیں، کہ ایک تو نمائندہ حکومت کی بنیاد ڈالی گئی، اور دوسرے تعلیمِ نسواں میں خصوصاً عورتوں کی جسمانی تعلیم کے معاملے میں زبردست اصلاح کی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ اُس وقت تک جاپان میں صحیح معنوں میں کوئی نمائندہ حکومت نہ تھی، اشتراکیت وغیرہ کو ارباب حکومت خطرناک چیز سمجھا کرتے تھے، جنگِ عظیم شروع ہونے کے بعد تک وہ "عام انتخاب" سے گھبراتے اور ڈرتے تھے، غرضیکہ ۱۹۱۶ء میں کہیں جاکر ایک قسم کا اشتراکی نظام جاپان میں رائج ہوا۔

جنگِ عظیم سے جو نئے سبق حاصل ہوئے تھے، سخت سے سخت قدامت پسند بھی اُن سے انکار نہ کرسکے اور اُنہیں تسلیم کرنا پڑا کہ وقت پڑنے پر اگر ساری قوم کو مجتمع کرنے کی ضرورت پیش آئی تو عورتوں کو بھی مردوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر اپنے فرائض متعلقہ انجام دینا پڑیں گے، یہ صحیح ہے کہ پہلے بھی ہر شخص کی زبان پر "تمام سلطنت کے اتحاد اور اتفاق" کا نعرہ تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ جنگ کے زمانے میں عورتوں نے بھی اکثر اس قسم کی خدمات انجام دی تھیں جیسے فوجی اسپتالوں میں تیمارداری کرنا، رسد اور اسلحہ جات بھیجنے میں مدد کرنا یا محاذِ جنگ پر گئے ہوئے سپاہیوں کے خاندانوں کو امداد دینا وغیرہ، لیکن یہ سب کام اتنے معمولی اور آسان قسم کے تھے کہ صنفِ نازک کے حدود اور اُن کی استعداد سے باہر نہ تھے۔ جنگِ عظیم کے حالات سے جو سبق حاصل ہوئے تھے اُن کی بنا پر نیا قومی اجتماعی نظام ترتیب دیا گیا اور اس نظام کے ماتحت عورتوں سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنی قدیم نسائی خصوصیات کو ترک کرکے میدانِ عمل میں اُتر آئیں۔

اس طرح جاپان میں تعلیمِ نسواں کا قدیم نظریہ قطعی بدل گیا اور صحیح یا غلط کی اصولی بحثوں کو واقعات نے بالکل نظر انداز کردیا۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ نوجوان عورتیں ہر سال زیادہ سے زیادہ تعداد میں شادی سے محروم ہوتی جاتی تھیں اس لئے وہ کارخانوں کی ملازمت کرنے پر مجبور ہورہی تھیں، حالات کی یہ رفتار بھی ایک حد تک اس تبدیلی کا باعث ہوئی، بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ میجی دور سے تائشو کے ابتدائی دور تک عورتوں کو نسائی حدود کے اندر رکھنے کی غرض سے اُن کی جسمانی اور ذہنی تعلیم پر جو قیود عاید کی جاتی تھیں رفتہ رفتہ خود بخود ہٹ گئیں۔

عورتوں پر زلزلہ ۱۹۲۳ء کا اثر۔ جاپان کی عورتوں میں ۱۹۲۳ء کے ہولناک زلزلہ کے بعد سے حقیقی انقلاب شروع ہوگیا اس اندوہناک حادثہ نے انہیں جدید طرزِ زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا اور وہ مختلف قسم کے کاروبار اور تجارتی دفاتر میں داخل ہونے لگیں، اُن کی خدمات اس ہنگامی ضرورت کے لئے بھی حاصل کی گئیں کیوں کہ تباہ شدہ علاقے کو از سرِ نو تعمیر کرنے کے عظیم الشان کام کے لئے ہر مرد اور عورت یعنی قوم کے ہر بالغ فرد کی امداد کی ضرورت تھی۔

جس طرح جنگِ عظیم نے یورپ اور امریکہ کی عورتوں کو مزدوروں کے کاروباری اور صنعتی میدان میں داخل ہونے کا موقع دیا اسی طرح جاپان کے ۱۹۲۳ء کے زلزلے نے شرمیلی عورتوں کو یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ بھی اپنے خاوندوں اور بھائیوں کے حدود میں قدم رکھیں۔



جاپانی لڑکی (دورِ قدیم)

Calcutta Art Press Delhi



جاپانی لڑکی (دور جدید)



رقص کا منظر

Calcutta Art Press Delhi.

دفتروں میں داخل ہوتے ہی عورتوں نے یہ محسوس کیا کہ شکستہ اور زلزلہ زدہ عارضی دفاتر میں ڈھیلے ڈھالے اور قیمتی کیمونو پہننا بہت گراں پڑتا ہے اس لئے انھوں نے نہایت چست یورپین لباس پہننا شروع کر دیا۔ لباس کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ پھر غازہ کا استعمال، ہونٹوں اور گالوں کی لالی اور زلفیں کترنا بھی شروع ہو گیا۔ لیکن اس سلسلے میں سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنی یہ نئی زندگی بہت مرغوب تھی، اس لئے جب وہ ایک مرتبہ دفاتر پر قابض ہو گئیں تو پھر کسی حالت میں اپنے ان نئے حقوق سے دست بردار ہونے کو تیار نہ ہوئیں۔

یہ ہے دختران جاپان میں خاموش انقلاب کی مختصر تاریخ!

مغربی فیشن کا جنون:-

جاپان کی صنف نازک آج مغربی فیشن کے طوفان میں بہی چلی جا رہی ہے، جاپان کے اکثر بڑے شہروں میں تیس فیصدی عورتیں ہونٹوں اور گالوں کی لالی لگاتی ہیں اور بال کترواتی ہیں، ناچنا، گانا، شراب پینا اور مغرب کی اسی قسم کی دوسری برائیاں بھی بڑی سرعت سے پھیل رہی ہیں اور مجھے یہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جاپان مغربیت کے پیچھے اتنا دیوانہ کیوں ہوا جا رہا ہے، لیکن مجھے جاپان کے صاحب الرائے حضرات کی دانشمندی اور دور اندیشی سے توقع ہے کہ وہ حالات کو قابو سے باہر نہ ہونے دیں گے۔

جاپانی اس بات میں خاص طور پر مشہور ہیں کہ وہ ہر بیرونی چیز سے بہترین استفادہ کرتے ہیں، اس کی اچھی باتیں اختیار کر لیتے ہیں اور اس کی برائیوں کو ترک کر دیتے ہیں، اس لئے بظاہر اگرچہ وہ بالکل مغرب زدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن اصلیت میں وہ سو فیصدی مشرقی بلکہ جاپانی ہیں، دفتر تو وہ مغربی لباس پہن کر جاتے ہیں لیکن گھروں میں وزیر اعظم سے لے کر معمولی مزدور تک ہر ایک اپنا قومی لباس کیمونو ہی پہنتا ہے، اس لئے بظاہر اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ جاپان پر مغربی تہذیب کبھی حاوی ہو سکے گی۔

میں خود مغربیت کا مخالف ہوں اور ہائیڈ پارک اور ہالی وڈ کی معاشرت کو قطعی پسند نہیں کرتا اس لئے مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جاپانی عورتوں کو مغربی لباس کے مقابلہ میں جاپانی لباس اور جاپانی آداب معاشرت سے زیادہ محبت ہو مثلاً سرکردہ عورتیں بڑے بڑے جلسوں میں تو مغربی لباس پہن کر جاتی ہیں لیکن ان کے صندوق خوبصورت سے خوبصورت کیمونو سے بھرے ہوتے ہیں، امرا اور متوسط طبقے کی لڑکیاں مغربی لباس کے مقابلہ میں اپنے قومی لباس میں کہیں زیادہ حسین معلوم ہوتی ہیں۔

آج اگر کوئی شخص ایک ہفتہ کے لئے بھی ٹوکیو جائے تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو گی کہ اکثر نوجوان عورتیں اپنے قدیم رسم و رواج کو ترک کر کے مغربی طرز زندگی اختیار کرتی جا رہی ہیں، ان لڑکیوں کی تعداد میں جو اپنے قومی لباس کے بجائے مغربی لباس اختیار کر رہی ہیں۔ اتنا نمایاں اضافہ ہو رہا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا سیاح ہو جس نے جاپان کے اس معاشرتی انقلاب کو محسوس نہ کیا ہو یا اس پر رائے زنی نہ کی ہو

اس سے زیادہ اہم یہ چیز ہے کہ یہ تبدیلی محض خارجی حالات تک محدود نہیں ہے بلکہ نوجوان عورتوں اور لڑکیوں کی ذہنیت میں مکمل اور بنیادی انقلاب ہو رہا ہے۔

ٹوکیو کے گنزرہ میں جو دہلی کے چاندنی چوک کی طرح وہاں کا خاص بازار ہے آپ کو آدھی سے زیادہ لڑکیاں یورپین لباس پہنے ہوئے نظر آئیں گی، حالانکہ دس سال قبل مشکل سے دس فیصدی لڑکیاں اس کی جرأت کرتی تھیں، کیوں کہ انہیں اندیشہ تھا کہ مغرب پرستی کے لئے وہ نشانۂ ملامت بنائی جائیں گی۔

موگا[۱] یعنی مغرب پرست لڑکی:-

جاپانی شہروں میں آج کل "موگا" بہت مقبول ہو رہی ہے، جاپان کے مرد بھی اب پہلے کے سے نازک کتابی چہروں سے جواب صرف پُرانی تصویروں میں نظر آتے ہیں متاثر نہیں ہوتے، اب تو وہ لڑکی زیادہ مقبول ہوتی ہے جس کی آنکھیں بادام سے مُشابہ نہ ہوں، جو ہالی وُڈ فیشن کے مطابق بال بناتی ہو اور جو ہونٹوں اور گالوں پر لالی لگاتی ہو، اُس لڑکی کی اب قدر نہیں ہوتی جو اپنا چہرہ بالکل سفید کرے یا جو صدیوں پہلے کے رواج کے مطابق عجیب ہیئت کی خوش رنگ ٹوپی پہنے ہو،

چونکہ جاپان میں یورپ اور امریکہ کی عورتیں بہت کم ہیں، اس لئے وہاں کی لڑکیاں فیشن میں عموماً امریکہ کی فلم ایکٹرسوں کی تقلید کرتی ہیں، اس سلسلے میں جون کرافورڈ، کانسٹنس بنیٹ کے فرانسس اور کیرول لومبارڈ کے انداز خاص طور پر مقبول ہیں، ہر جاپانی لڑکی (جس کی پرورش لکڑی کے کھڑاؤں پہن کر ہوتی ہے) اپنی پسندیدہ فلم ایکٹرس کی نشست و برخاست، حرکات وسکنات اور خصوصاً رفتار کی پیروی کرتی ہے اور اس طرح مغربی عورتوں کی رفتار کی پوری پوری نقل اُتار لیتی ہے۔

جاپانی لڑکیوں نے انگریزی فلموں سے محض یہ دلکش رفتار ہی نہیں سیکھی ہے بلکہ محبت کا مغربی مفہوم بھی سیکھا ہے، اسکا نتیجہ والدین کے لئے سخت تکلیف دہ ہے، کیونکہ اُن کا اب تک یہی خیال ہے کہ لڑکے اور لڑکی کو خود شادی نہ کرنا چاہیئے بلکہ بزرگوں کو اس کا انتظام کرنا چاہیئے جو فریقین کی بھلائی بُرائی پر زیادہ سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں، اور ان ناعاقبت اندیش نوجوانوں کے مقابلے میں اونچ نیچ کو بہتر سمجھ سکتے ہیں، لیکن جاپانیوں کی معاشرت پر مغربیت کا اتنا زبردست اثر ہو رہا ہے کہ بزرگوں کی چیخ پکار نقار خانہ میں طوطی کی آواز کے مصداق ہے اور آئے دن نئے نئے فیشن بے محابا اختیار کئے جاتے ہیں۔

مغربیت کے مفید پہلو:-

بعض جاپانی مفکرین کا خیال ہے کہ عورتوں کے مغربی تہذیب اختیار کرنے سے قوم کو فائدہ پہنچا ہے یعنی جب سے انھوں نے کیمونو ترک کیا ہے اور مغربی لباس اختیار کیا ہے اُن کی جسمانی صحت بہتر ہو گئی ہے، کیمونو سے حرکات وسکنات پر ایک بندش سی ہو جاتی تھی جس سے لڑکیوں کے نشو و نما پر بُرا اثر پڑتا تھا، لیکن مغربی لباس میں زیادہ آسانی سے اعضا کو جنبش دیجا سکتی ہے، اس لئے اب لڑکیاں بہ سہولت مختلف قسم کے کھیلوں اور ورزشوں میں شریک ہو سکتی ہیں اور اس سے اُن کے جسم کی نشو و نما بہتر ہوتی ہے۔

جاپان کی یہ لڑکیاں مشرقی حُسن کا ایک ایسا نمونہ پیش کرتی ہیں جو محض مغرب کی نقل نہیں کہا جا سکتا اسی وجہ سے ٹوکیو کے "حُسن کے مقابلوں" کے جج صاحبان کا خیال ہے کہ جاپان کی "ملکہ حُسن" دوسرے ممالک کی حسین ترین عورتوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، وہ محض مشرقی حُسن کا ایک مغربی نمونہ نہیں ہوتی بلکہ دونوں براعظموں کے بہترین خط و خال کی ایک امتزاجی شکل ہے۔

ٹوکیو میں اکثر عورتیں بال کترواتی ہیں اور دوکانوں اور دفتروں میں کام کرنے والیاں اور کارخانوں کی مزدور لڑکیاں عموماً کیمونو کی جگہ سایہ پہنتی ہیں، اس سلسلہ میں مغربیت کے حامی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ موجودہ شہری زندگی کے لئے جاپانی رسم و رواج قطعی ناقابلِ عمل ہیں، اور جاپانی لباس مغربی لباس سے کہیں مہنگا پڑتا ہے، ہر عورت کو متعدد کیمونوؤں کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ ہر موسم کے لحاظ سے اُسکے نمونے بھی مختلف ہوتے ہیں اور ہر لباس کے ساتھ اُسکے اتنے متعلقات ہوتے ہیں کہ ایک معمولی سے جوڑے پر بیش بہا خرچ ہو جاتے ہیں۔

۱؎ Modern Girl کا جاپانی مخفف ہے۔



توکیو اساهی کا مطبع



ٹوکیو اساہی کا کمرۂ ادارت

Calcutta Art Press Delhi

حالانکہ جاپان میں ایک مزدور کی ماہانہ آمدنی بھی قریب قریب اتنی ہی ہے اس لئے دفتر یا کارخانوں میں کام کرنے کے لئے مغربی لباس زیادہ سستا پڑتا ہے۔

وزارتِ داخلہ کی تحقیقات سے اس حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوا ہو کہ چودہ برس سے انیس برس کی لڑکیوں کے قد میں گزشتہ صدی کے مقابلے میں انچ سوا انچ کا اضافہ ہوگیا ہے، یہی وہ زمانہ ہے جب کہ لڑکیاں میدانی کھیلوں اور ورزشوں میں حصہ لیتی ہیں، جاپان نے گزشتہ چند سال میں ان کھیلوں میں کتنی ترقی کی ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اب جاپانی لڑکیاں بین الاقوامی مقابلوں میں بھی شریک ہونے لگی ہیں۔

جسم اور چہرے کے علاوہ جاپانی لڑکیوں کی اور دوسری چیزوں میں بھی غیر معمولی تبدیلی ہوگئی ہے، مثلاً سر کی پوشش بالکل بدل گئی ہے، علاوہ ازیں اُن کی زلفوں کے انداز کا اُن کی ظاہری شکل و شباہت پر سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے۔ کہ زلفوں کا قدیم انداز امریکہ اور یورپ کے انداز سے بہر نوع متضاد تھا، مثلاً مغربی زلفوں کا حُسن یہی ہے کہ گھونگر یا لہریں نی ہوں لیکن جاپان میں اس سے سخت نفرت کیجاتی تھی، مغرب میں یہ فیشن ہے کہ بالوں کے ایک دو چھلے خوبصورتی سے رخساروں پر لٹکتے ہوں۔ لیکن جاپان میں یہ ناقابلِ برداشت تھا، مغرب میں سُنہرے بال دولت حُسن کا بیش بہا خزانہ تصوّر کئے جاتے ہیں، لیکن جاپان میں چمکیلے سیاہ بالوں کے سوا سب قابلِ اعتراض تھے، مغرب میں بہت تھوڑا تیل استعمال کیا جاتا ہے، لیکن جاپان میں خوب دل کھولکر لگایا جاتا تھا۔

اس نئے بال سنوارنے کا قدیم انداز بدل جانے سے جاپانی لڑکیوں کی شکل و شباہت میں حیرت انگیز فرق ہوگیا حتیٰ کہ معیارِ حُسن بدل گیا پُرانے طرز کی زلفوں کی مناسبت سے لمبا اور پتلا چہرہ پسند تھا لیکن اب مغربی زلفوں کی وجہ سے گول چہرہ پسند کیا جاتا ہے، بہرحال جاپانی عورتوں کے فطری چہرے سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہائیڈ پارک، ہالی وُڈ اور پیرس کے زلفوں کے فیشن میں کافی ترمیم کرنا پڑے گی یہی حال دوسری چیزوں کا بھی ہے۔

نظرِ غور سے دیکھنے والوں کو آج کل کوئی منظر اتنا دلچسپ معلوم نہیں ہوتا جتنا یہ کہ ایک (موگا) جدید فیشن کی پیرو لڑکی اپنی قدیم وضع کی پابندیوں کے ساتھ جارہی ہو، ڈاکٹر فاسٹ فرماتے ہیں کہ اب یہ خیال جاپانیوں میں ترک ہوتا جارہا ہے کہ نزاکت ہی حُسن کی جان ہے وہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ طاقت ور بچے پیدا کرنے کے لئے پہلے ماؤں کو طاقتور بنانا چاہیئے۔ چنانچہ وہ نسائی حُسن میں کوئی کمی بھی نہیں آنے دیتے اور نہایت کامیابی سے اپنے مقاصد کی تکمیل بھی کررہے ہیں نوجوان عورتیں اب ہر طرح کے مقابلے کے کھیلوں میں شریک ہوتی ہیں۔ چنانچہ مس کینوہتومی نے گزشتہ اولمپک کے موقع پر تیز دوڑنے کا ریکارڈ قایم کیا تھا۔ بالآخر برگ میں حد سے زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے اسکی جان بھی گئی۔ بہرحال آج جاپان میں لڑکیاں موٹروں کی دوڑ میں شریک ہوتی ہیں، ہوائی جہاز چلاتی ہیں اور اُڑان چھتری کے ذریعہ ہوائی جہاز سے نیچے کودتی ہیں، غرضیکہ مشکل سے مشکل کام میں وہ مردوں کے برابر ہی حصہ لیتی ہیں۔

چمن لال

نوٹ:- مندرجہ بالا مضمون ایک باب ہو مسٹر چمن لال کی کتاب (Modern Japan) کا جسکا ترجمہ مکتبہ جامعہ قرول باغ سے شائع ہو رہا ہے یہ کتاب انگریزی میں اسقدر مقبول ہوئی ہو کہ چھپتے ہی دس ہزار کا اڈیشن ختم ہوگیا۔ دوسرا اڈیشن اب زیر طبع ہو۔ جاپان کے متعلق جدید اور معتبر معلومات اس سے زیادہ کسی اور کتاب میں آپکو نہیں ملیں گی۔ ترجمہ محمود علی خاں صاحب نے شُستہ و رفتہ زبان میں کیا ہو مفصّل اشتہار بھی اسی پرچہ میں کہیں اور شائع ہو رہا ہے۔ شاہد۔

جاپانی رقّاصہ

جاپانی دعوت کی ابتدا سے زیادہ اور کوئی چیز پُرسکون نہیں ہوتی اور سوائے اُن لوگوں کے جو کہ وہاں کے باشندے ہیں اور کوئی شخص جس نے ابتدا دیکھی ہو ہنگامہ خیز انجام کے متعلق قیاس آرائی بھی نہیں کر سکتا۔

لباس زیب تن کئے ہوئے مہمان اپنی اپنی جگہ پر بغیر کسی آواز کے اور انتہائی خاموشی سے دو زانو ہو کر گدیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اُن کے آگے جو چٹائیاں بچھی ہوتی ہیں اُن پر جاپانی روغنی برتنوں میں کھانا رکھ دیا جاتا ہے۔ کھانا لڑکیاں رکھتی ہیں جن کے ننگے پاؤں سے کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر تک صرف مُسکراہٹیں اور خاموش آمد و رفت ہوتی ہو جیسے کوئی خواب میں یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو۔ باہر کی بھی کوئی آواز سُنائی نہیں دیتی کیونکہ جس گھر میں دعوت ہوتی ہے عموماً اس کے اور بازار کے درمیان بڑے بڑے باغات حائل ہوتے ہیں بالآخر داعی اور صاحب خانہ اس سکوت کو اس واجب التعظیم قول سے توڑتا ہے: "اوسما تسودی گوزاری ماسوگا!۔۔ دوزا او ہاشی!" اس پر سب حاضرین تعظیماً خاموشی سے سر جُھکاتے ہیں، اپنی ہاشی (کھانا کھانے کی لکڑی کی سلائیاں) اُٹھاتے ہیں اور کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن جب ہاشی سلیقہ سے استعمال کی جاتی ہیں تو اُن میں بالکل آواز نہیں ہوتی۔ لڑکیاں مہمانوں کے پیالوں میں شیر گرم ساکے[1] انتہائی خاموشی سے ڈالتی ہیں اور جب تک کئی کئی رکابیاں اور کئی کئی پیالے خالی نہیں ہو جاتے خاموشی رہتی ہے۔

پھر ایک دم سے ہلکے نُقرئی قہقہے لگاتی چند نوخیز لڑکیاں داخل ہوتی ہیں اور سلام کرنے کے رسمی طریقے پر جُھکتی ہیں۔ مہمانوں کی صفوں کے درمیان جو خالی جگہ ہوتی ہے اُس میں بغیر پاؤں کی آہٹ کے پہونچ جاتی ہیں اور اس حُسن اور چابکدستی سے شراب پیش کرنی شروع کرتی ہیں کہ معمولی لڑکیوں کے بس کی یہ بات نہیں۔ یہ لڑکیاں حسین ہوتی ہیں۔ ان کا لباس بہت قیمتی ریشم کا ہوتا ہے۔ ان کی کمر میں ایسی پیٹیاں ہوتی ہیں جیسی کسی ملکہ کی ہوتی ہے۔ خوبصورت بنائے ہوئے بال نقلی پھولوں، عجیب و غریب کنگھوں اور پنوں اور سونے کی طرح طرح کی چیزوں سے سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ لڑکیاں اجنبی مہمانوں کا اس طرح خیر مقدم کرتی ہیں گویا وہ اُنہیں پہلے سے جانتی ہیں۔ وہ چُہلیں کرتی ہیں ہنستی ہیں اور ہنسانے والی عجیب چھوٹی چھوٹی سی چیخیں لگاتی ہیں۔ یہ ہوتی ہیں گیشا یا ناچنے والی لڑکیاں جنہیں اُجرت دے کر دعوت میں بُلایا جاتا ہے۔

سمی سن[2] کا نغمہ بلند ہوتا ہے۔ رقص کرنیوالی لڑکیاں کمرے میں سامنے دوسری طرف جا کر جمع ہو جاتی ہیں۔ یہ کمرہ ہمیشہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اس میں عام تقریبوں پر جتنے مہمان آسکتے ہیں اُن سے کہیں زیادہ کی گُنجائش ہوتی ہے۔ چند لڑکیاں مل کر موسیقی کا ایک بیرا بنا لیتی ہیں اور ایک عورت جس کی عمر کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اُن کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ کئی سمی سن بجنے لگتے ہیں اور ایک بچّہ ڈھول بجاتا ہے۔ باقی جتنی ہوتی ہیں ایک ایک کر کے یا جوڑے بنا بنا کر ناچتی ہیں۔ یہ ناچ تیز اور نشاط انگیز ہوتا ہے جس میں لوچ اور لچک کی حسین ترکیبیں نکالی جاتی ہیں ۔۔۔ دو لڑکیاں قدم اور اعضا کی جُنبشوں کو ایک ہی ساتھ اس طرح پیش کرتی ہیں کہ برسوں کی کاوش کے بعد ہی یہ بات پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر عموماً ان کا جو ناچ دیکھنے میں آتا ہے اُس میں ہمارے نقطۂ نظر سے ایکٹنگ زیادہ اور ناچ کم ہوتا ہے ۔۔ ایکٹنگ جس میں ڈھیلی ڈھیلی آستینوں

---

[1] چاول کی شراب۔ [2] تین تار کے ستار۔

"SAQI"



کھنڈوتو کی گپھا (فنون لطیفہ)

Calcutta Art Press Delhi



غواص لڑکیوں کا ناچ (فنون لطیفہ)

Calcutta Art Press Delhi

اور نگھوں کو غیر معمولی طور پر جنبش دی جاتی ہے، آنکھیں مٹکائی جاتی ہیں اور تیور بدلے جاتے ہیں۔ میٹھے نازک ملائم اور مشرقیت میں ڈوبے ہوئے۔ گیشا کو اس سے کہیں زیادہ ہیجان انگیز رقص آتے ہیں لیکن عام مواقع پر اور ستھرے مجمع کے سامنے وہ جاپان کی دلکش روایتوں اور اساطیر الاولین کی نقل اتارتی ہیں۔ مثلاً وہ روایت جس میں اُراشیما پھیرے پر سمندر دیوتا کی بیٹی عاشق ہو گئی تھی۔ ذرا ذرا سے وقفوں میں وہ چینی گیت گاتی ہیں اور فطری احساسات کی تصویر چند جچے تلے الفاظ میں اس حسن و خوبی سے پیش کرتی ہیں کہ حاضرین پر کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس دوران میں وہ شراب کے پیالے برابر لبریز کرتی رہتی ہے ۔۔۔ وہ نیم گرم ہلکے زرد رنگ کی خواب آور شراب جو رگوں کو شیریں شکون سے بھر دیتی ہے جس میں ایک ہلکا سا احساسِ سرخوشی ہوتا ہے اور اس خواب ناک کیفیت میں معمولی سے معمولی چیز بھی حیرت خیز و مسرت بار نظر آنے لگتی ہے۔ گیشا جنت کی حوریں معلوم ہونے لگتی ہیں اور اس دنیا کے معمولات میں کچھ اس درجہ مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے کہ کبھی اور ہو ہی نہیں سکتی۔

دعوت جس کی ابتدا اسقدر خاموش تھی رفتہ رفتہ ہنگامۂ مسرت بن جاتی ہے۔ حاضرین کی صفیں منتشر ہو جاتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے کئی جگھٹ بن جاتے ہیں اور ایک جگھٹ سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں یہ لڑکیاں جاتی ہیں، ہنستی چہکتی اور پیالوں میں اب بھی شراب انڈیلتی۔ پیالے آپس میں بدلے جا رہے ہیں[1]، خالی کئے جا رہے ہیں اور تعظیماً سر جھکائے جا رہے ہیں۔ مرد پرانے سموارائی گیت یا قدیم چینی غزلیں گانے لگتے ہیں۔ انہیں میں سے دو ایک ناچنے بھی لگتے ہیں۔ ایک گیشا اپنے لباس کو گھٹنوں تک اونچا کر کے اڑس لیتی ہے اور سمی سن پر کومپا ترافونے فونے کی تیز گت چھیڑی جاتی ہے۔ گت کے بجتے ہی گیشا ایک پائی اور تیزی سے 8 کی شکل میں دوڑنا شروع کرتی ہے اور ایک نوجوان بھی ہاتھ میں ساکے کی صراحی اور پیالہ لئے اُسی 8 کی شکل میں دوڑنا شروع کرتا ہے۔ اگر یہ دونوں کسی ایک خط پر مل جائیں تو جس کی غلطی سے یہ اتصال ہو گا اُسے ساکے کا ایک پیالہ پینا پڑیگا۔ موسیقی کی لے بڑھتی جاتی ہے اور دوڑنے والوں کی رفتار بھی تیز تر ہوتی جاتی ہے کیونکہ انہیں گت کی تال کو قائم رکھنا پڑتا ہے اور ۔۔۔ گیشا جیت جاتی ہے کمرے کے ایک اور حصّہ میں جہان اور گیشا ہاتھوں سے اشارے کرنے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ کھیل کے دوران میں وہ آمنے سامنے بیٹھے گاتے جاتے ہیں، تالیاں بجاتے رہتے ہیں اور تھوڑے تھوڑے سے وقفے کے بعد ہلکی ہلکی سی چیخوں کے ساتھ اپنی انگلیوں کو جھٹکتے جاتے ہیں اور سمی سن اُن کی سنگت کرتے رہتے ہیں۔

چوئی تو ۔۔۔ دون۔ دون!
اوتاگا نڈانے۔

چوئی تو ۔۔۔ دون دون!
اوئی دی ماشی تانے۔

چوئی تو ۔۔۔ دون۔ دون!
شی مائی ماشی تانے۔

گیشا سے یہ کھیل کھیلنے کے لئے نہایت سلجھی ہوئی طبیعت، تیز نظر اور بہت مشق کی ضرورت ہے۔ چونکہ بچپن سے اُسے ہاتھ کے اشاروں کے سب قسم کے کھیل سکھائے جاتے ہیں ۔۔۔ اور ان کھیلوں کی کئی کئی قسمیں ہوتی ہیں ۔۔۔ اس لئے گیشا انھیں اوّل تو کبھی ہارتی نہیں اور اگر کبھی ہارے

[1] اپنے دوست سے پیالہ بدلنا گویا اُس کی عزت افزائی کرنا ہے۔

ہارتی بھی ہے تو محض اتفاقاً۔ ان کھیلوں میں جو سب سے زیادہ عام ہے اس میں تین اشارے ہوتے ہیں، آدمی، لومڑی اور بندوق۔ اگر گیشا بندوق کا اشارہ کرے تو آپکو چاہیئے کہ فوراً ہی لومڑی کا اشارہ کریں جو بندوق نہیں چلا سکتی اور پھر آپ کا اشارہ تال کے ساتھ بھی بالکل ٹھیک ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر آپ آدمی کا اشارہ کرینگے تو پھر وہ جواب میں لومڑی کا اشارہ کریگی جو آدمی کو دھوکہ دے سکتی ہے اور اس طرح آپ ہار جائیں گے۔ اور اگر وہ پہلے لومڑی کا اشارہ کرے تو پھر آپکو بندوق کا اشارہ کرنا چاہیئے جس سے لومڑی ماری جا سکتی ہے۔ لیکن اس اثنا میں آپکو چاہیئے کہ اس کی چمکدار آنکھوں اور لوچدار ہاتھوں کو دیکھتے رہیں۔ یہ بہت حسین ہوتے ہیں اور اگر آپ ایک لمحہ کیلئے بھی اسپر غور کرنے لگیں کہ وہ کس قدر حسین ہیں تو آپ پر حسن کا جادو چل جائے گا اور آپ ہار جائیں گے۔

باوجود اس تمام گھلنے ملنے کے جاپانی دعوتوں میں مہمان اور گیشا میں پھر بھی کچھ نہ کچھ وقار آمیز رکھ رکھاؤ ہوتا ہے۔ کوئی مہمان شراب پی کر خواہ کتنا ہی بدمست کیوں نہ ہو جائے لیکن آپ یہ ہرگز نہ دیکھیں گے کہ اُس نے لڑکی کو پیار کرنے کا کبھی جو ارادہ بھی کیا ہو۔ وہ اس بات کو کبھی بھولتا ہی نہیں کہ خوشی کے مواقع پر گیشا صرف ایک انسانی پھول کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے — صرف دیکھے جانے کے لئے، چھوئے جانے کے لئے نہیں۔ وہ بے تکلفی جو غیر ملکی سیاح جاپان میں بالعموم گیشا یا ملازمہ کے ساتھ برتتے ہیں گو اُس وقت خندہ پیشانی سے برداشت کرلی جاتی ہے لیکن فی الحقیقت بہت ہی بُری نظر سے دیکھی جاتی ہے اور جاپانی لوگ تو اسے انتہائی کمینہ پن کی نشانی سمجھتے ہیں۔

تھوڑی دیر تک اُن کی خوش وقتی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر جیسے جیسے نصف شب قریب ہوتی جاتی ہے مہمان ایک ایک کرکے چُپکے چُپکے کھسکتے جاتے ہیں۔ پھر شور رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے فنا ہو جاتا ہے۔ موسیقی رُک جاتی ہے اور آخری مہمانوں کو دروازے تک پہونچا کر اور ہنس کر "سیونارا" کی آوازیں لگاتی گیشا واپس آتی ہیں اور اب وہ خالی کمرے میں اکیلی بیٹھ کر اپنا طویل فاقہ توڑ سکتی ہیں۔

یہ ہے گیشا کا کام۔ لیکن اُس کا راز کیا ہے؟ اُس کے خیالات کیا ہوتے ہیں، اُسکے احساسات، اُسکی ہستی کی پوشیدہ باتیں کیا ہوتی ہیں۔ رات کے جلسوں اور دعوتوں کی روشنیوں سے دُور اُس کی حقیقی زندگی کیسی ہوتی ہے، اُس نظر فریبی سے علیحدہ جیسی کہ وہ شراب کی کہر میں لپٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ کیا وہ ہمیشہ ایسی ہی شوخ و شنگ ہوتی ہے جیسی کہ وہ اُس وقت نظر آتی ہے جب اس پرانے گیت کو اپنی میٹھی آواز میں تمسخر انگیزی سے الاپتی ہے؟

کی می تو نیارو کا، گوسنگوکیو تو ریو کا؟
نا تو گوسنگوکیو کی می تو نی یو[1]؟

[1] ایک دفعہ پھر اُس کے پہلو میں آرام کرنا یا پانچ ہزار کوکیو لینا؟
مجھے کوکیو کی کیا پرواہ ہے؟ وہ میرے پاس ہو۔

قدیم زمانہ میں ایک باتاموتو رہتا تھا جس کا نام فیوجی ایدائیگی تھا۔ شوگن کا زمیندار، پانچ ہزار کوکیو چاول اسکی آمدنی تھی — اُس زمانہ میں یہ آمدنی بہت بڑی سمجھی جاتی تھی۔ لیکن وہ یوسی وارا کی ایک عورت کی محبت کا دم بھرنے لگا اور اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اسکا نام تھا ایاگینو۔ جب اس شخص کے آقا نے اُسے حکم دیا کہ تم ان دو میں سے ایک کو پسند کرلو۔ آمدنی کو یا محبوبہ کو، تو محبّ و محبوب دونوں بھاگ کر ایک کسان کے گھر میں چلے گئے اور دونوں نے خودکشی کرلی۔ یہ گیت اسی واقعہ پر بنایا گیا تھا اور اب بھی گایا جاتا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

یا پھر کیا ہم اُسے اِس لائق سمجھ بھی سکتے ہیں یا نہیں کہ وہ اپنے وعدہ کو اُسی شد و مد سے پورا کریگی جس طرح کہ وہ اُسے پیش کرتی ہے؟

اُماتے شندارا تیرا ایوا یارا نو!
یا ئیتی کونی شی تے ساکے ئے نومو[۱]

میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ "اس کے متعلق تو یہ ہے کہ ابھی گذشتہ سال ہی اوکا مانے جو اوساکا کی رہنے والی تھی اس شعر کے مفہوم کو سچ مچ عملاً" کر دکھایا۔ اُس نے اپنے عاشق کی چتا میں سے اُس کی راکھ جمع کی، ساکے میں اُسے گھولا اور ایک جلسہ میں بہت سے مہمانوں کی موجودگی میں اُسے پی گئی۔" بہت سے مہمانوں کی موجودگی میں۔ محض رومان کے لئے!

جس گھر میں گیشا رہتی ہیں اس کے ایک حجرے میں ہمیشہ ایک عجیب و غریب مُورت ہوتی ہے۔ یہ مُورت کبھی تو مٹی کی ہوتی ہے اور شاذ و نادر سونے کی بھی ہوتی ہے مگر بالعموم چینی کی ہوتی ہے۔ اس کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ اس پر نذریں چڑھائی جاتی ہیں۔ مٹھائیاں اور چاول کی روٹیاں اور شراب کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے سامنے خوشبوئیں سُلگتی رہتی ہیں اور ایک چراغ روشن رہتا ہے۔ یہ بلی کی مُورت ہوتی ہے جو سیدھی اس طرح بیٹھی ہوتی ہے کہ ایک پنجہ آگے کو پھیلا ہوتا ہے گویا بُلا رہی ہے۔ اسی وجہ سے اسکو "مانیکی نیکو" (بلانے والی بلی) موسوم کیا گیا ہے۔ یہ گویا سرپرست روح ہے، ان کی خوش قسمتی کا باعث ہوتی ہے۔ اُمرا کی سرپرستی اس کے توسّل سے انہیں حاصل ہوتی ہے۔ جلسے کرنے والے اسی وسیلے سے انہیں نوازتے ہیں۔ وہ لوگ جو گیشا کی طبع سے واقف ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ بلی کی مُورت درحقیقت گیشا ہی کی مُورت ہے۔ کھیلنے والی اور حسین۔ مُلائم اور نوخیز۔ نرم اور پیار کرنے والی اور بے رحم جیسے جُھلس دینے والی آگ۔

اُنھوں نے تو گیشا کے متعلق اس سے بدتر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اُس کے سائے میں افلاس کا دیوتا چلتا ہے، اور لومڑی کی طبع والی عورتیں اس کی بہنیں ہوتی ہیں۔ گیشا جوانی کو برباد کرنے والی ہوتی ہے۔ دولت کو تباہ کرنے والی اور خاندانوں کا کھوج کھو دینے والی ہوتی ہے۔ اُس کے نزدیک محبّت نام ہے بے وقوفوں کے اُس خزانے کا جس سے اُسے مال و زر حاصل ہوتا ہے۔ اور اُن لوگوں کی ملکیت سے امیر بن جاتی ہے جن کی قبریں اُس نے بنا دیں۔ حسین دھوکہ بازوں میں یہ سب سے زیادہ چالاک ہوتی ہے۔ چال بازوں میں سب سے زیادہ خطرناک، پیسہ کھانے والوں میں سب سے زیادہ حریص، محبوبوں میں سب سے زیادہ بے رحم۔ یہ سب کچھ صحیح نہیں ہو سکتا۔ تاہم اتنا صحیح ضرور ہے کہ بلی کی طرح گیشا بھی شکاری جانور ہے۔ بہت سی بلیاں ایسی ہوتی ہیں جن پر پیار آتا ہے۔ اسی طرح ایسی بہت سی ناچنے والی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جن کو دیکھ کر دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔

گیشا جیسی بنائی جاتی ہے ویسی بن جاتی ہے۔ یہ گویا جواب ہے اُن بیہودہ خواہشاتِ انسانی کا جنہیں محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محبت بھی وہ جو حسن و جوانی کا مجموعہ تو ہو مگر اس میں ذمہ داریاں اور پشیمانیاں نہ ہوں۔ اسی وجہ سے گیشا کو علاوہ ہاتھ کے اشاروں کے کھیلوں کے دلوں سے کھیلنا بھی سکھایا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اِس پُرحسن دُنیا کا یہ ابدی قانون ہے کہ یہاں انسان بلا خوفِ تعزیر ہر کھیل کھیل سکتا ہے سوائے تین کے اور وہ یہ ہیں:۔ زندگی، محبت اور موت، اِن کھیلوں کو دیوتاؤں نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ کھیل اگر کوئی اور کھیلے گا تو تکلیف اٹھائے گا۔ اِس لئے اگر ہاتھ کے اشاروں کے کھیلوں سے زیادہ سنجیدہ کھیل اگر کوئی گیشا کے ساتھ کھیلے گا تو دیوتاؤں

---

[۱] پیارے، اگر تو مرجائے گا تو قبر تجھے کبھی اپنی آغوش میں نہ لیگی۔
میں تیرے جسم کی راکھ کو شراب میں گھول کر پی جاؤنگی۔

کو ناگوار گزرے گا۔

یہ لڑکی اپنی زندگی کا آغاز غلامی سے کرتی ہے۔ ایک خوبصورت بچی مفلس والدین سے خرید لی جاتی ہے اور اس معاہدہ کے ساتھ کہ لڑکی کی خدمات اٹھارہ بیس یا پچیس برس تک کے لئے صرف انہیں کے لئے وقف رہے گی۔ اس کا کھانا، پہننا، رہنا سہنا اور سیکھنا سب کچھ ایسے گھر میں ہوتا ہے جس میں صرف گیشا ہی رہتی ہیں اور وہ اپنے بچپن کی باقی ماندہ عمر نہایت سخت پابندیوں میں گزارتی ہے۔ اُسے طور طریق دلکشی کے ڈھنگ اور شائستہ گفتگو کے قرینے سکھائے جاتے ہیں۔ نرت بھاؤ کا درس اُسے روزانہ دیا جاتا ہے اور وہ بے شمار گیت مع طرزوں کے یاد کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اس کے علاوہ اُسے کھیل بھی سیکھنے پڑتے ہیں، جلسوں اور شادیوں میں حاضرین سے پیش آنے کے طریقے، لباس کو حسن کارانہ طور پر زیب تن کرنے اور حسین نظر آنے کے ڈھنگ سب سے اُسے واقف ہونا پڑتا ہے۔ جسمانی اعتبار سے اگر اس میں کوئی خوبی ہو تو اُسے بڑھانے میں نہایت احتیاط برتی جاتی ہے۔ اس کے بعد آلات موسیقی پر اُسے مشق کرائی جاتی ہو سب سے پہلے چھوٹا سا ڈھول (سمزومی) ہوتا ہے جس میں سے آواز اُس وقت تک نکلتی ہی نہیں جب تک کہ کافی مشق نہ ہو اس کے بعد ہاتھی دانت یا بانس اور چینی کی مضراب سے وہ کچھ کچھ سمی سن بجانا سیکھتی ہے۔ آٹھ یا نو برس کی عمر میں وہ جلسوں میں جانے لگتی ہے۔ بالخصوص ڈھول بجانے والی کی حیثیت سے۔ اُس وقت یہ ننھی سی جان بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہے اور وہ خوب جانتی ہے کہ صراحی کے ایک ہی جھٹکے میں شراب کا پیالا اس طرح کیسے لبریز کیا جاسکتا ہے کہ ایک بوند بھی چھلکنے نہ پائے اور وہ بھی اپنے ڈھول کی دو ضربوں کے درمیانی وقفے میں۔ اس کے بعد اُس کی باقاعدگی اور بھی ظالمانہ صورت اختیار کرتی جاتی ہے۔ اس کی آواز میں کافی لوچ ہوتا ہے مگر اُس میں قوّت کی کمی ہوتی ہے جاڑے کی سرد سرد راتوں میں اُسے اپنے گھر کی کھلی چھت پر چڑھنا پڑتا ہے اور وہاں اُسے اُس وقت تک گانا اور بجانا پڑتا ہے جب تک کہ انگلیوں سے خون نہ بہنے لگے اور آواز گلے میں گھُٹ کر نہ رہ جائے۔ جس مقصد کے حصول کی خواہش اس طرح کی جاتی ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے یعنی سخت ترین نزلہ اور زکام۔ کچھ عرصہ کے لئے گلا بالکل بیٹھ جاتا ہے اور بولنے میں پھٹی پھٹی سی آواز نکلتی ہے۔ اِس کے بعد اُس کی آواز بدل جاتی ہے اور اُس میں توانائی آجاتی ہے۔ اب وہ مجمع عام میں گانے اور ناچنے کے لائق ہو جاتی ہے۔

اِس حیثیت سے وہ بالعموم پہلی مرتبہ جو مجمع عام میں آتی ہے تو اُس کی عمر بارہ یا تیرہ برس کی ہوتی ہے۔ اگر وہ حسین اور اپنے کام میں ہوشیار ہو تو اس کی خدمات کی بہت مانگ ہوتی ہے اور اس کے وقت کی قیمت بیس سے پچیس سین فی گھنٹہ کے حساب سے ادا کی جاتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ گیشا کے خریدنے والے اپنے وقت، خرچ، تکلیف اور تعلیم دینے کا معاوضہ حاصل کرتے ہیں اور اُس میں وہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ابھی کئی اور سال تک گیشا جو کچھ بھی کمائے سب اُن کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ گیشا کا کچھ بھی نہیں ہوتا یہاں تک جو کپڑے وہ پہنتی ہے وہ بھی اُسکی ملکیت نہیں ہوتے۔

سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں وہ اپنی حسن کاری میں شہرت حاصل کر لیتی ہے۔ اب تک وہ سینکڑوں جلسوں میں ہو آئی ہوتی ہے۔ اور شہر کی کل نمایاں ہستیوں کو جانتی پہچانتی ہے، ہر ایک کے کردار سے واقف ہوتی ہے اور اس کی پوری تاریخ جانتی ہے اسکی زندگی خصوصًا رات کی زندگی ہوتی ہے۔ جب سے وہ رقاصہ بنی شاید ہی اُس نے سورج کو طلوع ہوتے دیکھا ہو۔ اُس نے شراب پینی سیکھی ہے مگر اس طرح کہ نشہ تو کیسا ہلکی سی گھُمیری بھی نہ آنے پائے اور سات سات اور آٹھ آٹھ گھنٹے تک اس طرح فاقہ کرنا کہ نقاہت کا

شائبہ بھی معلوم نہ ہو۔ اس کے بہت سے عاشق ہوتے ہیں۔ کسی حد تک اُسے اجازت ہوتی ہے کہ جس پر وہ چاہے مسکرائے مگر اُسے خوب سکھا پڑھا دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رعنائیوں کو صرف اپنے مفاد کے لئے صَرف کرے۔ وہ آس لگائے رہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ملیگا جو اس لائق ہوگا کہ بجو علی اس کی آزادی کی قیمت ادا کرکے اُسے آزاد کر دیگا۔ اور یہ کوئی "ایسا شخص ہوگا جو اُس کے بعد ہی یقیناً" بُدھی مقولوں سے نئے نئے اور عُمدہ معنی اخذ کریگا جن کا موضوع محبت کی بے وقوفی اور انسانی میل جول کی بے ثباتی ہو۔

اس کی حکایت زندگی کے اس حصہ پر پہونچ کر ہم گیشا سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اُس کی کہانی اکثر بدمزہ ثابت ہوتی ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ کم عمری میں مرجائے۔ اگر ایسا اتفاق ہو تو وہ سب رُسوم ادا کی جائینگی جو اس طبقے سے متعلق ہیں اور اُس کی یاد مُتعدد عجیب و غریب رُسوم سے تازہ رکھی جائیگی۔

بعض اوقات شاید ایسا ہو کہ آپ جاپان کی کسی گلی میں سے رات کے وقت گزر رہے ہوں اور آپکو موسیقی کی آواز سُنائی دے کسی بُدھ مندر کے عالیشان دروازے میں سے سمی سِن کی جھنکار تیرتی ہوئی آئے اور اسی سے ہم آہنگ گانے والی لڑکیوں کی تیز آواز بھی سُنائی دیں۔ اسپر آپکو تعجب ہوگا۔ مندر کے گہرے صحن میں آپ دیکھیں گے کہ لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور سُن رہے ہیں۔ پھر جب آپ اس بھیڑ میں سے راستہ نکال کر مندر کی سیڑھیوں تک پہونچیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اندر چٹائی پر دو گیشا بیٹھی گا بجا رہی ہیں اور تیسری ایک چھوٹی سی میز کے آگے ناچ رہی ہے۔ میز کے اُوپر ایک راہی ہے (کتبہ یا لوح) اس لوح کے سامنے ایک چراغ روشن ہے اور کانسی کے ایک پیالے میں خوشبوئیں سُلگ رہی ہیں۔ وہاں کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھی ہیں، میوے وغیرہ، جیسا کہ تہواروں کے موقع پر مُردوں کے لئے حسبِ دستور نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپکو معلوم ہو جائے گا کہ لوح پر جو کیمیو ہے وہ گیشا کا ہے اور مُردہ لڑکی کے ساتھی خاص خاص دِنوں پر مندر میں جمع ہوتے ہیں اور ناچ گانوں سے اُسکی رُوح کو خوش کرتے ہیں جس کا جی چاہے اس رسم میں بغیر کچھ دیئے شریک ہو سکتا ہے۔

لیکن زمانہ قدیم کی ناچنے والی لڑکیاں ایسی نہیں تھیں جیسی کہ آج کل کی گیشا۔ اُن میں سے بعض شِراہیوشی کہلاتی تھیں، اور اُن کے دل بہت سخت نہیں ہوتے تھے۔ وہ حسین ہوتی تھیں۔ وہ عجیب شکل کی ٹوپیاں پہنتی تھیں جن پر سونے کا کام بنا ہوا ہوتا تھا۔ اُن کا لباس نہایت شاندار ہوتا تھا اور شہزادوں کے محلوں میں تلواریں لیکر ناچتی تھیں۔ اور انہیں میں سے ایک کے متعلق ایک پُرانی کہانی ہے جو سُننے کے لائق ہے۔

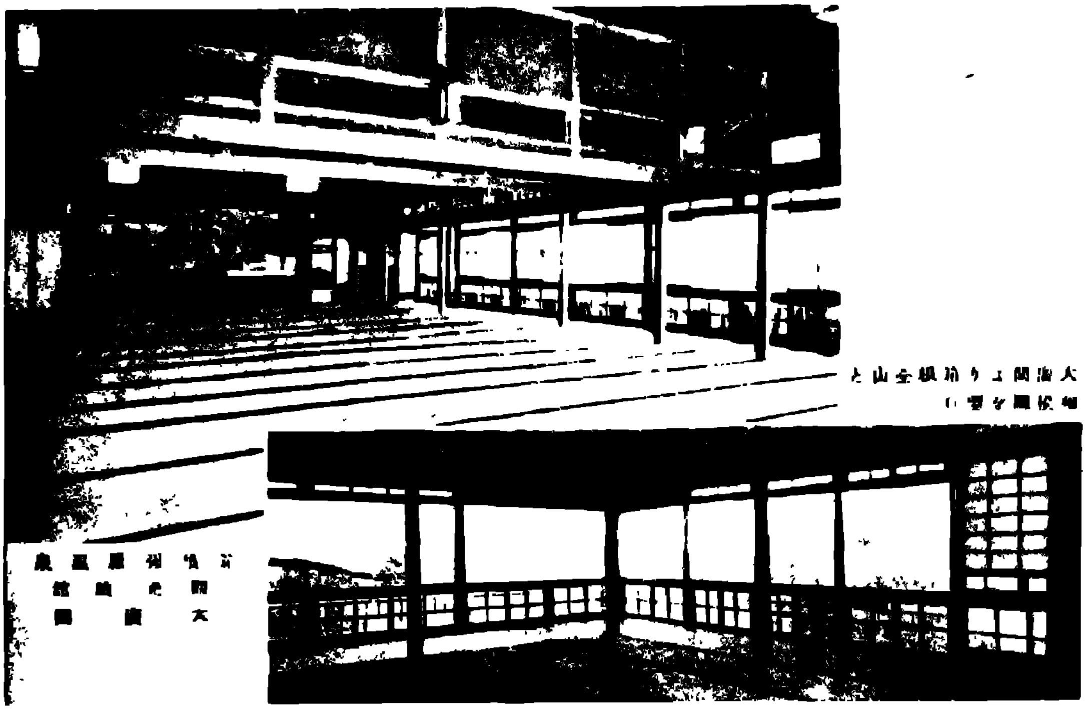
(۱)

نو عمر جاپانی مصوّروں کا قدیم زمانے میں یہ شعار تھا اور اب بھی ہے کہ مُلک کے مختلف حصّوں میں پیدل سفر کرتے تھے تاکہ عمدہ مناظر دیکھیں اور اُن کی تصویریں بنائیں اور آرٹ کے اُن نادر نمونوں پر غور کریں جو بُدھ مندروں میں محفوظ ہیں اور جن میں سے اکثر غیر معمولی طور پر حسین مناظر پیش کرتے ہیں۔ یہ انہیں پھرنے والے مصوّروں کی بدولت ہے کہ آج مناظرِ قدرت اور مطالعۂ حیات کی تصویروں کے خوبصورت مجموعے ہمیں نظر آتے ہیں جو آج کل اس قدر نادر ہیں اور عجائب میں شمار کئے جاتے ہیں اور جنہیں دیکھکر ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ جاپانی مناظر کی تصویر کشی صرف جاپانی ہی کر سکتے ہیں۔ جب آپ اس بات کو سمجھ جائیں گے کہ اپنے مناظرِ قدرت کو جاپانی کس طرح سمجھ کر پیش کرتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ کسی اور مُلک کا مصوّر جب جاپانی سینری پیش کرنے کی کوشش کریگا

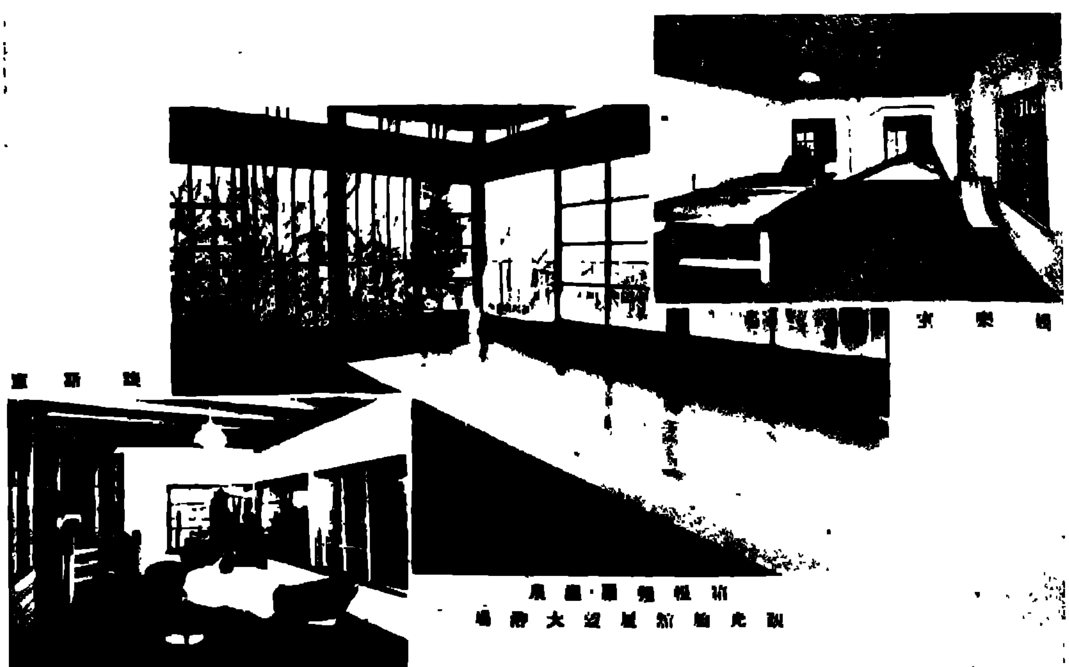
اُس کی تصویر کچھ عجیب بھونڈی اور بے جان نظر آئیگی۔ غیر مُلکی مصوّر جو کچھ دیکھتا ہے اُسے سچائی سے پیش کر دیتا ہے۔ بس اِس سے زیادہ وہ اور کچھ نہیں کرتا۔ مگر جاپانی مصوّر وہ پیش کرتا ہے جو کہ وہ محسوس کرتا ہے ــــــ کسی موسم کا جذبہ، کسی خاص مقام اور وقت کی حُسنِ باطنی۔ اُس کی تصویر میں کچھ ایسی ایمائی قوت ہوتی ہے کہ مغربی آرٹ میں شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ مغربی مصوّر تفصیل کی باریکیوں کو ہی ظاہر کر دیتا ہے اور اُس قوتِ متخیّلہ کی تسکین کر دیتا ہے جسے وہ اُبھارتا ہے۔ مگر مشرقی مصوّر یا تو تفصیل کو دبا ہی دیتا ہے یا اُسے خیالی بنا دیتا ہے ــــــ اپنے فاصلوں کو کہر میں پوشیدہ کر دیتا ہے۔ اپنے مناظرِ قدرت کو بادلوں سے ملا دیتا ہے۔ اپنے تجربہ کی ایک ایسی یادداشت بناتا ہے جس میں صرف انوکھاپن اور حُسن موجود ہوتا ہے مع اپنے لطیف موثرات کے۔ وہ متخیّلہ سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اُسے اُکساتا ہے اور اُسے آرزومند کر دیتا ہے اُس حُسن و جمال کا جس کی صرف جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ تاہم ان جھلکیوں ہی میں وہ کسی خاص وقت کے احساس کو اُجاگر کر دیتا ہے، یا کسی خاص مقام کی کیفیت کو اس طرح پیش کر دیتا ہے کہ سحر یا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ جاپانی مصوّر احساسات و تاثرات کی تصویر کشی کرتا ہے، واضح و نمایاں حقائق پیش نہیں کرتا، اور اسی میں اُس کی حیرت انگیز قوت کا راز مضمر ہے۔ اِس قوت کی خوبیوں کا اندازہ وہ لوگ نہیں لگا سکتے جنہوں نے اُن مناظر ہی کو نہیں دیکھا جن سے متاثر ہو کر مصوّر نے تصویر بنائی ہے۔ جاپانی مصوّر کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بلا شخصیت ہوتا ہے۔ اس کی ساری انسانی تصویریں تمام خصوصیتِ ذاتی سے مُعرّا ہوتی ہیں، تاہم ان میں ایک ناقابلِ تقلید خوبی ہوتی ہے بحیثیت مثالی نمونوں کے جو کسی طبقے کی خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً کسانوں کی بچّوں کی سی راز جوئی، دوشیزہ کی شرم و حیا، جورو کی دلکشی، سُورما کا احساسِ خودی، بچّے کی ہنسانے والی معصوم خوبصورتی، بڑی عمر کا مطمئن نرم دلی۔ سفر اور باغور معائنہ کے اثرات سے یہ آرٹ پروان چڑھا ہے تصویر خانوں میں اس کی نشوونما کبھی ہوتی ہی نہیں۔

برسوں پہلے کا ذکر ہے کہ مصوّری کا ایک نوعمر طالب علم کیوتو سے یدو تک پہاڑوں پہاڑوں پیدل سفر کر رہا تھا۔ اُس زمانے میں سڑکیں بہت کم تھیں اور خراب تھیں۔ آج کل کے مقابلہ میں اُس وقت کا سفر اس قدر دشوار تھا کہ اس کے متعلق ایک کہاوت مشہور تھی: "کوائی کو واتابی وہ سا سے!" (لاڈلے بچّے کو سفر کرانا چاہیئے) لیکن سرزمین وہی تھی جو اب ہے۔ وہی صنوبر اور چیڑ کے جنگل تھے، وہی بانس کے جھنڈ تھے، وہی چوٹی دار گاؤں تھے چھپروں کی چھتوں والے، وہی ٹھہرے دار چاولوں کے کھیت تھے جن میں کیچڑ پر جھکے ہوئے کسانوں کی زرد پھوس کی ٹوپیاں دُور سے کھُمبیاں سی معلوم ہوتی ہیں۔ سڑک کے کنارے سے جی زو کے وہی بُت نظر آتے تھے جو اُس وقت بھی انہیں مندروں میں آنے والے جاتریوں پر اسی طرح کھڑے مسکرا رہے تھے جس طرح اب مسکرا رہے ہیں۔ اور جب بھی اب کی طرح بہار کے دنوں میں اُتھلے اُتھلے دریاؤں میں ننگے دھڑنگے مٹیالے رنگ کے بچّے ہنستے نظر آتے تھے اور یہ سب دریا سورج کو دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے۔

مگر یہ مصوّری کا نوعمر طالب علم "کوائی کو" نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی کافی سفر کر چکا تھا، بُرے طعام اور خراب قیام کا عادی تھا اور ہر اُفتاد کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا لیکن اس سفر میں ایک شام کو سورج غروب ہونے کے بعد اُس نے اپنے آپ کو ایسے مقام پر پایا جہاں سے دُور دُور تک نہ تو اُسے کھانا مل سکتا تھا اور نہ کوئی پڑ رہنے کی جگہ نظر آتی تھی۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی بنجر زمین نظر آتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلدی سے کسی گاؤں میں پہونچ جائے، اس لئے اُس نے ایک چھوٹے سے سلسلۂ کوہ کو عبور کیا تھا مگر وہ راستہ سے بھٹک گیا۔



کھانے کا ہال جو رقص و سرور کے جلسوں کے بھی کام آتا ہے



بیچ میں- نہانے کے لئے گندھک کے گرم چشمہ کا حوض
داہنی جانب- کھیل کا کمرہ
بائیں جانب- گول کمرہ (ڈرائنگ روم)



شہر نارا کے جاڑے کے موسم کا نظارہ



جاپانی سرائے کا ایک کمرہ

چاند تھا ہی نہیں اور چیڑ کے سایوں سے اُس کے چاروں طرف اور بھی زیادہ تاریکی تھی۔ وہ علاقہ جس میں وہ بھٹک کر نکل آیا تھا بالکل جنگل معلوم ہوتا تھا۔ چیڑ کی پتیوں میں سے ہوا کی سنسناہٹ کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ یا پھر گھنٹیوں کی سی آواز دینے والے کیڑوں کا لامتناہی شور تھا۔ وہ اسی اُمید میں گرتا پڑتا آگے بڑھ رہا تھا کہ کسی دریا کے کنارے پہونچ جائے تاکہ اُسکے ساتھ ساتھ چل کر کسی آبادی میں جا پہونچے۔ آخرکار ایک چشمہ ایک دم سے اُس کے راستہ میں حائل ہوگیا مگر معلوم یہ ہوا کہ وہ ایک تیز رو پہاڑی چشمہ ہے جو دو چٹانوں کے درمیان ایک وادی میں گرتا ہے۔ جب وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہوا تو اُس نے ارادہ کیا کہ قریب تر قریب جو چوٹی ہو اُس پر چڑھ جائے تاکہ وہاں سے کسی آبادی کا کچھ پتہ چل سکے۔ مگر جب اُس کی چوٹی پر پہونچا تو اُسے چاروں طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں نظر آئیں۔

اب اُس نے یہ طے کر ہی لیا تھا کہ کھلے آسمان کے نیچے ستاروں کی روشنی میں پڑ رہے کہ اُسی پہاڑی کے دوسرے ڈھال پر جس پر چڑھ رہا تھا اُسے زرد روشنی کی ایک ہلکی سی شعاع نظر آئی جو ظاہر تھا کہ کسی گھر ہی میں سے نکل رہی ہوگی۔ اُس نے اس کی سمت میں چلنا شروع کیا اور جلدی ہی ایک چھوٹا سا کچا گھر اُسے نظر آیا جو کسی کسان کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ روشنی جو اُس نے دیکھی تھی اسی کے بند دروازے کی ایک درز میں سے نکل رہی تھی۔ اُس نے اپنے قدم بڑھائے اور دروازے کو کھٹکھٹایا۔

(۲)

کئی دفعہ کھٹکھٹانے کے بعد اُسے کسی کے چلنے کی آہٹ سُنائی دی۔ پھر ایک عورت کی آواز سُنائی دی جس نے پوچھا کیا کام ہے؟ آواز غیر معمولی طور پر شیریں تھی اور نامعلوم سوال کرنے والی کی طرزِ گفتگو نے اُسے چونکا دیا کیونکہ وہ دارالسلطنت کی شُستہ بول چال تھی۔ اس نے جواب میں کہا "میں ایک طالب علم ہوں اور پہاڑیوں میں بھٹک گیا ہوں۔ اگر ممکن ہو تو آج کی رات کھانا اور آرام کرنے کی جگہ مل جائے۔ اگر یہ ناممکن ہو تو ازراہِ کرم کسی قریب کے گاؤں تک پہونچنے کی ہدایات دی جائیں جس کا میں بہت شکر گزار ہونگا۔ اور اگر کوئی رہنمائی کرے تو میرے پاس ابھی اتنا باقی ہے کہ اُس کی اُجرت ادا کرسکوں۔"

اس کے جواب میں اُسی آواز نے اور بہت سے سوال پوچھے اور جس راستہ سے ہو کر وہ اس گھر تک پہونچا تھا۔ اُس پر بہت اظہارِ تعجب کیا۔ مگر طالب علم کے جوابات کچھ ایسے تھے کہ ان سے شُبہ جاتا رہا کیونکہ اندر سے آواز آئی "میں ابھی آئی۔ آج کی شب کسی گاؤں میں پہونچنا تمہارے لئے بہت دشوار ہوگا اور پھر راستہ بھی بہت مخدوش ہے۔"

ذرا سی دیر کے بعد باہر کے دروازے آہستہ آہستہ کھل گئے اور ایک عورت کاغذی لالٹین اس طرح لئے ہوئے دروازے میں دکھائی دی کہ نووارد کے چہرے پر تو روشنی پڑے مگر خود اُس کا چہرہ تاریکی میں رہے۔ اُس نے خاموشی سے بغور نووارد کو دیکھا پھر مختصراً کہا "ٹھیریئے میں پانی لاتی ہوں۔" وہ ایک پانی کا بھرا ہوا تسلا لائی اور دروازے کی سیڑھیوں پر رکھدیا۔ پھر مہمان کو ایک تولیہ دیا۔ اُس نے اپنے کھڑاویں اُتارے، پیروں پر سے سفر کی گرد دھوئی اور پھر ایک صاف ستھرے کمرے میں لایا گیا۔ یہ کمرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا گھر یہی ہے۔ صرف پیچھے کی طرف ایک ذرا سا حصّہ الگ کردیا گیا تھا جو بطور باورچی خانے کے استعمال کیا جاتا تھا۔ رُوئی کا ایک گدیلا اُس کے دوزانو بیٹھنے کے لئے دیدیا گیا اور ایک انگیٹھی اُس کے سامنے رکھدی گئی۔

اب اُسے پہلی دفعہ موقع مِلا کہ اچھی طرح اپنی میزبان کو دیکھ لے۔ اور اس کے حسن اور نازک نازک خدوخال کو دیکھکر وہ چونک پڑا۔ وہ عمر میں اُس سے تین چار برس بڑی تو ضرور تھی مگر اُس کی جوانی کی بہار ابھی قایم تھی۔ یقیناً وہ گاؤدی لڑکی تو تھی نہیں۔ اُسی شیریں اور مترنم آواز میں اُس نے کہا "اب میں اکیلی ہوں اور میں یہاں کسی کو مہمان نہیں رکھا کرتی۔ مگر مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر آپ آج رات کو آگے سفر کرینگے تو خطرناک ثابت ہوگا۔ قریب جوار میں چند کسان رہتے ہیں مگر اس تاریکی میں بغیر کسی رہنما کے آپ اُن تک نہیں پہونچ سکتے۔ اِس لئے میں آپ کو صبح تک یہاں ٹھہرنے دونگی۔ آپکو آرام تو ملیگا نہیں۔ لیکن میں آپکو ایک بچھونا دے سکتی ہوں۔ اور ہاں شاید آپ بھوکے بھی تو ہونگے۔ یہاں صرف تھوڑا سا شوجن[1] ریوری ہے اور وہ بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ بہرحال جو کچھ حاضر ہے اُسے قبول فرمائیے!"

مسافر تو بہت بھوکا تھا ہی۔ ماحضر کو اُس نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ نوجوان عورت نے تھوڑی سی آگ جلائی اور چپکے ہی چپکے کئی طرح کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تیار کیں — ناکے پتوں کو تلا، کچھ ابورآجے، کچھ کمپایو، اور ایک پیالہ موٹے چاولوں کے خشکے کا — اور جلدی سے اس کے آگے کھانا چن دیا اور معذرت کرنے لگی۔ جب تک وہ کھانے میں مصروف رہا وہ بالکل خاموش رہی اور اس کی خاموشی مہمان کو پریشان کر رہی تھی۔ اگر اس نے ہمت کرکے کچھ سوال بھی کیا تو اُس نے یا تو محض سر کی جنبش سے جواب دیا اگر بولی بھی تو ایک آدھ لفظ۔ جب یہ کیفیت دیکھی تو مجبوراً اُسے بھی بات کرنے سے باز رہنا پڑا۔

اِس اثنا میں اُسنے دیکھا کہ یہ چھوٹا سا گھر اسقدر صاف تھا کہ کہیں بھی داغ دھبّہ کا نشان تک نہ تھا اور جن برتنوں میں اُسے کھانا دیا گیا تھا وہ تو گویا بالکل نئے ہی معلوم ہوتے تھے۔ کمرے میں جو سامان تھا گو وہ سستا تھا مگر تھا خوبصورت۔ اوشی اِری[2] اور زندانا کے فیوسوما تھے تو محض سفید کاغذ کے لیکن اُن پر چینی حروف جلی خط میں نہایت خوشخط لکھے ہوئے تھے یہ حروف ایسے تھے کہ دستورِ آرائش کے مطابق شاعر اور آرٹسٹ کے محبوب موضوعات کی طرف ذہن ناظر کو لیجاتے ہیں — بہار کے پھول، پہاڑ اور سمندر، گرمی کی بارش، آسمان اور ستارے، خزاں کا چاند، دریا کا پانی، خزاں کی ہوا۔ کمرے میں ایک طرف کو ایک چھوٹی طرح کی پرستش گاہ سی بنی ہوئی تھی جس کے نازک دروازے کھلے ہوئے تھے اور اُس میں سے اندر ایک لوح رکھی نظر آ رہی تھی۔ جس کے آگے چند جنگلی پھول پڑے ہوئے تھے اور ان میں ایک چراغ روشن تھا۔ اِس پرستش گاہ کے اوپر کسی باکمال مصوّر کی بنائی ہوئی ایک تصویر آویزاں تھی۔ یہ تصویر رحم کی دیوی کی تھی جس کے سر کے گرد چاند کا ہالہ تھا۔

جب طالب علم نے اپنا کھانا ختم کر لیا تو نوجوان عورت نے کہا "میں آپکو عمدہ بچھونا تو نہیں دے سکتی اور مچھردانی بھی کاغذی ہے۔ بچھونا اور مچھردانی میری ہے لیکن آج رات کو مجھے کئی کام کرنے ہیں اور سونے کا وقت مجھے نہیں ملے گا، اس لئے میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ آرام کرنے کی کوشش فرمائیں گو میں آپ کے آرام کے اسباب مہیا نہیں کر سکتی۔"

---

[1] بدھی کھانا جس میں کسی جانور کا گوشت وغیرہ نہیں ہوتا۔ اس کی بعض قسمیں بڑی مزیدار ہوتی ہیں۔

[2] اوشی اِری اور زندانا کا مفہوم کچھ کچھ توشے خانہ اور نعمت خانہ سے ادا ہو سکتا ہے۔ فیوسوما سرکنے والی اوٹ ہوتی ہے جو دروازہ کا کام دیتی ہے۔

طالبعلم نے اب سمجھا کہ کچھ عجیب وجوہ کی بنا پر وہ بالکل اکیلی رہتی ہے اور از راہ کرم بہانہ کرکے اپنا بچھونا اُسے دے رہی ہے۔ طالبعلم نے صدق دلی سے اس دلنواز مہمان نوازی کی مخالفت کی اور اُسے یقین دلانا چاہا کہ "مجھے تو فرش پر بھی پڑے پڑے آرام سے نیند آجائیگی اور مچھروں کی مجھے پروا نہیں ہے"۔ مگر اُسنے کچھ ایسے لہجے میں کہا جیسے کوئی بڑی بہن کہا کرتی ہے کہ "آپ کو میری خوشی پوری کرنی پڑے گی۔ مجھے فی الحقیقت آج کچھ کام کرنے ہیں اور میری خواہش ہے کہ آپ جتنے جلد ممکن ہو مجھ سے علیحدگی اختیار کرکے مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ شریف و نجیب ہیں اور مجھے اتنا اختیار دینگے کہ معاملات میری مرضی کے مطابق طے ہوں"۔ اس کی مخالفت میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ کمرہ صرف ایک ہی تھا۔ اُس نے فرش پر چٹائی بچھا دی اور لکڑی کا ایک تکیہ اُٹھا لائی۔ کاغذی مچھر دانی لگائی۔ بچھونے کے اُس طرف جدھر پرستش گاہ تھی ایک بڑی سی اوٹ کھڑی کی اور پھر اُسے شب بخیر کچھ اس وضع سے کہا۔ کہ اُسے یقین ہوگیا کہ وہ چاہتی ہے یہ فوراً ہی لیٹ جائے اور آرام کرے۔ اُس نے ایسا ہی کیا گو حد درجہ نا رضامندی سے کیونکہ یہ خیال اُسے ستا رہا تھا کہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ اُس بچاری کو اتنی تکلیف پہونچی۔

(۳)

ہر چند مسافر نہیں چاہتا تھا کہ کسی اور کی مہربانی اس طرح قبول کرے کہ اس کی راحت چھین لے اور خود آرام کرے۔ لیکن بچھونا اُسے بہت ہی آرام دہ معلوم ہوا۔ وہ تھک کر چور ہوگیا تھا اور لکڑی کے تکیہ پر سر رکھنے کی دیر تھی کہ نیند میں سب کچھ بھول گیا۔

لیکن اُسے سوتے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک خاص قسم کی آواز سے اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ یہ آواز کسی کے پیروں کی تھی مگر ایسی نہیں تھی جیسے کوئی آہستہ آہستہ چل رہا ہو بلکہ ایسی تھی جیسے بہت تیزی سے پیر چل رہے ہوں اجس طرح گھبراہٹ میں چلتے ہیں۔ اسے معاً خیال آیا کہ گھر میں چور گھس آئے ہیں۔ اُسے اپنی طرف سے تو کوئی خطرہ تھا نہیں کیوں کہ اس کے پاس تھا ہی کیا جو چور لے جائیں۔ پریشانی اُس مہربان ہستی کی طرف سے تھی جس نے اُسے نوازا تھا۔ کاغذی مچھر دانی کی ہر طرف بیچ میں ایک چوکور جالی سی تھی اور یہ اس طرح لگی ہوئی تھی جیسے کھڑکی ہوتی ہے۔ انہیں میں سے ایک میں سے اُس نے جھانک کر دیکھا مگر سامنے اوٹ حائل تھی اس لئے اُسے معلوم نہ ہوسکا کہ اُس کی دوسری طرف کیا ہورہا ہے۔ اُس نے ارادہ کیا کہ آواز دے مگر پھر فوراً یہ ارادہ اس خیال سے جاتا رہا کہ اگر کہیں واقعی کوئی خطرہ ہوا تو آواز دینی بالکل بیکار ہوگی اور بغیر یہ جانے ہوئے کہ واقعہ کیا ہے آواز دے کر اپنے وجود کو جتانا بے وقوفی ہے۔ وہ آوازیں جن سے یہ پریشان ہورہا تھا جاری رہیں اور زیادہ پُراسرار ہوتی گئیں۔ اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ چاہے جو کچھ ہو اپنی کم عمر میزبان کو ضرور بچاؤنگا چاہے اس میں جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ جلدی سے اپنے کپڑے پہن پہنا کر وہ کاغذی پردے کے نیچے سے رینگ کر نکل آیا اور جھکا جھکا اوٹ تک گیا اور پھر اس کے اوپر سے جھانک کر دیکھا۔ جو کچھ اُسنے دیکھا اُس سے اُس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔

منور پرستش گاہ میں لوح کے سامنے وہ نو عمر عورت نہایت شاندار کپڑے پہنے ناچ رہی تھی، اکیلی تن تنہا۔ اس کے لباس سے طالبعلم نے پہچان لیا کہ یہ شرابیوشی کی پشواز ہے گو آج تک اُس نے کسی پیشہ ور رقاصہ کی اتنی قیمتی پشواز نہیں دیکھی تھی۔ اُس کا حُسن اس سے دوبالا ہوگیا تھا اور اس تنہائی اور سناٹے کے وقت میں وہ بالکل ما فوق الانسان نظر آرہی تھی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ تعجب خیز جو چیز اُسے معلوم ہورہی تھی وہ اُس کا ناچ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے تو اُسے یہ خیال گزرا یہ کوئی بھوت پریت تو نہیں ہے اور اس خیال کے ساتھ ہی اُس کے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ کسانوں کی وہم و وسواس کی باتیں، لومڑی نما عورتوں کی روائیتیں اُس کے ذہن میں تیزی

سے آئیں لیکن بُدھ کی پرستشگاہ اور مقدس تصویر نے اس خیال کو باطل کر دیا اور اُسے ندامت سی ہوئی کہ اُسکے دل میں ایسا خیال آیا ہی کیوں ۔ اسی کے ساتھ ساتھ اُسے اس کا بھی احساس ہوا کہ وہ ایک ایسی چیز کو دیکھ رہا ہے جسے نہ دیکھنے کی اُس کے میزبان نے خواہش ظاہر کی تھی۔ بحیثیت مہمان ہونے کے اُس کا یہ فرض تھا کہ فوراً پردے کے پیچھے چلا جائے ، مگر اس منظر نے اسے مسحور کر دیا تھا۔ اُسے تعجب کے ساتھ ساتھ نہایت مسرت بھی ہو رہی تھی کہ وہ اس وقت ایک ایسی ماہر رقاصہ کا ناچ دیکھ رہا تھا کہ اس سے پہلے اُس نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا اور جتنا زیادہ وہ اُسکو ناچتے دیکھتا تھا اُتنا ہی اُس پر اُس کا جادو چلتا جاتا تھا۔ وہ ایکدم سے رُک گئی ، اُس کا سانس پھُولا ہوا تھا ، اس نے اپنی پیٹی کھولی اور اپنے اوپر کے کپڑے اُتارتے ہوئے جو پلٹی تو مہمان سے آنکھیں چار ہوئیں اور نگاہوں کے ملتے ہی وہ ہکّا بکّا سی رہ گئی۔

مہمان نے چاہا کہ اُس سے معافی کا خواستگار ہو۔ اُس نے کہا کہ "میں تیز تیز قدموں کی آواز سے جاگ گیا اور اس آواز نے مجھے یوں اور بھی پریشان کر دیا کہ آپ اس گھر میں اکیلی رہتی ہیں۔ اتنی رات گئے اور اس تنہائی میں یہ قدموں کی آواز کیسی ؟" اس کے بعد اُس نے جو کچھ دیکھا تھا اُس پر اظہارِ تعجب کیا اور بتایا کہ کس طرح وہ مسحور ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا کہ "آپ میری اس بر چول کو معاف فرمائیں گی، کیونکہ میں اس تعجب میں ہوں کہ آپ ہیں کون اور آپ نے رقص میں اتنی مہارت کیسے پیدا کر لی۔ ستائی کیو کی سب ناچنے والیوں کو میں نے ناچتے دیکھا ہے لیکن ان میں سے مشہور سے مشہور رقاصہ بھی اس خوبی سے نہیں ناچ سکتی جس خوبی سے آپ ناچتی ہیں۔ ایک نظر آپکو دیکھنے کے بعد میں اپنی آنکھیں آپ کی طرف سے ہٹا ہی نہیں سکا۔"

پہلے تو وہ کچھ خفا نظر آئی لیکن ابھی مہمان نے اپنی بات بھی ختم نہیں کی تھی کہ اُس کا غصہ جاتا رہا۔ وہ مُسکرائی اور اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اُس نے کہا "نہیں میں آپ سے خفا نہیں ہوں مگر مجھے اس کا افسوس ہے کہ آپ نے مجھے اس طرح ناچتے دیکھا، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ مجھے یوں ناچتے دیکھکر آپ سمجھے ہونگے کہ میں دیوانی ہوں کہ یوں اکیلی ناچ رہی ہوں۔ اور اب مجھے اس کے معنیٰ آپ کو سمجھانے پڑینگے۔"

اس لئے اُس نے اپنی کہانی سُنائی۔ مہمان کو یاد آیا کہ جب وہ بچّہ سا تھا تو اُس کا نام سُنا تھا — اُس کا وہ نام جو پیشے کے زمانے میں رکھا گیا تھا۔ یہ نام سب سے مشہور شِرابیوشی کا تھا، سارے دارالسلطنت کی محبوبہ کا نام، جو اپنی شہرت و حُسن کی معراج کے زمانے میں ایکا ایکی شہر سے غائب ہو گئی تھی اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں چلی گئی اور کیوں چلی گئی۔ دولت و ثروت کو ٹھکرا کر وہ ایک ایسے نوجوان کے ساتھ فرار ہو گئی تھی جو اُس سے محبت کرتا تھا۔ وہ غریب تھا لیکن ان دونوں کے پاس مل ملا کر اتنا ضرور تھا کہ کسی گاؤں میں سادہ زندگی نہایت خوشی سے گزار سکتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے لئے پہاڑوں میں ایک چھوٹا سا گھر بنا لیا تھا اور چند برس تک وہ صرف ایک دوسرے ہی کے لئے زندہ تھے۔ وہ شخص اس کی پرستش کرتا تھا۔ اُس کی سب سے بڑی خوشی یہ تھی کہ وہ اپنی محبوبہ کو محوِ رقص دیکھے۔ روزانہ شام کو وہ اپنی کوئی محبوب گت بجاتا اور یہ اُس کے سامنے ناچتی رہتی۔ لیکن ایک طویل سرد رات کو وہ بیمار پڑ گیا اور باوجود انتہائی تیمارداری کے وہ مر گیا۔ اُس دن سے اب تک وہ اکیلی رہتی تھی، صرف اُسکا خیال ساتھ رہتا تھا، اور اس تنہائی میں تمام وہ رسوم محبت و تعظیم ادا کرتی رہتی تھی جن سے مرے ہوؤں کی تکریم کی جاتی ہے۔ روزانہ اُس کی لوح کے سامنے وہ حسبِ دستور نذر چڑھاتی تھی اور ہر رات کو اُس کے آگے ناچتی تھی تاکہ وہ خوش ہو جس طرح کہ پہلے خوش ہوا کرتا تھا۔ یہ تھی تشریح اُس کی جو کہ نوعمر مسافر نے دیکھا تھا۔ نوعمر عورت بولی۔ "یہ بدتمیزی ہے کہ میں نے اپنے تھکے

ہوئے مہمان کو جگا دیا لیکن میں اُس وقت تک ٹھہری رہی جب تک مجھے اس کا یقین نہیں ہو گیا کہ آپ گہری نیند سو گئے۔ اُس سیڑھی میں بہت ہی ہلکے پیروں سے ناچی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ اس طرح غیر ارادی طور پر آپ کو تکلیف پہنچانے پر آپ مجھے معاف فرمائینگے۔"

جب اُس نے اپنی ساری رام کہانی سُنا دی تو اُس نے تھوڑی سی چاء تیار کی اور دونوں نے ساتھ بیٹھکر پی۔ اس کے بعد اُسنے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ "آپ دوبارہ سونے کی کوشش فرما کر مجھے ممنون کیجئے" اور اُسے بہت ہی معذرت کرتے ہوئے۔ کاغذی مچھردانی میں دوبارہ واپس جانا پڑا۔

وہ خوب آرام سے سویا اور دیر تک سوتا رہا۔ جب وہ جاگا تو سورج خوب چڑھ چکا تھا۔ اُٹھکر اُس نے دیکھا کہ کھانا تیار ہے اور اس وقت بھی کھانے میں اُسی قدر سادگی تھی جتنی کہ رات کو تھی۔ اُسے بھوک لگ رہی تھی مگر اُس نے جلدی ہاتھ کھینچ لیا اس خوف سے کہ اس کی خاطر تواضع میں اُس غریب عورت نے کہیں اپنا پیٹ نہ کاٹا ہو۔ پھر اُس نے چلنے کی تیاری کی لیکن جب اُس نے اُس آرام کی جو اُس نے اُٹھایا تھا اور اُس تکلیف کی جو اُس نے پہونچائی تھی قیمت ادا کرنی چاہی تو اُس نے ایک حبہ بھی لینے سے صاف انکار کر دیا یہ کہہ کر کہ "جو کچھ میرے پاس دینے کے لائق تھا اُس کی قیمت کچھ بھی نہیں تھی اور جو کچھ میں نے کیا وہ از راہ مہربانی تھا اور بس۔ اس لئے میں التجا کرتی ہوں کہ آپ اُس تکلیف کو بھول جانے کی کوشش فرمائیں جو آپ کو یہاں پہونچی اور اُس ہستی کی صرف نیک نیتی کو یاد رکھیں جس کے پاس پیش کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں۔"

اُس نے اُسپر بھی کوشش کی کہ وہ کچھ روپیہ قبول کرلے مگر یہ دیکھکر کہ اُس کے اصرار سے اُسے تکلیف پہونچتی ہے اُس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے رُخصت کی اجازت چاہی، لیکن دل میں ایک طرح کا غم بھی محسوس کر رہا تھا کیونکہ اُس کے حُسن اور اُس کی شائستگی نے اُس کے دل کو کچھ اس طرح موہ لیا تھا کہ اُس کا اقرار وہ سوائے اُس نوعمر عورت کے کسی اور سے نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے مہمان کو وہ راستہ بتایا جسپر اُسے جانا تھا اور اُسوقت تک اُسے کھڑی دیکھتی رہی جب تک کہ وہ پہاڑ پر سے اُتر کر آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ ایک گھنٹہ بعد وہ ایک ایسی شاہراہ پر پڑ گیا جس سے وہ بخوبی واقف تھا۔ اب ایکدم سے اُس کے دل میں ایک درد سا اُٹھا، وہ اپنا نام اُسے بتانا ہی بھول گیا۔ ایک لمحہ کیلئے وہ ٹھٹکا، پھر اپنے دل میں کہا "خیر تو مضائقہ کیا ہے؟ میں سدا غریب ہی رہونگا" اور وہ اپنا راستہ چلتا رہا۔

(۴)

کئی برس گزر گئے اور ان کے ساتھ ساتھ کئی فیشن بھی بدل گئے اور مصوّر بُوڑھا ہو گیا۔ لیکن بُوڑھے ہونے سے قبل وہ مشہور ہو گیا تھا۔ اُس کے کام کے کمال سے خوش ہو کر شہزادے اس کی سرپرستی کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے تھے۔ اس طرح وہ امیر ہو گیا اور شہنشاہوں کے شہر میں اُس کا ایک نہایت خوشنما ذاتی گھر تھا۔ نوخیز مصوّر جو کئی علاقوں سے آئے ہوئے تھے اُس کے شاگرد تھے اور اُسی کے ساتھ رہتے بھی تھے، ہر بات میں اُس کی خدمت کرتے تھے اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے اور اُس کا نام سارے مُلک میں مشہور تھا۔

اب یہ ہوا کہ ایک دن اُس کے گھر پر ایک بڑھیا آئی اور اُس نے کہا۔ کہ "میں آقا سے ملنا چاہتی ہوں" نوکروں نے یہ دیکھ کر کہ اُسکے کپڑے پھٹے پُرانے ہیں اور صورت بھی مصیبت زدہ لوگوں کی سی ہے۔ اُسے فقیرنی سمجھا اور اُس سے جھڑک کر بات کی۔ مگر جب جواب

میں اُس نے کہا کہ "میں سوائے تمہارے آقا کے کسی اور کو نہیں بتا سکتی کہ میں کیوں آئی ہوں"۔ تو نوکروں نے سمجھا کہ یہ کوئی دیوانی ہے اور اُسے یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ "وہ آج کل سائیکیو میں نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کب تک واپس آئیں گے"۔

لیکن وہ بڑھیا بار بار آتی رہی - دنوں اور ہفتوں مسلسل آتی رہی - اور ہر دفعہ اُسے کچھ نہ کچھ کہہ کر ٹال دیا گیا - کبھی کہدیا کہ "آج انکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔ کبھی یہ کہدیا کہ "آج وہ بہت مصروف ہیں"۔ یا "آج اُن سے بہت لوگ ملنے آئے ہیں اس لئے تم سے نہیں مل سکتے"۔

مگر اس پر بھی وہ برابر آتی رہی، روزانہ ایک ہی وقت پر آتی اور اُس کے ہاتھ میں ایک پھٹے پُرانے کپڑے میں لپٹی ہوئی میلی کچیلی سی پوٹلی ہوتی تھی۔ بالآخر نوکروں نے مناسب سمجھا کہ آقا سے اس کا ذکر کردیں چنانچہ انھوں نے آقا سے کہا "سرکار کے دروازے پر ایک بہت بوڑھی عورت کھڑی ہے اور فقیرنی معلوم ہوتی ہے - پچاس مرتبہ سے زیادہ وہ آچکی ہے، سرکار سے ملنا چاہتی ہے اور ہمیں سبب بتانے سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ صرف تمہارے سرکار کو اپنی خواہش بتا سکتی ہوں - ہم نے اُسے پاگل سمجھ کر لوٹا دیا - مگر وہ برابر آئے جاتی ہے۔ اس لئے ہم نے بہتر سمجھا کہ سرکار سے یہ بات عرض کردیں تاکہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ آیندہ کیا صورت اختیار کی جائے"۔

اس پر آقا نے تیزی سے جواب دیا کہ "تم میں سے ایک نے بھی مجھ سے اس کا ذکر پہلے کیوں نہیں کیا؟" یہ کہہ کر وہ خود دروازے پر گیا اور بہت نرمی سے بڑھیا سے بات کی، یہ یاد کر کے کہ کبھی وہ خود بھی غریب تھا - اور اُس سے پوچھا "کیا تم مجھ سے کچھ خیرات لینی چاہتی ہو؟"

مگر اُس نے جواب دیا کہ "نہ تو مجھے روپے پیسے کی ضرورت ہے اور نہ کھانے پینے کی - میری آرزو صرف یہ ہے کہ آپ مجھے ایک تصویر بنا دیں"۔ یہ سُنکر اُسے بہت تعجب ہوا اور اُس نے بڑھیا کو گھر کے اندر آنے کے لئے کہا - اس لئے وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوئی اور وہاں گھٹنوں کے بل جُھک کر اُس پوٹلی کی گرہیں کھولنی شروع کیں جو ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتی تھی - جب اُس نے اُسے کھول لیا تو مصوّر نے دیکھا کہ عجیب طرح کا قیمتی ریشمی جوڑا ہے۔ جس پر سونے کے کام کے بڑے بڑے پھول بنے ہوئے ہیں مگر وقت اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے بہت بدرنگ ہوگیا ہے ـــــ اگلے زمانے کے لباس کے گویا چیتھڑے سے تھے، شرابیوشی کی ایک پھٹی پُرانی پشوازتھی۔

جب بڑھیا نے ایک ایک کر کے کپڑوں کی تہ کھولی اور اپنی کپکپاتی ہوئی انگلیوں سے اُس کی شکنوں کو صاف کرنا شروع کیا تو آقا کے دل میں ایک یاد اُبھری، تھوڑی سی دیر کیلئے یہ دُھندلی یاد لرزی اور پھر ایک دم سے چمک کر روشن ہوگئی - یاد کے اُس ملایم سے جھٹکے میں اُس نے ایک بار پھر اُس پہاڑی جائے قیام کو دیکھا جس میں اُس نے بے دام و درم مہمان نوازی کا لُطف اُٹھایا تھا ـــــ وہ چھوٹا سا کمرہ جو اُس کے آرام کے لئے وقف کر دیا گیا تھا، کاغذی مچھردانی، بُدھ پرستشگاہ کے سامنے مدھم سا چراغ، اور بہت رات گئے ایک تنِ تنہا ناچنے والی کا غیر معمولی حُسن - پھر اُس بڑھیا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ وہ شخص جو شہزادوں کا مُنہ چڑھا تھا اُس کے آگے تعظیماً جُھک گیا اور کہنے لگا "میری اس بدتمیزی کو معاف فرمائیگا کہ میں نے آپکو پہچاننے میں ایک لمحہ توقف کیا - لیکن اِس بات کو چالیس سال گزرے کہ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا - اب مجھے خوب یاد آگیا - آپ نے ایک مرتبہ مجھے اپنے گھر مہمان رکھا تھا - آپ کے پاس صرف ایک بچھونا تھا اور وہی آپ نے مجھے دیدیا تھا - میں نے آپ کو ناچتے دیکھ لیا تھا اور آپ نے مجھے اپنی کہانی سُنائی تھی - آپ اُس سے پہلے شرابیوشی تھیں اور میں آپ کا نام بھی نہیں بھولا ہوں"

مصوّر نے اُس کا نام لیا - وہ اسقدر متعجب ہوئی اور گھبرائی گئی - کہ پہلے تو کوئی جواب ہی نہ دے سکی کیونکہ وہ بہت بوڑھی ہوگئی تھی

اور اُس کا حافظہ خراب ہو چلا تھا۔ لیکن مصوّر اُس سے زیادہ نرمی اور مہربانی سے باتیں کرتا رہا اور اُسے بہت سی وہ باتیں یاد دلائیں جو اُس نے کہی تھیں۔ پھر اُس گھر کی تفصیل بھی اُسے بتائی جس میں وہ اکیلی رہا کرتی تھی۔ آخرکار اُسے یاد آ ہی گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو بھر آئے اور وہ بولی "یقیناً اُس مقدس ہستی نے میری یہاں تک رہنمائی کی ہے جو دُعا کی آواز کو اوپر سے دیکھتی رہتی ہے لیکن جب ناکارہ غریب خانہ پر جلیل القدر آقا تشریف لانے تھے تو میں ایسی نہیں تھی جیسی کہ اب ہوں۔ اور مجھے تو یہ بڈھا اوتار کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ آقا نے مجھے پہچان لیا"

اس کے بعد اُس نے اپنی سیدھی سادی بقیہ کہانی سُنائی۔ زمانہ کی گردش کے ساتھ ساتھ وہ غریب ہوتی گئی یہاں تک کہ اُسے اپنے گھر سے بھی علیحدہ ہونا پڑا۔ اور اپنے بڑھاپے میں اُسے تنہا اُسی بڑے شہر میں آنا پڑا جس میں عرصہ ہوا اُس کا نام سب بھول چکے تھے اُسے اپنے گھر چھٹنے کا بہت غم تھا لیکن اس سے زیادہ صدمہ اس کا تھا کہ کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے روزانہ شام کو وہ اُس لوح کے آگے نہیں ناچ سکتی تھی اور اُس کی رُوح کو خوش نہیں کر سکتی تھی جس سے اُسے محبت تھی۔ اس وجہ سے وہ چاہتی تھی کہ اپنی تصویر بنوائے، ناچنے کی حالت میں اور ناچنے کی پشوازیں، تاکہ اسے لوح کے سامنے لٹکا دے۔ اس کے لئے اُس نے سچے دل سے کوان نون سے دُعا مانگی تھی۔ اُس نے آقا کو اس لئے تلاش کیا تھا کہ وہ تصویر بنانے میں سب سے زیادہ مشہور تھا کیونکہ مرنے والے کی خاطر اُس کی یہ آرزو تھی کہ اگر تصویر بنے تو معمولی نہ ہو بلکہ ایسی ہو جو اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہو۔ پشواز وہ اپنے ساتھ لیتی آئی تھی اس اُمید پر کہ جب وہ اسے پہن لیگی تو شاید آقا اُس کی تصویر بخوشی بنانے پر راضی ہو جائے۔

اُس کی ساری گفتگو آقا نے خندہ لبی سے سُنی اور جواب میں کہا "میرے لئے یہ عین مسرّت ہوگی کہ میں وہ تصویر بناؤں جو آپ چاہتی ہیں۔ آج مجھے کچھ کام ایسا ختم کرنا ہے جس میں تاخیر نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اگر آپ یہاں کل آئینگی تو جہاں تک میرے امکان میں ہے میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کی تصویر بنادونگا"

اُس نے کہا "لیکن میں نے آقا سے ابھی تک وہ بات نہیں کہی ہے جو مجھے پریشان کر رہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اتنی بڑی مہربانی کے معاوضہ میں سوائے اِس پشواز کو پیش کرنے کے میرے پاس اور کچھ نہیں ہے اور اب ان کی کوئی قیمت نہیں ہے گو ایک زمانے میں یہ بہت قیمتی تھی۔ پھر بھی مجھے توقع تھی کہ آقا اِسے بخوشی قبول کر لینگے اس خیال سے کہ اب یہ چیز نادر ہو گئی ہے، کیونکہ اب شمر ہوتی اسی نہیں ہوتیں اور اِس زمانے کی مائکو اِس قسم کے کپڑے نہیں پہنتیں۔"

نیکدل مصوّر نے کہا "اِسکا تو آپ مطلق خیال نہ کیجئے۔ نہیں مجھے تو خوشی ہے کہ میرے ہاتھ یہ موقع آیا اور اب میں اُس پُرانے قرضے کا کچھ حصہ اس طرح ادا کر سکونگا۔ تو کل میں آپکی خواہش کے مطابق آپکی تصویر بنا دونگا"

بُڑھیا تین مرتبہ اُس کے آگے تعظیماً جُھکی اور شکریہ ادا کرکے بولی "میرے آقا مجھے معاف فرمائیں کیونکہ مجھے ابھی کچھ عرض کرنا ہے۔ وہ یہ کہ میری آرزو یہ نہیں ہے کہ آپ میری ایسی تصویر بنائیں جیسی میں اب ہوں بلکہ ویسی ہی جیسی کہ میں جوانی میں تھی اور جیسا کہ آقا نے مجھے دیکھا تھا۔"

مصوّر نے کہا "مجھے خوب یاد ہے۔ آپ بہت حسین تھیں۔"

اُس کے جُھرّیاں پڑے ہوئے چہرے پر مسرّت کی چمک نمایاں ہوئی اور اُس کے یہ کہنے پر جُھک کر شکریہ ادا کیا اور بولی۔

"تو پھر جس کی مجھے آس تھی اور جس کے لئے میں دُعا مانگتی تھی وہ واقعی ہو جائیگا۔ کیونکہ آقا کو میری غریب جوانی یاد ہے اِس لئے میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ میری تصویر ایسی نہ بنائیں جیسی کہ میں اب ہوں بلکہ ویسی بنائیں جیسا کہ آقا نے مجھے دیکھا تھا اور بُوڑھی نہیں تھی اور جیسا کہ ابھی آقا نے فراخدلی سے فرمایا تھا بُری نہیں تھی۔ آقا مجھے پھر جوان بنا دیجئے۔ مجھے حسین بنا دیجئے تاکہ میں اُس کی روح کو بھی حسین نظر آؤں جس کی خاطر میں ناسُتحق آپ سے یہ التجا کر رہی ہوں۔ وہ آقا کی بنائی ہوئی تصویر دیکھے گی وہ مجھے معاف کر دے گا کہ اب مجھ سے ناچا نہیں جاتا"

ایک بار پھر آقا نے اُس کی تسلّی تشفی کی اور کہا "کل آئیے اور میں آپکی تصاویر بناؤنگا۔ میں آپکی بالکل ویسی ہی تصویر بناؤنگا جیسی کہ آپ اُس وقت تھیں جب میں نے آپکو دیکھا تھا — ایک جوان اور حسین شرابیوشی، اور میں اسکو اتنی احتیاط اور ہوشیاری سے بناؤنگا گویا ملک کے کسی امیر سے امیر آدمی کی تصویر بنا رہا ہوں آپ اِس میں مطلق شُبہ نہ کریں اور ضرور آئیں۔"

(۵)

بُوڑھی رقاصہ وقتِ مقرّرہ پر آئی۔ اور سفید نرم ریشم پر مصوّر نے اس کی تصویر بنائی۔ لیکن یہ تصویر اِس کی نہیں تھی جسکو آقا کے شاگرد دیکھ رہے تھے بلکہ اُس کی یاد کی تصویر تھی جیسی کہ وہ اپنی جوانی میں تھی، چڑیا کی طرح چمکدار آنکھیں، بانس کی طرح لچکدار تن بَدن کی طرح ریشم اور سونے کے کپڑوں میں آنکھوں کو چکا چوند کرنے والی۔ آقا کے موقلم کی سحرطرازی سے مِٹا ہوا حُسن ابھر آیا، مرجھائی ہوئی خوبصورتی پھر تازہ ہو گئی۔ جب کیکی مونو تیار ہو گئی اور اس پر آقا کی مُہر لگا دی گئی تو اُسے قیمتی ریشمی کپڑے پر منڈھ دیا۔ اور اُس میں صنوبر کی پھرکیاں اور ہاتھی دانت کے اوزان لگا دیئے گئے اور ایک ریشمی ڈوری ڈال دی گئی تاکہ تصویر لٹکائی جا سکے۔ اس تصویر کو آقا نے ایک چھوٹے سے سفید لکڑی کے بکس میں رکھ کر شرابیوشی کی نذر کیا۔ اور وہ اُسے روپیہ بھی بطور تحفے کے دیتا لیکن باوجود اصرار کے وہ اُس کے قبول کر لینے پر اُسے آمادہ نہ کر سکا۔ "نہیں"! اُس نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا "حقیقت یہ ہے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، مجھے صرف ایسی تصویر کی آرزو تھی۔ اِس کے لئے میں دُعائیں مانگتی تھی اور اب میری دُعا قبول ہو گئی ہے، اور میں جانتی ہوں کہ اِس زندگی میں مجھے کسی اور چیز کی آرزو کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور اگر اِس حالت میں کہ میری کوئی آرزو ہی نہ ہو میں مر جاؤں تو راہِ بُدھ اختیار کرنے میں مجھے کوئی دُشواری نہ ہو گی۔ صرف ایک خیال سے مجھے افسوس ہوتا ہے — کہ آقا کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے میرے پاس سوائے اِس لباس کے اور کچھ نہیں ہے اور وہ بھی ایسا کہ جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اِس کے باوجود میں التجا کرتی ہوں کہ اِسے قبول کر لیا جائے۔ اور میں جب تک جیونگی روزانہ دُعا کرتی رہونگی کہ آقا کی آیندہ زندگی ہنسی خوشی کی زندگی ہو کہ میرے ساتھ اتنا بڑا سلوک کیا"

"نہیں" مصوّر نے کہا "میں نے کیا ہی کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ رہی پیشواز۔ تو اگر اسی میں آپ کی خوشی ہے تو میں اُسے قبول کئے لیتا ہوں۔ اِسے دیکھکر اُس رات کی خوش گوار یاد تازہ ہو جایا کریگی۔ جو میں نے آپکے گھر میں گزاری تھی۔ جب آپ نے میرے لئے اپنا آرام اور اپنی راحت کو قربان کر دیا تھا۔ اور پھر آپ نے مجھ سے اُس کی قیمت بھی نہیں لی تھی۔ اُس مہربانی اور نوازش کی وجہ سے میں اپنے آپکو اب تک آپکا مقروض سمجھتا ہوں۔ لیکن ہاں، اب یہ تو بتائیے کہ آپ رہتی کہاں ہیں تاکہ میں اس تصویر کو وہاں خود پہنچا دوں"

لہ "سمادی دوشیزہ" بُدھ مذہب کا فرشتہ۔

مصوّر نے اپنے دل میں تہیّہ کر لیا تھا کہ اس غریب کی کوئی ضرورت اٹکی نہ رہے۔

مگر اُس نے بہت ہی خاکسارانہ الفاظ میں عُذر معذرت کی اور اُسے نہیں بتایا۔ صرف اتنا کہا کہ وہ جگہ اسقدر بُری ہے کہ آپ جیسی ہستی کے دیکھنے کے لائق نہیں ہے۔ پھر کئی بار تعظیماً جُھکنے کے بعد اُس نے بار بار مصوّر کا شکریہ ادا کیا، اور اپنا خزانہ لئے وہاں سے رُخصت ہوئی۔ آنکھوں سے خوشی کے آن[illegible] تھے۔

پھر آقا نے اپنے شاگردوں میں سے ایک کو آواز دی اور کہا "جلدی سے اُس عورت کے پیچھے پیچھے جاؤ مگر اس طرح جانا کہ اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ اُس کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور پھر مجھے آکر اطلاع دو کہ وہ کہاں رہتی ہے"! اس لئے وہ نوجوان اُس کے پیچھے پیچھے اس طرح ہو لیا کہ اُسے خبر نہ ہو۔

بہت دیر تک وہ واپس نہیں آیا۔ اور جب واپس آیا تو اس طرح ہنستا ہوا جیسے اُسے کوئی ایسی بات کہنی ہے جس کا بتانا ٹھیک نہیں۔ اُس نے کہا "آقا وہ عورت تو شہر سے باہر وہاں گئی جہاں دریا خشک ہو گیا ہے اور جہاں مُجرموں کو قتل کیا جاتا ہو۔ میں اُسکے پیچھے پیچھے گیا۔ وہاں مجھے ایک ایسی جھونپڑی نظر آئی جو صرف ایک اِیٹا ہی کے رہنے کیلئے مناسب ہے۔ اِسی جھونپڑی میں وہ رہتی ہے۔ وہ تو بالکل ہی اُجاڑ اور گندی جگہ ہے آقا"!

"خیر کچھ بھی ہو" آقا نے جواب دیا "کل تم مجھے اُس اُجاڑ اور گندی جگہ لے چلنا۔ جب تک میں زندہ ہوں اُسے روٹی کپڑے اور آرام کی کبھی شکایت نہ ہوگی"!

چونکہ سب متعجب ہو رہے تھے اِس لئے اُن سب کو اُس نے تسر ایموشی کی کہانی سنائی جس کے سُننے کے بعد انہیں اس کی باتوں پر تعجب نہیں ہوا۔

---(۲)---

اگلے دن صبح کو سورج نکلنے کے گھنٹہ بھر بعد آقا اور اس کے شاگرد نے آبادی سے باہر اُس جگہ کا رُخ کیا جہاں دریا خشک ہو گیا تھا اُس جگہ کا جہاں مُجرم قتل کئے جاتے تھے۔

جھونپڑی کا ایک پٹ کا دروازہ بند تھا۔ آقا نے اسے کئی دفعہ کھٹکھٹایا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ پھر یہ دیکھکر کہ اندر سے کُنڈی لگی ہوئی نہیں ہے اُسنے آہستہ سے اُسے سرکایا اور جھری میں سے آواز دی۔ کسی نے جواب نہیں دیا اور اُس نے سوچا کہ اندر چلا جائے۔ اِس کے ساتھ ہی فوراً اُسے ایک ایک بات یاد آگئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہی منظر پیشِ نظر ہے کہ وہ ایک تھکے ہوئے نوجوان کی طرح پہاڑیوں میں اُس تنہا جھونپڑے سے گھر کے دروازہ پر کھڑا اندر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے۔

چُپکے سے وہ اکیلا داخل ہوا اور دیکھا کہ وہ عورت وہاں سر سے پاؤں تک ایک ہلکی سی پھٹی پُرانی چادر میں لپٹی ہوئی لیٹی ہے۔ ایک بھدّی سی الماری میں اُس نے وہی لوح دیکھکر پہچان لی جو اب سے چالیس سال پہلے دیکھی تھی اور اب بھی پہلے کی طرح ایک چھوٹا سا چراغ اس کے سامنے جل رہا تھا۔ وہ تصویر جس میں رحم کی دیوی کے سر کے گرد چاند کا ہالہ تھا اب نہیں تھی، لیکن اُس دیوار پر جو پرستشگاہ کے بالمقابل تھی اس نے اپنا دیا ہوا تحفہ آویزاں دیکھا اور اُس کے نیچے ایک فیوداراتہیدو کو کوان نون کا فیوداراتہیدو کو کوان نون کا فیودا ـــ وہ کوان نون جس سے ایک دفعہ سے

---

[1] اس کا مندر نارہ میں ہے ـــ بُدھ کی سب سے بڑی مورتی والے مندر کے قریب۔

زیادہ دُعا مانگنی ناجائز ہو کیونکہ وہ صرف ایک ہی دفعہ دُعا قبول کرتی ہو۔ اس آجاڑ جھونپڑی میں اور کچھ نہیں تھا۔ صرف ایک جاتری عورت کے کپڑے تھے اور ایک فقیرنی کی لکڑی اور کشکول۔ لیکن آقا ان چیزوں کو دیکھنے کیلئے نہیں ٹھیرا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سونے والی کو جگادے اور اُسے خوش کردے اور اُس نے خوشی خوشی اُس کا نام لیکر دو تین دفعہ آواز دی۔ پھر ایکا ایکی اُسنے دیکھا کہ وہ مُردہ ہو اور وہ اسکے چہرے کو گھور گھور کر دیکھتا رہا اور متعجب ہوتا رہا کیونکہ اسپر بڑھاپے کے آثار کم نظر آرہے تھے۔ کچھ عجیب قسم کی مٹھاس اُسکے چہرے پر اُتر رہی تھی، گویا جوانی [illegible] جو اُسپر نمایاں معلوم ہوتا تھا۔ غم کی لکیریں مدھم پڑگئی تھیں اور جھریاں پُراسرار طریقے پر مٹ سی گئی تھیں ——— روحوں کے آقا کے چھونے سے جو اُس آقا سے بھی بڑا ہے۔

(لفکاڈیو ہیرن) ———— ۞ ———— شاہد

لئے سپاہی بن جاتے ہیں۔ یوں تو مڈل اسکولوں میں فوجی قواعد سکھائی جاتی ہے مگر ایک ہفتے کے لئے مدارس میں باری باری سے لڑکوں کو چھٹی ملتی ہو۔ وہ شہروں سے دُور گاؤں میں یا چھاؤنیوں میں دن رات رہتے ہیں اور فوجی قواعد کرتے ہیں۔ یہ تندرستی کے لئے بہت مفید ہے۔ اس سے صرف ہمارے جسم کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ ملک کی حفاظت کے لئے بھی نہایت بہتر طریقہ ہو۔

موسم خزاں نہ گرم ہوتا ہے نہ ٹھنڈا۔ یہ سال میں بہترین موسم ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس ٹرم میں طلبا سب موسموں سے زیادہ ترقی کرتے ہیں۔ دسمبر کے آخر میں دوسرا ٹرم ختم ہوتا ہے۔ بڑے دن اور نوروز کی تعطیلات سرما میں آتی ہیں۔ یہ بھی بڑی خوشی کا زمانہ ہے۔ ہر طرف سے سال نو مبارک کی صدائیں آتی ہیں۔ طلبا اپنے احباب کو مبارکباد کے کارڈ بھیجتے ہیں۔

تیسرا ٹرم طلبا کے لئے بڑا اہم ہوتا ہے۔ سخت سردی کا زمانہ ہوتا ہے اور تیز ہوائیں چلتی ہیں مگر طلبا محنت میں مصروف ہوتے ہیں کیونکہ سالانہ امتحان ہونے والا ہے۔ کچھ لڑکے امتحان میں کامیاب ہوکر فضیلت کا درجہ پاتے ہیں باقی درجہ چڑھتے ہیں۔

جاپان میں تعلیم کا اصول وہی ہے جو شاہی فرمان میں بتایا گیا ہے۔ یہ فرمان شہنشاہ میجی نے جاری فرمایا تھا۔ اب ہر مدرسے میں اس کے پڑھنے کی تقریب ہوتی ہے۔ جلسے میں طلبا کے سامنے بادشاہ اور ملکہ کی تصویر آویزاں کی جاتی ہے اور ڈائرکٹر صاحب فرمان پڑھ کر سُناتے ہیں۔ اُسے سُنکر طلبا دل سے محنت کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

جاپانی طلبا ہر بات شوق سے سیکھتے ہیں۔ پہلے ہمارے ملک میں بیس بال کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اب یہ ہمارا قومی کھیل جیسا ہوگیا ہے۔ ہندوستان نے ہاکی میں شہرت حاصل کی ہے تو جاپان نے تیراکی میں نام پایا۔

یہ قصہ بھی دلچسپ ہے۔ جاپانی تیراکوں کو اپنے ملک میں بہت شہرت حاصل تھی مگر غیر ملکوں کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۵ء اول اول جاپانی تیراک سائنگہائے گئے۔ پھر دوسرے ملکوں میں گئے۔ مگر مقابلے میں کبھی کامیاب نہ ہوئے۔ کیونکہ جاپانی اور غیر ملکوں کے تیرنے کے طریقے بالکل مختلف تھے۔ جاپانی طلبا اجنبیوں کا اچھا طریقہ سیکھنے کے لئے سرد موسم میں بھی مشق کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ کئی سال بعد نکلا۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں جب امریکہ میں اولمپک کھیل ہوئے تو جاپانی طلبا سب پر فتحیاب ہوئے۔ یہ کونسی تعجب کی بات ہو؟ جاپانی طلبا ہر کام دل سے کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کوئی چیز سیکھنے کا ارادہ کریں تو کامیابی حاصل کرکے چھوڑتے ہیں خواہ اُس میں کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔

جاپانی طلبا ہمیشہ سنجیدہ رہتے ہیں اور حوصلہ مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ صرف اپنے ذاتی فائدہ پر نظر نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کی بہتری کو ترجیح دیتے ہیں۔ ملک کی بہتری کا ہر لمحہ خیال رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سچے بہادر جاپانی طلبا نہ صرف ایشیا میں امن قائم کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرینگے بلکہ دُنیا کو صحیح آزادی دلانے اور اُسے پُرامن بنانے کیلئے آخر دم تک لڑتے رہینگے۔

(از جاپان) ———— ۞ ———— یوکیئے ساتو



مسٹر فضل حق قریشی دہلوی

Calcutta Art Press Delhi

نِہنگ نو بُنگا کُو

یعنے

جاپانی ادبیات

شوگینگ یعنی تمہید

جاپانیوں نے اپنے خیالات کو کاغذ پر منتقل کرنے کا ہُنر اپنے قریبی ملک چین سے سیکھا۔ لیکن اس کی صحیح تاریخ کا اندازہ لگانا محال ہے۔ بہت سے قیاسات لگائے گئے مگر شبہ کی گنجائش باقی رہی۔ تاہم ایک مستند مجموعہ سے جو سنہ ۷۲۰ء میں مُرتب ہوا کچھ کچھ پتہ چلتا ہے کہ حکومت کے ایماء پر سنہ ۶۸۱ء میں چند مورخین اس کام کے لئے نامزد کئے گئے کہ وہ منتشر حالات کو یکجا کریں جو اس وقت تک صرف لوگوں کے حافظے تک محفوظ تھے۔ اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگ جن کو پرانی باتیں یاد ہوتی تھیں شاہی مورخین کی حیثیت سے دربار سے متعلق ہوتے تھے۔ ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک تاریخی مجموعہ سنہ ۶۲۰ء میں مُرتب ہوا لیکن سنہ ۶۴۵ء کے ایک حادثۂ آتشزدگی میں جل کر خاک ہوگیا۔ بہرحال اصل واقعات کچھ بھی ہوں۔ اسوقت سب سے زیادہ قدیمی اور مستند کتاب جو دائرۂ وجود میں ہے سنہ ۷۱۲ء میں لکھی گئی تھی اسکی اصلیت کی تفصیل اُس کے دیباچے میں قلمبند ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سنہ ۶۷۳ء میں شہنشاہ تیمو سریر آرائے سلطنت ہوا تو اُس نے یہ کمی محسوس کی کہ شاہی اور دیگر امرائے سلطنت کے خاندانوں کے حالات بالکل منتشر حالت میں ہیں۔ اور چنانچہ اُس نے اُن کو مجتمع کرنے کا حکم نافذ کیا۔ اس کے دربار سے متعلق بعض ایسی خواتین بھی تھیں جو نہایت ذی فہم اور صاحب عقل و ہوش تھیں اُن میں سے ایک اپنے حافظے کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور تھی۔ اُس کا نام ہیئڈا انو آرے تھا۔ لہذا یہ کام اس کے سپرد کردیا گیا کہ عہدِ قدیم کی مخصوص روایات کو جمع کرے۔ اس کے ساتھ ہی ایک لائق کاتب کو بھی منتخب کیا گیا تاکہ وہ اُن واقعات کو تحریر کرتا رہے لیکن قبل اس کے کہ یہ کام ختم ہو سنہ ۶۸۶ء میں شہنشاہ کا انتقال ہوگیا۔ اور اُس کے جانشینوں نے اس کام کی اہمیت کا چنداں خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پچیس سال تک وہ تمام واقعات ہیئڈا انو آرے ہی کے دماغ میں محفوظ رہے۔ حتٰی کہ ملکہ گیمیو تخت نشین ہوئی اور اُس کے عہدِ حکومت میں یعنی سنہ ۷۱۱ء میں اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور یاسومارو نامی ایک کاتب نے وہ تمام واقعات کتابی شکل میں لکھے۔ اس مجموعہ کا نام "کوجیکی"[۱] رکھا گیا۔ یہ "آرکیک"[۲] زبان میں ہے جس کے حروف مختلف اشکال و تصاویر کے ذریعے ظاہر کئے گئے تھے۔ تاہم آواز و لہجہ کے لحاظ سے چینی زبان سے مشابہ ہے۔ اس مجموعہ میں جاپانی قوم کی آسمانی ابتداء، اُس کی تخلیق مع و جزائر جاپان کی سماوی تشکیل، بعض حکمرانوں کے حالات زندگی اور اُن کے عہدِ حکومت کے مخصوص واقعات مع تاریخ علم و ادب شامل ہیں۔ تقریباً تمام متن گیتوں کی شکل میں منظوم ہے۔ جس سے اُس زمانے کی طرزِ شاعری کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اس زمانے ہی میں جبکہ "کوجیکی" مرتب ہو رہی تھی اہلِ جاپان پر چینی تہذیب و تمدن کا بہت گہرا اثر پڑ چکا تھا۔ حتیٰ کہ قدیم زبان کو ترک کرکے چینی رسم الخط اور چینی زبان اختیار کرلی گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "کوجیکی" کی بہت زیادہ وقعت نہیں ہوئی اور صرف آٹھ ہی سال کے بعد ایک دوسرا مجموعہ مُرتب ہوا جو بالکل چینی طرز میں ہے۔ اس میں بعض چینی روایات بھی شامل کرلی گئی ہیں۔ اُس کا نام "نِحونگی"[۳] ہے۔ ایک لحاظ سے یہ کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ کیونکہ بیشتر حصہ وہی تھا جو "کوجیکی" میں ہے۔ کہیں کہیں معمولی ترمیم و تنسیخ ہوئی اور صرف طرزِ تحریر بدل دیا گیا۔

پروفیسر چیمبرلین نے لکھا ہے کہ اس تبدیلی کا یہ اثر ہوا کہ جاپانی بچوں کی تعلیم چینی زبان میں ہونے لگی۔ اور رفتہ رفتہ تہذیب و تمدن نے بھی وہ رنگ جمایا کہ جاپانی اپنے عہدِ قدیم کو بالکل بھول گئے۔

اب واقعات نے پھر پلٹا کھایا۔

سنہ ۸۰۴ء میں ایک بدھ پادری مسمی "کوکائی" نے جسے چین میں

---

[۱] یعنی قدیم نوشتے۔ اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں پروفیسر چیمبرلین نے کیا ہے۔ اور سلسلۂ تراجم ایشیاٹک سوسائٹی جاپان کی دسویں جلد میں شامل ہے۔

[۲] آرکیک اُن زبانوں کو کہتے ہیں جو قدیم ترین عہد میں تھیں مگر اب متروک ہوگئیں۔

[۳] یعنی کوائف جاپان۔

مطالعہ کرتے بہت عرصہ گذر چکا تھا۔ یہ کہکر ایک ہلچل مچادی کہ بُدھ مت اور شنتومت کی دیویاں بالکل یکساں ہیں اور چونکہ ہم اپنی تہذیب کے ساتھ ساتھ قدیم مذہب کو بھی بھلا چکے ہیں۔ اس لئے اب تک اس حقیقت کا علم نہیں ہوا۔ چنانچہ قدامت پسندوں کا ایک گروہ میدانِ عمل میں آگیا۔ اور پُرانی باتوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی سر توڑ کوشش ہونے لگی۔ لیکن قدیم جاپانی زبان کا سمجھنا چونکہ بہت مشکل تھا اس لئے کامیابی خاطر خواہ نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ موتوری نے ایک نئی ترکیب سوچی کہ زبان کا مروّجہ طرز قائم رکھتے ہوئے "کوجیکی" کی شرح لکھی اور اس کا نام "کوجیکی دِن؎۱" رکھا۔ پروفیسر چیمبرلین کا خیال ہے کہ یہ قابلِ قدر کتاب جاپانی ادبیات میں ایک غیر فانی شے ہے۔

شاہ توکوگاوا کے عہدِ حکومت میں جب ملک کے اندر قیامِ امن ہوا تو سترھویں صدی میں یہ کتاب عمدہ پیمانے پر شائع ہوسکی۔ اسی دوران میں آئی یاسو نے اپنی زندگی بعض قلمی نُسخے جمع کرنے کے لئے وقف کر دی۔ جو ملک کے مختلف حصوں میں نہایت کس مپرسی کی حالت میں ضائع ہو رہے تھے۔ شہر "شیزوکا" میں اُس نے ایک لائبریری قائم کی جو اب بھی جاپان کی سب سے بڑی لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ مرتے وقت اُس نے جاپانی ادب کا حصہ اپنے آٹھویں لڑکے کے نام چھوڑا۔ آئی یاسو کا پوتا جب اس لائبریری کا مالک ہوا تو اُس نے مزید قلمی نسخے جمع کئے جو بُدھ مذہب کی بعض قدیم خانقاہوں میں خراب حالت میں پڑے تھے۔ اور علماء کی ایک جماعت مقرر کرکے نہایت جامع کتاب لکھوانی شروع کی۔ پہلے اُس کا نام "دائی نحو نشی" رکھا گیا۔ اُس کی دو سو چالیس جلدیں تھیں لیکن زمان بعد اضافہ ہوتا رہا اور پوری پانچ سو جلدیں ہوگئیں۔ بادشاہ وقت نے سرپرستی کرتے ہوئے اُس کا نام "ریگی رئیتن؎۲" رکھدیا۔

تاریخِ اشاعت ۱۸۴۷ء ہے۔ قدیم علم و ادب۔ فنون اور دیگر معلومات کے متعلق یہ سب سے زیادہ مستند مجموعہ ہے۔ اور آج اس کو پیشِ نظر رکھے بغیر جاپان کے کسی شعبۂ علم کا صحیح مطالعہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد اور بھی ضخیم مجموعے مرتب ہوئے مگر وہ سب "ریگی رئیتن" کے نقوشِ ثانی تھے اس لئے قابلِ وقعت نہ ٹھیرائے گئے۔

اِس مختصر تمہید کے بعد میں جاپانی ادبیات کے مختلف شعبوں پر علیحدہ علیحدہ مگر سرسری نظر ڈالوں گا۔ اس سے قبل "ساقی" اور دیگر رسائل میں جاپان سے متعلق چند مضامین شائع ہو چکے ہیں لیکن شاید ادبیات کے موضوع پر کسی نے تفصیل کے ساتھ اظہارِ خیال نہیں کیا۔ اِس لئے مجھے خوشی ہے بلکہ ایک حد تک فخر ہے کہ اِس ادبی کاوش کی اوّلیت میرے نام کے ساتھ ہے۔

اُتا یعنی شاعری

شاعری کو دُنیائے حقیقت سے بہت کم سروکار ہوتا ہے کیونکہ وہ خالص انفرادی تخیل کی تشکیل ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ انسان کا تخیل اُسکے وطنی ماحول اور قدرتی فضا کے تابع ہوتا ہے۔ اس لئے جاپانی شاعری کا مطالعہ کرنے سے قبل جاپانیوں کی ذہنیت کا اندازہ لگانا ضروری ہے اور غیر مناسب نہ ہوگا اگر وہاں کی آب و ہوا اور جغرافیائی حالات پر بھی ایک نہایت سرسری نظر ڈال لی جائے تاکہ جاپانی فطرت کی نرالی خصوصیتیں اور جاپانی دل و دماغ کی نادرالوجود کیفیتیں اچھی طرح سمجھ میں آجائیں۔

قدیم جاپانیوں کا اصلی وطن چین ہے، جو اپنے ملک کی شدید سردی سے تنگ آکر ترکِ وطن کے لئے مجبور ہوگئے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب جاپان کی حدیں چین کی سرحدوں سے ملی ہوئی تھیں۔ اور نقلِ مکان کے لئے کسی بحری قطعہ کو عبور کرنا ضروری نہیں تھا۔ اگرچہ جاپانی اپنی نسل کے متعلق عجیب و غریب روایات بیان کرتے ہیں۔ جن کی تفصیل مذکورہ بالا "کوجیکی" میں ہے اور میں بھی آگے چل کر بیان کروں گا مگر وہ محض توہمات ہیں۔ چنانچہ خصائل کے لحاظ سے جاپانی اپنے ہمسایہ چینیوں سے بہت مشابہ ہیں اور مذہبی اعتقادات بھی تقریباً یکساں ہیں۔ اگرچہ جاپان میں بھی شدید خنکی ہوتی ہے مگر چین کے مقابلہ میں کسی قدر کم ہے۔ اسی سرد آب و ہوا کے باعث اُن کی طبیعت میں غصہ بہت کم ہوتا ہے۔ دوسروں کی باتیں جلد تسلیم کر لیتے ہیں۔ کسی قدر قدامت پسند ہیں۔ ملک کے زلزلے۔ پہاڑوں کی آتش فشانیاں۔ بادوباراں کے طوفان۔ سمندروں اور دریاؤں کی طغیانیاں۔ اور حشرات الارض کی ایذا رسانیاں اُنھیں کبھی چین کی زندگی بسر کرنے نہیں دیتیں۔ لیکن اُن کی فطرت ان مصائب و آلام کی اس درجہ عادی ہوگئی ہے کہ بقولِ غالب ان تمام مشکلات کا جھیلنا اُن کے لئے آسان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی اسی انتشار کا نام ہے۔ چنانچہ سب رجائیت پسند ہیں اور کائنات کے ہر ذرّے میں اُنھیں مسرت و شادمانی کے دریا امنڈتے نظر آتے ہیں۔ ملک میں زلزلہ آتا ہے تو اُس کے جھٹکوں کو وہ تبسمِ قدرت کے ارتعاشِ عظیم سے تعبیر کرتے ہیں۔ شق الجبال اور اُس وقت کی آتش باریاں اُن کے نزدیک

؎۱ یعنی قدیم نوشتوں کی شرح ؎۲ یعنی قوانینِ رسوم۔

عبارت ہیں زرخیزی کوہ کے جوشِ نمو اور بہار کی دیوی کی اُن گل افشانیوں سے جن کو وہ موسمِ خزاں ہی سے شروع کر دیتی ہے[1] - اور اسطرح اُن پہاڑوں سے نکلی ہوئی "عدنیات" گویا نعم البدل بن جاتی ہیں اُن کی تباہی و بربادی کا - غرض یہ کہ وہ ان شاعرانہ خیالات سے اپنی ہر مصیبت کو راحت میں بدل لیتے ہیں - اور اس طرح انہیں آلام حیات کا بہت کم احساس ہوتا ہے -

یہی تمام حوادث اور دیگر مظاہر قدرت اُن کیلئے موضوعِ شعر ہیں اُن کا دعویٰ ہے کہ اُن کی وطنی شاعری جس کا سرچشمہ خود اُن کا دل ہے - وقت اور جگہ کے تعینات سے قطعی آزاد ہے - اُن کے اشعار عندلیبِ چمن کے جانفزا نغموں، تالاب کے کنارے ٹرانے والے مینڈکوں کی لذت فروز آوازوں اور رات کے وقت شور مچانے والے جھینگروں کے ترانوں سے ہمنوا ہوتے ہیں اور اپنی محض تخیلوں سے حسن زیبائی کی دیویوں اور عشق و محبت کے دیوتاؤں تک کو متاثر کر دیتے ہیں - وہ عورت و مرد کے باہمی تعلقات کو پرخلوص اور لطیف بنا دیتے ہیں کیونکہ عموماً اُن کی منکوحہ بیوی ہی اُن کی محبوبہ ہوتی ہے - اُس کی عارضی جدائی سے وہ مغموم اور اسی کے قرب سے مسرور ہوتے ہیں - مثلاً ؎

"اُس رات جب میں اپنی پیاری بیوی کے ساتھ
جو آج مجھ سے کوسوں دور ہے - موتی جڑے ہوئے
تکیے بدل کر آسودۂ خواب[3] تھا - تو میری آرزو
تھی کہ مرغِ سحر کبھی بانگ نہ دے - خواہ دن
کتنا ہی نکل آئے"

رات کو چمکنے والے جگنو آسمان سے ٹوٹے ہوئے ستارے ہیں جو مادی ماحول کی بے لطفیوں سے اُکتا کر اس دُنیا میں تحصیلِ سکون کے لئے آ گئے ہیں ؎

اے حسین جگنو! آسمان کے تارے! تو نرم و نازک گھاس پر محوِ خواب ہے - یہاں شبنم کے لطیف آنسو پیغامِ سکون دیتے ہیں"

جاپانیوں کی شاعرانہ فطرت اور ذہنی کیفیات کا مختصراً جائزہ لینے کے بعد اصل نفسِ موضوع کی طرف رجوع کرنا مناسب ہے - اس ضمن میں شاعری کی تاریخ اور شاعری کے اصول کو مدِنظر رکھنا بھی ضروری ہے -

---

قدیم زمانے میں جب غیر ممالک کے لوگوں کے ساتھ جاپانیوں کا میل جول مطلق نہ تھا وہ اپنے کلام کو محفوظ رکھنے کے عادی نہ تھے - اُن کا خیال ہے کہ انھوں نے شاعری ان دیویوں اور دیوتاؤں سے سیکھی ہے جو آسمان و زمین کے دائرۂ وجود میں آنے سے بھی قبل کسی دوسری دُنیا میں گیت گاتے تھے - اس دورِ اولین میں شعر و شاعری کا اس قدر چرچا تھا کہ تمام لوگ اس فنِ لطیف کو زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ سمجھتے تھے - ہر پیشے اور صنعت و حرفت کے لوگ اس میں حصہ لیا کرتے تھے - جگہ جگہ مشاعرہ کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں - اور باکمال شعراء اس میں شرکت کرکے دادِ سخن لیتے تھے - اس ضمن میں جاپان کے زبردست ادیب اور شاعر **سرایو** کی کے مندرجہ ذیل الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں :-

"عہدِ قدیم میں ہمارے ملک کے حکمران اور دیگر اصحابِ ثروت موسمِ بہار کے پرلطف اور درخشاں ایام میں یا موسمِ خزاں کی خوشگوار چاندنی راتوں میں محافلِ مشاعرہ منعقد کرتے تھے - شاعر صنفِ نازک کے سینے کو فوجی[2] کی چوٹیوں اور اُن کے لبریز محبت دل کے شعلوں کو فوجی کے کبھی سکون نہ پانیوالے شراروں سے تشبیہ دیتے تھے - بہار کے موسم میں رنگ برنگ کے پھول دیکھ کر اور خزاں کی سہانی اور پُرسکون راتوں میں پتوں کے گرنے کی آواز سنکر متاثر ہو جاتے تھے - ایک طرف ناشگفتہ کلیوں کی دوشیزگی اور نیم وا غنچوں کی معصومیت اور دوسری طرف بانس کے درختوں میں ہوا کے جھونکوں کی سرسراہٹ اور جھینگروں کا شور اُن کے لئے الہام بن جاتا تھا - وہ گھاس کی پتیوں پر جڑے ہوئے شبنمی موتیوں اور سطحِ آب پر نمودار ہونیوالے حبابوں سے زندگی کا سبق لیتے تھے"

اُس عہد میں اپنے خیالات کو کاغذ یا کسی دوسری چیز پر منتقل کرنیکا

---

[1] آتش فشاں پہاڑوں اور زلزلوں کے حادثات زیادہ تر اسی موسم میں رونما ہوتے ہیں کیونکہ ان دنوں زمین کا آتش گیر مادہ پورے جوش پر ہوتا ہے - عصرِ جدید میں جاپان کا سب سے زیادہ ہولناک اور تباہ کن زلزلہ یکم ستمبر ۱۹۲۳ء کو بمقام ٹوکیو آیا تھا -

[3] جاپانی میاں بیوی جب خلوت میں مل کر سوتے ہیں تو ایک دوسرے کا تکیہ بدل لیتے ہیں جس کا مقصد خلوص و محبت کا اظہار ہے -

[2] جاپان کا ایک آتش فشاں پہاڑ جو کچھ عرصہ سے سرد ہے - قدیم زمانے میں اُسکا وجود بہت تباہ کن تھا - جاپانی لوگ کہتے ہیں کہ جو فوجی کی چوٹی پر ایک بار نہ چڑھے بڑا احمق ہے اور جو دو بار چڑھے وہ سب سے بڑا احمق ہے - مطلب یہ کہ دور سے نہایت دلکش اور خوبصورت معلوم ہوتا ہے اس لئے ہر شخص کا جی چاہتا ہے کہ اُسکی چوٹی پر جا کر سیر کی جائے لیکن راستہ کی تکالیف ہوش گم کر دیتی ہیں اس لئے دوبارہ جانے والا یقیناً احمق ہے اس کی بلندی سطحِ سمندر سے ۱۲۳۹۰ فٹ ہے -

دستور نہیں تھا۔ وہ شعر کہتے، زیر لب گنگناتے رہتے اور صرف اپنے دل کو خوش کر لینے کے بعد بھول جاتے یا مشاعروں میں دادِ سخن سے چکنے کے بعد یہ سمجھتے کہ ہماری کاوش کا صلہ مل گیا ہے اور اس لئے اُن کو لوحِ قلب سے محو ہوجانے دیتے۔ گویا اُن کا کلام اُس نجدی مجنوں کی طرح تھا جو اپنے اشعار زمین پر لکھتا اور مٹاتا جاتا تھا۔ یا نقوش برآب تھے کہ موج آئی اور اپنے ساتھ بہا کر لے گئی۔ تاہم اُس زمانے کے بعض گیت جو مشہور ہو کر عوام کو یاد رہ گئے تھے بعد میں قلمبند کر لئے گئے اور آج بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں

اُس وقت اُن کی شاعری ترجمانِ فطرت تھی اور ہر شعر دل کا وہ صحیح جذبہ تھا جو انتہائے جوش میں انسان کے لبوں پر آکر الفاظ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے اُن کا کلام بحر و عروض اور ردیف و قافیہ کی پابندیوں سے قطعی بے نیاز تھا۔ بعض اوقات وہ دل کی ایک پوری داستان ہوتی تھی مثلاً :-

"میں تیرے فراق میں آنسو بہا رہی ہوں۔ اگر اسوقت
کوئی راہ چلتا مسافر مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ میری آہ وزاری
کی وجہ کیا ہے تو پھر تو ہی بتا کہ اُسے کیا جواب دوں؟
کیا اُس سے کہدوں کہ اس چاند کو دیکھنے کے لئے
تڑپ رہی ہوں جو سامنے کی پہاڑی کے عقب
سے ابھی ابھی طلوع ہونے والا ہے — ممکن ہے
وہ باور کرلے اور چلا جائے۔ مگر میرا دل! — کیا
اسے بھی تسکین ہوجائے گی ؟[1]"

اور کبھی اتنے مختصر کہ شکل سے ایک جملہ کہا جاسکے۔ مثلاً

"آہ! برف کی سرد مہریاں اور پھولوں کی پژمردگی"۔

گویا ان کی وہ شاعری ایک قسم کی نثریہ شاعری تھی۔ لیکن بحر و عروض نہ ہونے کے باوجود اُس میں اتنا ترنم ہوتا تھا کہ ہر سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔[2]

اس کے بعد چند شاعروں نے محسوس کیا کہ اُن کے جن گیتوں میں اتفاقیہ طور پر علی الترتیب پانچ اور سات "بول[3]" نظم ہوئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سحر انگیز اور مؤثر ہیں۔ یعنی اس طرح کہ پہلے مصرعہ میں پانچ "بول" اور دوسرے میں سات۔ اُس وقت اُنھوں نے مناسب سمجھا کہ شاعری کے لئے کچھ اصول مقرر کر کے اُسے ایک فن کی حیثیت دیدی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ جدّت آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں رونما ہوئی۔ اور مستند اساتذہ کے فیصلہ کے مطابق جدید شاعری کو چار مختلف اقسام کی بحروں کے ماتحت پابند کردیا۔ آج تک انہی اصولوں کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس سے کسی نوع کی پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی کیونکہ وہ پابندیاں ایسی سخت نہیں ہیں کہ اُن کا لحاظ رکھنے میں اظہارِ جذبات کے اندر کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ البتہ پہلی سی بے ساختگی نہیں رہی۔ لیکن یہ فائدہ ہوا کہ نظم اور نثر میں امتیاز پیدا ہوگیا۔ ورنہ ادب کے ان دو شعبوں کے درمیان کوئی حدِّ فاصل نہیں تھی۔ وہ چاروں قسمیں اپنے موضوعات کے لحاظ سے بھی مختلف ہیں۔

۱۔ "ہوکو"۔ اس نظم کو صرف تین مصرعے ہوتے ہیں اور تینوں مصرعوں کے "بولوں" کی کل تعداد سترہ مقرر ہے۔ یعنی پہلے میں پانچ، دوسرے میں سات اور تیسرے میں پھر پانچ۔ یہ طرز محاکات کے لئے مخصوص ہے۔ اسمیں ایسی لفظی تصویر پیش کی جاتی ہے کہ اس سے کوئی دیکھی ہوئی یا محسوس کی ہوئی شے نظر کے سامنے آجائے۔ یا کسی گذشتہ واقعہ کی یاد اس طرح تازہ ہوجائے گویا وہ ابھی وقوع پذیر ہوا ہے۔ مثلاً :-

چاول کے ایک پودے کی بال
جھک گئی بوجھ سے، کیونکہ ایک
ٹکوڑا[4] اُس پر آبیٹھا۔

یا ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو :-

میری ماں کے گھر میں ریشم کے کیڑے
اپنے خولوں میں تنہا۔ اور میں بھی
اسی طرح تیری یاد میں تنہا۔ اُداس

اس طرز کا سب سے مشہور شاعر باشو[5] ہے جو ۱۶۴۴ء میں پیدا ہوا تھا پچاس سال کے عرصۂ حیات میں اُس نے جو کچھ کلام چھوڑا۔ وہ

---

[1] بالکل یہی خیال ٹیگور نے اپنی ایک نظم میں پیش کیا ہے۔ اور دونوں میں اسدرجہ یگانگت ہے کہ معلوم ہوتا ہے گویا ٹیگور کی نظم جاپانی نظم کا نقش ثانی ہے [2] اسکی مثال لوریوں کے ضمن میں دیکھئے [3] لفظ کے ہر اس ٹکڑے کے لئے جو بلحاظ صوت ایک علیحدہ جزوی حیثیت رکھتا ہو۔ میں نے اصطلاحی نام "بول" استعمال کیا ہے یعنی انگریزی میں جسے "سلیبل" کہتے ہیں جاپانی لفظ "تسوذومی" ہے۔ یہ اصطلاح کچھ بھلی معلوم نہیں ہوتی مگر اس سے بہتر لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔ اسے "اجزائے صوت" کہہ سکتے ہیں مگر مرکب اصطلاح سے اجتناب ہی بہتر ہے۔
[4] جاپانی لفظ "تومبو" ہے جو کیڑے کی قسم کے پردار جانور ہوتے ہیں بعض نہایت خوبصورت ہیں اور بھونرے کی طرح اُڑتے وقت بھنبھناتے ہیں [5] جاپانی زبان میں باشو کیلے کو بھی کہتے ہیں۔

اس قدر زیادہ اور موثر ہے کہ وہ اپنی ہستی کو ہمیشہ کے لئے ناقابلِ فراموش بنا گیا۔ قلب کی نادرالوجود کیفیات کو وہ نہایت مختصر الفاظ میں بیان کر دینے کا ملکہ رکھتا تھا اور اسی لئے اُس نے "ہوکو" طرزِ شاعری اختیار کی۔ اُسنے اپنی ہر نظم میں ایک مختصر بات کہی اور سننے والے کو بہت کچھ سوچنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔ جاپانی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت کہ اسمیں اصل بیان سے کئی گنی زیادہ ایمائی کیفیت پنہاں ہوتی ہے۔ باشو کے کلام میں نہایت اعلیٰ طریقہ پر جلوہ گر ہے[1]۔ اُس کی بعض نظمیں غالب کے پیچیدہ اشعار کی طرح ناقابلِ فہم اور ایک حد تک بے معنی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آتیں تاوقتیکہ اور بہت سی باتوں کو اُن سے پہلے نہ سمجھ لیا جائے۔ حیاتِ انسانی کے متعلق اُسکی ایک نظم ہے:-

جلد جلد مترشح ہونے والی شبنم
مجھے پاک کر لینے دے اپنے سے
یہ گناہ آلود زندگی -

پانی ہر شے کو پاک وصاف کر دیتا ہے۔ خواہ وہ انسان کا جسم ہو یا اُس کے پہننے کا لباس۔ لیکن دریا کا پانی جس میں ہزاروں شہروں کے گندے نالے آکر ملتے ہیں خود حقیقی معنوں میں پاک نہیں ہوتا۔ یہی صورت چشمہ کے پانی کے ساتھ ہے۔ زمین کے اندر نامعلوم چیزیں اسمیں حلول ہوتی ہیں۔ اور ممکن ہے اُن میں کوئی ناپاک شے بھی ہو۔ کپڑا یا جسم ایسے پانی سے پاک ہو سکتا ہے لیکن زندگی یا روح کی پاکیزگی کے لئے جو بذاتِ خود بہت لطیف شے ہے شبنم سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ پانی جب بخارات بن کر اُڑتا ہے تو کوئی دوسری مادی شے اُس میں کسی لحاظ سے آمیز نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اُس میں گویا ذائقہ تک نہیں ہوتا۔ نیز تمام مذاہب کے اعتقادات کے مطابق پانی جل کر بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اور انہی بخارات سے مترشح ہونے والی شے کا نام شبنم ہے، جو ہر طرح منزّہ و مطہر ہے۔ زندگی کی آلودگیاں اِسی سے پاک ہو سکتی ہیں۔ باشو نے بارش کے قطروں کو بھی نہیں لیا کیونکہ قطراتِ شبنم کی طرح ہونے کے باوجود اُن میں پھر بھی فرق ہے۔ باد و باراں میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور ممکن ہو سکتا ہے کہ آندھی کے غبار نے ان قطروں کو زمین تک پہونچنے سے قبل نجس کر دیا ہو۔

ایک دوسری نظم ملاحظہ ہو:-

اے جھینگر! تیرے مسرور راگ سے
کوئی شخص ہرگز قیاس نہیں لگا سکتا
کہ تجھے اتنے جلدی مرجانا ہے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو بچے کم سِن ہی مرجاتے ہیں وہ اپنی زندگی میں نہایت شوخ و ذہین ہوتے ہیں اور بعض ایسی پیاری باتیں کہجاتے ہیں کہ اُنھیں یاد کر کرکے والدین خون کے آنسو رو تے ہیں۔ یہی حال جھینگر کی زندگی کا ہے۔ جتنی مختصر اتنی ہی پُرمسرت۔ یہ قدرت کا فریبِ عمل ہے۔ کیونکہ فضائے مسرت تو مُمدِّ حیات ہے اور جھینگر کو بہت عرصہ زندہ رہنا چاہئے۔ لیکن برعکس ہوتا ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عمر کی کمی وبیشی کا انحصار کسی ذی حیات کی ظاہری حالت پر نہیں ہوتا۔ دولت و ثروت جاہ و جلال یا آرام و آسائش زندگی کے لمحات میں اضافہ نہیں کرسکتے ورنہ بادشاہوں کی عمر فقیروں سے زیادہ ہوا کرتی۔ یا سوکھی روٹیاں کھانے والے۔ اعلیٰ اغذیہ کھانے والوں سے پہلے مرجاتے۔

یا ایک تیسری نظم ملاحظہ ہو:-

پیاری چڑیا! مت کھا، میں منت کرتا ہوں
ان ننھی بھنبھناتی ہوئی مکھیوں کو جو کھیل
رہی ہیں سہرے پھولوں کے درمیان -

ہر چند جہد للبقا کے اصول کے مطابق ہر بڑی قوت چھوٹی قوت کو فنا کر دیتی ہے اور چڑیوں کا مکھیوں کو ہضم کر جانا عین اقتضائے فطرت ہے مگر باشو جو بدھ مت کا پیرو تھا یہ گوارا نہیں کرتا کہ ذاتی مفاد کے لئے کسی دوسرے جاندار کو ہلاک کر دیا جائے اور وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ وہ پوری مسرت کے ساتھ پھولوں کی جانفزا آغوش میں کھیل رہی ہوں کوئی دوسرا شخص ہوتا تو مکھیوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے چڑیا کو اُڑا دیتا۔ لیکن شاعر جس کے دل کی کیفیات عام سطح سے بلند ہوتی ہیں منت پذیری کا اظہار کرتے ہوئے التجا کرتا ہے تاکہ چڑیا نادم ہو کر خود اُڑ جائے۔ اَب اِس نظم کو اگر انسان کی زندگی پر منطبق کرکے سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ استعارہ ہے ہر بڑی اور چھوٹی قوت کی درمیانی جدوجہد کا۔ اور اس طرح شاعر کا پیام کس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہو جاتا ہے۔

ایک اور نظم پیش کرتا ہوں جس میں ایمائی کیفیتیں اسقدر زیادہ ہیں کہ جتنا سوچا جائے اتنی ہی باریکیاں نکلتی ہیں۔ اور انسان کا ذہن کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے۔

[1] یہ ایمائی کیفیت صرف شاعری ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ناول اور افسانے بھی اسی رنگ کے ہوتے ہیں۔ معاشرتی زندگی میں الوداعی جملہ کو لیجئے۔ وداع کرنیوالا "سایونارا" کہتا ہے یعنی "خدا حافظ"۔ لیکن اس کے لفظی معنی ہیں "اگر یہی ہونا ہے تو" یعنی جملہ شرطیہ ہے مگر ناتمام گویا وداع کے وقت اسقدر رنج ہے کہ جملہ پورا کرنے کی بھی تاب نہیں اور جانیوالے کو یہ سوچنے کا موقع دیا جاتا ہے کہ قسمت میں جدائی ہے اس لئے جدا ہو رہے ہیں اور اگر یہی ہونا ہے تو خدا نگہبان ہے۔

قدیم میدانِ کارزار - دوبارہ موسم بہار کے پھولوں سے شاداب
یہی جملہ کائنات ہے اس خواب کی تعبیر
بیس ہزار جنگجو سورما جو ہلاک ہوئے -

یعنی جس میدان میں ہزاروں سپاہی ہلاک ہوئے تھے موسم بہار کے تے ہی وہاں گل فشانیاں ہونے لگیں - حالانکہ قدرت کو چاہئے تھا کہ اُن بادروں کے سوگ میں دوسرے سال موسم بہار نہ آتا یا کم از کم اُس جگہ شادابی نہ ہوتی - لیکن قدرت کا یہ نظام کہ ایک کی فنا پر دوسرے کی بقا نحصر ہے بالکل اٹل ہے اور شادی کی محفل صف ماتم کے ساتھ ساتھ ہے

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

اُن ہزاروں سپاہیوں میں جوان بھی تھے بوڑھے بھی اور خدا انے کس کس شان کے تھے - لیکن اب ان سب کو صرف بیس ہزار کے نام سے دکیا جاتا ہے اور یہ خواب کی سی باتیں ہیں کیونکہ وہاں اب نہ ان کے زخموں ے ٹپکا ہوا خون ہے اور نہ فضا میں اُن کی صدائے دلخراش کی گونج - وہاں بُل کے نغمے ہیں اور پھولوں کا تبسم -

بادشاہ جس کو فتح ہزاروں سپاہیوں کی ہلاکت کے بعد میب ہوئی، آج مسرت و شادمانی کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے - اگر س کو کبھی ان خونریزیوں کا خیال بھی آتا ہے تو خواب کی طرح جس کے نقوش جم ہوتے ہیں - اس بہار کو خواب (جنگ کی تعبیر بتانا شاعر کی عمیق النظری ہر کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جاپانی رجائیت پسند ہوتے ہیں -

۱۹۱۶ء میں اِس باکمال شاعر نے دنیا کو خیرباد کہا -

صنفِ نازک میں سے چی یو نامی ایک شاعرہ دَورِ متوسط میں دی ہے - اُس کی بہت سی نظمیں اسی طرز میں مشہور ہیں جو لحاظِ جذبات ی نہایت اعلیٰ ہیں - اُن میں سے چند میری نظر سے گذریں - میں نے صرف ے کو منتخب کیا اور سمجھتا ہوں کہ یہی ایک اس شاعرہ کے لئے سرمایۂ حیات ہے س نے اپنے کمسن بچے کی اچانک موت سے متاثر ہو کر لکھی تھی - بطور یادگار اصل نظم بھی نقل کئے دیتا ہوں -

" تومبو شوری ژو
کیو وا دوکو مادی
اِتّا یوما "

(ترجمہ :- مکوڑے پکڑتے ہوئے - مجھے سخت تعجب ہو رہا ہے - آج کہاں چلا گیا)

اِس نوحۂ غم میں ایمائی کیفیت کس درجہ پنہاں ہے، عام دستور

کہ جب کسی چھوٹے بچے کے ماں یا باپ کا انتقال ہو جاتا ہے تو عزیز و اقارب اسے تسکین دینے کے لئے یہ کہکر ٹال دیتے ہیں کہ علاج کی غرض سے ہسپتال چلے گئے ہیں، یا تمہارے لئے کھلونے لینے گئے ہیں - وغیرہ - لیکن اگر عزیز بچے کا انتقال ہو جائے تو ماں باپ کو کس طرح تسکین دی جائے - ماں اچھی طرح جانتی ہے کہ اُس کا بچہ مر گیا ہے مگر یہ فرض کر کے کہ وہ حسبِ معمول دوسرے بچوں کے ساتھ تیتریاں اور خوبصورت مکوڑے پکڑنے گیا تھا - وہ اظہارِ استعجاب کرتی ہے کہ آج ابھی تک واپس کیوں نہیں آیا - کہاں چلا گیا - خود فریبی سہی مگر کس انداز میں تسکینِ خاطر ہو رہی ہے - گویا اپنے لطیف شغل سے فرصت پانے کے بعد بچے کے واپس آنے کی امید ہے -

اِسی بحر میں ایک اور نظم میرے پیشِ نظر ہے جو کسی گمنام شاعر کے زورِ بیان کا نتیجہ ہے - مختصر ترین الفاظ کے ذریعے موسم بہار میں قوتِ نمو کے اعجاز اور پھولوں کی افراط کو ایسے حسن و خوبی کے ساتھ تسلیم کیا ہے کہ کسی دوسری زبان میں اس کی مثال شاید ہی ملے - کہتا ہے ؎

موسم بہار اور قدرت کی فیاضیاں!
کائنات کا ہر ذرّہ پھول بن گیا
اپنے گلدستہ کیلئے کس کس کو منتخب کروں؟

سندباد جہازی کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ ایسے جزیرہ میں پہونچا جہاں ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے تو اُس کی عقل حیران رہ گئی اور وہ کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لا سکا - کیونکہ جب ایک ہی نوع کی چیزیں مختلف لحاظ سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نظر آتی ہیں تو انتخاب بہت مشکل ہو جاتا ہے - موسم بہار میں ہر طرف پھول ہی پھول نظر آ رہے ہیں - بعض رنگ کے لحاظ سے اچھے ہیں اور بعض خوشبو کے اعتبار سے - کسی کی رعنائی جاذبِ نظر ہے تو کسی کی نزاکت دل کو موہ رہی ہے - غرض یہ کہ ایک گلدستہ کے لئے سب سے زیادہ مناسب و موزوں پھول کا چننا دشوار ہو گیا ہے - منظر کشی اس غضب کی ہے کہ موسم بہار کا پورا لطف آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ غنچے چٹک رہے ہیں -

---

۲- دودو اِتسو :- یہ دوسری مشہور قسم ہے - اِس کے مصرعوں کی تعداد تین یا چار ہوتی ہے - مگر بول حرف چھبیس مقرر ہیں - یہ طرز عشق و محبت کے بے پناہ جذبات کی ترجمانی کے لئے مخصوص ہے - حسن و جمال کی کرشمہ سازیوں کو بیان کرنے کے لئے اسی مختصر بحر میں موشگافیاں ہوتی ہیں اور دُکھے ہوئے دلوں کی پُرسوز فریاد کو اسی ساز کے ذریعے سنایا جاتا ہے - ان مصرعوں میں کسی دوسرے لفظ کی اجازت نہیں لیکن یہ ہو سکتا ہے

کہ یہی نغمہ کسی دوسرے سُر میں پیش کر دیا جائے۔ مثلاً مندرجۂ ذیل نظم بجائے "تو دو اِتسُو" کے "ہوکو" بحر میں ہے :-

بُلبُل کو کیونکر دیکھوں مجھے خوف ہے
وہ سہم کر اُڑ جائے گی۔
میرا دل امواجِ نغمات کے ساتھ بہہ رہا ہے

محبوب کے سامنے اگر اظہارِ محبت کر دیا جائے تو اکثر عشوہ طرازیوں کے ساتھ غرور و نخوت کا مادہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جو عاشق کی جان پر بجائے خود ایک ستم ہے۔ اس لئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اظہارِ عشق نہ کیا جائے بلکہ اس آگ کو چپکے چپکے دل ہی کے اندر سلگنے دیا جائے اور جذبۂ محبت کو جو لا فانی ہے ہمیشہ برقرار رکھا جائے۔ بُلبُل کو دیکھنے کے لئے جی چاہتا ہے مگر دور اندیشیاں مانع ہیں تاہم اُس کی آواز کانوں تک پہونچے بغیر نہیں رہ سکتی اور اس طرح اس نغمہ کی لہروں میں دل بہا جا رہا ہے۔ یعنی اگر محبوب سے نہ ملنے کا تہیہ کیا جائے تب بھی اُس کا تصور آنکھوں پہر وارفتۂ تخیل بنائے رکھتا ہے۔ کس قدر عمیق طرزِ بیان ہے۔

ایک اور نظم ملاحظہ ہو۔ عشق کے غیر فانی ہونے کا ثبوت ہے کہ انسان محبوب کی خاطر اپنی عزیز جان کی بھی پروا نہ کرے اور اگر ضرورت ہو تو اُسے محبوب کی خاطر قربان کر دے ؎

ریکیمی توتے بارُوکا'
گوسین گوکُو تو رُوکا؟
نین نو گو سین گوکُو؟
ریکیمی تو سنے یو!

(ترجمہ :- ایک بار اور اُس کے پہلو میں آرام کروں۔ یا پانچ ہزار کوکُو لوں[1]؟ - مجھے کوکُو کی کیا ضرورت؟ مجھے اس کے پہلوں میں رہنے دو!)

یہ نظم فوراً سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ایک واقعہ کی تلمیح ہے۔ قدیم زمانے میں ایک شخص فوجی آیدا تھا جو ایک فوجی کماندار کا ملازم اور فوجی خدمت کے صلہ میں ملی ہوئی جاگیر کا مالک تھا۔ اُس کی آمدنی پانچ ہزار کوکُو چاول تھی جو اُس زمانے میں بہت معقول آمدنی سمجھی جاتی تھی۔ اُس کو "یوشی وارا[2]" کی ایک طوائف سے محبت ہو گئی جس کا نام آیا گینو تھا اور اُس کے ساتھ شادی کی آرزو ظاہر کی۔ جب فوجی افسر کو اس کا علم ہوا تو وہ بہت برہم ہوا اور حکم دے دیا کہ اپنی آمدنی کو برقرار رکھے یا محبت ہی کر لے۔ ایک بازاری عورت سے محبت کرنے کی صورت میں جاگیر پر قابض نہیں ہو سکتا۔ مگر دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے سوچا کہ ہماری محبت آئندہ بھی لوگوں کی نگاہ میں کھٹکے گی اس لئے ایک ساتھ دونوں نے خودکشی کر لی۔ اُنہی کی افسوسناک موت کے متعلق یہ نظم ہے۔ اور آج تک لوگ اُسے گاتے ہیں۔ پیرایۂ بیان کتنا لطیف ہے۔ اپنے دل سے دریافت کرتا ہے کہ کونسی بات پسند کروں۔ اُس کے پہلو میں آرام یا دنیوی دولت اور خود ہی جواب دیتا ہے کہ مجھے اناج کی کیا ضرورت ہے۔ محبوب کا دائمی قرب چاہیئے۔

مندرجۂ ذیل نظم ملاحظہ کیجئے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایرانی شاعر کے خیال کا چربہ ہے :-

آ دمائی شن وارا
تیرا ایوا یا را نوٗ
یا رے تے کرنی شیتے
ساکے دی نو مُو

(ترجمہ :- جانمن! اگر تو مر بھی جائے تو تیرہ ہمیشہ تجھ کو اپنے اندر نہیں رکھ سکتی۔ میں تیرے جسم کی راکھ کو شراب میں ملا کر پی جاؤنگی۔ گویا وصل بعد وصال کی ایک عجیب تدبیر ہے۔

اِس بحر کی نظمیں تعداد میں کم ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جو موضوع اس کے لئے مخصوص ہے وہ دوسری بحروں میں بھی نظم کیا جاتا ہے مثلاً طنکا۔ اس بحر میں قدرتی شاعری پیش کی جاتی ہے۔ موسم کی کیفیات، پرندوں کے چہچہے، بہار و خزاں کے مناظر سب اس میں شامل ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بیان میں ایک خاص ترکیب اجتماعی کا خیال رکھا جائے یعنی دو مقررہ مختلف الجنس چیزوں کا لازم و ملزوم کی حیثیت سے ایک ساتھ ذکر کیا جائے۔ مثلاً بُلبُل کا ذکر بیر کے درخت کے ساتھ، چڑیا اور بانس کے درخت، کوئل اور چاند، مینڈک اور برسات، تیتریاں اور پھول، یا جگنو اور بید کے درخت وغیرہ۔ لیکن موجودہ زمانے میں اس کا ذرا کم خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کے پانچ مصرعے ہوتے ہیں جن میں سے پہلے، اور تیسرے میں پانچ "بول" اور باقی تین میں سات سات "بول" ہوتے ہیں۔ یعنی مجموعی طور پر اکتیس "بول" ہوتے ہیں۔ ہوکو کے بعد اسی بحر کو خاص مقبولیت حاصل ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو :-

مو می جی با دو
کا ذی نی ماکا سے تے

[1] اناج ناپنے کا ایک پیمانہ جو ۵۰۳ بشل کے برابر ہوتا ہے۔
[2] ایک محلہ کا نام جہاں بازاری عورتیں رہتی ہیں۔

می گرو یوری مو
یا کا تا کی مونو وا
ای تو چی ناری کے مری

(ترجمہ:- وہ جو ہوا کے شدید جھونکے سے اُڑائے ہوئے پژمردہ پتے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ پرواز کر جاتی ہے ایک شے ہے جسے زندگی کہتے ہیں)

اگرچہ ہماری اپنی زبان میں زندگی کو سریع الزوال بتانے میں کہیں زیادہ نازک خیالی سے کام کیا گیا ہے مگر یہ طرزِ بیان بھی دلکش اور قابلِ داد ہے۔ جاپانی شاعر بھی زندگی کو پانی کے بلبلے سے تشبیہ دیتے ہیں۔

افسردگیٔ دل کے متعلق اسی قسم کی ایک مثال دورِ متوسط کے ایک مشہور شاعر کوماچی کے کلام میں بھی ملتی ہے۔ جو ۸۳۴ء میں پیدا ہو کر ۸۸۰ء میں فوت ہوا تھا۔ شاعری کے ساتھ ساتھ نفسیاتی رنگ بھی شامل ہے:-

ایک شئے جو پژمردہ ہو جاتی ہے
کسی بیرونی علامت کے بغیر
ایک پھول ہے
انسان کے دل کا
اِس دُنیا میں

پھول کملاتا ہے تو پتیوں پر سب سے پہلے پژمردگی کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں اور اُس کے بعد اُس کا جگر خراب ہوتا ہے مگر انسان کا دل غم و اندوہ سے گھلتا رہتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں ہوتا حتیٰ کہ زندگی کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔

اِس سے قبل یعنی ساتویں صدی عیسوی کے ایک شاعر کی نظم پڑھی تو غالب کا یہ شعر فوراً یاد آگیا ؎

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے ؎ ؎

اب جاپانی شاعر یاکاموچی کی نظم ملاحظہ ہو۔ کہتا ہے:-

محض بہانے کے طور پر
میں نے کہا "میں جاؤں گا
اور اُس طرف دیکھوں گا
بانس کے جنگلے کی حالت"
لیکن حقیقتاً تجھے دیکھنے کا مقصد تھا۔

جو لوگ دامِ محبت میں گرفتار ہوئے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ محبوب سے ملنے کے لئے کیسے کیسے بہانے تراشنے جاتے ہیں تاکہ اُس پر یہ ظاہر نہ ہو۔ ہم اُس سے ملاقات کے متمنی ہیں۔ نیز عزیز و اقارب کا بھی خوف ہوتا ہے کہ وہ نکتہ چینی نہ کر سکیں۔ اِس لئے بانس کے جنگلے کی حالت دیکھنے کے لئے اس جگہ پہونچ گئے جہاں سے محبوب کا جلوہ نظر آسکتا ہے۔ دیہاتی عشاق بھی اس رمز کو جانتے ہیں کہ محبوب کو کنوئیں پر پانی بھرتے دیکھ کر پیاسا بن جانا چاہیئے تاکہ قریب سے دیدار ہو سکے۔ اور بات بھی بن جائے

اسی شاعر کی ایک دوسری نظم ہے:-

جونہی شام آئے
میں دروازے کے پٹ کھول دوں گی
پہلے سے اور پھر منتظر رہوں گی
اُس کے لئے جس نے آنے کا وعدہ کیا تھا
میرے خوابوں کی نگری میں مجھ سے ملنے

کتنا اچھوتا خیال ہے، محبوب جب خواب میں نظر آتا ہے تو گویا وہ غیر مادّی تشکیل نہیں بلکہ مکمل جسمانی وجود کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور اُس مقصد کے لئے دروازے کو پہلے سے کھلا چھوڑ دیا گیا تاکہ اُسے اندر داخل ہونے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔ انتظار کی بے چینیوں کے ساتھ ایفائے عہد کی قوی امید دوگونہ لطافت پیدا کر رہی ہے۔

اسی مضمون میں ایک گمنام شاعر کی نظم ہے جو بہت مبہم سی ہے۔ غالباً ذومعنی ہے۔ لفظ خواب دیدہ کا تعلق ابتدائی مصرعوں سے ہو سکتا ہے اور آخری سے بھی۔ لیکن دونوں مفہوم اچھے ہیں اور شاعر کی نازک خیالی ظاہر کرتے ہیں۔ لفظی ترجمہ پیش کرتا ہوں:-

ہمہ وقت اس امید میں
کہ ہم ملیں گے
اپنے خواب میں
میں نے تمام رات گزار دی
نیند کی کیفیت طاری ہوئے بغیر۔

ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ خواب کی حالت میں ایک دوسرے سے ملاقات کا وعدہ تھا لیکن انتہائی خوشی کے باعث یہ کیفیت ہوئی کہ مطلق نیند نہ آئی اور تمام رات بیداری کے عالم میں گزر گئی اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے ملنے کی قوی امید تھی۔ اِس لئے خواب میں مجھے دکھائی دیا گویا میں بیداری کے عالم میں اُس کا انتظار کر رہا ہوں حتیٰ کہ تمام رات گزر گئی۔ دوسرا

مفہوم بھی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ خواب کی حالت میں ہم جو کچھ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہ بیداری کی کیفیت ہوتی ہے گو حقیقت نہ ہو نیز غالب کا یہ مصرع بھی ملحوظ رہے۔ ع

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

دسویں صدی عیسوی کا ایک مشہور شاعر تکاتسو کاسا ہے۔ آغاز موسم بہار کے متعلق اس کی مندرجہ ذیل نظم اچھی ہے۔

اگر نہ ہوتے نغمے
بلبل رنگیں نوا کے
تو کس طرح دیہاتی گاؤں کے لوگ
جہاں کی برف ہنوز منجمد ہے
جانتے کہ موسم بہار آگیا؟

ہماری شاعری میں بھی اس قسم کا تصور موجود ہے۔ اور اکثر چیزوں کے درمیان علت و معلول کا رشتہ قائم ہے اس وقت حافظہ کی لوح پر جگر مراد آبادی کا یہ شعر ایکدم روشن ہوگیا ؎

کرے نہ کام جو بلبل کا نالۂ خونیں
نہ غنچے نیند سے چونکیں، نہ رنگ و بو آئے

۴۔ ناگا اُتا[1]:۔ یہ بحرِ طویل ہے اور تمام اصولوں سے بے نیاز ہے۔ نہ مصرعوں کی تعداد معین۔ نہ "بولوں" کی ترتیب مقرر۔ قصیدے۔ تاریخی واقعات یا منظوم افسانے وغیرہ اس بحر میں بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن کچھ زیادہ مقبول نہیں ہے۔ عہدِ قدیم کا بیشتر کلام جب اصولِ شاعری مرتب نہیں ہوئے تھے۔ اسی کے تحت میں آجاتا ہے۔ مثلاً اب سے ساڑھے چودہ سو سال قبل شہنشاہ یُوری آکو نے کموڈسے کی شان میں ایک طویل نظم کہی "جس کے آخری چار مصرعوں کا ترجمہ یہ ہے:۔

"ایک رینگنے والا کیڑا بھی آقائے اعظم کی خبرگیری کرتا ہے۔ تیری شکل یہ اختیار کرے گا۔ اسے یماتو۔ اے کموڑوں کی سرزمین"[2]

لیکن عصر جدید میں بھی بعض شاعر اس بحر میں طبع آزمائی کر لیتے ہیں مگر جاپانی شاعری کی اصل خصوصیت ان میں پیدا نہیں ہوتی۔ تاہم مندرجہ ذیل نظم جو گالٹ یونگ کے تخیل کا نتیجہ ہے۔ پُر نہایت دلکش اور لائق تحسین ہے۔ ایک عاشق اپنے محبوب سے جدا ہو کر آمادہ سفر ہے اور روانگی سے قبل تسکین خاطر کے طور پر اپنے محبوب سے کہتا ہے:۔

صرف ایک گیت مجھے گانا ہے۔
تیرے قدموں پر پڑا ہوا۔ بطور نذرانہ
میں تیرا تصور کروں گا۔
جب ایک میل ختم ہو جائے۔
اور دوبارہ دوسرے (میل) پر
جبکہ میرا سفر جاری ہوگا
میں دعائے خیر کہوں گا
اور جب میں تیسرے (میل) کے قریب پہونچونگا
تو اپنا پیام محبت بھیجوں گا
ایک قاصد پرندے کے ذریعے
جبکہ چوتھا میل
میرے پس پشت رہ جائے گا۔
تو میں ایک بار پھر خواب میں دیکھوں گا
تیری اشک سے لبریز آنکھوں کو
لیکن جب میں پہونچوں گا
پانچویں سنگِ مسافت کے قریب
تو میں پھر و سکروں گا میری پیاری
محض ہوا (کے جھونکے) پر
اور اس وسیع کرۂ ارض پر رہنے والی کوئی ہستی نہیں جانتی۔
کہ اُس دن نسیم بہار کس سمت میں چل رہی ہوگی۔

اس کا ابتدائی حصہ کچھ زیادہ زوردار نہیں مگر آخری بند بے پناہ ہے۔ کس قدر حسرت و مایوسی ٹپک رہی ہے۔ قدرت پر صرف اتنا بس ہے کہ اپنا پیغام نسیم بہار کے سپرد کر دے۔ لیکن اگر ہوا دوسری سمت میں چل رہی ہے تو نظام قدرت میں تبدیلی پیدا کرنا کسی کی قدرت میں نہیں ہے اور کچھ عرصہ قبل بھی کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتا کہ فلاں تاریخ کو اُس کا رُخ کس طرف ہوگا۔

عصر جدید میں **توسوآن** نامی ایک شاعر اس طرز کا بہت مشہور ہوا ہے جو ایک معمولی مدرسے میں اُستاد تھا۔ ۱۸۹۷ء میں اُس نے اپنی نظموں کا مجموعہ مرتب کیا جو مصرعوں کے تعین اور "بول" کی قید و بند سے بالکل آزاد تھیں۔ بعض نظمیں نہایت طویل تھیں۔ چونکہ عام اصول سے مختلف تھیں اسلئے کوئی ناشر اسے بخوشی طبع کرنے کے لئے تیار نہ ہوا چنانچہ اُس نے اپنا تمام دیوان بہت قلیل رقم میں فروخت کر دیا مگر کتاب کا شائع ہونا تھا کہ تمام

[1] ناگا کے معنی طویل اور اُتا کے معنی شاعری [2] یہ نظم تلمیحی ہے۔ اور تاریخ جاپان میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے اس لئے اس کا مفصل ذکر "روایات" کے ضمن میں آگے آئے گا۔

ملک میں اُس کا نام مشہور ہوگیا اور اُس ناشر نے غیر متوقع طور پر لاکھوں روپے کما لئے۔ اُس کے کلام میں بلند ترین تخیل اور خلوصِ جذبات کے ساتھ طرزِ بیان کی رعنائیاں بھی حدِ کمال کو پہونچی ہوئی ہیں۔ قدرت کی سحر کاریاں، حُسن و جمال کی دلفریبیاں، اور عشق و محبت کا سوز و گداز ہر مصرعہ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے۔ اس کے حسنِ بیان پر پرستارانِ ادب فریفتہ ہوگئے۔ اور جلد ہی یہ شاعر جو کچھ عرصہ قبل گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا آسمانِ شاعری کا ایک درخشاں ستارہ بن گیا۔ اُس نے اور مجموعے بھی شائع کئے جن میں اسی طرز کو فروغ دیا۔ چنانچہ اُس کے بہت سے ہمنوا پیدا ہوگئے۔ معاصرین میں سب سے زیادہ شہرت شیکی[1] کو ہوئی جس کے کئی دیوان ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئے۔ اُس نے نثر میں بھی شاعرانہ حُسنِ بیان پیدا کر دیا۔ ۱۸۹۳ء میں باشو اور ۱۸۹۷ء میں لُبسن کے طرزِ بیان پر تنقیدیں شائع کیں۔ وہ نظموں میں تخیل کی بلند پروازی کے ساتھ مناظرِ قدرت کی لفظی تصویر پیش کرنے کا حامی تھا۔ چنانچہ وہ اس عہد کا سب سے بڑا مصورِ فطرت سمجھا جاتا ہے۔ اُس کی صحت اچھی نہیں تھی اس لئے بہت جلد ۱۹۰۲ء میں فوت ہوگیا۔

اسی بحرِ طویل میں ایک مشہور نظم "آسمانی دریا" ہے۔ شاعر کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عہدِ جدید کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ اس میں چار چار پانچ پانچ مصرعوں کے کئی بند ہیں جو مفہوم کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ مگر موضوع کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً "آسمانی دریا" سے مراد "کہکشاں" ہے۔ لیکن عجیب چیز یہ ہے کہ بعض بندوں میں عورت کے جذبات ہیں اور بعض میں مرد کے خیالات۔ تاہم صداقت و خلوص کے ساتھ ایک لبریزِ محبت دل کے صحیح احساسات ظاہر ہوتے ہیں۔

حسبِ ذیل بند بہت خوب ہیں:-

(۱) "جب میں اچانک طور پر اپنے دل میں شوہر کے دیدار
کی تمنا محسوس کرتی ہوں تو آسمانی دریا پر رات کے
وقت چلنے والی کشتی کی آواز اور چپوؤں کی چھپ چھپا
سے تمام فضا گونج اٹھتی ہے"

کیسا نادر تخیل ہے۔ آہٹ سن کر کسی کی یاد کا تازہ ہوجانا عام طور پر بولا جاتا ہے مگر کسی کو یاد کرنے کے بعد اُس کے آنے کی آہٹ سننا اپنی قسم کی دوسری چیز ہے، اور نہایت اعلیٰ

(۲) "اُس رات جب میں اپنی پیاری بیوی کے ساتھ جو
آج مجھ سے کوسوں دور ہے، موتی جڑے ہوئے
تکیئے بدل کر آسودۂ خواب تھا۔ تو میری آرزو
تھی کہ مرغِ سحر کبھی بانگ نہ دے، خواہ دن
کتنا ہی نکل آئے" [2]

(۳) "جب موسمِ خزاں آتا ہے اور آبی گہر آسمانی
ندی پر چھا جاتی ہے تو میں اپنا رُخ اُس
دریا کی طرف کرلیتی ہوں (ایک آرزو میں) اور
میری آرزوؤں کی راتیں بہت سی ہیں"

آخری الفاظ کتنے دلکش ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جذباتِ قلب میں ایک طوفان برپا ہے۔

۵- شی- یہ کسی خاص بحر کا نام نہیں ہے- بلکہ "ٹنکا" ہی کے ضمن میں آسکتی ہے تاہم تھوڑا سا اختلاف ہے- یعنی جب جاپانیوں نے چینی طرزِ تحریر اختیار کیا تو شاعری سے اجتناب کرنے کے باوجود شاعرانہ فضا کے چند نقوش اسمیں شامل ہوئے بغیر نہ رہ سکے- چنانچہ چینی شاعری کی مخصوص مساواتی ترکیب نے جس کے آخری مصرعہ میں پہلے اور آخری الفاظ صوتی اعتبار سے یکساں ہوتے ہیں- کسی قدر فروغ حاصل کر لیا- مگر مقبولیتِ عوام حاصل نہ ہوئی- اِس طرز میں اور "ٹنکا" میں امتیاز رکھنے کے لئے اس کا نام "شی" رکھا گیا- جس کے لفظی معنی بھی شاعری ہیں-

---

جاپانی ادبیات پر صنفِ نازک کا جو کچھ احسان ہے اُس کا ذکر علیحدہ آئے گا- تاہم میں مناسب سمجھتا ہوں کہ شاعری کے ضمن میں بھی اُن کی رنگین نوائیوں کو خاص اعتبار کیساتھ پیش کرنا زیادہ مناسب ہے جاپانی عورت جسطرح زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کے دوش بدوش رہی ہے- اسی طرح شاعری کی دنیا میں بھی وہ اس سے گھٹ کر نہیں رہی اور بنگالیوں کے اُس رواج کے مطابق کہ شادی سے قبل ہر لڑکی کے لئے اکتسابِ موسیقی لازمی ہے ایک جاپانی لڑکی کی تعلیم کو قطعی نامکمل بلکہ ناقص سمجھا جاتا ہے اگر وہ خود سخن گوئی میں حصہ نہ لے- چنانچہ عہدِ قدیم سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں ایسی شاعرات گذری ہیں جن کے کلام کو عام مقبولیت حاصل ہوئی-

ساتویں صدی عیسوی میں شہزادی داکی ہاکو کو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی- اُس کے کلام کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:-

"تمہارے لئے کس طرح ممکن ہوگا
تن تنہا عبور کرنا
موسمِ خزاں کے پہاڑ کو
جس کو عبور کرنا کس قدر دشوار تھا

[1] شیکی کے معنی کونپل۔ [2] یہ بند ضرورتاً دوبارہ نقل کیا گیا ہے۔

اُس حالت میں بھی جبکہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ تھے"

پھر جاپانی ادب کی وہی خصوصیت بیان کرنی پڑتی ہے کہ اُس میں [illegible] کیفیات کس درجہ [illegible] ہوتی ہیں۔ اپنے عاشق سے یہ کہنے کی بجائے کہ تم تنہا نہ جاؤ بلکہ مجھے بھی ساتھ لے چلو، اپنے مقصد کو راستہ کی دشواریوں کی شکل میں پیش کرتی ہے تاکہ وہ یہ سوچ کر کہ پچھلی مرتبہ ایک شریکِ سفر کی موجودگی نے کس قدر سہولت پیدا کر دی تھی اس دفعہ بھی اُسے اپنے ساتھ لے لے اور اُسے فراق کے صدمے برداشت کرنے نہ پڑیں۔ حُسنِ ادا کی یہ نادر اور جدید ترکیب داد سے مستغنی ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی کی شاعری میں سے خاتون سکا نوئی کی دو نظموں نے میری توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا۔ جن میں سے ایک حسبِ ذیل ہے[۱]:-

"لباس جو میرے بھائی نے زیبِ تن کر رکھا ہے پتلا ہے۔
اے ساؤ (کی سمت سے) چلنے والی (سرد) ہوا
زیادہ تیزی کے ساتھ مت چل
تا وقتیکہ وہ گھر نہ پہونچ جائے"

یہ مختصر الفاظ بہن کے سچے جذبات کا آئینہ ہیں۔ اگر بھائی گھر پر موجود ہوتا تو وہ اُس کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے عملی طور پر صدہا ذرائع اختیار کر سکتی ہے۔ لیکن ایسی صورت میں کہ وہ باہر ہے اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہے کہ سرد ہوا سے التجا کرے کہ تھوڑی دیر کے لئے مدّھم ہو جائے۔ اُردو میں اسی رنگ کا یہ شعر بھی توجہ طلب ہے ؎

اے ابرِ بہار آج ذرا تھم کے برسنا
آجائے مرا یار تو پھر جم کے برسنا

دسویں اور تیرھویں صدی کے درمیان خاتون ہورکاوا اور خاتون سنوکی نے خاص شہرت حاصل کی۔ اوّل الذکر کے کلام کا نمونہ ہدیۂ قارئین ہے:-

"کوئی شخص کس طرح یقین کر سکتا ہے
کہ سچی محبت (اس امر کو) برداشت کرے گی؟
میرے خیالات آج صبح
میرے بالوں کی مانند الجھے ہوئے ہیں"۔

اور خاتون سنوکی کے کلام کا نمونہ :- ؎

ایک بڑی چٹان کے مانند (جو) دور تک سمندر میں
خفیف ترین مدّوجزر میں بھی غرقاب رہتی ہے۔

انسان کی (آنکھ سے) غیر مرئی (نامعلوم) میری آستین
ایک لمحہ کے لئے بھی خشک ہونے نہیں پاتی"

کس قدر دلچسپ تشبیہ ہے۔ وہ چٹان جو سمندر میں ہے لازمی طور پر ہمیشہ تر رہے گی پھر اسی کی طرح آستین کا کبھی خشک نہ ہونا گویا یہ بتاتا ہے کہ محبوب کے فراق میں تمام وقت آنسو بہاتے ہیں گذر جاتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو صاف لفظوں میں بیان نہیں کیا کیونکہ یہ مسلکِ عشق میں روا نہیں ہے۔

عصرِ جدید میں جبکہ توسون (اور شیکی طویل بحر کو دوبارہ زندہ کر کے خراجِ تحسین حاصل کر رہے تھے آکیکو نے "تنوکو" طرز میں ایسا کلام پیش کیا کہ لوگوں کے خیالات پھر تبدیل ہو گئے، اور تمام ملک کے ادبی حلقوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ جبکہ اگست ۱۹۰۱ء میں اس کی مختصر نظموں کا پہلا مجموعہ "مدارے[۲] کامی" کے نام سے شائع ہوا۔ اور ہر طرف سے نعرۂ تحسین بلند ہونے لگا۔ بعد ازاں اُس نے ایک شاعر سے شادی کر لی۔ اور تبدیل کر کے اپنا نام میدم یوسانو رکھ لیا۔ اس کی زیادہ شہرت کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُس کے تخیلات خالص جاپانی تھے۔ برخلاف اس کے توسون (وغیرہ کے کلام میں مغربی رنگ جھلکتا تھا۔ کیونکہ وہ سوئبرن اور رسفیدی کا تتبع کرتے تھے۔ آکیکو نے نئے اور پرانے خیالات کو نہایت خوبی سے سمو دیا۔ اُس کے متون میں رومانیت اور بےخوف جذبات کا طوفان (مثلاً) رہا تھا محبت کی روشنی میں حیاتِ انسانی کے رومانی واقعات کو نہایت دلیری سے پیش کر کے اُس نے قدامت پسند لوگوں پر سخت حملے کئے۔ اور نئی پود کو مسرت و شادمانی کی غیر محدود فضا میں سانس لینے کا موقع دیا۔ قدیم رسم و رواج اور فرسودہ آدابِ معاشرت کا مضحکہ اڑانے میں اُسے بڑی دلچسپی حاصل ہوتی تھی۔ اُس کے گیت جلدی ہی ہر شخص کی نوکِ زبان پر آگئے۔ پھر بھی فنِ شاعری کے اعتبار سے اُس کی عاشقانہ نظموں کے مقابلہ میں اُس کی بیانیہ اور دیگر تخیلی نظمیں زیادہ مقبول ہیں۔ وہ خاص طور پر جاپان کے قدیم دارالسلطنت "کیوتو" کی شانِ جمال میں لطیف گیت لکھنے میں کامیاب ہوئی۔ اُس کی خدماتِ ادب اس وجہ سے لائقِ تحسین اور قابلِ وقعت ہیں جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس انہماکِ شاعری کے علاوہ اُس کو دس بچوں کی پرورش میں مادری فرائض بھی انجام دینے پڑتے تھے۔ اُس کی نظموں کی تعداد کم و بیش آٹھ ہزار ہے۔

اُس کے کلام کا ایک نمونہ حسبِ ذیل ہے :- ؎

اِس تابوت میں جیسے بنی نوعِ انسان

[۱] دوسری نظم آگے چل کر تشبیہات کے ضمن میں پیش کی جائے گی۔ [۲] مدارے کے معنی پریشان اور کامی کے معنی زلف یعنی زلفِ پریشاں۔

زمانے ہے تیاس سے تغیر کر رہے ہیں
میں بھی سوچتی ایک کیل کاٹتی ہوں گا

چی یو نامی شاعرہ بھی بہت مشہور گذری ہے۔ اُس کا ذکر ہو کو طرز کے ضمن میں آچکا ہے۔

جاپانی شاعری میں نادر تشبیہات بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اِس سے قبل جو نمونے پیش کئے ہیں اُن میں بھی یہ رنگ کہیں کہیں جھلک رہا ہے۔ یہاں سرسری طور پر صرف دو نظموں پر اکتفا کروں گا۔ پہلی نظم خاتون سکانوئی کی ہے۔ جس کا کلام پہلے بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ اور دوسری اونوفر یوشیکی کی جو نویں صدی کا مشہور شاعر تھا۔

(۱) غائبانہ محبت۔ ایسی تلخ (غیر مفید) شئے ہے۔
جیسی کنول کی وہ دوشیزہ کلی
جو پیدا ہوتی ہے جھاڑیوں میں
موسمِ گرما کے کسی جنگل کی۔

(۲) میری محبت
اُس گھاس کی مانند ہے
جو پہاڑی گھاٹیوں میں پوشیدہ رہتی ہے
اگرچہ اُس کی مقدار بڑھتی ہے
(لیکن) کوئی نہیں جو اس حقیقت کو جانے

دونوں کا موضوع یکساں اور تشبیہ بھی تقریباً ایک ہی قسم کی ہے۔ یوشیکی کی نظم سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا منشا غائبانہ اور خاموش محبت سے ہے۔ مگر کسی لفظ سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ اُسے اچھا سمجھتا ہے یا بُرا۔ لیکن خاتون سکانوئی کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ محبوب کے سامنے اظہارِ محبت کرنا ضروری ہے ورنہ محبت بیکار ہے۔ اُس کا کوئی مقصد نہیں رہتا۔

اس وقت ایک ہسپانوی گیت یاد آگیا جس کا موضوع بھی یہی ہے۔

محبت کرکے مایوسِ تمنا رہنا
ایک افسردہ کُن شئے ہے جس سے واسطہ پڑتا ہے
لیکن اس سے زیادہ افسوسناک امر پیدا ہونا اور مرنا ہے
جبکہ اس دَوران میں کسی سے مطلق محبت نہ ہو۔

اِسی ضمن میں اردو ادب میں سے تین شاعروں کے اشعار پیش کرتا ہوں تاکہ درمیانی تفاوت کا اندازہ ہو سکے۔

(۱) مثلِ ہاروت اسیرِ چہ بابل ہووے
دل مگر زہرہ جبینوں پہ نہ مائل ہووے } امانت دہلوی

(۲) حُسن کی ایک ایک ادا پر جان و دل صدقے مگر
لطف کچھ دامن بچا کر ہی گذر جانے میں ہے } جگر مراد آبادی

(۳) محبت در حقیقت ایک اندازِ پرستش ہے
محبت کا مزا جب ہے محبت غائبانہ ہو } اکبر حیدری

بر سبیلِ تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن قدیم کتابوں پر بھی نظر ڈالی جائے جن میں شاعری کے جواہر ریزے جمع ہیں۔ یہاں ایک بار پھر بتا دینا ضروری ہے کہ عہدِ قدیم کا بیشتر کلام نایاب ہے کیونکہ اس وقت خیالات کو ظاہر کر دینے کے بعد ضبطِ تحریر میں لانے کا رواج نہیں تھا تاہم چند نمونے کوجکی اور نحو نگی میں ملتے ہیں۔ بعد ازاں جب شاعری کو ایک باقاعدہ فنِ لطیف کی حیثیت دی گئی تو سب سے پہلا مجموعۂ اشعار ۷۵۶ء میں "منیوشو"[۱] کے نام سے شائع ہوا جس کا بیشتر حصہ ساتویں صدی کی شاعری پر مشتمل ہے۔ اور آٹھویں صدی کے رُبعِ اوّل میں سے ہتومارو اور اکاحیتو کے کلام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جن میں سے اوّل الذکر کی شاعری کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:۔

(۱) اپنی بہن کی خاطر
اپنے ہاتھ سے توڑتے ہوئے
اونچی ٹہنی والے بیر کے شگوفے[۲]
میں بھیگ گیا
شاخِ زیرین پر پڑی ہوئی شبنم سے۔

گویا بہن سے اتنی محبت ہے کہ اُس کی خاطر شبنم کے قطروں سے بھیگ جانا گوارا کر لیا لیکن اونچی ٹہنی کا وہی پھول توڑا جو زیادہ خوشنما اور شگفتہ تھا۔ بیر کے پھول برف باری کے زمانے میں کھلتے ہیں جبکہ جاپان میں شدید ترین سردی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں شبنم کے قطروں سے بھیگ جانا بہت تکلیف دہ ہے۔

(۲) کاش! وہ لوگ جو پیدا ہوں
آئندہ میرے زمانے کے بعد

---

[۱] یعنی دس ہزار پتوں کا مجموعہ۔ غالباً اُس میں دس ہزار نظمیں ہوں گی۔
[۲] جاپان میں بیر کے پھولوں کو وہی درجۂ قبولیت حاصل ہے جو بنگال میں کنول کو یا ایران میں گلاب کو ہے کیونکہ بیر کے پھول میں نسوانی فطرت پنہاں سمجھی جاتی ہے ان کا خیال ہے کہ جس طرح سخت سردی میں بھی بیر کا پھول کھلتا رہتا ہے جبکہ کسی دوسرے درخت پر پتا تک نظر نہیں آتا اسی طرح عورت بھی مصائب و آلام میں گھر جانے کے باوجود خندہ پیشانی رہتی ہے وہ اپنے عزیزوں اقارب خاص طور پر شوہر کی خاطر ہر قسم کی تکلیف جھیل لیتی ہے۔

کبھی ہرگز نہ گذریں

محبت کے اس راستے سے

جیساکہ میرا رہا ہے۔

اپنی داستان نظم کتنے اچھے پیرائے میں بیان کی ہے۔ اگر وہ خود زندہ رہتا تو شاید لوگوں کو محبت سے باز رہنے کی تلقین کرتا۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ اُس کا وجود نہیں ہوگا صرف یہ آرزو کرسکتا ہے کہ اگر وہ مبتلائے محبت بھی ہوں تو مایوسِ تمنا نہ رہیں۔ ہندی کا یہ دوہا ؎

جو میں ایسا جانتی کہ پریت کرے دکھ ہوئے

نگر ڈھنڈورا پیٹتی کہ پریت کرے نہ کوئے

نویں صدی میں دوسرا مجموعہ مرتب ہوا جس کا نام "کوکن شو"[1] ہے یہ چند لوگوں کی متحدہ کوشش کا نتیجہ تھا جن میں سے ایک سرایوکی تھا جو خود بھی اپنے زمانے کا بلندپایہ شاعر اور ادیب گذرا ہے۔ ابتدائی صفحات میں جاپانی شاعری سے متعلق اس کے ایک ادبی مقالے کا اقتباس ہدیۂ قارئین کیا جاچکا ہے، اور دیگر شعراء کا کلام بھی گذشتہ صفحات میں شامل ہے۔ کوکن شو کی طرح اور مجموعے بھی مرتب ہوئے جن کی کل تعداد اکیس ہے۔ ان سب کو مجموعی طور پر "نیجو اچی دائی شو" کہتے ہیں۔ جن میں نہایت مبسوط طریقہ پر شاعری کے مختلف اکیس ادوار کا کلام یکجا ہوگیا ہے۔[2]

دسویں صدی میں ایک اور مجموعہ شائع ہوا جس کا نام "شوئی شو" رکھا گیا۔ یہ کچھ زیادہ مقبول نہیں ہوا۔ اس میں وہ کلام تھا جو کسی دوسرے مجموعہ میں اس وقت تک شامل نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ پھر تیرھویں صدی میں تیکا کیو نامی شخص نے ایک نیا مجموعہ "حیاکو نن شو"[3] کے نام سے مرتب کیا۔ اس میں جاپانی شاعری کا اچھا انتخاب ہے۔ اس مجموعے کے چند شعراء کا ذکر گذشتہ صفحات میں بھی آچکا ہے۔ یہاں "فوجی[4] وارا نو میچی نو بو" کی ایک نظم پیش کرتا ہوں جس میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ وہاں بھی صبح مفارقت کے نام پر تبرا بھیجا جاتا ہے ؎

دن جلدی ہی رخصت ہوجائے گا

اور رات آجائے گی۔ میں جانتا ہوں

تاہم میں اس صبح کاذب سے کسقدر نفرت کرتا ہوں

جو مجھ کو (محبوب کے پہلو سے) جانے کا حکم دیتی ہے۔

جی چاہتا ہے کہ اور بھی کچھ لکھوں مگر وقت کی کم مائگی مجبور کرتی ہے کہ شاعری کے بیان کو یہیں ختم کردوں۔

کساندشی یعنی ناول اور مونوگتاری یعنی افسانے

دنیائے ادب میں "ناول" اور "افسانے" ہی ایسے دو شعبے ہیں جنکے ذریعہ افراد کی ذہنیت اور اقوام کی معاشرتی زندگی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جذباتِ قلب کی صحیح ترجمانی انہی اصنافِ ادب کی خاموش زبان سے ممکن ہے اور شاعری کے بعد انہی کو یہ درجۂ امتیاز حاصل ہے کہ یہ اپنے موثر طرز بیان سے لوگوں کے خیالات میں انقلابِ عظیم برپا کردیتے ہیں۔ شاعر کی طرح ناول نویس بھی دنیا کو عام سطح سے کسی قدر بلند ہوکر دیکھتا ہے۔ اور فرضی واقعات کو بڑی سعی وکاوش سے ایسے طرز میں پیش کرتا ہے کہ لوگ اسے بالکل سچ سمجھکر نہ صرف تسلیم کرلیں بلکہ آرزو کرنے لگیں کہ ہماری معاشرتی زندگی بھی اسی طرح کی گذرنے لگے، گویا کامیاب ناول نویس وہی ہے جو اپنے الفاظ کی مقناطیسی قوت سے اپنی قوم کے "زندہ مُردوں" کی بےحس روح کو نکالکر پھینک دے اور اُن کی جگہ اپنے فرضی کرداروں کی پُرجوش روح پھونک کر اُن میں تجدیدِ حیات کردے۔ آج روس کی موجودہ ترقیاں طالسطائی، ترجنیف اور چیخوف کی رہینِ منت ہیں جن کے انقلاب انگیز الفاظ نے غریب کسانوں کے دل میں امیر زمیندار بن جانے کا جذبہ پیدا کردیا۔ اور اُن کو محسوس کرادیا کہ زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔

بعض اعتبار سے ناول کو شاعری پر بھی ترجیح دی جاسکتی ہے۔ شاعری کے ذریعہ سب سے زیادہ انقلاب پیدا کرنے والی چیز قومی ترانے ہیں۔ جن کا ترنم لوگوں کے دل کو جلدی مسخر کرلیتا ہے لیکن جو چیز انسان کو جتنی جلدی متاثر کرتی ہے اُتنی ہی جلدی اُسے دوبارہ بےحس کردیتی ہے۔ پرجوش انقلاب کے ذریعہ انسان ترقی کی منزلوں کو جلدی جلدی طے کرکے درجۂ کمال حاصل کرلیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ ہماری کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اُسے اپنا پیدائشی حق تصور کرتا ہے۔ اور یہی غلط فہمی اُسے دوبارہ قعرِ مذلت میں گرادیتی ہے۔ برخلاف اس کے ناول کے الفاظ رفتہ رفتہ لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں لیکن وہ اثر دیرپا بلکہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہوتا ہے۔ آج مسدسِ حالی سے متاثر ہونے والے کم ہیں۔ لیکن ڈاکٹر نذیر احمد کے اخلاقی ناول صنفِ نازک کی تعلیم وتربیت کے لئے آج بھی اسی قدر

---

[1] قدیم وجدید نظموں کا مجموعہ [2] مجموعوں کا ضمیمہ (بقیہ دوسرے کالم میں)

[3] یعنی سو شعرا کی سو نظمیں گویا جسطرح مکتبہ جامعہ نے اساتذۂ اردو کے سو سو اشعار کے مجموعے مرتب کردئے ہیں [4] اس نام میں شیخ یا سید، انصاری یا قریشی دہلوی یا لکھنوی کی کسی قسم کا کوئی جزو شامل نہیں ہے۔ اس طویل نام کو پڑھ کر اظہار استعجاب بھی نہ کرنا چاہئے کیونکہ جاپانیوں کے نام اس سے بھی زیادہ طویل ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک تاریخی نام مشہور ہے :-

"تشاکی نوکم یاکوداجودائی جن ہوشوجی نوتیودو فوجی وارانو یوری موچی"

مفید سمجھے جاتے ہیں اور اُن کا کما حقہٗ اثر ہوتا ہے۔

جاپان کی موجودہ ترقیاں بھی ناولوں اور افسانوں ہی کے ذریعہ عمل میں آئیں۔ اُن پر نظر ڈالنے سے قبل اس صنف کے مختلف ادوار کا مطالعہ ضروری ہے۔

جیسا کہ شاعری کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے۔ جاپان کے عہدِ عتیق کا کوئی ایسا ادبی کارنامہ نہیں ہے جسے مثال کے طور پر پیش کیا جا سکے قرونِ وسطیٰ میں سے کوجکی یا نحونگی وغیرہ کو بھی یہاں زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا کیونکہ اُن میں صنمیاتی خیالات کی ایسی روایتیں درج ہیں جن میں صداقت کا فقدان تو در کنار انھیں مجذوب کی بڑ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہر چند توہمات کے وہ جراثیم اب بھی لوگوں کی ذہنیت میں باقی ہیں۔ لیکن اُن کی توتِ عمل میں کسی طرح جمود نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کی مذہبی اور قومی زندگی میں زبردست تفاوت ہے انفرادی حیثیت سے اُن کے اعتقادات خواہ کچھ ہی ہوں۔ مگر اجتماعی طور پر وہ آسمان کے تارے نوچ لینا بھی جانتے ہیں۔

تاریخِ جاپان میں ۷۹۴ء سے ۱۱۸۶ء تک کا زمانہ "عہدِ حیان" کہلاتا ہے۔ اور اس دور کی بعض ادبی کاوشیں کلاسیکل لٹریچر میں شمار ہوتی ہیں۔ اُن کا بیشتر حصہ شاعری پر مشتمل ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اسی عہد میں سب سے پہلا ناول "گنجی[1] مونوگتاری" لکھا گیا۔ اس اوّلیت کا سہرا بھی صنفِ نازک ہی کے سر رہا۔ اس کی مصنفہ کا نام مُراساکی نوشکیبو تھا۔ اس نے کردار نویسی اور حقیقت نگاری کے ایسے جوہر دکھائے کہ یہ کتاب آج تک مشہور ہے۔

مسٹر ایسٹن کا خیال ہے کہ اس کی زبان شاندار اور ترجمانِ فطرت ہے۔ اس کے جذبات اعلیٰ و ارفع اور اندازِ بیان لائقِ تحسین ہے۔ ناول کا پلاٹ اسقدر لچکدار ہے کہ واقعاتِ زندگی کے حقائق کو بے نقاب کرتے ہوئے خود بخود دریا کی رو کی طرح ایک منظر سے دوسرے منظر کی طرف بہتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی کیوتو کی سماجی زندگی کو تصویر کے مرئی نقوش کی طرح اس انداز سے پیش کیا ہے کہ معاشرتی حالت قارئین کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

اسی عہد کی دوسری تصنیف "مکورا[2] نوسوشی" ہے جس کے اندر خواب کی حالت میں دیکھے ہوئے واقعات درج ہیں۔ یہ پلاٹ کے لحاظ سے کچھ زیادہ قابلِ ذکر نہیں ہے لیکن اندازِ بیان نہایت سحر انگیز اور لطیف ہے۔ جذبات کی نفسیاتی تحلیل بھی عمدہ طریقہ پر کی گئی ہے۔ اس کی مصنفہ کا نام سیئی شوناگونگ ہے۔ یہ روزنامچہ نہیں ہے لیکن روز کے واقعات اور منتشر خیالات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ بعض جگہ تسلسل بھی قائم نہیں رہتا۔ گویا اس لحاظ سے اس کا طرز خان بہادر میر ناصر علی کے مضمونِ پریشاں سے مشابہ ہے اس نے نہایت خوبی کے ساتھ کیوتو میں رہنے والے گیارھویں صدی کے مغرور اُمراء کی حقیقی ظالمانہ زندگی بے نقاب کر کے عام لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے اس لئے یہ کتاب ہر دلعزیز ہو گئی۔

اِن دو خواتین کے علاوہ ادبیات کی صف میں اور ہستیاں بھی نظر آتی ہیں لیکن وہ کچھ زیادہ قابلِ ذکر نہیں ہیں۔

ادب کا دوسرا دور ۱۱۸۶ء سے ۱۶۰۳ء تک رہا جو "عہدِ تاریک" کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ کی خانہ جنگیوں کا بُرا اثر ہر چیز پر طاری رہا اور ملکی بدامنیوں کے باعث کسی شعبے میں ترقی نہ ہو سکی کیونکہ دو حکمران ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے برسرِ پیکار تھے۔ اور ادبیات کے لئے دل اور دماغ کے سکون کی اشد ضرورت ہے۔ ہر چند اس پُر آشوب زمانے میں بہت کم لکھا گیا۔ تاہم اس کے رومانی واقعات آئندہ زمانے کے لئے موزونِ افسانہ بن گئے۔ اِس عہد کی دو کتابیں خاص طور پر مشہور ہیں جن کو ادب سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ سیاسی اور ایک حد تک نیم تاریخی ہیں۔ اُن میں سے ایک "جنکوشتوکی[3]" کہلاتی ہے جس کی تاریخِ اشاعت ۱۳۴۰ء ہے۔ اسکے مصنف کتاباتاکے چکافوسا نے بڑے شد ومد سے اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت جاپان کی حکومت کا اصلی وارث شہنشاہ گودائیگو ہے۔ دوسری کتاب کا نام "طائی حیئی کی[4]" ہے۔ اسے کوجیما نے ۱۳۸۲ء میں لکھا تھا۔ موجودہ سیاسی نظام اسی کتاب کے حوالے سے قائم کیا گیا ہے۔

ادب کے اس قحطِ عظیم کے باوجود ایک کتاب "شورے زورے گوسا[5]" ایک درخشاں ستارے کی طرح چمکی۔ اس کا مصنف کینکو ہوشی تھا۔ اس بدامنی کے زمانے میں اتنی لطیف کتاب کا دائرۂ وجود میں آنا ایسا ہی ہے جیسے صحرائے عظیم میں کہیں کہیں نخلستان نظر آتے ہیں۔ اس میں دلچسپ لطیفے، مختصر کہانیاں، سبق آموز حکایات، اور تخیلی خاکے ہیں۔ دوسرے

---

[1] گنجی ناول کے ہیرو کا نام ہے [2] مکورا کے معنی تکیہ اور سوشی کے معنی رومانی واقعات [3] یعنی سماوی بادشاہوں کے شجرۂ حکومت کی داستان [4] یعنی تاریخِ امنِ عظیم [5] یعنی رفیع کہولت کے نسخے۔

الفاظ میں اُسے جاپان کی گلستان سمجھنا چاہئے۔ اور اسی مناسبت سے کینکو یوشی کو سعدیِ جاپان کہنا بجا ہے۔

جاپان کا تیسرا ادبی دَور ۱۶۰۳ء سے ۱۸۶۷ء تک شمار ہوتا ہے اور عہدِ توکوگاوا کے نام سے مشہور ہے۔ مندرجۂ بالا خانہ جنگیوں سے نجات پاکر ڈھائی سو سال تک اہلِ جاپان امن و امان کی فضا میں سانس لیتے رہے۔ چونکہ لڑائی جھگڑے ملکی ہی تھے اس لئے بد امنی کے بادل بہت اچھی طرح چھٹ گئے۔ اور اُن کا صرف تصور ذہنِ انسانی میں ایسے پس منظر کی مانند رہ گیا۔ جسے سامنے رکھ کر ادب نواز جماعت نے بڑی نازک خیالی کے جوہر دکھائے۔ قدیم علوم کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور ساتھ ہی کچھ لوگ چین سے اکتسابِ علوم کرکے واپس جاپان آئے۔ اُن لوگوں کو کانگاکوشا[1] کہا جاتا ہے۔ افسانہ نویسی نے خاص ترقی کی۔ اور مختصر افسانوں کے بکثرت مجموعے شائع ہوئے۔ اس دَور میں اس صنفِ ادب کا سب سے پہلا علمبردار سائی کاکو ہے جو ۱۶۴۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے روزانہ زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے انسانی ذہنیت کو خوب بے نقاب کیا۔ اُسنے تعلقِ جنسی کی دلی خواہشات اور انسان کے بد ترین معصیت افعال کو افسانوں کی شکل میں اس طرح پیش کیا کہ وہ بظاہر مخربِ اور مخربِ الاخلاق ہونے کے باوجود درستیِ اخلاق کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئے۔ اس کا انتقال ۱۶۹۳ء میں ہوا۔ اس کے بعد اس کے دو قابلِ ذکر پیرو گذرے جنھوں نے اُس کے طرزِ تحریر کا نہایت کامیابی کے ساتھ اتباع کیا۔ جن کے نام "جی شو" اور "کسیے کی" ہیں۔ انھوں نے کثیر سرمایہ سے ایک دارالاشاعت قائم کیا جس کا نام "ہاچی مون جی یا[2]" تھا اس ادبی مرکز سے بہت کتابیں شائع ہوئیں جن میں سے زیادہ تر ناول اور افسانوں کے مجموعے تھے۔ لیکن اُن کے عہد یعنی ۱۷۴۵ء تک ناولوں اور افسانوں میں صرف حقیقت نگاری کو دخل رہا۔ مصنفین نے زیادہ تر اپنی باتوں کو پیش کیا جن کو وہ خود دیکھتے یا سُنتے تھے۔ چنانچہ اُن کا طرز موپساں یا چیخوف سے مشابہ تھا۔ لیکن سانتو کیوڈن نے جو ۱۷۶۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس افسانوی فضا کو بالکل بدلدیا۔ حقیقت نگاری کی جڑیں اُکھاڑ کر رومانیت کی داغ بیل ڈالی۔ اُسکا خیال تھا کہ سچی کہانیاں ہمیں زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیتیں۔ اُس نے منظر کشی بھی کی تو ایسے پہاڑوں اور دریاؤں کا ذکر کیا جن کا وجود جاپان میں کیا شاید روئے زمین پر کہیں بھی نہیں ہوگا۔ اُس نے دوسرے لوگوں کی طرح اگر فوجی کی چوٹی کا نظارہ دکھایا تو ایسے زاویۂ نظر سے کہ لوگوں کی نگاہ میں وہ بے شمار دفعہ دیکھا ہوا پہاڑ نئی چیز معلوم ہونے لگا۔ اُس نے ایسی زلزلوں کا ذکر کیا جو کبھی جاپان میں نہیں آئے تھے۔ اُس کے افسانوں میں لوگوں کا کردار عام لوگوں سے بالکل الگ کسی قدر ما فوق الفطرت ہوتا تھا۔ اسکا شاہکار "اِنازومہ بیوشی" ہے۔

انگریزی زبان کے مشہور مصنف سر والٹر اسکاٹ کی طرح طویل ناول لکھنے میں سب سے زیادہ شہرت باکن کو ہوئی جس کا ناول "باکن دین" جاپان کا بہترین ناول تصور کیا جاتا ہے۔ یہ شروع سے آخر تک منظوم ہے۔ اس میں آٹھ کتوں کے قصے بہت پُر لطف پیرائے میں بیان کئے ہیں۔ کل صفحات کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے۔ مزاحیہ نویسی میں اِکّو نے "ہیزاکوریگی" کے ذریعہ سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ مندرجۂ بالا ناولوں اور افسانوں میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جن کے اندر بازاری عورتوں کی زندگی کا نقشہ ہے۔ ہیروئن عموماً رقاصہ یا مغنیہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپانی خواتین اس درجہ باعصمت اور نیک چلن ہوتی ہیں کہ افسانہ نویس اُن کے کردار کو اپنے افسانوں میں پیش کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ وہ گھر کی چار دیواری میں رہنے والی شریف عورت کو کسی غیر کی محبت میں مبتلا دکھانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ ہر چند اُن کے نزدیک محبت ایک سماوی جذبہ ہے۔ مگر اُن کا خیال تھا شریف عورت صرف اپنے شوہر سے محبت کر سکتی ہے۔ اور اگر اُس کو کسی دوسرے سے محبت ہو بھی جائے تو وہ اپنے جذبات کو پوشیدہ رکھکر اپنی ہستی کو فنا کر سکتا ہے اور انھیں ظاہر ہونے نہیں دیتی۔ اس لئے ناول نویسوں نے کبھی کہیں عورت کی زبان سے اظہارِ عشق نہیں کرایا۔ لیکن مغربی معاشرت اختیار کرنے کے بعد جونہی عورت کی زندگی میں تغیر ہوا اُس کے ساتھ ہی ناول کی یہ خصوصیت بھی مفقود ہوگئی۔

بعد ازاں ناول نویسی میں ایک نیا رنگ شامل ہوا یعنی سیاسی خیالات بھی پیش کئے جانے لگے۔ مگر ایسے ناول گنتی کے تھے اور کچھ زیادہ مقبول نہیں ہوئے۔ اِس نوع کا سب سے پہلا ناول "کیجی کوکو بیدن[3]" کے نام سے یانو فومیو نے لکھا۔ اِس کے بعد سیبوئی ہیرو نے دو ناول "سیچو بائی[4]" اور "کواکو انو[5]" شائع کرائے۔

---

[1] یعنی چینی علما [2] ہاچی کے معنی آٹھ۔ مون جی کے معنی ہندسہ۔ یا کے معنی دوکان۔ کیونکہ اس کمپنی کے آٹھ مالک تھے [3] یعنی ارباب سیاست کا نمونہ [4] یعنی برف میں بیر کے پھول [5] یعنی پھولوں میں بلبل۔

۱۸۶۸ء کے بعد سے ابتک کا زمانہ "عہدِ جدید" کہلاتا ہے۔ ادبیات کے اعتبار سے اسے پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا۔ یہاں میں صرف ناول اور افسانے کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان پر روشنی ڈالوں گا۔

دورِ اوّل:- اس دور کی مدت سترہ سال ہے یعنی ۱۸۶۸ء سے ۱۸۸۵ء تک ایک لحاظ سے اسے بھی دورِ تاریک کہا جا سکتا ہے کیونکہ ادب نے اس دور میں کوئی نمایاں ترقی نہیں کی۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے غدر نے تمام دُنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اقوامِ عالم کو ایک طرف ہندوستانیوں سے ہمدردی تھی اور دوسری طرف برطانیہ کی قوت اور اُس کا اقتدار توجہ کا مرکز تھا۔ بہت سے جاپانیوں نے مغرب کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں کی سیاسی اور خاص طور پر اقتصادی نشو و نما کا حال معلوم کر سکیں۔ لیکن وہ سرزمین اُن کو ایسی بھائی کہ اکثر وہیں کے ہو رہے۔ اور جو واپس آئے۔ وہ اپنے خیالات کے ساتھ وہاں کے جراثیم بھی لائے جن کو اپنے ملک میں پروان چڑھایا۔ جاپانی ادب کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ جاپانی نقوش مٹ گئے۔ "عہدِ توکوگاوا" میں جو کچھ تصانیف و تالیفات دائرۂ وجود میں آئی تھیں اُن کو غفلت و فراموشی کی گہری گور میں دفن کر دیا۔ اور مغرب کی ہر وہ چیز لے لی جو اُن کو میسر آ سکی۔ دارالمطالعہ کی الماریاں مغربی کتابوں کے تراجم سے بھر گئیں اور ہر شخص وہیں کے شیروں پر گیت گانے لگا۔ اس عہد کی تین شخصیتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اوّل "فکوزاوا" جنھوں نے "جامعہ کیو" کی بنیاد ڈالی۔ دوم "نی جیما" جو "جامعہ دوشیشہ" کے بانی ہیں اور سوم "سے اونجی" جنہوں نے فرانسیسی فلسفہ کو جاپان میں پیش کیا اور جن کو بعد میں "جنرو" کا عہدہ عطا ہوا۔ اور "شہزادہ سے اونجی" کہلانے لگے۔ اسی عہد میں جاپانی زبان کے اندر بہت سی سادگیاں پیدا کر دیں جس سے اُس کا سیکھنا اور سمجھنا نسبتاً آسان ہو گیا۔ یہ تغیر آئندہ اَدوار کیلئے سود مند ثابت ہوا۔

دورِ ثانی:- ۱۸۸۵ء ناول کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ کیونکہ اس سال جاپان کے مشہور مصنف "تسبوچی شویو" نے جو مغربی ادبیات کا زبردست عالم اور جاپان کا شیکسپیر سمجھا جاتا ہے "شوسیتسو شن زوئی"۱؎ لکھ کر نوجوان ادیبوں کو بتایا کہ ناول کن اصول کے ماتحت لکھا جائے اور اُن میں کیا خصوصیات ہوں۔ اُس نے پُرانے اخلاقی ناولوں پر تنقید کی اور اس امر پر زور دیا کہ حیاتِ انسانی کے حقیقی پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اُسکے خیالات ہمیشہ واقعات پر منحصر رہتے تھے۔ اس نے خود ایک ناول بعنوانِ "ہمعصر طلباء کی زندگی" لکھا جس سے ادب نواز طبقوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور اُس نے نوجوان ادیبوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اسی سال سے جاپان نے ایک نیا طرزِ افسانہ نگاری اختیار کیا۔ اسی سال ایک بزمِ ادب "کین یوشا"۲؎ کے نام سے قائم کی گئی جس کا بانی اور سب سے بڑا کارکن "اوزاکی کویو" تھا۔ یہ خود بہت مشہور ناول نویس ہوا ہے۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا شاہکار "دو مبتلائے محبت راہبات کے اعترافات" کے نام سے شائع ہوا۔ اُس کے اور افسانے جو بعد میں شائع ہوئے اسی کامیابی کے ساتھ مقبول ہوئے۔ اس طرح دنیائے ادب پر اُس نے تین قسم کے احسان کئے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے یعنی قیامِ انجمن، طبعزاد ناول جو دوسروں کے لئے مثالی نمونے تھے۔ اور جدید طرزِ نگارش۔ اس کے افسانے بعد دلچسپ ہوتے تھے۔ اور انداز بیان نہایت لطیف۔ سینکڑوں کی تعداد میں اس کے پیرو ہو گئے۔ مگر اس کے ناولوں میں سب سے بڑا نقص پلاٹ کا تھا۔ یعنی اکثر الفاظ کی رنگینیوں کے طلسم میں پھنس کر رہ جاتا تھا۔ اگر وہ رعنائیاں اُن میں سے دور کر دی جائیں تو ناول آسمان سے قعرِ عمیق میں جا پڑے جس طرح ہمارے ملک میں نیاز فتحپوری کے چند افسانے ہیں۔ کہ اُن کا اندازِ بیان نہایت دلکش ہے۔ لیکن اگر الفاظ کے رنگین طلسم کو توڑ دیا جائے تو پلاٹ بہت مختصر اور پھیکا رہ جائے گا۔

کویو کا ہمعصر لیکن اس سے بالکل متضاد خیالات رکھنے والا ایک ادیب "روہان" گذرا ہے جس کا مشہور ترین ناول "پیگوڈا"۳؎ ہے اس کی شہرت کا حقیقی راز اُس کی عمیق النظری اور وسیع الخیالی ہے۔ بُدھ مت کی تعلیمات پر اُس کے فلسفیانہ اُصولوں کا دارومدار تھا۔ "پیگوڈا" ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا۔ یہ ایک انجینیر کا قصہ ہے جس نے نئے اصولوں پر ایک فلک بوس مندر تعمیر کیا۔ حالانکہ اُس کے ساتھی شدّت سے اُس کی مخالفت کرتے رہے۔ عین اُس دن جس روز وہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہونچی ایک خوفناک طوفان رونما ہوا۔ گویا قدرت اپنی بے پناہ قوتوں کے ذریعے اُس کی تعمیر کی مضبوطی و استحکام کو آزمانا چاہتی تھی۔ مگر انجینیر نہایت استقلال کے ساتھ مندر کے سب سے اونچے مینار پر کھڑا رہا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر قدرت کا منشا تخریب ہے تو وہ اپنے اس کارنامۂ حیات کی تباہی کے ساتھ خود کو بھی فنا کرے گا۔ طوفان کی تدریجی ترقیاں، انجینیر کی استقامت، مندر کی عالیشان عمارت کا نقشہ نہایت خوبی کے ساتھ موثر الفاظ میں پیش کیا ہے۔ انجام کار انجینیر کی راسخ الاعتقادی کامیاب رہتی ہے۔

ناول بہت محبوب اور لائقِ تحسین ہے مگر غلط کردار نویسی کا سب سے بڑا نقص اُس میں نمایاں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افراد انسان نہیں بلکہ

۱؎ یعنی ناول کے لوالناپ۔ ۲؎ یعنی ادبی دوستوں کی انجمن۔
۳؎ یعنی بدھ مذہب کا مندر۔

مٹی کے پتلے ہیں جو خود اپنی رائے نہیں رکھتے بلکہ مصنّف کے تابع ہیں۔ کیونکہ ان کی تخلیق مشاہدے کی بجائے صرف تخیل سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے موضوعات کو زمانے کے تغیرات کے ساتھ نہ بدل سکا۔ اسی زمانے کا ایک مشہور ادیب اوگائی ہے جو پہلے فوجی سرجن کے عہدہ پر مامور رہا اور بعد میں جامعہ واسیدا میں انگریزی کا پروفیسر ہوگیا۔ اُس نے جرمنی زبان اور خاص طور پر گیٹے کے کلام کا غائر مطالعہ کیا تھا۔ وہ اپنے دلائل کو اپنے پیش کردہ مسلمات اور زندگی کے مختلف نظریوں پر قائم کرنے کا عادی تھا۔ اُس نے اور شوئیو نے چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک جاپانی ادب کی اسقدر خدمت کی کہ اُن کے نام ہمیشہ کے لئے غیر فانی ہوگئے۔ اور یہ بھی جاپان کی خوش نصیبی تھی کہ یہ دونوں ادیب جو یکساں طور پر اعلیٰ مضمون نگار تھے اور بلند پایہ ناول نویس بھی، مستند زبان داں تھے اور بے لوث نقاد بھی، باکمال ڈرامہ نویس تھے اور معجز بیان شاعر بھی۔ بنیادی اصول کے طور پر فطری رجحانِ طبع اور اکتسابی تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے آپس میں متضاد خیالات رکھتے تھے۔ یعنی اوگائی چاہتا تھا کہ اُن اصول کے مطابق جو خود اُس نے قائم کئے ہیں یا اُن نظریوں کے موافق جن کو دنیا تسلیم کر چکی ہے زندگی کے واقعات رونما ہوں۔ برخلاف اِس کے شوئیو واقعاتِ زندگی کو پیشِ نظر رکھ کر اصول مرتب کرنے اور نظریے قائم کرنے چاہتا تھا۔ یہی تضاد اُن کے ناولوں اور افسانوں میں نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔

اوگائی کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۸۸۹ء میں چھپنے والے اُن تین ناولوں سے ہوا جن میں اُس نے طالب علمی کے زمانے کے واقعات قلمبند کئے ہیں جبکہ وہ جرمنی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اُس کی ذاتی شخصیت اُس کے ہر افسانے میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ لیکن اُس کی سب سے زیادہ یادگار وہ ادبی مبازرت تھی جو اُس کے اور شوئیو کے درمیان اس موضوع پر ہوئی کہ ایک مصنّف کا مطمحِ نظر اور اُس کی ذمہ داریاں کیا ہونی چاہئیں۔ اس تحریری مباحثے میں ایسی بال کی کھال نکالی گئی کہ دونوں کے خیالات اس زمانے کے دیگر مصنّفین کے لئے دلچسپ اور مفید مطلب ثابت ہوئے۔

دَورِ ثالث:۔ ۱۸۹۴ء میں چین کے ساتھ لڑائی ہوئی اور اُس فتح سے جاپانیوں کے اندر اپنی جنگی قوت کا احساس پیدا ہوگیا اور یہ سمجھکر کہ یہ سب کچھ علم کا ظہور ہے اور زیادہ مستعدی کے ساتھ اُس کی طرف توجہ کی۔ ادبیات میں بیش بہا اضافہ ہونے لگا اور اس میں سے بھی خاص طور پر ناول اور افسانے میں۔ کیونکہ اس کی مانگ زیادہ ہوئی۔ جس کی خاص وجہ تھی۔ یعنی لڑائی کے بعد صنعت و حرفت نے غیر معمولی ترقی کی اور اسوقت تک جو کچھ مغربی ممالک سے لیا جاتا تھا اسی ملک میں تیار ہونے لگا۔ ایسی صورت میں بہت سے اخباروں کا بھی دائرۂ وجود میں آجانا لازمی تھا جن میں بیشتر مضامین صنعت و حرفت سے متعلق ہوتے تھے مگر پھر بھی لوگوں کی دلچسپی کے لئے مختصر افسانوں اور مسلسل ناولوں کی ضرورت تھی۔ لہٰذا بے شمار افسانہ نگار پیدا ہوگئے۔

صنعت و حرفت کے ضمن میں چونکہ سرمایہ داری کو اقتدار حاصل تھا انھوں نے زیادہ محنت و مشقت سے کام کرانے کے لئے مزدور طبقہ پر ناجائز دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ لیکن ادب نواز لوگ اسے کب برداشت کرسکتے تھے۔ چنانچہ مزدوروں کی حمایت کی گئی اور اکثر ناولوں اور افسانوں میں یہی رنگ غالب تھا۔ چونکہ مزدور پیشہ لوگ زیادہ تھے اس لئے اخباروں کی اشاعت خوب بڑھی۔ اخباروں کے مالکوں نے اس امر کو بخوبی سمجھکر افسانوں کی اُجرت میں اضافہ کردیا جس کے باعث حشرات الارض کی طرح افسانہ نویس پیدا ہوگئے لیکن سب کا رنگ ایک تھا محض الفاظ کے ردّ و بدل کے ساتھ سب کا پلاٹ تقریباً یکساں ہوتا تھا۔ اس لئے اس دَور کے بہت کم ناول یا افسانے قابلِ ذکر ہیں۔

اسی دَور میں صنفِ نازک نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جدوجہد کی اور معاشرتی کمزوریوں پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے دوسری جنس کو محسوس کرا دیا کہ تصویر کے اس رُخ میں بھی بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس موضوع کو پیشِ نظر رکھکر بھی بہت سے افسانے لکھے گئے۔ اس طرز پر لکھنے والوں میں سب سے پہلی ہستی ایک خاتون کی ہے جس کا ادبی نام اِچی یو تھا۔ وہ مجبور تھی کہ اپنی ادبی کاوشوں سے اُجرت حاصل کرکے اپنی ضعیف ماں اور چھوٹی بہن کے خورونوش کا انتظام کرے۔ صرف بیس سال کی عمر میں اُس نے اپنا پہلا ناول شائع کیا۔ اوائل عمر ہی سے خودغرض اور لاپروا دُنیا کی سختیوں کو برداشت کرتے کرتے اُس کے حسّاس دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ عورت ذات ازل سے بدقسمت ہے۔ اُس نے اپنے پہلے ناول میں ایک روح کی باغیانہ سرکشی کو بے نقاب کیا ہے۔ اُس کے ایک ایک لفظ میں سماج کے ظلم و ستم کے خلاف صنفِ نازک کی صدائے احتجاج پنہاں ہے۔ اُس نے خاص طور پر اس غیر منصفانہ طرزِ عمل پر نفرین کی جو کمتر درجے کی عورتوں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ غریب گھرانے کی لڑکیوں کے لئے اس بظاہر روشن کرۂ ارض میں مسرت و شادمانی یا اُس کی شعاعِ اُمید کی بھی کوئی جھلک موجود نہیں ہے۔ اور اس طرح اُن سب کی دردناک زندگی کا غم و اندوہ اُس کی جانِ حزیں کے لئے ایک بارِ گراں بن گیا۔ چنانچہ اُن کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اُس نے اپنے آتشیں قلم سے سماج کے اصول مُرتب کرنے والوں پر آگ برسانی شروع کردی۔ اگرچہ محاسنِ ادب کے اعتبار سے اور اصولِ فن کے لحاظ سے اُس کی تحریر میں نقائص موجود تھے تاہم اُس میں ایک عجیب تاثر پنہاں ہوتا تھا۔ اُس کے دلی جذبات اور خلوصِ قلب کے نقوش اُس کی کتاب کے ہر صفحہ پر ثبت ہیں۔

۱۸۹۵ء میں اُس کا پہلا مگر زبردست کارنامہ "تاکے کورابے"[۱۹]
بہ نام سے شائع ہوا۔ اور فوراً تمام جاپان نے اُس کی ادبی شخصیت کا لوہا مان لیا۔
س کا پیرایۂ بیان اتنا موثر ہوتا تھا کہ پڑھنے والوں کے دل ہل جاتے تھے۔ چونکہ
بحیثیت شاعرانہ تھی اس لئے طرزِ ادا میں کہیں کہیں رنگینیاں بھی پیدا ہو جاتی
تھیں۔ اِس ناول کا پلاٹ سیدھا سادا اور مختصر ہے۔ یعنی ایک کم سن لڑکا بدھ
ایک پروہت کا بیٹا ہے جو یوشیوارا کے قریب ایک مندر میں مذہبی
خدمات انجام دیتا ہے اور لڑکی اسی علاقہ میں ایک بازاری عورت کی بے باک
ہے۔ لڑکا مذہبی فضا میں مقدس زندگی بسر کرتا ہے اور لڑکی معصیت کے ماحول
ں گناہ آلود زندگی گذارتی ہے۔ دونوں کی نیکی اور بدی کا دار و مدار قسمت پر
بچپن میں ایک دوسرے کا ساتھ رہتا ہے اور اس طرح آپس میں محبت ہو جاتی
ہے۔ اُن کے طفلانہ کھیلوں کا حال ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ اس عہد
ن تمام باتیں تصویر کے نقوش کی طرح آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں۔ آخرکار
معصوم محبت کی مقدس رعنائیوں پر احساسِ فرض کا تاریک بادل چھانا
شروع ہوتا ہے۔ اور لڑکا یہ سوچ کر کہ اُس محبوبہ کے ساتھ مستقل طور پر
زندگی بسر کرنی دشوار ہے ترکِ سکونت کا تہیہ کر لیتا ہے۔ چنانچہ ایک روز نمود
صبح سے قبل لڑکی کے مکان کے دروازے پر پھولوں کا ایک گملہ رکھکر ہمیشہ کے
لئے روپوش ہو جاتا ہے۔ صبح سویرے وہ پھول لڑکی کو ملتے ہیں۔

یہاں آکر ناول ایکدم ختم ہو جاتا ہے۔ اور قصہ کا انجام قارئین ہی
کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جاپانی رومان میں بھی
شاعری کی طرح ابہامی کیفیات پنہاں ہوتی ہیں۔

اس کا دوسرا ناول "تیرھویں شب" کے نام سے شائع ہوا۔ اس
میں ایک جگہ لکھا ہے کہ دو مبتلائے محبت ہستیاں عرصۂ دراز کی جدائی کے بعد
چاندنی رات میں ملتی ہیں۔ بچپن سے آتشِ عشق اُن کے دلوں میں سُلگ رہی
تھی لیکن لڑکی کے والدین نے زبردستی اُس کی شادی دوسری جگہ کر دی۔ سماج
کے رسم و رواج اور حکومت کے قوانین نے اسے ایک امیر مگر خود غرض شوہر کے
ساتھ وابستہ کر دیا۔ لڑکے نے مایوسِ تمنا ہو کر اپنا تمام مال و متاع لاپرواہی
سے صرف کر دیا اور کسی دوسرے شہر جا کر گمنامی کی حالت میں رکشا
چلانے لگا۔ تاکہ اپنا پیٹ پال سکے۔ بہت مدت جدا رہنے کے بعد وہ دونوں
چاندنی رات میں ملتے ہیں۔ اس طرح کہ لڑکی رکشا کرایہ پر لیتی ہے اور اس میں
بیٹھ کر چلنے لگتی ہے۔ باہمی گفتگو میں لڑکا بغیر کسی مقصد کے اپنے حالاتِ
زندگی سناتا ہے۔ اور اچانک وہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں لیکن زبان
سے کچھ نہیں کہتے۔ انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اور ملکی رسم
و رواج کا احترام کرتے ہوئے فوراً جدا ہو جاتے ہیں۔ اُن کے جذبات کا
مدوجزر جن الفاظ میں پیش کیا ہے وہ تعریف سے مستغنی ہیں۔

سخت افسوس ہے کہ اس لائق ادیبہ کو عین عالمِ شباب میں موت
نے اپنے بھیانک آغوش میں لے لیا۔ اور صرف چوبیس سال کی عمر میں یعنی ۱۸۹۶ء
میں اُس کی زندگی کا پیمانہ آبِ حیات سے لبریز ہو کر چھلک گیا۔ اس کے آخری
افسانوں میں افسردگی اور مایوسی کا رنگ حد سے زیادہ نظر آتا ہے۔

کویو جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے، ایک عرصہ تک خاموش زندگی بسر
کرتا ہے۔ اس اثناء میں لوگوں نے اس کا خوب مضحکہ اڑایا کہ اُس کی ادبی
قابلیت گمنامی کے پردے میں کیوں روپوش ہو گئی۔ وہ کوئی نیا ناول کیوں
پیش نہیں کرتا جس ادبی مجلس میں شامل ہوتا۔ اراکین اسی کو نقلِ محفل بناتے۔
وہ بہت حساس تھا۔ اس لئے لوگوں کی طعن و تشنیع نہ سن سکا اور آخرکار
۱۸۹۶ء میں جبکہ تمام جاپان اچی یو کی مرگِ ناگہانی پر آنسو بہا رہا تھا
اُس نے ایک طویل ناول "تاجو تاکون"[۲۰] کے عنوان سے ایک اخبار میں
بالاقساط شائع کرانا شروع کیا جس سے تمام ملک میں اس کے نام کی
دوبارہ دھوم مچ گئی۔ خود اُس کی نظر میں وہ اُس کا شاہکار ناول تھا۔
اس میں ایک حرماں نصیب مدرس کے حالاتِ زندگی ہیں جس نے رات کی
نیند اور دن کا آرام صرف اپنی مرحومہ بیوی کی یاد میں حرام کر رکھا تھا۔
قابل مصنف نے ناول کے ہر رکن کا کردار اتنے اعلیٰ طریقہ پر پیش کیا ہے کہ کوئی
خاص پلاٹ نہ ہونے کے باوجود وہ نہایت عمدہ ناول سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۹۷ء میں اس نے ایک اور ناول یعنی
"کونجیکی یاشا"[۲۱] لکھا۔ اس میں ایک نوجوان شخص کی افسانوی زندگی پیش
کی ہے۔ جسے ایک عورت نے دھوکا دیدیا تھا۔ اُس نے اپنی تمام زندگی دولت
جمع کرنے کے لئے وقف کر دی تاکہ اس سے زبردست انتقام لے سکے۔ ناول
میں ڈرامیائی کشمکش نمایاں ہے۔ اس کے فرضی کردار جیتے جاگتے انسان
معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی اشاعت سے مصنف کی شہرت تو بہت ہوئی
مگر "تاجو تاکون" کے مقابلے میں بہت کم۔ وہ رومانیت کا زمانہ تھا۔ لوگ
غیر معمولی واقعات اور غیر معمولی لوگوں کی زندگی افسانوں میں پڑھنا
پسند کرتے تھے۔ صداقت کا رنگ زیادہ کامیاب نہ رہا۔ کویو کا انتقال
۱۹۰۳ء میں ہوا جبکہ اُس کی عمر صرف چھتیس ۳۶ سال تھی۔ اُس کا آخری

---

[۱۹] یعنی موازنۂ بلندی و پستی [۲۰] یعنی لافانی محبت غیر مختتم رنج و غم
[۲۱] یعنی سُنہری شیطان۔ کونجیکی سونے کے رنگ کو کہتے ہیں اور یاشا کے
معنی شیطان۔ یاشا سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اسی معنی میں جاپانی
میں بھی مستعمل ہے۔

ناول نامکمل رہ گیا جسے پورا کرنے کے لئے بہت سے لوگوں نے کوشش کی مگر وہ بات پیدا نہ ہوسکی جو اس کے طرز میں تھی۔

دورِ چہارم :- یہ دور ۱۹۰۴ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ روس اور جاپان کے درمیان لڑائی شروع ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کے دس سال یعنی دورِ ثالث کو رومانیت کا زمانہ تصور کیا جاتا ہے مگر اس کے بالکل برعکس بعد کے آٹھ سال یعنی ۱۹۱۲ء تک حقیقت نگاری کا زمانہ رہا۔ کیونکہ لوگوں کی توجہ سائنس کی تحقیقات میں زیادہ مبذول ہوگئی تھی۔ جب روس جرمن اور فرانس نے عجیب وغریب چالاکیوں سے جاپانیوں کو پورٹ آرتھر سے ہٹا دیا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اپنی قوت بڑھانے کے لئے انھوں نے ساری قوم کو ذمہ دار ٹھیرایا

اس ضمن میں ناول نویسوں کی خدمات سب سے زیادہ موثر ثابت ہوئیں۔ انھوں نے نوجوانوں کی توجہ عالمِ رویا کی رنگین تصاویر اور سورج دیوی کی صنمیاتی کہانیوں سے ہٹاکر تاریخی واقعات کو افسانوں کے رنگ میں پیش کیا۔ رومانیت روزِ روشن کا ایک خواب تھا۔ خیال کی بلند پروازیاں اور مذہب کی خوش اعتقادیاں محض جذباتی چیزیں تھیں جنہیں بہت جلدی کچل کر رکھدیا گیا۔ مذہبی فرائض کی ادائیگی کو ریاکاری بتایا گیا اور زور دیا کہ اسے بہت جلد ترک کر دیا جائے۔

اس دور کی سب سے اولین اور قابلِ ذکر شخصیت **دوپوکی** ہے "دوپو" کے لفظی معنی "تنہا راہرو" ہیں۔ اس طرح وہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوا۔ کیونکہ پچھلے دور کی رومانی فضا سے نکل کر ایک نئی شاہراہ پر تن تنہا گامزن ہوا۔ اس نے زندگی کے حقائق کو منظرِ عوام پر پیش کرنے میں کبھی تامل نہ کیا۔ ۱۸۹۶ء میں جب اس نے اپنا پہلا ناول "چچا گین" لکھا تو اسے مطلق شہرت نہ ہوئی کیونکہ حقیقتاً وہ قبل از وقت تھا۔ ۱۹۰۱ء میں اس نے دوسرا ناول **"ساسشی کا میدان"** لکھا۔ اور اسی سال **"گوشت اور آلو"** قلمبند کیا۔ مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ وہ خود ان دنوں مبتلائے محبت تھا۔ چنانچہ اس کی ذاتی وارداتِ عشق ایک مجموعہ کی شکل میں شائع ہوئیں جس کا نام "**واقعات بے دروغ**" تھا۔ لیکن جب قدرتی طور پر حقیقت نگاری کا زمانہ رونما ہوا تو اس کی شہرت بامِ فلک پر پہونچ گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں اس کے مختصر افسانوں کا مجموعہ بہت مقبول ہوا۔ لیکن افسوس ہے کہ ابتدائی غربت وافلاس اور جفاکشی نے اس کی صحت خراب کر دی تھی اور وہ جوانی کے عالم میں بعمر چھتیس سال ۱۹۰۸ء میں اس جہان سے کوچ کر گیا۔ اس کے خیالات میں قنوطیت تھی۔ وہ نفس اجتماعی کو سمجھنے میں بڑا ماہر تھا۔ اس لئے تمام ملک کے لوگوں سے اُسے ہمدردی تھی۔ وہ ان کی بدقسمتی پر آنسو بہاتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تمام ناکامیوں کا ذمہ دار صرف مذہب ہے جو ہماری عملی قوتوں میں جوش پیدا ہونے نہیں دیتا۔

۱۹۰۶ء میں **فتاباطیئی شیمی** کا مشہور ناول **سونو اومی کیج**[1] شائع ہوا۔ جاپانیوں میں دوسرے بچوں کو گود لینے کا عام رواج ہے خواہ ذاتی اولاد بھی موجود ہو لیکن ورثہ اور دیگر حقوق کے سلسلہ میں اکثر لڑائی جھگڑے ہوتے۔ اس ناول میں اسی مذموم رسم کے خلاف فرضی مگر دلچسپ قصہ ہے ایک عورت بطور خاوند ایک مرد کو گود لیتی ہے بعض جگہ تحریر میں مزاح کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ "متبنّٰی شوہر" کے نام سے ہوا ہے۔

شاعری کے زیرِ عنوان **توسون** نامی ایک شخص کا ذکر ہو چکا ہے اُس کی ادبی زندگی سخن گوئی سے شروع ہوئی اور کافی نام پیدا کیا پھر کئی سال خاموش رہنے کے بعد ۱۹۰۶ء میں وہ ناول نگار کی حیثیت سے دوبارہ میدانِ ادب میں جلوہ نما ہوا۔ اس کا سب سے پہلا طویل ناول ہاکائی[2] تھا۔ جس نے اس کی شاعری کی طرح ایکدم تمام ملک میں ہلچل مچا دی۔ یہ ایک مدرس کا قصہ ہے جو اچھوت ذات کا رکن تھا۔ اس نے اپنے باپ سے وعدہ کیا کہ کبھی اپنے حسب ونسب کی حقیقت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس طرح وہ اُمیدیں بر نہیں آسکتیں جو ادبی دُنیا میں عزت ودولت سے متعلق ہوتی ہیں۔ لیکن بعد میں وہ ایک لیڈر کے زیر اثر آگیا جس نے نہایت دلیری کے ساتھ اپنی خاندانی کمظرفی کو عوام کے گوش گذار کر دیا تھا۔ مدرس ہفتوں بلکہ مہینوں اسی تذبذب میں رہا کہ اس عہد کو توڑے یا نہ توڑے جو مرحوم باپ کے ساتھ کیا تھا۔ آخرکار وہ اپنے اچھوت ہونے کو خود ہی ظاہر کر دیتا ہے اور فوراً دُنیا سے مُنہ موڑ کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ اس ناول میں قابل مصنف نے جاپانی زندگی کا ایک دردناک پہلو پیش کیا ہے۔ یعنی ایک معاشرتی ناانصافی جس کا تدارک ضروری تھا۔ اس میں صرف حقیقت نگاری ہی نہیں تھی بلکہ طرزِ نگارش بھی لائقِ تحسین تھی۔ اس کا ایک اور افسانہ بعنوان "سُوگارُوا سریٹ" شائع ہوا جس میں فن کے اعتبار سے بہت خوبیاں تھیں۔

اس کے بعد توسون نے ۱۹۰۸ء میں "موسم بہار" اور ۱۹۱۱ء میں "مکان" لکھا اور اہلِ جاپان نے اس کی ادبیت کا لوہا مان لیا۔ اس کا طرز روس کے مشہور افسانہ نویس ترجنیف سے مشابہ تھا۔ لڑائی کے

---

[1] یعنی بوستانِ خیال۔ سونو کے معنی چمن اور اومی کیج خیالی چیزوں کو کہتے ہیں [2] یعنی عہد شکنی

دوران میں وہ فرانس گیا اور واپس آنے کے بعد ایک نیا ناول "حیات تازہ" لکھا جس میں اپنی سابقہ زندگی کی بعض خامیوں پر خود ہی تنقیدی نظر ڈالی، اس کے بعد اس نے شاذ و نادر ہی کچھ لکھا۔

اس دور کے اُن غیرملکیوں میں سے جو جاپان جا کر ایک حد تک جاپانی ہی ہو گئے سب سے زیادہ قابل ذکر نام لیفکیڈیو ہرن کا ہے جو یونان کے ایک شہر لیوکیڈیا میں پیدا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ امریکہ میں تعلیم حاصل کی اور صحافت میں حصہ لیا۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں پہلی مرتبہ جاپان گیا اور وہیں کا ہو رہا اس سے قبل اسے اپنی اصل حقیقت اور لیاقت کا علم نہیں تھا، وہاں جاکر وہ السنۂ غیر کے مدرسے میں پروفیسر ہو گیا۔ اس نے جاپانی زبان میں بہت سے مضامین اور افسانے وغیرہ لکھے اور ساتھ ہی جاپانی زبان کی مشہور تصانیف کو انگریزی کا جامہ پہنایا۔ ہر نوع کے گیت جمع کرنے میں اس نے جسقدر کاوش سے کام لیا وہ لائق تحسین ہے۔ اس کے اکثر افسانے مستند سمجھے جاتے ہیں جن میں سے ایک "رقاصہ" ہے۔ اس کے ابتدائی حصہ میں رقاصہ کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے بعد ایک خاص رقاصہ کا ذکر ہے جو ہر سال رات کے وقت اپنے عاشق کی ناگہانی موت کی یاد میں تنہائی سے اندر رقص کرتی تھی حتیٰ کہ صبح ہو جاتی تھی اور وہ تھک کر بیہوش ہو جاتی تھی ہرن جاپانیوں کے ساتھ اسقدر شیر و شکر ہو گیا تھا کہ بمشکل اسے غیر ملکی کہا جاسکتا ہے۔

اسی دور میں کاتائی — شوتے ای اور ہاکوچو کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے حقیقت نگاری میں یہاں تک قدم بڑھایا کہ جنسیات کے بعض پہلوؤں پر نفسیاتی بحث کرتے ہوئے بہت عُریاں نویسی سے کام لیا کیونکہ وہ ہر چیز میں واقعیت پیش کرنے کے مُدعی تھے اور بعض باتوں کو ایسی نامکمل حالت میں چھوڑ جاتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں تشکیک ارتیاب کا مادہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ حقیقت سے اُکتا کر پھر رومانیت کی فضا میں زندگی بسر کرنے کی آرزو کرنے لگتے تھے۔

دَورِ پنجم:۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں حقیقت نگاری نے جان توڑنی شروع کی اور سنہ ۱۹۱۲ء میں بالکل فنا ہو گئی۔ اگرچہ اس زمانے میں بھی "سوسے کی ستومے" جیسی ایک ہستی موجود تھی۔ جس کی رومانیت پسندی نہ حقیقت کے مد و جزر میں تہ و بالا ہوئی اور نہ واقعیت کے سیلاب میں غرق ہو سکی۔ لیفکیڈیو ہرن کے بعد السنۂ غیر کے مدرسے میں یہی انگریزی کا پروفیسر ہوا۔ اس نے ایک ناول بالاقساط اخبار میں شائع کرانا شروع کیا۔ اس ناول کا نام "وگاہائی وانیکو دیسی آرو" تھا۔ اس میں فرض کر لیا گیا تھا کہ ایک بلی کے احساس بہت ترقی یافتہ ہیں اور وہ اپنے گرد و پیش کی انسانی زندگی کا مطالعہ کر رہی ہے۔ اس میں زمانہ کی طرزِ معاشرت کا اچھا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور مزاحیہ رنگ کی چاشنی سے اصل لطف دوبالا ہو گیا ہے۔ یہ ناول اسوقت لکھا گیا جب روس کے ساتھ ہولناک جنگ ختم ہوئی تھی اور لوگ اپنی افسردہ دلی کو دور کرنے کے لئے ایک قہقہہ بردوش فضائے مسرت کے متمنی تھے۔ چنانچہ اس مزاحیہ شاہکار نے ہر شخص کے دل میں جگہ بنالی اور اسکا مصنف بجائے ایک مدرس کہلانے کے ایک باکمال اور نبض شناس ناول نویس سمجھا جانے لگا۔ اس کے پلاٹ میں کوئی خصوصیت نہیں تھی اور نہ آغاز و انجام کے اعتبار سے کوئی ندرت تھی۔ اس کا ہر حصہ بذاتِ خود ایک علیحدہ حیثیت رکھتا تھا اور دوسری اقساط کے ساتھ باہمی تسلسل کی پابندی سے بے نیاز تھا۔ قارئین ہمیشہ اس جریدہ کی تازہ اشاعت کے لئے بھی منتظر رہتے تھے اور مدیر کا اصرار تھا کہ وہ اس ناول کو کبھی ختم نہ ہونے دے۔ ریشو کے ستوری نے جو سوسے کی شوسے کا شاگرد تھا۔ اپنی مشہور تصنیف "جدید جاپان" میں لکھا ہے کہ "میں ان کا شاگرد رہا ہوں۔ اکثر جماعت کے کمرے میں جب وہ سبق دینے آتے تو ہم سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب میں اس بلی کو مار ڈالنے کا ارادہ کر رہا ہوں اور چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ انھوں نے دکھایا کہ بلی ایک بالٹی میں پانی پینے کے لئے جھکی اور اس میں گر پڑی۔ یہاں تک کہ غوطے کھا کر ڈوب گئی۔ مرنے سے قبل پانی کی اس مختصر دنیا میں بلی نے جو کچھ دیکھا وہ بھی اس نے نہایت مزاحیہ پیرائے میں قلمبند کیا ہے۔

سنہ [illegible]ء میں ایک اور طویل ناول "گھاس کا تکیہ" لکھا جس کے افسانوی رنگ میں فن سے متعلق اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ تصویر اور ناول میں امتیازی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ تصویر میں صرف "سطح" دکھائی جاتی ہے اور ناول میں علاوہ اس کے "وقت" کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ اُس نے یہ نظریہ غلط ثابت کرتے ہوئے لکھا کہ تصویر میں "وقت" کے تعینات پیش کئے جا سکتے ہیں اور ناول میں سے اس کو حذف بھی کیا جا سکتا ہے چنانچہ مذکورہ بالا ناول میں تمام واقعات تعینِ وقت سے مستثنیٰ ہیں اور پلاٹ ایک جگہ قائم رہتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں اس نے ایک ناول "گاراسودو نوناکا" لکھا جس میں مختصر طور پر ایامِ رفتہ کی یاد ہے۔ یہ اس کی وفات سے ایک سال قبل شائع ہوا۔ بارہ سال کے عرصہ میں اس نے پندرہ طویل ناول اور بے شمار مختصر افسانے لکھے۔ جن کا جاپانی ادبیات میں ایک خاص درجہ ہے۔

اسی دور میں "نگائی کافو" ایک مشہور ناول نویس ہے جس نے

لہ یعنی میں ایک بلی ہوں سلہ "سیاحت" کے لئے بطور محاورہ "گھاس کا تکیہ" بولتے ہیں سلہ یعنی بلوری دروازے کے درمیان۔

چین، امریکہ اور فرانس میں جاکر تعلیم حاصل کی اور امریکہ ہی میں اپنے افسانوں کے دو مجموعے شائع کئے۔ جن میں سے بعض بہت مشہور ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں اسکا ناول "جال" شائع ہوا جسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسی کا ہمعصر تانی زاکی تھا جس کے تین ناول "شیطان"، "نقارہ" اور "لڑکا" بہت مشہور ہیں۔ یہ جاپان کا آسکر وائلڈ سمجھا جاتا ہے۔

۱۹۱۰ء میں چند نوجوان طلبا نے جو صاحبانِ ثروت بھی تھے ایک ماہوار جریدہ شائع کیا جس کے قلمی معاون فکرِ معاش سے سبکدوش ہونے کے باعث ادب کو ایک دلچسپ مشغلہ سمجھتے تھے۔ شروع میں اس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی لیکن ان کی نگارشات میں وہ اثر پنہاں تھا جو دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر ہی لیتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اسکے قدردان ہوگئے۔ ان نوجوانوں کی رگوں میں تازہ خون تھا۔ روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ فالتو وقت تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کی کاوشیں صداقت و خلوص سے لبریز تھیں، ان خصوصیات کا ایک ہی جگہ اجتماع کامرانی کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی حصولِ مقاصد میں ناکامیاب نہ رہے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے ادب نواز لوگوں کے خیالات کی تسخیر کرلی۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۷ء تک انھیں شہرتِ عوام حاصل ہوگئی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور تاکیرو آری شیما تھا۔ جسے جاپان کا طالسطائی کہتے ہیں۔ اس نے "محل"، "نمود سحر"، "بھول بھلیاں" اور دیگر افسانے لکھکر تمام ملک میں دھوم مچادی۔ یہ افسانے ۱۹۱۶ء اور ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئے تھے۔ ان میں اس زمانے کے حالاتِ زندگی ہیں جبکہ وہ امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کا ایک مختصر افسانہ "اپنے چھوٹے بچوں کے نام" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں اپنے تین بچوں کو ان کی ماں یعنی خود اپنی مرحومہ بیوی کے حالاتِ زندگی سنائے ہیں، اس کے اکثر افسانے اور ناول خود اس کی ذات سے متعلق ہوتے تھے جن میں سے بعض ستر ستر ہزار شائع ہوکر بہت جلد فروخت ہوگئے۔ اسکا ایک ناول "عورت" اس زمانے کی مطبوعات میں سب سے زیادہ کثیر الاشاعت رہا۔ روسی ناول نویسوں کی طرح اسے بھی مزدور طبقہ سے ہمدردی تھی۔ اس نے ہمیشہ اسی امر پر زور دیا کہ ہم الفت و محبت کی قوت سے اپنی قوم کو غم و اندوہ اور مصائب و آلام سے بچا سکتے ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد جو کچھ دولت اسے ورثہ میں ملی اس نے قومی کاموں میں صرف کردی ۱۹۲۲ء میں اپنی بہت سی جائداد ان غریب کرایہ داروں کو بخشدی جو اس میں آباد تھے۔ اپنا ٹوکیو کا نہایت عالیشان مکان اور جہازوں کی کمپنی کے جملہ حصص مزدوروں کی تعلیم کے لئے وقف کر دئے۔ وہ خود نہایت سادی زندگی بسر کرتا تھا اسکی نگارشات انتہائی عروج پر تھیں جبکہ ۱۹۲۳ء میں اس کی دیرینہ محبت کی مایوسیوں نے اس کی زندگی کا خاتمہ کردیا۔[1]

اری شیما کے ساتھیوں میں سے ایک سنے آتسو مشاکوجی بھی مشہور ناول نویس گذرا ہے اسکا ایک ناول "ایک شخص" اس کی خود نوشتہ سوانح حیات ہے۔ اس کا پیرایۂ بیان کسی قدر فلسفیانہ تھا۔ اس ناول میں اس نے ایک فلسفی دماغ کی اندرونی جد و جہد کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ گوتم بدھ، حضرت عیسیٰؑ، اور طالسطائی کی تعلیمات کا اس پر بہت اثر تھا۔ اسکی تحریر میں اکثر ان بلند ہستیوں کے زرّین اقوال شامل ہوتے ہیں۔

۱۹۱۰ء میں جنی چیرو طنیزاکی نے "اوتسویا کوروشی"[1] کے نام سے ایک سنسنی خیز ناول شائع کیا۔ اس میں عہدِ توکوگاوا کی ایک طوائف کے حالاتِ زندگی، اس کی داستانِ عشق اور انجام کار اس کے قتل کا ہولناک واقعہ ہے۔ ایک طرف محفلِ رقص و غنا کے سرود و سوز سے اسمیں شعریت و ترنم کے لطیف دریا امنڈ رہے ہیں اور دوسری طرف عشق و محبت کی حرماں نصیبیاں دل و جگر کو گھایل کر رہی ہیں۔ اسی مصنف کا دوسرا ناول "ہوری موتو"[2] ہے۔ یہ ایک نوجوان نقاش کی داستانِ محبت ہے۔ جو لوگوں کے جسم کو گودکر اپنی روزی کماتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان حسینہ اپنے تمام جسم پر پھول بوٹے بنوانے آئی۔ اس کے نگارخانے میں جہاں چاروں طرف شیشے لگے ہوئے تھے داخل ہوکر وہ ایک جگہ زمین پر بیٹھ گئی۔ اور نقاش نے اپنا کام شروع کیا مگر جذبات کی وارفتگی نے اسے اس درجہ محو کیا کہ کئی دن لگ گئے اور وہ صرف پیٹھ کے نقوش کو مکمل نہ کرسکا۔ اس ناول سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جاپانیوں میں اپنا جسم گُدوانے کا کسقدر شوق ہے۔ بعض لوگ جسم کا کوئی حصہ سادہ نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ پپوٹے بھی گُدوالیتے ہیں۔

کان رکوچی نے جو بحیثیت ڈرامہ نگار زیادہ مشہور رہے ۱۹۱۹ء میں ایک طویل افسانہ "اونشو نو کناطا نی"[3] کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ ایک قاتل کا قصہ ہے جو اپنے ارتکاب جرم کے بعد پشیمان ہوکر پرہیز کی مقدس زندگی بسر کرنے لگا۔ اس نے بطور کفارہ بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے بہت سی نیک خدمات انجام دیں۔ ایک سرنگ بنانے کے دوران میں مقتول کا لڑکا بھی اسکا شریکِ کار اور برابر کا مددگار رہا کیونکہ وہ انتقام

---

[1] یعنی خونناب۔ اتسویا کے لغوی معنی "شوربہ" ہیں۔ اور کوروشی، قتل کے لئے بولا جاتا ہے۔

[2] یعنی جسم گودنے والا نقاش۔

[3] یعنی ایسی فضا جہاں جذبات اسفل کی کارفرمائیاں نہ ہوں۔

لینے کے موقعے ڈھونڈھتا تھا اور آخر کار اس نے بدلہ لے کر چھوڑا۔ گناہ کرنے کے بعد انسان کے دل میں جو پشیمانی کی نفسیاتی کشمکش ہوتی ہے اُسے خوب اچھی طرح پیش کیا ہے، تقدس و معصیت کی متضاد زندگی کا فرق دکھایا ہے۔ انداز بیان دلچسپ اور قابلِ ذکر ہے۔ یہ نامور مصنف آجکل بھی بقیدِ حیات ہے۔ حال ہی میں اس کا مشہور ناول "فتح و شکست" شائع ہوا اور بہت قلیل عرصہ میں ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر فروخت ہوا۔

گذشتہ چار پانچ سال سے جاپان کے دو مختلف طبقوں میں ادبی مقابلہ جاری ہے۔ ایک طرف ایسے مصنف ہیں جن کا پیشہ تجارت ہے۔ اور دوسری طرف ایسے جو مزدور ہیں۔ ان دونوں کے درمیان حدِ فاصل ہے یعنی ایک طرف امیر ہیں اور دوسری طرف غریب۔ ان کی علیحدہ علیحدہ انجمنیں ہیں۔ ادارے ہیں۔ اور خیالات کی نشر و اشاعت کے لئے جریدے ہیں۔ ابھی تک اوّل الذکر کو زیادہ شہرت ہے کیونکہ ہمیشہ سے ادبی خدمات کا سہرا انہی کے سر رہا ہے۔ نیز مالدار ہونے کے باعث مغربی ادبیات کے مطالعہ کی آسانیاں میسر ہیں اور تعلیمی دشواریاں بھی نہیں ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں رشی یوکومِتسُو کا مشہور ناول "خوابیدہ چمن" شائع ہوا جسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں لکھا۔ اور لوگ نہایت بے چینی سے اس کی تازہ تصنیف کے منتظر ہیں۔ آجکل کے مصنفین میں سے یونہ دیا ماموتو اور کانَ کِکوچی بھی بہت مشہور ہیں۔ اول الذکر کا شاہکار "ہوا" ہے جو ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں توسون نے جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ایک طویل ناول بعنوان "صبح کاذب سے قبل" ایک ماہوار رسالہ میں ۱۹۳۳ء کے آغاز سے بالالتزام لکھا جو پچھلے سال ختم ہوا ہے۔ یہ ناول گذشتہ سال کی کامیاب ترین چیز سمجھی جاتی ہے۔

دوسرے یعنی مزدور پیشہ طبقہ میں بھی چند مصنف قابلِ ذکر ہیں۔ اور اگر ان کو فکرِ معاش سے سبکدوش کر دیا جائے تو یقین ہے کہ ان کی ادبی خدمات لائقِ تحسین ہوں گی۔ مشہور ناول نویس ارِی شیما نے جس کا ذکر ہو چکا ہے مرنے سے چند سال قبل کہا تھا کہ عنقریب ایک زمانہ آئے گا جبکہ مزدور طبقہ کے لوگوں کی ادبی کاوشیں بازی لے جائیں گی۔ چنانچہ بعض نقادانِ فن کا خیال ہے کہ اس کی پیشین گوئی مستقبل قریب میں صحیح ثابت ہونے والی ہے کیونکہ مانچوریا کی جنگ نے ان کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ ان کے احساسات میں زبردست بیداری ہو گئی ہے اور وہ اپنی دردناک حالت میں تغیر پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس طبقہ کے لوگوں کا طرزِ تحریر کسی قدر مزاحیہ ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اپنی جماعت کے لئے ایسی کتابیں لکھیں جن کے مطالعہ سے شدید محنت کے بعد محسوس ہونے والی دماغی تھکن دور ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی جماعت کو امیروں کے خلاف اُکسا رہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں شائع ہونے والا ناول "امارت اور امیر" اسی قسم کے جذبات سے لبریز ہے۔ اس کا مصنف چوگو نوکوناگا ہے۔ اس کا دوسرا ناول "بغیر سورج کی سڑکیں" ہے۔ جس میں ان مزدوروں کی حالت دکھائی ہے جو تاریک کانوں میں بیکسی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی ہیں جسے مزدور بولتے ہیں اور جسے تجارت پیشہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن اسی طبقہ میں سے فوساؤ حیاشی عام فہم زبان لکھنے کے باعث بہت مشہور ہے۔ دو سال کی قید بھگتنے کے بعد اس نے ۱۹۳۳ء میں ایک ناول "شباب" لکھا جو معاشرتی نظام میں انقلاب پیدا کر دینے کی چیز ہے۔ اپنی جماعت کو ایک مرکز پر لانے اور ایک دوسرے کا ہمخیال بنانے کے لئے ان لوگوں نے بھی کئی انجمنیں قائم کر رکھی ہیں اور ہر انجمن کے ماتحت ایک رسالہ شائع ہوتا ہے۔

اوتوگی باناشی یعنے بچّوں کی کہانیاں

جاپان میں بچوں کی کہانیاں بھی ایک خاص شان رکھتی ہیں۔ اگرچہ اپنے موضوع کے لحاظ سے وہ نہایت سادہ اور آسان زبان میں ہوتی ہیں تاہم دلچسپی کے علاوہ سبق آموز بھی ہوتی ہیں۔ ان کہانیوں کی ابتدا کے متعلق کوئی رائے قائم کرنی دشوار ہے۔ عہدِ قدیم میں بھی ان کا وجود تھا مگر کتابی صورت میں پہلی بار سترھویں صدی میں شائع ہوئیں اور بچوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ ان کی اوّلیت کا سہرا اسائی کاکو کے سر ہے جو ۱۶۲۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ اکثر کہانیاں حکایاتِ لقمان سے ملتی جلتی ہیں اور بعض کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید شیخ سعدی نے کچھ حکایات جاپانی زبان میں لکھدی ہیں۔ تاریخی حیثیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سترھویں صدی میں بھی کئی جاپانی طلبا نے ممالک یورپ میں جاکر تعلیم حاصل کی تھی۔ اس سے قیاس لگایا جاسکتا ہے کہ شاید انھوں نے انگریزی زبان میں ایسپ فیبلز۔ Aesop's Fables پڑھکر ان نقوش کو جاپانی زبان میں منتقل کر دیا ہو۔ اگر وہ خالصتاً طبعزاد ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ خیالات میں اتنا گہرا توارد کیونکر ہوا۔ اکثر کہانیاں پرندوں اور چوپایوں کی زبان سے ادا کرائی گئی ہیں۔ الف لیلہ کے فرضی قصوں کی طرح ان میں بھی تمام جانور نطق سے بہرہ یاب ہو کر انسان کی طرح گفتگو کرتے ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان سے بھی دو قدم آگے۔ یعنی بعض کہانیوں میں جانور عالیشان گھر بنا کر انسان کی طرح رہتے سہتے ہیں مگر ان میں انسان سے زیادہ خلوص اور ہمدردی ہے اور ان کا

کرو ار تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف ہے۔ جانوراپنے والدین کی خدمت کرنا، بزرگوں اور استادوں کی عزت کرنا اور سب سے زیادہ یہ کہ بادشاہ کے ساتھ وفادار رہنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں۔

مثلاً ایک کہانی میں ریگ ماہی کے جسم میں ہڈی نہ ہونے کا سبب بتایا گیا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سمندر کی ملکہ علیل ہو گئی، بہت سے حکیموں نے علاج کیا مگر شفا نہ ہوئی آخر کار ایک حکیم نے تجویز پیش کی کہ اگر بندر کا کلیجہ مل جائے تو ملکہ کا تندرست ہو جانا یقینی ہے۔ مگر بندر جزیرہ کے جنگل میں درختوں پر رہتے تھے جن کا پکڑ کر ان تک پہنچنا کسی آبی جانور کے بس کا کام نہیں تھا لہٰذا یہ خدمت ریگ ماہی کے سپرد کی گئی۔ اسے ہدایت کی گئی کہ کسی طرح بندر کو فریب دے کر پانی تک لے آئے۔ چنانچہ ریگ ماہی گئی اور بڑی تلاش کے بعد ایک بندر سے ملاقات کی۔ گفتگو کے دوران میں اس نے سمندر کے عجائبات کا ذکر کیا اور بندر کو ترغیب دی کہ وہ بھی چل کر سب کچھ بچشم خود دیکھ سکتا ہے۔ بندر راضی ہو گیا اور ریگ ماہی کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر سمندر میں تیرنے لگا۔ راستہ میں اسے شبہ ہو گیا کہ ضرور اس میں کوئی چال ہے۔ اس نے کرید کرید کر ریگ ماہی سے سب حال دریافت کر لیا اور اپنے بچاؤ کے لئے اس نے عذر پیش کیا کہ میں اپنا کلیجہ گھر رکھ آیا ہوں، ایسی صورت میں ملکہ کے لئے دوا تیار ہونی مشکل ہے۔ ریگ ماہی اس جھوٹ بات کو نہ سمجھ سکی اور بندر سے کہا کہ اب واپس چل کر اپنا کلیجہ لے آؤ، چنانچہ وہ دونوں دوبارہ خشکی پر پہنچ گئے۔ بندر فوراً بھاگ گیا اور ریگ ماہی منہ دیکھتی رہ گئی جب وہ ناکام بادشاہ کے حضور میں آئی تو اس نے ناراض ہو کر وزیر کو حکم دیا کہ اس ریگ ماہی کے جسم میں سے تمام ہڈیاں نکال لو۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس کے جسم میں ایک بھی ہڈی کا وجود نہیں ہوتا۔ اس تمام کہانی میں ان آدابِ مجلس کا خیال رکھا گیا ہے جن کا سیکھنا بچوں کے لئے ضروری ہے۔

اسی شعبہ کی بعض کہانیاں پریوں اور مافوق الفطرت ہستیوں سے متعلق ہیں۔ ہمارے ادب میں پری کا جو تصور ہے تقریباً وہی جاپانیوں کے ہاں بھی ہے یعنی پری جس کو جاپانی زبان میں "تین گو" کہتے ہیں ایک خیالی مخلوق ہے جو پہاڑوں کی گھاٹیوں یا دیگر سنسان مقامات پر آباد ہوتی ہے اس کی صورت عورت سے مشابہ ہوتی ہے۔ لمبی ناک۔ شانوں پر دونوں طرف پَر اور رو پنجے ہوتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور پری ہے جسے "چی می" کہتے ہیں۔ یہ جنگلوں میں پائی جاتی ہے اور بالکل انسان کی طرح ہوتی ہے اس کے پر وغیرہ نہیں ہوتے۔ اہلِ جاپان کا عقیدہ ہے کہ اکثر جانور عارضی طور پر انسانی شکل اختیار کر لینے کی قدرت رکھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اپنے اصلی قالب میں دوبارہ واپس چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں بھی نہ صرف اہلِ ہنود کا بلکہ اکثر جاہل مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ بعض اوقات جن سانپ کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ جاپانی ادبیات میں سے ایک ایسی ہی کہانی پیش کرتا ہوں جو نظم میں ہے اور بچے اسے بڑے شوق سے گاتے ہیں :-

"بہت دور دلدل میں سے ایک سانپ نمودار ہوا۔ اسنے
مالدار چوجیان[1] کی چھوٹی لڑکی کی شکل اختیار کر لی۔ اسنے
نہایت صفائی سے روپ بدلا اور اسی کے انداز میں چلنے
لگی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں دو ہیرے تھے۔ اسکے
دونوں پاؤں میں سونے کی دو جوتیاں۔ اس نے عبور
کیا پہاڑوں اور جنگلوں کو۔ اور تمام راستے وہ چلاتی
رہی :"کوئی ہے۔ کوئی ہے"۔ وہ ایک گھاس کاٹنے
والے سے ملی اور اس سے کہا:"عزیز شوہر مجھے ایک پنکھا
عنایت کر دو"۔ اس نے کہا:"میں تم کو ایک پنکھا اور ایک
ٹوپی خوشی سے دیدوں گا۔ شرط یہ ہے کہ تم میری بیوی
بن جاؤ۔ ہر روز علی الصبح اٹھ کر میں تمہارے بال سنوار
دیا کروں گا"۔ اس نے جواب دیا:"ٹھیرو۔ صبر سے
انتظار کرتے رہو۔ پھولوں کے شگفتہ ہونے کا موسم
آجانے دو"۔

جاپان میں بہار کا موسم اپریل سے شروع ہوتا ہے جب سردی کم ہو جانے سے درختوں میں دوبارہ جان آجاتی ہے لیکن اس کا استقبال ۳ مارچ سے کیا جاتا ہے۔ اس روز ایک تہوار منایا جاتا ہے جو کم سن لڑکیوں کے لئے ہے۔ وہ اچھا لباس پہن کر سر کے پھولوں سے آراستہ ہو کر نکلتی ہیں اور مندرجہ بالا منظوم کہانی بڑے ذوق وشوق سے گاتی ہیں۔ ہر لڑکی اپنے دل میں سمجھتی ہے گویا وہ خود چوجیان کی چھوٹی بیٹی ہے۔

جاپانیوں کا ایک یہ بھی عقیدہ ہے کہ اکثر روحیں جانوروں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض کا مقصد لوگوں کو ستانا ہوتا ہے اور بعض بے ضرر ہوتی ہیں۔ چنانچہ بچوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ایسے جانوروں سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ ان کی طرف رخ بھی نہ کریں۔ جاپانی زبان میں ایک ایسی وہمی متشکل مخلوق کے لئے لفظ "باکے مونو" ہے یعنی ایک ایسی روح جو لومڑی، بلی یا بجو کے قالب میں نمودار ہوتی ہے۔ یہاں ایک کہانی پیش کرتا ہوں :-

ایک روح بلی کے قالب میں سما کر شہر کوانہ کی سمت میں روانہ ہوئی۔ راستے میں ہوا کے تیز جھونکوں سے اس کا چراغ گل ہو گیا۔ اس نے بہت

---

[1] قارون کی طرح ایک مالدار شخص جس کی امارت ضرب المثل ہے۔

کوشش کی کہ اسے دوبارہ روشن کرے مگر دیا سلائی نہ ملنے کی وجہ سے اس کو جلانے سے قاصر رہی۔ سردی زیادہ ہوگئی تھی اور وہ تھک بھی گئی تھی اسلئے وہ ایک سرائے میں داخل ہوئی اور اس کمرے کے قریب برآمدہ میں بیٹھ گئی جہاں چائے تیار ہو رہی تھی۔ اس نے ملازمہ سے کہا۔ "کیا تم مجھ کو ایک پیالی سادہ پانی کی عنایت کروگی ہے۔"

ملازمہ نے جواب دیا۔ "تم کو ایک پیالی پانی دیدینا آسان تھا مگر کیا کروں بالٹی کا پیندا نکل گیا تھا۔ چنانچہ سب پانی بہہ گیا ہے۔"

بلی بولی۔ "اُف! بڑی بہن[1]! تم کسقدر تلخ جواب دیتی ہو۔ اچھا تو لاؤ مجھے تھوڑا ایک پیالی چائے ہی دیدو۔"

ملازمہ نے جواب دیا۔ "تم کو چائے پیش کر دینی ایک معمولی بات تھی لیکن کیا کروں کیتلی کا بھی پیندا نکل گیا ہے۔ چائے پکائی ہی نہیں۔"

بلی بولی۔ "اُف اُف! بڑی بہن! تم کس قدر ترش روئی سے بولتی ہو۔ اچھا تو لاؤ مجھے ایک چلم بھر تمباکو ہی دے دو۔"

ملازمہ بولی۔ "تم کو ایک چلم بھر تمباکو دیدینا ممکن تھا مگر کیا کروں چلم اُلٹ گئی اور سب تمباکو بکھر گیا۔"

بلی بولی۔ "ارے توبہ! یہ بڑی بہن کیسی ظالم ہے" اور یہ کہتے ہی وہ غائب ہو گئی۔

شبائی یعنے ڈرامہ اور گے کی جو یعنے تھیٹر

ڈرامہ کے متعلق کسی ملک کے ادب کا مطالعہ کیا جائے نتیجہ یہی نکلیگا کہ اس کی ابتدا کسی مذہبی فریضہ کی ادائیگی سے عمل میں آئی ہے۔ یورپ میں حضرت عیسیٰ کی زندگی منظر عوام پر عملی طور پر پیش کی جاتی تھی اور ہندوستان میں رامائن اور مہابھارت کے تاریخی واقعات کو لوگوں کے سامنے ادا کیا جاتا تھا۔ پہلے اس کے کرنے والے گرجا کے پادری یا مندر کے پجاری ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کا دائرہ وسیع ہوا اور عوام نے اسکی سرپرستی شروع کردی۔ اسے ایک فن کی حیثیت دے کر وسیلۂ معاش بنایا اور عطائی لوگوں کی بجائے پیشہ ور لوگ اس میں حصہ لینے لگے۔ حتےٰ کہ آج وہی چیز جس کی ابتدا خود مذہب سے ہوئی تھی علمبرداران مذہب کی نگاہ میں لائق نفرین بن گئی۔

جاپان میں بھی ڈرامہ کا ارتقا یہی رہا ہے۔ اس کی ابتدا ایک نہایت قدیم ناچ سے ہوئی جسے "کاگورا" کہتے ہیں۔ اس ناچ کے ساتھ گانے کا جزو بھی شامل ہے۔ "کاگورا" کے معنی ہیں "دیوی کا رقص"۔ قدیم ترین کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی ایک دیوی نے یہ ناچ دکھا کر ایک دوسری دیوی کو خوش کیا تھا۔ چنانچہ آج بھی جاپان میں شنٹو مذہب کے مندروں اور مقدس درگاہوں میں دیوتاؤں اور دیوی کے سامنے یہی ناچ دکھایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ خوش ہو کر نزول رحمت کرتی رہیں۔ اپنی ابتدائی حالت میں یہ ناچ بالکل خاموش تھا۔ بعد میں زیادہ موثر بنانے کے لئے اس میں گیت شامل کر دیئے گئے جن میں دیوتاؤں کی عظمت اور ان کی شان کبریائی منظوم ہوتی تھی۔ پھر ان گیتوں نے مکالمہ کی شکل اختیار کی۔ اور رقص میں بجائے ایک کے دو آدمی حصہ لینے لگے۔ کبھی آپس میں ان کے درمیان سوال وجواب ہوتے اور کبھی مل کر گانے لگتے۔ رقص اس تمام دوران میں جاری رہتا۔ اور اکثر وہ اپنے الفاظ کو حرکات کے ذریعہ ہی ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر دیوتاؤں کے سامنے اب بھی خاموش رہنا پڑتا ہے یعنی صرف رقص کا مظاہرہ ہوتا ہے موسیقی کا نہیں۔

چودھویں صدی عیسوی کا زمانہ جو صرف ادبیات کے لئے بلکہ ہر علم وہنر کے لئے عہد تاریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈرامہ کی تخلیق کا باعث ہوا جسے اصطلاح میں "نو" کہتے ہیں۔ ان دنوں ملک کی خانہ جنگیوں نے ہر طرف بے چینی اور بدامنی کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ سموراؤں[2] لوگوں کی توجّہ سیاسی مرحلوں سے ہٹا کر کسی دوسرے شغل کی طرف منعطف کی جائے۔ چنانچہ بدھ مذہب کے پروہتوں نے قدیم روایات کو ڈرامہ کی شکل میں پیش کیا۔ وہی ان کو مرتب کرتے، یاد کرتے اور شرفا کے سامنے ادا کرتے تھے۔ عام لوگ اس سے قطعی محروم تھے۔ وہ نہ ادا کار کی حیثیت سے اس میں حصّہ لینے کے مجاز تھے اور نہ سامعین وناظرین کے طور پر اس سے لطف اندوز ہونے کے حقدار۔ یہ ڈرامے مندر کے ایوان خاص میں اس طرح ہوتے تھے کہ انکے لئے نہ کسی اسٹیج کی ضرورت تھی نہ پردوں وغیرہ کی حاجت۔ پروہت ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو تے تھے تاکہ سب لوگوں کی نظر آسانی سے ان پر پڑ سکے۔ جب لوگوں کی دلچسپی بڑھی اور وہ زیادہ تعداد میں اس کے اندر حصہ لینے لگے تو ڈرامے کا اسٹیج[3] کھلے میدانوں میں بنالیا گیا۔ وہاں بھی شروع میں ایسا ہوا کہ چوبی

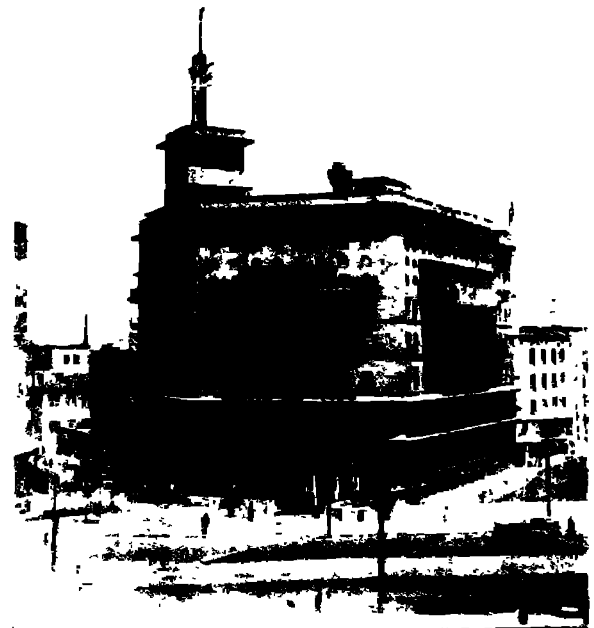
[1] بڑی بہن کو جاپانی زبان میں "اینے سان" کہتے ہیں۔ اور وہاں کا رواج ہے کہ ہوٹل یا سرائے کی ملازمہ کو بھی ہمیشہ "بڑی بہن" کہکر مخاطب کرتے ہیں۔

[2] سپاہی زادے جو جنگی خدمات کے صلے میں جاگیریں حاصل کرکے امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہندوستان کی طرح وہاں بھی چار ذاتیں تھیں جن میں سے ایک سمورائی تھی۔ آجکل ذات پات کا امتیاز بہت کم ہو گیا ہے۔

[3] جاپانی اسٹیج کا نام "بوتائی" ہے۔



ٹوکیو اساھی کا طیارہ خانہ



ٹوکیو اساھی کا دفتر

Calcutta Art Press Delhi.



مسٹر منصور احمد



جناب ا۔م صہائے

Calcutta Art Press Delhi

تختوں کا اونچا سا پلیٹ فارم تعمیر کر لیا گیا جس پر کھڑے ہو کر پروہت اداکاری کرتے۔ اور نیچے گھاس پر فرش بچھا کر ناظرین بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن اُس وقت بھی صرف سمورائی اسے دیکھتے تھے۔ تاجروں اور صنّاعوں کو اوّل تو فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ اور دوسرے یہ کہ تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے باعث انھیں نااہل سمجھا جاتا تھا۔ سمورائیوں کا شوق اسقدر ترقی کر گیا کہ وہ خود ڈرامہ میں حصہ لینے لگے۔ لیکن اس کام کو اپنا پیشہ نہیں بنایا۔ انھوں نے کبھی اس کو تفریح و تفنن کا ذریعہ بھی نہ سمجھا۔ بلکہ اس سے سبق حاصل کرتے تھے۔ ان ڈراموں کا پلاٹ اُن قدیم روایات، عجیب و غریب توہّمات اور مذہبی اعتقادات پر مبنی تھا جو سب سے پرانی کتاب "کوجیکی" میں درج ہیں۔ پہلے وہی پروہت مکالمات کی ترتیب دیتے تھے مگر بعد میں سمورائیوں نے یہ خدمت بھی اپنے ذمّے لے لی۔ ایک ہی واقعہ کو کئی کئی طرح سے لکھتے اور اُسے بار بار پیش کرتے۔ ایک ہی چیز کو کئی دفعہ دیکھنے سے وہ کبھی نہ اکتاتے تھے کیونکہ اُن کا نقطۂ نظر مذہبی تھا۔ اُن میں گیتوں کی افراط ہوتی تھی اور تمام منظوم حصہ "ٹنکا" قسم کی شاعری میں ہوتا تھا۔ اور موسیقی کے لئے "گاگاکو"[1] طرز مخصوص تھی۔ جب سے سمورائیوں نے اس میں عملی حصہ لیا اس ڈرامہ کی شان میں چار چاند لگ گئے۔ اداکار نہایت قیمتی اور زرق برق لباس استعمال کرنے لگے۔ پھر یہ محسوس کر کے کہ بعض دفعہ منظر بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے اسٹیج میں زبردست تبدیلی پیدا کی۔ تمام اسٹیج ایک چوبی مکان سا بن گیا جس میں چار پانچ دالان ہوتے تھے اور سب کا رُخ باہر کی طرف ہوتا تھا۔ اس مکان کو پہیوں پر اس طرح قائم کرتے تھے کہ کل گھما کر جو منظر چاہتے سامنے لے آتے۔ عقبی دیواروں پر قدرتی مناظر کی تصاویر آویزاں ہوتی تھیں۔

اس نوع کے خالص مذہبی ڈراموں کی تعداد تین سو پینتیس ہے جو ایک ضخیم جلد میں مجتمع ہیں۔ اس مجموعہ کا نام "یوکیوکاشوگے" ہے۔ ان میں سے تقریباً ایک سو تیس ڈرامے کوانامی کیوشوگو اور اس کے بیٹے موتوکیا کے ناموں کے ساتھ منسوب کئے جاتے ہیں۔ باقی ڈرامے پروہتوں کی تالیف ہیں جن کے نام معلوم نہیں۔ ان سب ڈراموں میں پرہیزگاری، حُب الوطنی، شجاعت، بزرگوں کی عزت، اور سب سے زیادہ بادشاہِ وقت کے ساتھ وفاداری کی تلقین کی گئی ہے۔ جاپانی لوگ بادشاہ کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں اور اس لئے اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ قدیم زمانے سے اب تک اس نوع کے ڈراموں میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں ہوا۔

جب جاپان میں چینی تعلیمات کو فروغ ہوا تو لوگوں نے ڈرامہ کو بُھلا دیا۔ اور یہ فن ایک بار پھر کھلے میدان سے ہٹ کر مندر کی چار دیواری میں چلا گیا۔ اصل "نو" ڈرامے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کیونکہ بدھ کی تعلیمات کے مطابق اس دُنیا کو دار المحن سمجھا جاتا تھا اور اسی امر کی تلقین ہوتی تھی کہ انسان نیک کام کرے مکافات کے تمثیلوں سے محفوظ رہے۔ بار بار اس کی روح کا آواگون نہ ہو اور جلدی ہی اس معصیت کی دنیا کو چھوڑ کر تقدس کی دُنیا میں چلا جائے۔ پھر چینی فلسفی چوہی نے جو انتہا درجہ کا قنوطی تھا لوگوں کے دلوں کو افسردہ بنا کر زندگی سے بیزار کر دیا۔ اس کے تمام اقوال سے دُنیا کی بے ثباتی ظاہر ہوتی ہے۔

بہت عرصہ تک ڈرامے کی طرف کسی نے التفات نہ کیا۔ آخر کار شاہزادہ اواکورا کی سرپرستی اور دو ماہرینِ فن ہوشو کیورو اور آمے دا اکاکی سِی جیوں سے اُسے نشاۃِ ثانیہ حاصل ہوئی۔ یہ جاپانیوں کا جذبۂ قومی تھا کہ دوبارہ اس میں تجدید ہو گئی۔ اُنھوں نے چینی فلسفہ کو ٹھکرا دیا اور پھر اپنا قومی راگ الاپنے لگے۔

لیکن ڈرامے کی نشاۃِ ثانیہ ہی نہیں ہوئی بلکہ اس میں ایک نیا تغیر بھی رُونما ہوا۔ اہلِ جاپان نے "نو" ڈرامے کی افسردگی کو دور کرنے کے لئے ایک مزاحیہ چیز کی ضرورت محسوس کی۔ کیونکہ وہ اپنی عادت سے مجبور تھے۔ رجائیت ان کی فطرت میں شامل تھی۔ چنانچہ نو ڈرامے کے ساتھ ساتھ ایک نئی قسم کی مزاحیہ تمثیل دائرۂ وجود میں آئی جسے "کیوگن" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس میں ہنسی مذاق اور دل بہلانے کی باتیں ہوتی تھیں پر لطیف الفاظ اور مضحک حرکات سے سامعین و ناظرین کو خوش کیا جانے لگا۔ چونکہ اس میں جاپانی فطرت کی جھلک تھی اس لئے بہت جلد مقبولیت حاصل ہو گئی۔ یہ طرز کسی ذات کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ ہر شخص اس میں حصہ لے سکتا تھا۔ بڑھتی ہوئی مانگ کو مدِّنظر رکھ کر بے شمار تھیٹر قائم کئے گئے اور بجائے سمورائیوں کے پیشہ ور لوگ اس میں کام کرنے لگے۔ یہ ڈرامہ لوگوں کی تفریح کے لئے بہترین چیز تھی۔ مگر کسی نے اور خاص طور پر قدامت پسند ہستیوں نے "نو" ڈرامے کو پس پشت نہیں ڈالا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ "نو" کا تعلق مذہبی عقائد سے تھا اور بعد ازاں بادشاہوں کی سوانح حیات شامل کر کے اس میں قومیت کا رنگ بھی پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ دونوں ڈرامے رائج رہے۔ زیادہ فروغ "کیوگن" ہی کو رہا کیونکہ اس میں تجارتی غرض شامل تھی۔ اب "نو" ڈرامہ کسی کے لئے مخصوص نہیں رہا تھا۔ پھر بھی سمورائی اسے ذاتی چیز سمجھ کر ایک حد تک اپنی ملکیت تصور کرتے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان کے مرکز عوام سے علیحدہ ہوتے تھے اور ان کے تھیٹر میں بہت کم اداکار پیشہ ور ہوتے تھے وہ اپنی اولاد کو ڈرامے یاد کرا کے ان سے اداکاری کرانا ایک قسم کی عبادت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوا مگر کیوگن کی تعداد بڑھتی رہی۔

---

[1] یہ طرزِ موسیقی چین سے جاپان میں آئی۔ پہلے صرف دربارِ شاہی کے لئے مخصوص رہی۔ اور بعد میں سمورائیوں کے لئے بھی اس کی اجازت ہو گئی۔ آجکل تمام شنتو اور بدھ مذہب کے مندروں وغیرہ میں بھجن اسی طرز پر گائے جاتے ہیں۔ آلاتِ موسیقی بھی زیادہ تر چینی ہیں۔

سولھویں صدی عیسوی میں ایک افسانہ[1] "جورُوری مونوگتاری" لکھا گیا۔ جس میں "جوروری" ہیروئن کا نام تھا۔ اسے بہت شہرت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ جاپان کے داستان گویوں نے اسے زبانی یاد کرلیا اور جگہ جگہ اسے سناکر روپیہ پیدا کرنے لگے۔ ان کا نہ کوئی تھیٹر تھا اور نہ کوئی خاص مستقر۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے محسوس کیا کہ اس افسانہ کی لطافت میں فرسودگی پیدا ہوچکی ہے اس لئے انھوں نے اس میں ایک جدت کی یعنی کافی بڑی بڑی پتلیاں بنالیں داستان سُناتے وقت وہ ان پتلیوں کو جن کے تمام اعضاء میں کمانیاں لگی ہوئی تھیں حرکت دیتے جاتے تھے۔ مثلاً کہانی میں کسی کی لڑائی کا ذکر ہوتا تو وہ پتلیاں بالکل اس طرح لڑتیں گویا دو آدمیوں میں مبارزت ہورہی ہے۔ رفتہ رفتہ اس نئی چیز کو بہت شہرت ہوگئی۔ اور بعض تھیٹریکل کمپنیوں نے ایسے داستان گو ملازم رکھ لئے۔ تاکہ باقاعدہ اسٹیج پر اس کھیل کو پیش کیا جاسکے۔ اصل ڈرامہ کے شروع یا آخر میں یہ کھیل دکھاتے تاکہ لوگوں کو مزید دلچسپی حاصل ہوا کرے۔ حتٰی کہ یہ بذاتِ خود ڈرامہ کی ایک قسم بن گئی۔ اور چونکہ اس کی ابتداء "جوروری مونوگتاری" سے ہوئی تھی اس لئے اس نوع کا نام ہی "جورُوری" رکھدیا گیا۔

اب اس کے لئے ایک ہی قصہ پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ڈرامہ نویسوں نے نئے نئے قصے گھڑنے شروع کئے۔ اسٹیج پر ایک آدمی سب کے سامنے کھڑے ہوکر ان پتلیوں کو حرکت دیتا تھا۔ یہ کھیل جو بظاہر بہت ہی مضحکہ خیز ہے لوگوں کے لئے بہت زیادہ سامانِ دل بستگی فراہم کرنے لگا۔ اس میں داستان پڑھنے والے پتلیوں کو حرکت دینے والوں سے علیحدہ اسٹیج کے ایک کونے میں بیٹھتے تھے۔ وہ اپنی آواز کے اُتار چڑھاؤ سے جذبات کی پوری پوری ترجمانی کرتے تھے اس کے فروغ پاتے ہی کیوگن تو بالکل ہی مفقود ہوگیا اور "نو" ڈرامے میں صرف اسلئے کچھ جان باقی رہ گئی کہ وہ مذہبی اور قومی چیز تھی ورنہ اسکا بھی تختہ اُلٹ جاتا۔

جورُوری ڈرامے کا اسٹیج بہت سیدھا سادا ہوتا ہے۔ کھیل شروع ہونے سے قبل اس کے سامنے پردہ پڑا رہتا ہے۔ اسٹیج کے وسط میں ایک بڑی میز ہوتی ہے جس پر پتلیوں کو کھڑا کیا جاتا ہے۔ اُن کا قد مختلف ہوتا ہے بعض تین تین فٹ تک لمبی ہوتی ہیں۔ اُن کے اندر اسقدر کمانیاں لگی ہوتی ہیں کہ ہر کس کے کھلاڑی کی طرح اُن کے جسم کو جس طرح چاہیں موڑلیں۔ پھر اس سے زیادہ کمال یہ ہے کہ مختلف قسم کے جذبات کا اظہار بھی کما حقہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً غصہ کی حالت میں پتلی کی تیوری پر بل پڑجائیں گے، بھنویں تن جائیں گی اور سینہ میں اسطرح نشیب و فراز پیدا ہونے لگے گا۔ گویا تنفس میں زبردست ہیجان پیدا ہورہا ہے۔ مسرت و شادمانی کی حالت میں چہرے پر تبسم نمودار ہوتا ہے، باچھیں کھلنے لگتی ہیں۔ اور قہقہوں کے ساتھ کمر میں بل پڑجاتے ہیں، وہ ناچتی بھی ہیں۔ مگر ناچ خلافِ اصول نہیں ہوتا۔ اپنی اُنگلیوں سے ستار کی قسم کا ایک ساز جس میں تین تار ہوتے ہیں بڑے عمدہ طریقہ پر بجاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو پتلیوں کو اس طرح حرکت دیتے ہیں کسقدر اعلیٰ ماہرِ فن ہوتے ہوں گے۔ اُن لوگوں کو "اَیا سوری شو"[1] کہتے ہیں اور پتلی کو "نِن گیو"[2] اسی لئے جوروری ڈرامہ کو "نِن گیو شِبائی" بھی کہتے ہیں۔ بعض کھیلوں میں بجائے ایک کے کئی کئی عامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں پتلی کے مختلف اعضاء علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اور صرف انہی اعضاء کی کمانیوں کو حرکت دینا اُن کا فرض ہے جو اُن کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ یہ عامل میز کے نیچے زمین پر کھڑے رہتے ہیں۔ لیکن حسبِ ضرورت وہ اونچی تپائیوں پر بھی چڑھ جاتے ہیں جو میز کے قریب ہی رکھی رہتی ہیں۔

وہ لوگ بھی جو ڈرامے کی عبارت بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ اور "جوروری گتاری"[3] کہلاتے ہیں لائقِ تحسین ہیں۔ اُن کا کام ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ الفاظ پر زور دینے میں اُنہیں خاص مہارت ہوتی ہے اور جذبات کی نوعیت کے لحاظ سے آواز میں اُتار چڑھاو پیدا کرتے ہیں۔ غصّہ کی حالت میں بہت تیزی سے بولتے ہیں اور خوشامد کے وقت بہت لجاجت سے۔ دیوتاؤں کے سامنے التجا کرتے وقت لہجہ میں پورا عجز و انکسار ہوتا ہے۔ انہیں ڈرامے کے عاملین سے کوئی سروکار نہیں تھا وہ علیحدہ بیٹھے ڈرامہ بولتے رہتے ہیں۔ عامل ان کے ماتحت اور پابند ہوتے ہیں۔ جوروری ڈرامہ کی داغ بیل شہر کیوتو میں ڈالی گئی تھی مگر اُسے اصل فروغ شہر ییدو[?] میں حاصل ہوا جو آجکل توکیو کے نام سے موسوم ہے۔ اور علاوہ تجارت اور صنعت و حرفت کے علم و ہنر کا بھی زبردست مرکز ہے۔

سترھویں صدی کے آغاز میں ڈرامہ کی دُنیا کے اندر ایک نیا انقلاب رونما ہوتا ہے جیساکہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ عہدِ توکوگاوا میں بہت سے جاپانی چین اور دیگر ممالک سے تعلیم حاصل کرکے وطن واپس آئے تو انھوں نے حقیقت نگاری کی بجائے رومانیت کی داغ بیل ڈالی تصورات کے میدان میں گھوڑے دوڑانے لگے۔ حیاتِ انسانی پر تخیلات کے زاویے سے نظر ڈالی گئی۔ ناولوں اور افسانوں کے اندر عشق و محبت کے بیج حُسن و جمال کی زمین میں بودئے۔ ناممکن تھا کہ ان نونہالانِ چمن کا سایہ جوروری ڈرامے کی بیجان پتلیوں پر نہ پڑتا۔ چنانچہ ڈرامے کی ایک نئی شکل دائرۂ وجود میں

[1] یعنی ہاتھ سے حرکت دینے والا۔
[2] نِن گین کے معنٰی انسان۔ نِن گیو اسی لفظ سے بنا ہے۔
[3] گتاری ہر اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو کوئی بات بیان کرے یا کسی چیز کا اعلان کرے۔

آگئی۔ جس کا نام "کابوکی" رکھا گیا۔ اس کی اوّلیت کا سہرا ایک عورت کے سر ہے جو ایک خانقاہ کی راہبہ تھی۔ مذہب کا تقدس اُس کے جوشِ شباب کو نہ دبا سکا۔ اُس نے خیال کیا کہ جوانی کے رنگین لمحے تارک الدنیا رہ کر گذارنے مناسب نہیں۔ لہٰذا اس کا دل جو پہلے سے بیمارِ محبت تھا اُسے خانقاہ کی ویران و بے رنگ چار دیواری سے نکال کر اُس تعیش گذار اور پُر لطف ماحول میں لے آیا جہاں حسن و جمال کے نغمے، عشق و محبت کے ساز پر گائے جاتے ہیں۔ اُس کا دل متوالا تھا۔ اُس نے رقاصہ کی زندگی پسند کی۔ اور اُسے اپنا پیشہ بنا لیا۔ اُس کی نظریں ڈرامے کی طرف اُٹھیں اور اُس نے خیال کیا کہ اُسے عشقیہ رومان سے محروم نہ رکھا جائے۔ اِس مقصد کے لئے اُس نے اپنی سرپرستی میں چند نوجوان لڑکیوں کو تربیت دی اور ایک ڈرامہ ترتیب دے کر عوام کے سامنے پیش کیا۔ قدامت پسند لوگ اسے کیونکر برداشت کرتے! شدید مخالفت ہوئی اور حکومت نے بھی اخلاقی نقطۂ نظر سے "عنذر پر" اونا یاکوشا۵۱ کے پیشہ کو جرم قرار دے دیا۔ لیکن جلدی ہی لوگوں کی نگاہ میں اس جدید طرز نے جگہ حاصل کر لی تھی۔ اِس لئے اُس کا مٹ جانا محال تھا۔ اُسے جاری رکھنے کے لئے نوجوان لڑکوں کو اس طرح مشق کرائی کہ وہ زنانہ پارٹ بھی نہایت خوبی کے ساتھ ادا کرنے لگے۔ اب اُس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی بہت جلد تمام ارتقائی منازل طے کر کے ڈرامے کی دونوں سابقہ قسموں پر حاوی ہو گیا۔ "کابوکی" نہ تو "نو" ڈرامے کی طرح مذہبی تھا۔ اور نہ جورُوری کی طرح اِس میں خلافِ فطرت طور پر پُتلیاں نچائی جاتی تھیں۔ اس کا موضوع عشق و محبت ہی کے لئے محدود نہ رہا بلکہ معاشرتی اور تاریخی پلاٹ پر بھی ڈرامے لکھے جانے لگے۔ معاشرتی ڈراموں کو "سیوا مونو۵۲" اور تاریخی ڈراموں کو "جی دائی مونو۵۳" کہتے ہیں۔ "کابوکی" کی شہرت کے ساتھ ساتھ بعض اداکاروں نے بھی ایسی ترقی کی کہ اُن کا فن مثالی نمونہ بن گیا مثلاً ساکاتا توجورو اور "اچی کاوا دان جورو" اس عہد کے بہترین اداکار گذرے ہیں۔ ان میں سے اِچی کاوا ایک رقص کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہے۔ اس رقص کا نام "کاگامی جی شی" ہے جس کے لئے بڑے ہُنر کی ضرورت ہے۔ اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ پہلے میں ایک نوجوان خاتون کی محبت سے لبریز رومانی زندگی کو رقص میں پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے میں شیشی یعنی شیر کا ناچ ہوتا ہے۔ شیر کی نسبت یہ ہے اور بھی بہت سی ناچ مشہور ہیں۔ کیونکہ جاپانیوں کا خیال ہے کہ شیر بدھ مت کا محافظ ہے۔ اِچی کاوا نے اِس رقص میں ایسی شہرت حاصل کی کہ اس زمانے کا سب سے بڑا اُستاد کان او فوجی ما بھی اس کی اداکاری کا قائل ہو گیا۔ تاہم آجکل جاپان میں کی گوگورو اونو یے ایسا باکمال اداکار ہے کہ اس کے سامنے اِچی کاوا کی تاریخی شخصیت بھی ماند پڑ گئی ہے۔

کابوکی میں سمورائیوں نے نہ تو عملی حصہ لیا اور نہ اُسے دیکھنا پسند کیا۔ وہ لکیر کے فقیر بنے رہے مگر فی زمانہ جبکہ جاپان میں ذات پات کا امتیاز برائے نام رہ گیا ہے سمورائی بھی اسے خوشی سے دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی "نو" ڈرامے کی سرپرستی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آج جاپان میں اسکا وجود ایسا ہی ہے جیسے کوئی مریض عرصۂ دراز سے بسترِ علالت پر زندگی کے دن پورے کر رہا ہو۔

کابوکی جس کی ابتدا ۱۶۰۳ء میں ہوئی تھی ۱۶۸۵ء تک ڈرامے کی دُنیا پر حاوی رہا اور کسی دوسری نوع کو فروغ حاصل کرنے کا موقع نہ دیا۔ مگر ۱۶۸۵ء میں اسے شکست ہوگئی۔ اور جورُوری غالب آگیا۔ اس انقلاب کے لئے تاکے موتو گدایو کا نام قابلِ ذکر ہے۔ اُس نے ایک تھیٹر قائم کر کے باکمال اور ہُنرمند اداکار جمع کئے اور غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ یہ خود بھی زبردست ماہرِ موسیقی تھا۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے لئے جورُوری کا نام بھی تبدیل ہو کر گدایو ہو گیا۔ تاکے موتو گدایو کی کامیابی مون زائے مون چکا ماتسو کے طفیل حاصل ہوئی جو ۱۶۵۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ یہ جاپان کا شیکسپیر کہلاتا ہے۔ چکاماتسو نے بھی پہلے کابوکی کے لئے ڈرامے لکھے تھے۔ لیکن تھیٹر کے منتظم ڈرامہ نویس کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اداکار کی سہولت کا خیال رکھ کر ڈرامہ لکھے۔ چکاماتسو سے اِس کی پابندی نہ ہو سکی اور اس نے لکھنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس کا قول تھا کہ ڈرامہ نویس خود مختار ہو تاکہ ڈرامائی کشمکش کے پورے جوہر نمایاں کر سکے۔ اداکار کا فرض ہے کہ وہ انتہائی مشق کے بعد اُسے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کرے۔ تاکے موتو گدایو کے ساتھ مل کر کام کرنے میں اُسے کامل اختیارات حاصل تھے۔ اس لئے اُسنے جورُوری قسم کے بہترین ڈرامے لکھے جن کی کل تعداد تقریباً ایک سو ہے۔ اور جس طرح شیکسپیر کے ڈراموں کو چارلس لیمب نے مشہور کہانیوں کی شکل میں لکھ دیا ہے۔ اسی طرح اس کے ڈراموں کو می یا موری نے افسانوں میں بدل دیا۔

کافی عرصہ تک جورُوری کو عروج اور کابوکی کو زوال رہا حتیٰ کہ ۱۷۲۴ء میں چکاماتسو کا انتقال ہو گیا۔ ہر چند اُس کے ڈرامے موجود تھے اور آج تک

۵۱ یاکوشا کے معنیٰ اداکار اور اونا کے معنیٰ مؤنث یعنی اونا یاکوشا ایکٹرس کو کہتے ہیں۔

۵۲ سیوا کے معنیٰ عام لوگ اور مونو کے معنیٰ واقعات۔

۵۳ جی دائی کے معنیٰ گذرا ہوا زمانہ اور مونو کے معنیٰ واقعات۔

بعض قومیں اپنے ادب کی کم مائگی محسوس کرکے ترجمہ کرتی ہیں اور بعض محض اس مقصد سے کہ دوسروں کے اندازِ بیان، رعنائیِ خیال اور طرزِ ادا کا لطف دکھایا جائے مثلاً آجکل اُردو ادب کا دَورِ ترجمہ ہے پچھتر فی صدی سے زیادہ ادب ایسا ہے جو انگریزی، جرمنی، فرانسیسی اور روسی وغیرہ زبانوں سے ترجمے کرکے اپنے ادب میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اور جو طبعزاد لکھنے والے ہیں اُن کی نگارشات پر بھی اس زمانے کا رنگ ایسا طاری ہے کہ ان کی ذاتی کاوشیں ترجمہ معلوم ہونے لگتی ہیں اسکے برعکس اُردو کی چند کتابیں دوسری زبانوں میں منتقل ہوچکی ہیں، اور شاید مستقبل میں کچھ اور کتابوں کا ترجمہ بھی ہوجائے۔

جاپانی ادبیات کو دَورِ ترجمہ کے دونوں رخوں سے سابقہ پڑچکا ہے اور ہنوز سلسلہ جاری ہے۔ پہلے غیر ممالک کا ادب جاپانی زبان میں منتقل ہوا۔ پھر جاپان کا ادب غیر زبانوں میں۔ یہ کاوشیں کسی قدیم زمانے کی یادگار نہیں ہیں بلکہ گذشتہ صدی کے آخری حصہ کو اس امتیازی خصوصیت کا فخر حاصل ہے۔ ۱۸۶۸ء کے بعد یعنی "عہدِ میجی" میں جب جاپانیوں نے سمندروں کو عبور کرکے دوسرے ممالک میں قدم رکھا اور وہاں کے ادبیات کا مطالعہ کیا تو اُنھیں بجا طور پر رشک ہوا کہ اُن کا ملک اب تک ان نوادر سے کیوں محروم رہا۔ چنانچہ تین نوجوانوں[51] نے جن کو یورپ میں تحصیلِ علم کا موقع ملا تھا۔ متحدہ کوششوں سے جاپان میں انگریزی تعلیم کو رواج دیا۔ اور بڑی زبردست کامیابی حاصل کی۔ تاہم سب سے زیادہ شہرت فوکوزاوا یوکی چی کو نصیب ہوئی۔ جس نے جامعۂ کیئوگی جوکو، کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور ناکامورا پہلا شخص ہے جس نے سمائلز کی مشہور ادبی کتاب "سیلف ہیلپ[52]" اور مِل کی سیاسی تصنیف "ریپریزنٹیٹو[53] گورنمنٹ" کے ترجمے جاپانی زبان میں کئے۔ اُچی دا آما ساؤ نے جغرافیۂ عالم۔ اور متسوکوری رنشو نے تاریخ اقوام انگریزی کتابوں سے اقتباسات لے کر تالیف کیں۔ ناکائی توکوسُوکے نے فرانس کے مشہور مُدبّر رُوسو کی "کنٹریکٹ سوشل[54]" کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۸۲ء میں "جولیس سیزر" کے جاپانی مترجم نے جو شویو کی کاوش کا نتیجہ ہے بڑی شہرت حاصل کی۔ نیز صیغہ تعلیمات کے ایماء پر "چیمبرز انسائیکلوپیڈیا" کا ترجمہ ہوا۔

مختصر یہ ہے کہ انگلستان، امریکہ، روس، جرمنی اور فرانس کی تمام نامور ہستیوں کا جاپان میں غائبانہ تعارف ہوگیا۔ مثلاً کالائل، لنکن، واشنگٹن، بائرن، شیکسپیر، ملٹن، ترجنیف، طالسطائی، کارلائل، ڈوڈیٹ، ایمرسن، وکٹر ہیوگو، ہائنے، ڈی کوئنسی، ڈکنز، گورکی اور گوئٹے وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آج ان کے تمام شاہکار جاپانی لباس میں الماریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ترجموں میں سے موری اوگائی کا نام ایک درخشاں ستارے کی مانند چمکتا نظر آتا ہے غیر ملکیوں میں سے لفکیڈیو ہرن کی پرخلوص خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ یہ شخص یونانی نژاد تھا۔ مگر جاپان میں اس طرح زندگی بسر کی گویا یہی اُس کا وطن تھا۔ علاوہ تراجم کے اس کی بعض طبعزاد تصانیف بھی قابلِ دنعت ہیں۔ موجودہ زمانے میں گلین شو کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ جسے ترجمہ کرنے میں خاص مہارت حاصل ہے اور ذاتی انشاپردازی میں بھی کچھ کم شہرت نہیں رکھتا۔ کچھ عرصہ ہوا ایک جاپانی رسالہ میں جاپان ہی سے متعلق اس کا ایک سفرنامہ شائع ہوا ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اُسے ظرافت نگاری میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ اسی سلسلہ میں مغرب کی چند ایسی ہستیاں بھی ہیں جنہوں نے جاپان سے متعلق ایسے افسانے اور ناول لکھ کر وہاں کی اصل معاشرت کا نقشہ کھینچ دیا۔ مثلاً ایک امریکن خاتون جون کونگوئسٹ کا ناول "ایسٹرن لوورز" (Eastern Lover) کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں ایک مغربی خاتون کی محبت ایک جاپانی مصوّر کے ساتھ دکھائی ہے۔ تخیل کی بلند پروازی اور اندازِ بیان کی رعنائی قابلِ ستائش ہے۔ جاپان کی مذہبی اور معاشرتی رسوم کو ایسے عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے کہ ایک بار دھوکا ہونے لگتا ہے کہ شاید کونگوئسٹ کا وطن ہی جاپان ہے۔ اس میں کہیں کہیں جاپانی نظمیں بھی شامل ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتون موصوف اس زبان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور چونکہ یہ ایک مصور کی رومانی زندگی ہے۔ اس لئے آرٹ کے متعلق بھی بعض باتیں نہایت دلچسپ بیان کی ہیں۔

غیر مناسب نہ ہوگا اگر جاپان کی چندان کتابوں پر بھی نظر ڈال لی جائے جن کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہوا۔ میرے پیشِ نظر بہت سی کتابیں ہیں، مگر اس وقت اُن میں سے چند پر اکتفا کروں گا۔

اس ضمن میں سب سے پہلا نام چیمبرلین کا ہے جس نے نہایت کاوش و جانفشانی سے جاپان کی دو قدیم ترین کتابوں کے ترجمے کئے، اوّل "کوجیکی" اعلام نحونگی"۔ قدیم ترین نوشتوں میں سے ایک کتاب جس کا ذکر ابھی تک نہیں ہوا "منشو نوری تو" ہے۔ اس کے اندر

[51] یعنی پروفیسر تویابہ۔ پروفیسر ہوزومی اور بارڈن کی کوچی۔
[52] Smile's Self Help
[53] Mill's Representative Government.
[54] Rousseau's Contract Social.

شنتو مت کی وہ دعائیں درج ہیں جو مندروں میں دیوتاؤں اور دیویوں کے سامنے پوجا کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ اس کا ترجمہ سر آرنسٹ شیتو اور ڈاکٹر کارل فلورنیر نے کیا ہے۔ چیمبرلین نے ان مجموعہ ہائے منظومات کا بھی ترجمہ کیا ہے جو "من یوشو" اور "کوکن شو" کے نام سے مرتب ہوئے تھے کی تو سرا یو کی کے روزنامچے "تو سا کی" کا ترجمہ ولیم پورٹر نے کیا۔ اس میں دو سو میل کے حالاتِ سفر روزنامچے کی شکل میں لکھے ہیں۔ یہ سفر ۹۳۵ء میں صرف پچپن یوم کی مدت میں ایک کشتی کے اندر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ دربارِ شاہی سے متعلق تین خواتین کے روزنامچوں کا بھی ترجمہ ہوا۔ یہ روزنامچے "سراشینہ نک کی" "موراساکی شکی بو نک کی" اور "ازومی شکی بونک کی" کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے ازومی شکی بو شاعرہ بھی تھی۔ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ نیز بے شمار ناولوں اور افسانوں کے ترجمے ہوئے، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ مثلاً "تاکے توری مونوگتاری"، سوگی یوشی مونوگتاری، گین جی مونوگتاری، ہیئی کی مونوگتاری، ہوگینگ مونوگتاری، گو جو تو تو، کو نجیکی یا ستا، سو تو آومایچ، واگاہائی وانے کو دے ارو، وغیرہ۔ بہت سے ڈرامے بھی منتقل کئے گئے۔ مثلاً چی کاماتسو کے ڈرامے اور "تشک کی تو سو نو دے شی" "تتو جو رو نو کوئی" "کناوا" وغیرہ جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور کتاب خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو "واسوب یواے" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی اس کی تاریخِ اشاعت ۱۷۷۴ء ہے۔ اس کا ترجمہ چیمبرلین نے کیا۔ یہ بھی ایک سفرنامہ ہے۔ اور الف لیلےٰ کی بعض کہانیوں سے مشابہ ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ انگریزی انشا پرداز سوئفٹ کے "سفرنامۂ گلیور" سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ لیکن یہ رائے ہرگز قائم نہیں کی جا سکتی کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا ترجمہ یا خاکہ ہے۔ کیونکہ سفرنامۂ گلیور بھی ۱۷۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اور یہ امر تحقیق ہے کہ انیسویں صدی سے قبل جاپانیوں کے راہ و مراسم مغربی ممالک سے کچھ زیادہ نہیں تھے۔

"واسوب یواے" میں بھی ایک فرضی شخص کا سفر ہے جو کشتی کے ذریعے کیا گیا تھا۔ اُس کی سیاحت عجیب و غریب سرزمینوں پر ہوئی۔ مثلاً سرزمینِ شباب۔ سرزمینِ حیات۔ سرزمینِ گل۔ سرزمینِ نوادر۔ دوزخ میں سفر گلیور کی طرح ایسے نامعلوم ملکوں میں بھی ہوئے جہاں بالشتئے یا دیو رہتے ہیں۔ یا جہاں کے لوگوں کی وضع قطع عام انسانوں سے بالکل مختلف ہے۔ اندازِ بیان میں سنجیدہ ظرافت ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں۔ مگر طوالت کے خیال سے اُن کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

موکاشی گتاری یعنے روایاتِ قدیم

اس ضمن میں وہ صنمیاتی کہانیاں بھی شامل ہیں جو دیویوں اور دیوتاؤں کی تخلیق سے متعلق ہیں اور وہ حکایات بھی جو مذہبی عقائد سے قطع نظر عام لوگوں میں مشہور ہیں۔ اُن کی تعداد ناقابلِ شمار ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کے ذہن میں ایک ارب دیوتاؤں اور تقریباً آٹھ کروڑ دیویوں کا تصور موجود ہو، اُنکے ادبیات میں ایسی کہانیوں کی تعداد کس طرح محدود ہو سکتی ہے۔ اِس ضمن میں دہی کو جیکی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جس کی تفصیل کئی بار بیان کی جا چکی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں جبکہ زمین و آسمان کا وجود بھی نہیں تھا صرف تین دیویاں تھیں۔ ان کے بعد ازاناگی نومی کوتو اور اس کی بیوی ازانامی نومی کوتو پیدا ہوئے۔ ان کی متحدہ کوششوں سے زمین و آسمان دائرۂ وجود میں آئے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے صرف جزیرۂ جاپان کی تخلیق ہوئی تھی۔ باقی دُنیا کی ترکیب بعد ازاں عمل میں آئی۔ یوں تو تمام دُنیا کی صنمیاتی کہانیاں نہایت مضحکہ خیز ہوتی ہیں۔ مگر جاپان کو اس اعتبار سے سب پر سبقت حاصل ہے۔ اور حیرت ہے کہ اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی لوگ ان کو کس طرح صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً ایک دیوتا صاحب اپنی زوجۂ محترمہ کی تلاش میں جو اُن سے خفا ہو کر تحت الثریٰ میں چلی گئی تھیں۔ طبقاتِ زمین کے نیچے جاتے ہیں مگر وہاں کی غلاظت سے اُن کا جسم ناپاک اور بدبو سے دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ ناکامیاب واپس آجاتے ہیں۔ سطحِ ارض پر آ کر وہ اپنا عصا ٹپکا کھول کر پھینکتے ہیں جن سے پانچ دیویاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح تلوار، تمام اجزائے لباس اور دیگر اشیاء کے پھینکنے سے بے شمار دیویاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر وہ غلاظت دور کرنے کے لئے دریا میں اُترتے ہیں تو ہر غوطہ کے ساتھ لاتعداد بُلبلے سطحِ آب پر اُٹھتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے اندر ایک دیوتا ہوتا ہے۔

نظامِ شمسی کے ضمن میں ایک روایت بہت دلچسپ ہے۔ جس سے ڈرامے کی ابتدا پر روشنی پڑتی ہے۔ یعنی یہ کہ ایک مرتبہ سورج کی دیوی ایک دوسرے دیوتا سے ناراض ہو کر ایک آسمانی غار میں جا چھپی۔ اسکے روپوش ہوتے ہی تمام عالم میں اندھیرا چھا گیا۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہو گئی۔ دیوتاؤں نے محسوس کیا کہ اگر یہی صورت رہی تو نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے مناسب سمجھا کہ سورج دیوی کو منایا جائے۔ بڑی تلاش کے بعد اس غار کا پتہ چلا۔ مگر اُس کے مُنہ پر ایک بڑا پتھر رکھا تھا۔ جسے ہٹانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ لہذا دیوتاؤں نے انگریزوں کی سی پالیسی اختیار کی۔ اور رقاصۂ فلک امے نو آزومی کو

مجبور کیا کہ وہ غار کے سامنے ناچے۔ چنانچہ ناچ شروع ہوگیا۔ دوران رقص میں رقاصۂ فلک لمین کے ایک بڑے تنبورے پر لات بھی مارتی جاتی تھی جس سے ایک زبردست مگر مترنم شور برپا ہو جاتا تھا۔ آخر کار سورج دیوی جو رقص و غنا کی بہت دلدادہ تھی، بیتاب ہو کر باہر نکل آئی اور دنیا میں دوبارہ روشنی ہوگئی۔ اس ناچ کو "کاگورا" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جاپ بھی مندروں میں دیوتاؤں اور دیویوں کو خوش کرنے کے لئے دکھایا جاتا ہے۔ اور ڈرامے کی ابتدا اسی ناچ سے ہوئی جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

آجکل جاپانی لوگ اپنے ملک کو نپنگ کہتے ہیں۔ مگر اس کا ایک قدیمی نام "آکت سوشی ما" بھی ہے۔ آکت سو کے معنی پردار کیڑا اور شی ما کے معنی جزیرہ۔ قدیم جاپانی رسم الخط میں جب الفاظ کو اشکال کے ذریعے ظاہر کیا جاتا تھا۔ جاپان کو ایک کیڑے ہی کی شکل میں لکھتے تھے۔

ایک روایت ہے کہ اب سے دو ہزار چھ سو سال قبل شہنشاہ جمّو ملک کی ظاہری وضع دیکھنے کے لئے ایک بہت اونچے پہاڑ پر چڑھا۔ اسے یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ اس کی شکل ایک کیڑے کی مانند ہے جو منہ موڑ کر اپنی دم چاٹ رہا ہے۔ اس نظارہ کی بنا پر اس کا نام شہنشاہ نے "آکت سوشی ما" رکھدیا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ اب سے چودہ سو چالیس سال قبل شہنشاہ یوری آکو اپنے مصاحب کے ساتھ شغل مے نوشی میں محو تھا کہ اسی اثنا میں ایک بڑا مچھر اس کے ہاتھ پر بیٹھکر خون چوسنے لگا۔ مگر قبل اس کے کہ مصاحب اسے ماریں یا شہنشاہ خود ہٹائے، ایک پردار کوڑا آیا اور اسے اپنی ٹانگوں میں پھنسا کر لے گیا۔ اس نے متاثر ہو کر کہا کہ دیکھو حشرات الارض بھی شہنشاہِ وقت کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس صوبہ کا نام کیڑے کے نام پر "یماتو" ہوگیا۔ اور اس کے بعد تمام جاپان کو "یماتو" کہنے لگے۔ یہ اس ملک کا تیسرا نام ہے۔

الّو کی تخلیق کے متعلق بھی ایک دلچسپ روایت ہے کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں کسی امیر کا ایک ملازم گوروسُو کے نامی تھا۔ بیحد درجہ بیوقوف اور احمق تھا۔ وہ کسی کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا تھا۔ تمام لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ آخر وہ تنگ آکر اپنے مالک کے گھر سے فرار ہوگیا اور خودکشی کرلی۔ اس کی روح سے جو پرندہ تخلیق ہوا وہ الّو ہی ہے۔ یہی واقعہ ہے کہ الّو روزِ روشن میں لوگوں کے سامنے آتے ہوئے جھینپتا ہے اور تمام رات گوروسو کے کا نام لے لےکر چلاتا ہے۔ روح کے اسی آواگون کے باعث الّو کو جاپانی زبان میں گوروسو کے کہتے ہیں۔

سام بی کا لینے گیت

مغربی تہذیب و تمدن کے مہلک جراثیم نے مشرق کے جن ممالک میں نشو و نما حاصل کی۔ وہاں کی اصلی ثقافت کو نیست و نابود کردیا۔ سادگی کے دلفریب چہرے پر تصنع کا غازہ پھر گیا اور صداقتِ قلب کے اظہار میں بناوٹ پیدا ہوگئی۔ بے جا تکلف کا نام تہذیب ہے۔ اور اسی قسم کی ریاکاریوں کو آجکل کی اصطلاح میں عوام رسمیہ کہا جاتا ہے۔ اس وائی وبا کے اثر سے جنسِ قوی کے رجحانات میں جو ابتذال ہوا وہ بجائے خود ایک موضوعِ بحث ہے۔ مگر یہ دیکھکر افسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف صنفِ نازک نے اپنی حقیقی نسائیت کو پامال ہو جانے کا موقع دیدیا۔ تو دوسری طرف بچوں کی ذہنیت میں شانِ طفلی مفقود ہے۔ عورت کے وہ دلچسپ گیت جن کے اندر اس کے سچے دل کے جذبات پنہاں ہوتے تھے۔ آج پیانو کے ترنم میں گم ہو گئے ہیں۔ اور بچوں کی نیند کو لوریوں کے کیفِ شکر سے آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آج برسات کے ولولہ انگیز گیت نایاب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ جھولا ہی نہیں رہا جس میں بیٹھکر کوئی گا سکے۔ گراموفون کے ریکارڈوں نے ان کے تعلق کو صرف سماعت میں بدل دیا ہے۔ صد افسوس ہے کہ دیہات کی فضا میں بھی اس لطیف شے کا فقدان ہو چلا ہے۔ کیونکہ گاؤں کا چودھری بھی اپنی اولاد کی شادی میں انگریزی بینڈ ہی کو ترجیح دیتا ہے۔

ہمارے ہندوستان کی طرح جاپان کا بھی یہی حال ہے۔ ستائیس ہزار مدارس میں سے تقریباً اٹھارہ ہزار درسگاہیں ایسی ہیں جن کے اندر مغربی اصولِ تعلیم کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ جہاں کے اساتذہ پیانو کے ماہر ہونے کے باعث پرانے گیتوں کو لائق و قعت نہیں سمجھتے۔ اور بچوں کا نصاب کچھ اس نوع کا ہوتا ہے کہ وہ گھر جاکر اپنے از کار رفتہ بوڑھے داداؤں کو پریوں کی منظوم کہانیاں سنانے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ لفکیڈیو ہرن نے اس کمی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اور انتہائی کاوش سے ان گیتوں کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے۔ جو اتفاق سے بعض پرانے خیال کے لوگوں کے لوحِ قلب پر باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے بعض گیت موسمی کیفیات سے متعلق ہیں اور بعض فضائے آسمانی سے کسی میں جانوروں کا ذکر ہے۔ اور کسی میں مختلف کھیلوں کا۔ مگر بحیثیتِ مجموعی وہ سب دلچسپ اور لطیف ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ غیر زبانوں سے ترجمہ کرنا مشکل کام ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ گیت کا ترجمہ سب سے زیادہ دشوار ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ کسی طرح صحیح مفہوم ادا ہو جائے۔

صوبہ اِزرا بن گڈی کا یہ گیت بہت مشہور ہے۔

تین گوسان (یعنی پہاڑی مخلوق کے آقا)
براہِ کرم میری گڈی کے لئے کچھ ہوا دیدے۔
اور اگر تیرے پاس ہوا نہیں ہے۔

بقیہ بر صفحہ ۲۴۲



جنگل میں منگل (قلمی لطیفہ)

Calcutta Art Press Delhi



آب رواں (فلمون لطیفہ)

Art Press Delhi

پروفیسر "یون نوگوچی" کا ولولہ انگیز کلام

پروفیسر "یون نوگوچی" جاپان کے مشہور شاعر اور آرٹ کے مشہور نقاد ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی کی دعوت پر آپ ہندوستان تشریف لائے ہیں، اور آجکل ملک کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں آپ کے خطبات کا انتظام ہو رہا ہے۔ آپ جاپان کی مشہور علمی درسگاہ "کیئوجیوکو" (Keio Gijuku) یونیورسٹی میں انگریزی زبان وادب کے استاد ہیں۔ یہ یونیورسٹی ایک قومی ادارہ ہے جس میں اس وقت ۲۸۰۰ لڑکے لڑکیاں زیر تعلیم ہیں اور اس وقت تک ۷۰۹۰ طلبہ فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔

مسٹر رچرڈ لی گیلین، جاپانی شاعر پروفیسر کی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے "نیویارک ٹائمز" نے ایک پرچے میں تحریر کرتے ہیں:۔

جاپانی شاعر "یون نوگوچی" اہل مغرب کے لئے کوئی اجنبی نہیں "لفکاڈیو ہیرن استاد انگریزی ٹوکیو یونیورسٹی نے آپ کی اکثر تصنیفات سے اہل مغرب کو روشناس کرا دیا ہے اور آپ کی نظموں کے انگریزی تراجم یورپ اور امریکہ میں بکثرت پڑھے جا رہے ہیں۔ اس ادبی دوستی نے مشرق و مغرب کی مودت و یکجہتی کے تصور کو بہت قریب کر دیا ہے اور وہ وقت آنے والا ہے جب مشرق و مغرب علمی و ادبی پہلوؤں سے یکجہتی اختیار کرے گا اور اس سے تحصص عالم کے تمدن کے سمجھنے اور بین الاقوامی ترقی وامن کے قیام میں زبردست مدد ملے گی۔ مسٹر نوگوچی کی انگریزی کی قابلیت مسلم ہے اور جب وہ اپنی نظموں کو انگریزی شاعری کے قالب میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں تو کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ انہیں انگریزی ادب وعروض پر پورا عبور حاصل ہے اور شاعری تو ملک وجغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ شاعر سب اہل عالم کا ہوتا ہے کسی قوم کی ملک نہیں ہوتا۔

آپ جس یونیورسٹی میں تعلیم دیتے ہیں وہیں تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ انگریزی کی مزید استعداد پیدا کرنے کے لئے آپ امریکہ گئے جہاں آپ ۱۸۹۳ء میں سان فرانسسکو یونیورسٹی میں رہے۔ آپ نے کچھ شورش پسندوں کے ساتھ مل کر ایک جاپانی اخبار بھی جاری کیا جو بند ہو گیا۔ تین سال تک آپ کیلیفورنیا کے شاعر جوکوئین ملر کے پاس رہے اور انگریزی شاعری کے قواعد سیکھے اور مشق کی۔ شاعر امریکہ ٹر کے میگزین میں آپ نے پہلی انگریزی نظم "جنڈول" چھپوائی جو بہت مقبول ہوئی۔ ۱۸۹۷ء میں آپ نے سفر کیا اور پیدل سفر کرنا شروع کیا۔ جنوبی امریکہ کو پیدل دیکھ ڈالا اور رستے کی صعوبتوں پر نظمیں لکھیں۔ ۱۹۰۳ء میں امریکہ کی کافی سیر کرنے کے بعد مغرب کو خیرباد کہا۔ جاپان آنے کے بعد انہوں نے ایک چھوٹا سا رسالہ (از بحر مشرق) تحریر کیا جس میں ان کی چھوٹی چھوٹی نظمیں تھیں جن کے چھپنے پر بڑے بڑے انگریزی ادیبوں اور شاعروں کی توجہ ان کی طرف ہو گئی۔ چنانچہ آسٹن ڈابسن۔ جارج میری ڈیتھ۔ طامس ہارڈی اور اینڈریو لینگ جیسے مشاہیر ادب نے وقتاً فوقتاً آپ کی شاعری کی داد دی۔ ۱۹۱۳ء میں آپ انگلستان پھر گئے اور میگڈالن کالج آکسفورڈ میں آپ نے جاپانی شاعری پر لکچر دئے۔ اس وقت تک آپ کے لکچروں کے کئی مجموعے اور شاعری کے دیوان اور آرٹ کی تنقیدات کافی تعداد میں چھپ چکی ہیں۔

آپ کی انگریزی شاعری اور جاپانی شاعری دونوں اپنی جگہ خوبصورتی الفاظ، نزاکت خیال، موسیقی و تصورات جمال کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ فطرت کی عکاسی اور مناظر حسن کی تصویر کشی الفاظ کا دلنشیں اور سبک انتخاب آپ کو ادب عالم میں ایک ممتاز درجے پر پہونچا دیتا ہے۔ غالباً غیر انگریز شاعروں میں ٹیگور کے بعد کوئی بھی اسقدر اچھا عبور انگریزی ادب وشعر پر نہیں رکھتا جسقدر مسٹر نوگوچی کو ہے۔

آپ کی انگریزی نظم ونثر کی مشہور تحریریں یہ ہیں:۔

"سحاب گرما" — "یاترا" — "ایک جاپانی لڑکی کی امریکی ڈائری" — "لفکاڈیو ہیرن جاپان میں" — "توری آئی کا سفر" — "جاپانی شاعری کی روح" — "جاپانی آرٹ کی روح" — "کورن" — "اوتامارو" — "ہیروشیج" — (جاپانی مجموعہائے نظم) اور دیگر کتابیں۔ کچھ مضامین اور نوٹ جو انگریزی شاعری اور جاپانی شاعری پر ہر دو زبانوں میں مختلف زمانوں میں اہل مغرب ومشرق کے مطالعہ اور افادہ کیلئے موصوف نے تحریر کئے۔

ظفر قریشی بی۔ اے۔ دہلوی

میری شاعری

میرا نغمہ لفظوں کا مجموعہ نہیں ہے۔
میرا نغمہ نہ لفظوں سے بنا ہے نہ شاعری کے قاعدوں کا پابند ہے
میرا نغمہ ایک پُراسرار پیغامِ حیات ہے۔ ترقی و جدت کا نقیب ہے
میرا نغمہ ——
ایک سانحہ ناگزیر کی طرح ہے جو ہو کر رہتا ہے!
ایک تصورِ بلند ہے جو شاعر کی طبیعت میں پیدا ہو کر رہتا ہے!
ایک جذبہ ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔
میرا نغمہ، ایک عجیب شے ہے۔ پُرکیف مگر بے لفظ!!

میرے نغمات ——!
طبعِ شاعر کی کامیابی نہیں ہیں بلکہ کرشمہ قدرت کا ظہور ہیں۔
وہ ایک نامعلوم بندش ہے جو لفظوں سے عاری مگر خیالات سے لبریز اور فکرِ بلند سے مملو ہے۔ میرے نغمے حیاتِ نو کے پیامی ہیں!!
لفظوں کی شکل پاکر جذبات اپنی بلندی کھو دیتے ہیں۔
الفاظ کا قالب توڑے بغیر روحِ نغمہ آسمانی بلندیاں حاصل نہیں کر سکتی۔
—— روح کو قالب کی قید سے نجات دینا میرا پیغام اور کام ہے اور میرا عمل اس نغمہ بے لفظ کا عکس ہے!
جب زوال شروع ہو جائے تو ترقی کی بنیاد پڑ جاتی ہے
خزاں کی آمد فطرت کے دیوالیہ ہونے کا اعلان ہے۔
—— مگر ہر خزاں نئی حیات لیکر آتی ہے۔ نشاۃِ نو ہر بربادی میں مضمر ہے۔
انجامِ سفر سے کیا گھبرانا جب ترقی تنزل کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔
جانبِ شمال ہوا چلتی ہے۔ خزاں بہار سے بدل جاتی ہے
جاڑے آتے ہیں اور چُپکے چُپکے اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔
پُراسرار سردیاں ختم ہوتے ہی فطرت پھر تنومند ہو جاتی ہے۔
مُردنی و ناتوانی ختم ہو کر حیات کی ہوا چلنے لگتی ہے۔
—— یہی حال میرے عزیزو! میرے نغموں کا ہے۔
میں لفظوں کی خزاں لا کر پیغام کی بہار پیدا کرتا رہتا ہوں۔
میرا پیغام ترقی کا سلام ہو سب سُننے والوں کو!

میں کہتا ہوں جمال پسندی اور حُسن آرائی کا دور ختم ہوا۔
اب ٹوٹی ہوئی چیزوں۔ بدشکل اوزاروں۔ بکھرے ہوئے کاموں اور ناتمام تباہیوں میں پیامِ جاودانی تلاش کرو۔
—— تباہیوں میں بربادیوں میں حیات و ترقی پوشیدہ ہے۔
اُس کی پکار سُنو۔ اُس کی روح کو سمجھو۔
ہر بربادی میں، اے سُننے والو! ہر بہار میں ریحِ زندگی لہراتی ہے۔ ہر مادی ترقی میں شاعری پوشیدہ ہے۔
سُنو اس نغمۂ عمل کو، اس بے لفظ شاعری کو۔!

قدم قدم پر نئی تدبیریں۔
جگہ جگہ پچھلے نقصانوں کا معاوضہ، نئی نئی نعمتوں کی شکل میں موجود ہے نئی زندگی کے نئے اسلوب سکھانے والی شاعری۔
لفظوں سے خالی ہے، میرے نغموں کی شاعری ترقی کی راہیں دکھانے والی ہے، پُراسرار پیغامِ عمل۔
او مغنی ——!
—— اے زمانۂ حاضرہ کی نبض پہچاننے والے، تو کون ہے؟

کب پیدا ہوا، کس زمانے سے چلا آتا ہے، اپنا راگ سُنا۔

حیاتِ نو کے پیامی اپنا نغمہ بے لفظ شروع کر اور مجھے مصروفِ عمل کر دے!

شہرِ عجیب کو ——!

رات ہوگئی ——
ساحلِ شب پر ایک ملّاح کھڑا ہوا کسی مسافر کے آنے کی راہ دیکھ رہا ہے، وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔
"کوئی ہے جو میری کشتی میں چلے، میری کشتی شہرِ عجیب کو جانے والی ہے!

ایک مہمان ——!
رات کالی ہے چراغ جلا کر دریا کو روشن کر دو میرا دل خوف سے لرز رہا ہے۔
کیا اس کالی رات میں یہ کشتی ڈوب نہ جائیگی۔

میرے مسافر ——!
"شہرِ عجیب" میں جانے والے مسافر کو ڈرنا نہیں چاہیئے۔
ہم اندھیرے میں بہتے ہوئے دور نکل جائیں گے۔
اس تاریکی اور خاموشی میں۔ اس سکوتِ مطلق میں ہم دُور تک بہتے ہوئے چلے جائیں گے۔
مسافر! اندھیرے سے مت ڈر۔
"شہرِ عجیب" میں قدم قدم پر حیرانی ہے جو خوف سے نرالی ہے۔
پھر ڈرنے سے کیا حاصل۔
میرے مہمان ڈر نہیں۔ ہمّت کا اُجالا دیکھ ——!
جو مسافر ڈرتا ہے میں اُسے "شہرِ عجیب" نہیں لے جاتا۔
کمزوردل کے مہمانوں کو میں اپنی کشتی پر نہیں بٹھاتا۔
کوئی ہو جو نڈر ہو کر میری کشتی میں آئے۔
"آؤ! "شہرِ عجیب" کو ——!!"
ملّاح کی پکار دُور تک سُنائی دے رہی ہے۔

ظفر قریشی، بی۔اے دہلوی

ایوانِ تصوّر

بلبلِ ہند مسز سروجنی نایئڈو کی نظموں کا بیش بہا خزانہ اب اُردو میں بھی آپکو مل سکتا ہو۔ شاعری کا حُسن اگر آپکو دیکھنا ہے تو اس خوبصورت مجموعہ میں دیکھئے۔ مسٹر ظفر قریشی بی۔اے دہلوی نے نہایت شگفتہ اُردو میں ان نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔ ہر نظم جذبات و تاثرات کی مُنہ بولتی تصویر ہے۔ ادبِ لطیف کے اسقدر اعلیٰ نمونے آپ نے اب تک نہیں دیکھے ہونگے۔ مضبوط جلد۔ رنگین سرورق۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ بہترین۔ قیمت دو روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ
ساقی بکڈپو۔ دہلی

جاپانی خاتون

اپنی فطری شرم وحیا، وفاشعاری، محبت وایثار اور قربانی کے لحاظ سے جاپانی خاتون کا درجہ دوسری ایشیائی بہنوں سے کسی طرح کم نہیں ہے یہ جوہر اُس کی گھٹی میں پڑے ہیں، بچپن سے اُسکو ان چیزوں کا سبق دیا جاتا ہے اُس کی ماں بہنیں، سہیلیاں سب مکمل نمونہ پیش کرتی ہیں۔ کنوار پنے میں وہ باپ بھائیوں پر جان چھڑکتی ہے اور اُن کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ دل وجان سے وہ اُن کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے شادی کے بعد یہ شوہر کی پرستار، شوہر کو اپنا آقا جانتی ہے اور شوہر کی ہر خدمت ایک ادنیٰ لونڈی کی طرح بجالاتی ہے۔ میں نے بڑے بڑے خوشحال وامیر گھرانوں میں دیکھا ہے کہ شوہر کے ذاتی آرام اور آسائش کا خیال بیوی کو اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے کاموں کو کبھی گھر کے نوکروں پر نہیں چھوڑتی اور اگر گھر میں دس نوکر بھی ہوں تو شوہر کے کپڑوں کو صاف کرکے اُسکو پہنانا، اُتارنا، غسل کرانا، کھانا کھلانا اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کو وہ خود اپنے ہاتھوں سے نہایت محبت کے ساتھ سرانجام دیتی ہے،

شادی شُدہ عورت کے بیوفائی کے واقعات جاپان میں شاذ و نادر سُنے جاتے ہیں، بحیثیت ماں کے بھی جاپانی عورت قابلِ تقلید ہے، یوں تو فطرت کا تقاضہ ہے کہ ہر ماں کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے مگر کتنی ہندوستانی مائیں ایسی ہونگی جنہوں نے اپنے بچوں کو شرارتیں کرنے پر کبھی مارا یا گھُرکا نہ ہوگا۔ جاپانی بچے اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہیں کہ اُن کو مارنے یا دھمکانے کا دستور ہی اس ملک میں نہیں ہے اس سے شاید بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ جاپانی بچوں کی تربیت نہایت خراب ہوتی ہوگی مگر یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے جاپانی ماں اپنے بچوں کو اس محبت سے پالتی ہے کہ وہ کبھی اُس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور سچ تو یہ ہے کہ کبھی اُسکو حکم دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی، بچوں کو پیدائش کے وقت سے ایسی صحیح اور اچھی عادتیں ڈالی جاتی ہیں کہ بچے عادت کے ماتحت خود صفائی پسند، وقت کے پابند اور سچے ہوتے ہیں، وقت پر سوکر اُٹھتے ہیں، وقت پر ضروریات سے فارغ ہوتے ہیں، لباس تبدیل کرتے ہیں، مدرسے جاتے ہیں، وقت پر کھیلتے ہیں، وقت پر کھاتے ہیں، وقت پر نہاتے اور سوتے ہیں،

جاپانی گھروں میں اس قسم کا سامان نہیں ہوتا جس کو بچے شرارت سے توڑیں پھوڑیں۔ آرائشی چیزوں سے بچوں کو کچھ تو طبعی اُلفت ہوتی ہے اور کچھ اُن کے ساتھ ایسی مذہبی روایات شامل ہوتی ہیں کہ بچے اُنکو چھونے کی جرأت نہیں کرتے۔

اگرچہ جاپان میں پردہ کا رواج کبھی نہیں ہوا مگر جاپانی عورت میں مغربی خواتین کی طرح غیر مردوں سے ملنے جُلنے اور گفتگو کرنے میں بیباکی اور بے حیائی قطعی نہیں پائی جاتی، اُن کا قومی لباس پوری طرح ستر پوش نہیں ہوتا ہے اور سر اور چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے سوا جسم کا کوئی حصّہ برہنہ نہیں ہوتا، اُنکے ننھے ننھے پیر سفید موزوں سے ڈھکے رہتے ہیں، ایک خوبصورت لبادہ گردن سے ٹخنوں تک جسم کو ڈھکتا ہے، کمر اور سینے کے گرد چوڑے چوڑے منقش پٹکے لپیٹے جاتے ہیں، علاوہ خوبصورتی کے ستر پوشی بھی کرتے ہیں، آخر میں میں جاپانی خواتین کی اس خصوصیت کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جو اُسکو تمام دُنیا کی عورتوں میں ممتاز بناتی ہے، فطرت نے اُسکو حُسن و زیبائش کا ایسا ذوقِ سلیم عطا کیا ہے کہ وہ اپنے گھر کو بغیر اسراف کے کچھ ایسی شکل دیتی ہے کہ صاحبِ ذوق ایک

کیفیت محسوس کرکے بے اختیار اُسکے انتخاب اور تربیت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا،

ایک غریب گھر میں بھی جسکو باغیچہ نصیب نہیں پھولوں کے چند گملے ضرور ہونگے اور آرائشی محراب جو عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہے مصوری کے ایک شاہکار سے اور گلدان سے ضرور سجی ہوئی ہوگی، اُس گلدان میں پھولوں کی ٹہنیاں جو بالعموم تین سے زائد نہیں ہوتیں آرٹ کے مقررہ اصولوں کے ماتحت جنکو اُس نے ماہرینِ فن سے سیکھا ہے تربیت دی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ گلدان اور یہ تصویر اُس کی عزیز ترین ملکیت ہوتی ہیں۔ گھر کی صفائی میں وہ ہر روز دو تین گھنٹے سخت محنت کرتی ہے، گھر کی تمام زمین دھان کی سُنہری بالوں سے بنی ہوئی نرم چٹائیوں سے ڈھکی رہتی ہے اور اُس پر گرد وغبار کا تو ذکر کیا کسی قسم کا داغ دھبہ بھی نہیں ہوتا، دیواروں پر خوشنما پھولدار کاغذ چڑھا رہتا ہے، دروازوں پر جو باریک کاغذ چڑھائے جاتے ہیں اسپر باہر کے درختوں پرندوں اور آدمیوں کے جو عکس پڑتے رہتے ہیں وہ بے حد کیف انگیز ہوتے ہیں، کمروں میں پلنگ پیڑھے کرسیاں میزیں غرض اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی جو انتشار کرے اور سکون میں مخل ہو حتی کہ بستر اور کپڑے اور اسی قسم کی ضروریات علیحدہ ایک صاف سُنہری بخاری میں بند رہتے ہیں، کمرے کے سُنہرے فرش پر چند خوبصورت ریشمی چھوٹے چھوٹے مربع گدے ایک چھوٹی سی نیچی چوکی کے گرد جو بجائے خود آرٹ کا ایک کرشمہ ہوتی ہے بچھے رہتے ہیں، اس طرح یہ کمرہ اپنی پُرسکون فضا کے لحاظ سے مُراقبہ کا حجرہ یا دیو کا استھان معلوم ہوتا ہے، جب کوئی مہمان آتا ہے تو گھر کی ملکہ نہایت تواضع سے دروازہ پر اُس کا استقبال کرتی ہے اور اس کمرے میں لاکر ریشمی گدے پر بٹھاتی ہے اور باورچی خانہ سے مہمان کے لئے چائے لاتی ہو۔ مہمان کو چائے پلانے کے جو اصول مقرر ہیں اُن کو لڑکیاں سالہا سال کی محنت اور مشق سے حاصل کرتی ہیں اور آرٹ کے باریک ترین نکتوں پر انکی بنیاد قائم ہوتی ہے،

جاپانی خاتون کی آرٹ کے متعلق دقیقہ شناسی کا پتہ اُس کے لباس سے بھی چلتا ہے، ہر موسم کے لئے اور ہر عمر کے لئے جُدا جُدا رنگ مقرر ہیں اور پہننے والی کے لباس سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ کس درجہ کی عورت ہے، مختلف رنگوں کی آمیزش اس خوبی سے کی جاتی ہے جو ایک ماہر آرٹ کا حصّہ ہے۔

جاپانی خاتون بالعموم بہت متواضع ملنسار اور محبت کرنے والی ہوتی ہے اور گفتگو میں اپنی خانگی مشکلات اور مصائب اور رنج و غم کا ذکر کبھی نہیں کرتی، انتہائی غم کی حالت میں بھی وہ غیروں کے سامنے خندہ پیشانی رہتی ہے اور اندرونی جذبات کو ضبط کرنے میں کمال رکھتی ہے، جب دو چار عورتیں جمع ہوتی ہیں تو ان میں سے ایک کوئی کتاب یا رسالہ پڑھتی ہے اور باقی سُنتی ہیں اور بیچ میں اُس کے متعلق گفتگو کرکے ہنستی بولتی رہتی ہیں یا شعر وشاعری، قصّے کہانیاں، لطیفوں سے دل بہلاتی ہیں یا کسی پُر فضا مقام کی سیر کا ذکر کرتی ہیں، غرض جاپانی عورت کی خصوصیات میں بہت سی باتیں ہندوستانی بہنوں کے لئے سیکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہیں۔

مسز فضلی۔

میں نے ہندوستان کو کیا پایا

جاپانی شاعر پروفیسر یون نوگوچی کے تاثرات

(یہ تقریر دہلی براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء کی شام کو نشر کی گئی تھی اور اس وجہ سے بہت زیادہ اہم ہے کہ ہندوستان کی بابت ایک جاپانی شاعر اور مفکر کی رائے ہے جو حال ہی میں ہمارے علم میں آئی ہے۔ جاپان کی بابت تو معلومات کثیر تعداد میں آپ کو ملجائیں گی لیکن اس کے برعکس اپنے ملک کی بابت ایک وسیع جاپانی کی رائے چونکہ پہلی بار پیش کی جا رہی ہے اس لئے بہت زیادہ قابل لحاظ ہے نیز یہ جاپان و ہندوستان کے باشندوں کے لئے ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش بھی ہے جس کی بابت موصوف اپنی تقریر میں اشارہ بھی کرتے ہیں، اُمید ہے طرفین کے یہ مخلصانہ خیالات اور باہمی تفہیم کی یہ کوشش ایشیا کے ان دو ممالک کے مادّی و اخلاقی اتحاد و یگانگت کو مکمل کردیگی۔)

جس وقت میں ہندوستان آنے لگا تو میں نے سمجھ لیا کہ اس ملک میں پہنچکر مجھے آپ لوگوں سے سیکھنا زیادہ ہے سکھانا کم ہے۔ چنانچہ روز مجھے یہ تجربہ ہو رہا ہے کہ اہل ہند سے مجھے مفید سبق مل رہے ہیں۔ میں جاپان میں تھا کہ آپ کی یونیورسٹیوں نے مجھے ہندوستان آنے اور اپنے خیالات ظاہر کرنیکی دعوت دی میں اس اعزاز کا شکر گذار ہوں۔ جس وقت مجھے یہ اعزاز بخشا گیا تو میں نے سوچا کہ تو اس لائق بھی ہے یا نہیں میں نے سوچا "میں کون ہوں؟" اس مسئلہ کو میں سوچتا رہا اور شخصی تجزیہ کرتا رہا۔ اپنی ذات اور کام پر دل ہی دل میں تبصرہ کرتا رہا اور یہ سوچا کہ ہر فرد کی ایک منفرد شخصیت اور ایک خود پیدا کردہ اصلیت ہوتی ہے جو وہ اپنے ماحول کے پس منظر سے بناتا ہے۔ یہ تعمیر خواہ دانشمندانہ ہو یا نہ ہو لیکن جو کچھ ہوتی ہے اس کی اپنی ہوتی ہے اور وہ خود اس ذاتی انفرادیت کا خالق و ذمہ دار ہوتا ہے جو اُس کے نصیب کے ساتھ پیوستہ اور اس کی حیات میں منجذب ہوتی ہے۔

جیسا کہ میں پبلک کے سامنے بارہا کہہ چکا ہوں مجھے ہندوستان اور اہل ہند کی بابت بہت کم معلوم ہے اور جب میں یہاں آیا تو میری معلومات آپ کے ملک اور باشندوں کی بابت کچھ بہت زیادہ نہ تھیں۔ اگرچہ بدھ مذہب آپ کے وطن میں پیدا ہوا اور یہیں سے نکل کر ہم تک پہنچا لیکن اب ہندوستان میں اس کے نقوش بہت دھندلے، اس کے اثرات بہت محدود اور ماننے والے نہایت قلیل ہیں۔ میں جب یہ عرض کروں کہ میں نے ہندوستان کو بدھ مت کی مدد سے سمجھا ہو تو آپ خود ہی اندازہ لگالیں گے کہ جب بدھ مذہب کا خود کا وجود اس ملک میں بہت خفیف ہو تو اس کے مطالعہ سے ہندوستان کو سمجھنے والے کی معلومات کہاں تک وسیع و مستند ہو سکتی ہیں!

آپ کے بعض مسائل ایسے ہیں جن کی پیچیدگی کو آپ خود ہی سلجھا سکتے ہیں۔ آپ کے ان مسائل کا حل دوسرے نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی میں یہ عرض کرونگا کہ اگر آپ کو ہماری حقیر امداد اور دوستی کی ضرورت ہو تو ہم آپ کے ساتھ ہر قسم کا اشتراک کرنے اور دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے تیار ہیں اور یہ رشتہ مودّت پیدا کرکے از حد مسرت حاصل کرینگے۔ میری تمنا ہے کہ ہندوستان اپنے انفرادی خطوط پر چلتے ہوئے ترقی کرتا رہے اور اسے ہر قسم کی کامیابی ہو نیز یہ بھی کہ اہل ہند کو مغرب کے استقبال کے لئے تعجّل نہیں

کرنا چاہیئے اور آگے بڑھکر اس سے بھی دوستی کا ہاتھ ملانا چاہیئے، اگر اس دوستی کی ضرورت و افادیت ہم محسوس کریں اور اس کے لئے محل بھی ہو۔ ہمارا ملک جاپان اپنی مادّی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اپنی اصولوں پر قائم ہے اور انہی خطوط پر گامزن ہوکر اپنے معاملات ملّی کے انصرام میں منہمک ہے۔

اپنی بابت یہ گذارش ہے کہ میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میں ایک مشرقی ہوں یا مغربی۔ جاپانی ہوں یا فرنگی؟ جو لوگ میری دورُخی زندگی کے قائل ہیں اُن سے میں عرض کرونگا:۔

"میں شکرگزار ہوں کہ آپ نے میرے کام سمجھنے کی کوشش کی اور خوب سمجھا، اگر مجھے مشرقی سمجھا جائے تو میں کہونگا کہ میں آرٹ کو ایک فکر بلیغ اور تصوّر بلند کی صورت میں پیش کرنے کی خدمت کرتا ہوں۔ اگر میری حیات کو مغرب کا علمبردار سمجھا جائے تو کہونگا کہ میں ذہن و فراست کے ذریعہ آرٹ کو ایک مستقل نظام کی صورت میں پیش کرتا ہوں۔" اصل میں بات یہ ہے کہ میں مشرق و مغرب کی ہر اچھائی کو ایک دوسرے میں مدغم کردینا چاہتا ہوں۔ جب میں اپنے خیالات کو بین الاقوامی حیثیت و وقعت کی نظر سے دیکھتا ہوں تو اس پر احتساب کرتا ہوں، اس وقت میں ایک مغربی شخصیت کے جامہ میں ہوتا ہوں اور جب جاپانی آنکھ سے مغرب کو اپنے کمالات کہاتا ہوں تو وہ مشرقی کا کام ہوتا ہے۔ غرض مشرق و مغرب میں جو معاملات یکساں اور ہموار ہیں انہیں پیش کرتا ہوں اور ایک دوسرے کو ان کے جمال کا عکس دکھاتا رہتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ آپ میری بات سے اتفاق کرینگے۔ اصلیت یہ ہے کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں اس وقت مشرق و مغرب کی دھاریں ایک سنگھم میں مل گئی ہیں۔ دو تمدّن دو نسلیں اور دو تصوّر ایک دوسرے پر اثر ڈال رہے ہیں اور اس وجہ سے آپ کا ملک ممتاز ترین حیثیت اختیار کرجاتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے تمدّنی ملاپ کا سٹیج ہے۔ اور ہندوستان اس وقت یہ ثابت کررہا ہے کہ دو نسلیں اور دو تمدّن ساتھ ساتھ شانہ بہ شانہ ہوکر چل سکتے ہیں اور یہ ایسا دشوار یا تکلیف رساں کام نہیں ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں۔

اگرچہ میں مطالعہ مذہب کا مُدّعی نہیں ہوں اور نہ پوری طرح جانتا ہوں کہ ہندو مذہب کیا ہے۔ لیکن بنارس کے گھاٹوں پر میں نے جو منظر دیکھا ہے۔ اُس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے خدا پرست گھاٹوں کے نزدیک دردناک ذاتی اذیتوں میں مبتلا تھے جسے "تپسیہ" کہتے ہیں اور انسان خدا تک پہنچنے کے لئے جسمانی و روحانی تکالیف خود اپنے پر طاری کرتا اور اُن کی لذّت و درد سے وصال الٰہی کا مزا لیتا ہے۔ میں نے جب یہ نظارے دیکھے تو میرے خیالات مادّی سرحدوں سے پرواز کرکے گمنام دُنیا میں پہنچ گئے۔ میں جب کسی مذہبی جوشیلے کو دیکھتا ہوں تو بڑی خوشی ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ مذہب گروہ انسانی پر بالکل حاوی ہے۔ بنارس کے علاوہ میں اور بھی بہت سے مقامات پر گیا۔ ہندوستان کے مشہور مقامات دیکھے اور انہوں نے مجھے متاثر کیا۔ ایک نے لکھا ہے کہ امریکی سیاح ہندوستان تین چیزوں کے دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ تاج۔ ہمالیہ اور گاندھی۔ میں نے خوش قسمتی سے اوّل الذکر دو دیکھ لئے ہیں۔

ہمالیہ کے مختلف مناظر دیکھکر از حد مسرّت ہوتی ہے۔ کنچن جنگا کی سر بفلک چوٹی کے پیچھے طلوع آفتاب کا جو نظارہ دیکھا ہے غالباً کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ دیکھ سکونگا۔ گڑھوال کے علاقہ میں تبتیوں کی آمد و رفت کا نظارہ اور ہمالیہ کے

دیگر مناظر میں کبھی نہیں بھولونگا۔ غرض یہ کہ میں ہندوستان سے یہاں کے لوگوں اور ملک کی یاد لیکر جاؤنگا اور اپنے ملک میں جاکر ان تصویروں میں رنگ بھرونگا اور ہندوستان میں جو دن گذارے ہیں اُن کی پُرمسرت یاد کو ہمیشہ اپنے سینہ میں رکھونگا۔ میں آپ لوگوں کی نوازش اخلاق اور پُراخلاص مہمانداریوں کا بھی بہت بہت ممنون ہوں!

ظفر قریشی بی۔ اے دہلوی

تصانیف مصورِ ظرافت مرزا عظیم بیگ چغتائی

کولتار۔ مضحکہ خیز اور پُراسرار ناول، شوخ و شنگ لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ اور ایک عورت کی دردناک زندگی۔ عجیب و غریب کتاب ہے قیمت دو روپے۔ مجلد

شریر بیوی۔ ایک خاتون کی معصوم شرارتیں اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، چار تصویریں اور رنگین سرورق۔ قیمت ۱۲ ,,

روحِ ظرافت۔ "انگوٹھی کی مصیبت" اور دیگر مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہر افسانہ ظرافت کی روح ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قیمت ۸ ,,

روحِ لطافت۔ "مہارانی کا خواب" اور دیگر افسانے جنکو پڑھکر آپ ہنستے ہنستے لوٹ جائیں گے۔ پہلا افسانہ لاجواب قرار دیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ ,,

ویمپائر۔ ایک شریف خاتون کی آبروریزی کا دردناک واقعہ۔ اور ایک عجیب اتفاق سے اس کا دلچسپ انجام۔ نہایت موثر کتاب۔ قیمت دو روپے مجلد

کمزوری۔ عورت کی کمزور فطرت کس طرح مرد کے بہکانے میں آجاتی ہے۔ ابتدائی حصہ ہنسانے والا اور آخری حصہ رُلانے والا۔ قیمت دو روپے ,,

فل بوٹ۔ حسن و عشق کی عجیب و غریب داستان، پلاٹ کے اعتبار سے مصنف کا بہترین ناول ہے۔ ایک جوتے کی وجہ سے کیا ہوا؟ قیمت ۱۲ ,,

دیکھا جائیگا۔ عشق و ہوس میں امتیاز کس طرح ہوا؟ ایک حسین مالدار لڑکی کے تین عاشقوں کی داستان کامیابی کسے اور کیسے ہوئی۔ قیمت ۸ ,,

کھر پا بہادر۔ ایک بدمعاش کی شادی فرمانروائے سلطنت کی لاڈلی بیٹی سے زبردستی کردی گئی اور اسکے خندہ خیز حالات۔ قیمت ایک روپیہ

جنت کا بھوت۔ ایک بدشکل نوجوان اور اسکی حسین عزیزہ کی پُرلطف داستان مارے ہنسی کے آپکے پیٹ میں بل پڑجائینگے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ مجلد

ملفوظات حاجی۔ ایک کتے کی خود نوشت سوانحعمری، اگر کتے کی زبان ہوتی تو وہ اپنے جذبات کس طرح ادا کرتا؟ قیمت بارہ آنہ ۱۲

چینی کی انگوٹھی۔ پہلا حصہ مزاحیہ، دوسرا حزنیہ، انجام دیکھکر مصنف کی غیر معمولی قابلیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے! افسانہ نگاری میں نئی چیز۔ قیمت ۸

تفویض۔ ایک بی۔ اے پاس خاتون کی شادی مسجد کے مُلّا سے ہوجاتی ہے کیسی گذرتی ہے؟ انجام کار کیا ہوتا ہے؟ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے قیمت ۵

مرزا جنگی۔ لکھنؤ کے بانکے مرزا جنگی اور اُن کے احباب کا ایک نہایت دلکش ڈرامہ۔ واجد علی شاہ کے زمانے کے لکھنؤ کی ایک جھلک۔ قیمت ۶

فرزندِ سرحد۔ سرحدی افغانوں کے متعلق ایک عبرتناک افسانہ۔ غیرت، دیانت و شرافت کا مُرقع۔ اس پر مصنف کا طرز بیان۔ قیمت ۵

قدر داں۔ سرزمین رکیف کے سات خطرناک سالوں اور اُن کے جانباز بہنوئی کا حیرت خیز افسانہ بہت دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۵

خطوط کی ستم ظریفی۔ مرزا عظیم بیگ چغتائی کی تازہ ترین تصنیف جسے پڑھکر ہنستے ہنستے آپکے پیٹ میں بل پڑجائیں گے۔ خطوں نے کیا ستم ڈھایا ہے۔ قیمت صرف ۱۲

ملنے کا پتہ

ساقی بُک ڈپو۔ دہلی،


جاپان میں رومان
سرزمین جاپان کی ایک پُرفسوں رومانی داستان
مصنفہ
مس جون کون کوسٹ
مترجمہ
جناب صادق الخیری بی۔ اے۔ دہلوی

پیش لفظ

یہ ناول جو آپ کے پیشِ نظر ہے مس جوآن کو نکونسٹ کا لکھا ہوا ہے۔ مصنفہ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے جب کسی ملک کی معاشرت کو ناول کے پیرائے میں پیش کیا ہے تو محض سُنی سُنائی باتوں اور روایتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود اُس ملک میں جا کر رہیں ہیں اور اُس ملک کے ہر پہلو کا بنظرِ غائر مُطالعہ کیا اور جب اپنی معلومات مکمل کر لی تو اُسے دلچسپ کہانی کی صورت میں پیش کر دیا۔ یہ ناول اُس وقت لکھا گیا تھا جبکہ وہ ٹوکیو میں مقیم تھیں۔ اُسکے جتنے مناظر ہیں سب جاپان میں رکھے گئے ہیں۔ کہانی اس خوبی سے لکھی گئی ہے کہ اسکے دورانِ مُطالعہ میں آپ جاپان میں پہونچ جائیں گے اور وہیں آپ گویا رس بس جائیں گے اور وہیں کے لوگوں میں گھل مِل جائیں گے۔

اِس کہانی میں جاپانی سوسائٹی کے عوائد رسمیہ، جاپانیوں کا تمدن و معاشرت، جاپانیوں کے طور طریق، جاپانیوں کی توہّم پرستی اور روایات پر خوش اعتقادی، جاپانیوں کا مذہب اور اُن کا طرزِ عبادت، غرض جاپان کے ہر پہلو کو ایک نہایت دلآویز پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

کہانی کی ابتدا میں ہمارا تعارف ایک نوعمر جوڑے سے ہوتا ہے جو اپنے ایامِ عشرت گزارنے ٹوکیو میں آیا ہے۔ یہ ایک لحاظ سے "کنوارا بیاہا" ہوا جوڑا ہے۔ شوہر سول انجینیر ہے اور یہاں پہونچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اُسے ملازمت کے سلسلہ میں کوبے جانا پڑتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو ٹوکیو میں چھوڑ جاتا ہے اور —— پھر محبت، جوش اور حیرت انگیز واقعات کی ایک محو کر دینے والی کہانی شروع ہو جاتی ہے۔

اِس ناول کے مُترجم اُردو لٹریچر کے مُربّی اور طبقۂ نسواں کے محسنِ اعظم علامہ راشد الخیری مدظلہٗ کے صاحبزادے جناب صادق الخیری۔ بی۔ اے دہلوی ہیں جو اِس کم عُمری میں ہی افسانہ نگاری میں شُہرت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی زبان کے متعلق میرا کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے کیونکہ یہ چیز تو ان کی گھُٹی میں پڑی ہے اور جتنا اچھا عبور اُن کو اپنی زبان پر حاصل ہے آج کل کے نوجوانوں میں اسکی مثال ملنی مشکل ہے۔ اور کیوں نہ ہو ؎

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ　　ذرّۂ آفتاب تابانیم

جناب صادق الخیری کے طرزِ تحریر میں ایک خاص قسم کی دلکشی ہے، وہی دلکشی جو ایک اچھے شعر میں ہوتی ہے۔ یہ خوبی انکے طبعزاد افسانوں میں زیادہ نمایاں ہے، ترجمے میں وہ آزادی نہیں رہتی جو طبعزاد میں حاصل ہوتی ہے۔ ترجمے میں پہلی چیز پابندی ہے دوسرے کے خیال کو اپنے الفاظ میں اس طرح پیش کیا جائے اصل میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ انتخابِ الفاظ میں اتنی احتیاط برتی جائے کہ اصل میں نہ تو کچھ گھٹے اور نہ بڑھے اور پھر اس میں طبعزاد کی سی بے ساختگی بھی رہے۔ اِس روشنی میں اگر آپ پیشِ نظر ترجمے کو دیکھیں گے تو اسے بڑی حد تک کامیاب پائیں گے۔ یہ پورے ناول کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں ہے بلکہ پہلے ناول کو مختصر (ری رائٹ) کیا گیا ہے اور پھر اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں گویا دُہری محنت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح آراستہ و پیراستہ کر کے جناب صادق نے ایک خوبصورت دُلہن بنائی ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ اس جاپانی حسینہ کو اُردو کا جوڑا اس خوبی سے پہنایا ہے کہ اسکا حُسن نکھر گیا ہے۔ چچے تُلے الفاظ کے زیورات اور حسین و جمیل ترکیبوں کے رتن اس پر کچھ ایسے سجے ہیں کہ دیکھنے والوں کے دلوں میں کھُبی جاتی ہے۔ اپنی زبان کی ہمہ گیری دیکھئے کہ مشکل سے مشکل خیال اس میں کس بیساختگی اور صفائی سے ادا ہو گیا ہے۔ ترجمے کی یہ وہ خوبی ہے جو مُترجم کو خلاق سے ہمدوش کر دیتی ہے۔ میں جناب صادق کو اُنکے حُسنِ انتخاب اور کامیاب ترجمے پر مُبارکباد دیتا ہوں اور شکر گذار ہوں کہ اُنہوں نے یہ انمول موتی نذرِ ساقی کیا۔

شاہد

"SAQI"



[illegible]

"SAQI"



شاهد

Calcutta Art Press, Delhi

جاپان میں رومان

حصۂ اوّل

پہلا باب

منڈی کی المناک گھنٹیاں تباہی کی پیشینگوئی کر رہی ہیں۔
اور قسمت کی طاقت اُن کی تردید نہیں کر سکتی!

(جاپانی نغمۂ الفت)

ماتِرا محبت کو قصرِ ازدواج کی بُنیاد سمجھتی تھی۔ اس لئے وہ جم کیلنگ ہان سے، جو اپنے وقت کا سب سے بڑا اور دولت مند انجنیر تھا، شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی اور نہ کبھی ہوتی اگر اس کے باپ کا اصرار اور بہنوں کی تائید اسے مجبور نہ کر دیتی۔ اُس نے لکھپتی نوجوان سے کہا "میں ایک شرط پر آپ کی درخواست منظور کر سکتی ہوں۔ اور وہ یہ کہ آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ......"

"ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔ فرمائیے" مشہور انجنیر نے محبت اور ناکامی سے کشمکش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کہ......" ماتِرا نے سبز مرغزاروں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا "......آپ شادی ہونے کے کم از کم چھ ماہ تک میرے جسم کو نہ چھوئیں گے اور نہ کبھی ــــــ آپ میرے بستر کے قریب آئیں گے۔ ہماری شادی کا دارو مدار صرف اس وعدے پر ہے کیونکہ میں آپ سے محبت نہیں کرتی اور نہ آپکے بچوں کی ماں بننا پسند کرتی ہوں۔ علاوہ ازیں مجھ میں اور آپ میں بہت بڑا فرق ہے۔ میں غریب ہوں، آپ امیر! میں مٹی ہوں آپ آہن! میں دُنیا کو ہمیشہ حسین دیکھنا چاہتی ہوں اور آپکی فطرت بالکل غیر شاعرانہ معلوم ہوتی ہے"

جم نے وعدہ کر لیا اور اُن دونوں کی شادی ہو گئی۔ پہلی رات کو ماتِرا نے حجلۂ عروسی اندر سے مقفل کر لیا لیکن ـــــــ ماہِ ازدواج کے رنگین خواب!۔

جاپان میں ایک خوفناک زلزلہ آیا اور ایک بڑا شہر سیلاب کی نذر ہو گیا۔ لوگوں نے شہرۂ آفاق انجنیر سے فوری مدد کی درخواست کی لیکن اُس نے ماتِرا کو تار دیتے ہوئے کہا "شادی ہو جانے کے باوجود گو میں ابھی تک کنوارا ہوں مگر پھر بھی میں تمہیں دیکھے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور جاپان کا سفر! ہارو ڈیل سے ملاقات! بھلا تمہیں چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں؟"

ماتِرا نے مشرقی خواب دیکھنے شروع کر دئے۔ ہارو ڈیل کی درخواست قبول کرنے سے نہ صرف مصیبت زدہ لوگوں کی امداد ہو سکے گی اور سیاحتِ مشرق کی آرزو پوری ہو جائے گی بلکہ وہ عرصہ بھی طویل ہو جائے گا جس میں وہ دوشیزہ رہنا چاہتی تھی۔ اس نے کیلنگ ہان سے اِس درخواست کو قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اس نے اپنی دُلہن کی خاطر اس درخواست کو قبول کر لیا۔

"دیکھو!" اُس نے اپنی دوشیزہ دُلہن سے پھڑک کر کہا "میں صرف تمہارا ارمان پورا کرنے جاپان جا رہا ہوں۔ ہم یہاں سے پہلے کیوٹو جائینگے جو خطرے سے باہر ہے، تمہیں بہترین پوشاکوں کا فوراً انتظام کر لینا چاہیئے"

*****

"اُٹھو گے نہیں جم؟" ماتِرا نے کیلنگ ہان کو جگاتے ہوئے کہا "دریچہ میں سے جھانک کر تو دیکھو"

جاپان میں آنے کے بعد وہ پہلی دفعہ اپنے شوہر کے سونے کے کمرے میں آئی تھی ـــــ کیلنگ ہان نے گھبرا کر رضائی مُنہ پر سے ہٹائی "کیا زلزلہ آگیا؟"

"نہیں جم!" وہ مُسکرا کر بولی "دیکھو نا! پھولوں کا موسم! پہاڑی کی ڈھلان پر آلوچے کا درخت کسقدر حسین معلوم ہو رہا ہے۔ سُنہرے بادلوں کے نیچے سرخ و سبز کا امتزاج پریوں کے پُرفسوں محل کا سا منظر پیش کر رہا ہے"

جاپان میں پھولوں کا موسم طلسم آگیں اور کیف پرور ہوتا ہے۔ ماتِرا پھولوں کی رومانی فضا سے مسحور ہو کر دریچے میں سے بیرونی مناظر کو دیکھنے میں محو ہو گئی۔

"واہ!" کیلنگ ہان نے مخملیں تکیوں سے اپنا سر چھپاتے ہوئے کہا "میں سمجھا کہ بھونچال آرہا ہے"

وہ چاہتا تھا کہ اپنی دُلہن کو پھول کی طرح اپنی آغوش میں لے لے

لیکن اس سے اس کے ناراض ہو جانیکا اندیشہ تھا کیونکہ اس وقت وہ پہلی بار خود بخود اُسکے کمرے میں آئی تھی۔

اس کی شریک حیات ـــــ ناکنحا! اس کی رفیقہ ـــــ اجنبی!

اس کی بیوی!!۔

اس کی کشمکش جاری رہی۔ اپنا سنگین عہد اُسے یاد آ رہا تھا۔

وہ مسکرائی اور دریچے سے لگ کر بیٹھ گئی: "یاسا تو تم ابھی تک چار نہیں لایا؟"

"اس کا صحیح نام یارا مارا ہے میڈونا!" تجم نے جاپانی تلفظ کو درست کرتے ہوئے کہا اور اُٹھ کر اُس کے پاس چلا گیا۔ میڈونا وہاں سے ہٹ گئی۔

پہاڑی کے مندر کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ان کی جگر پاش صدائیں وقت میں ملفوف ہو کر انسانی دلوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ گھنٹیوں کی آوازیں گونجتی رہیں یہانتک کہ آخری گونج سنہری دُھند میں تحلیل ہو گئی۔

"سنو!" وہ آہستہ سے بولی: "مندر کی گھنٹیاں! ــــ ان کی پیشینگوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ جب کبھی بھی میں اس کے متعلق پڑھتی ہوں مجھے موت کا خیال آجاتا ہے۔" اُس نے کانوں میں اُنگلیاں دیتے ہوئے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے شخص پر ماتم کناں ہیں جو عالم جانکنی میں ہو، یہ قلب کو پارہ پارہ کئے دیتی ہیں۔ جب ان کی گونج ختم ہو جائے تو مجھ سے کہہ دینا۔"

"ختم ہو گئی۔" تجم نے اس کی اُنگلیاں کانوں میں سے نکالتے ہوئے کہا "زلزلہ! تھرتھری! گھنٹیاں! جاپان!!"

میڈونا کانپ گئی: "میں جاپان سے ہمیشہ خائف رہی ہوں۔"

"خوف!" تجم نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "تم تو مشرق کی سیاحت کیلئے مری جا رہی تھیں؟"

"ہاں ہاں۔" میڈونا ٹہلتے ہوئے بولی: "لیکن جاپان سے مجھے ڈر ہی لگتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بیس پچیس سال گذرے میری خالہ اور اسکے شیرخوار بچے کا ــــ میرا خالہ زاد بھائی ہوا ــــ مائی نوشتا میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ دونوں یہیں کہیں دفن ہو نگے۔ تمام ہوٹل زلزلے کی نذر ہو گیا اور وہ رُوحیں ہم سے بچھڑ گئیں۔ وہ بھائی تو اب کوئی پچیس سال کا ہوتا!" حزنیہ فضا کو ایک ہنسی کے ساتھ اس نے دُور کرتے ہوئے کہا۔ "پھولوں کے موسم کا استقبال ایک المناک یاد سے نہیں کرنا چاہیئے اور چونکہ یہ واقعہ میری پیدائش سے پیشتر کا ہے اس لئے اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔" وہ کچھ یاد کر کے بولی "تم یہ کتاب کیا لکھ رہے ہو؟"

"یہ ایک فنی کتاب ہے۔" وہ ہنستا ہوا کہنے لگا: "جب تعمیر و تجویز کے لئے اِدھر اُدھر جانا پڑتا ہے تو کاغذی لالٹینیں بانس کے درخت اور یہاں کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں اور میں ان جاپانی تاثرات کو الفاظ کے جامے میں قرطاس پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں۔"

تجم قریب آگیا لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی اور اس وقت جبکہ ان دونوں کی نظریں آپس میں مل رہی تھیں رحم کی دیوی "کوان نون" نے انکو جھک کر دیکھا اور اس کی رحم دل آنکھوں میں ان ہستیوں کے رنج و الم، راحت و آرام ایثار و محبت کے آنسو جھلکنے لگے۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جن کو تقدیر کے دیوتا نے باہم ہمیشہ کے لئے زنجیروں سے جکڑ دیا تھا ــــ سامنے چند پھول کھلے اور کھل کر مرجھا گئے۔

"مجھ سے اب ضبط نہیں ہوتا۔" وہ اُسے گھورتے ہوئے بولا۔

"لیکن تم عہد کر چکے ہو۔" اُس نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

کیلگ ہان کے جذبات میں ہیجان برپا ہو گیا اور اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ میڈونا نے اس کی حالتِ اضطراری کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرتے ہوئے باتوں کا رُخ بدل دیا: "میں کوبے نہیں جاؤں گی اور نہ مجھے وہاں موتوماچی کی دکان سے سلک خریدنے کا شوق ہے میں چاہتی ہوں کہ ہیگاشی ہونگوان جی کے مندر کی زیارت کر آؤں۔"

"جو تم بہتر سمجھو!" وہ اسکی ہر خواہش پوری کرنی چاہتا تھا۔

"پھولوں کا موسم! حُسن! محبت!!" اُسے جاپانیوں کے رنگین عقیدے کا خیال آگیا۔

"آج رات کو رقص میں چلو گے؟" وہ دروازے میں سے جاتی ہوئی بولی۔

"رقص؟ جاپانی رقاصائیں تو مردوں کی دلبستگی کے لئے تیتریوں کی طرح ناچتی ہیں۔" اس نے اس کے معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ ناشتہ تو کر لو۔ ہاں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ میں اپنی کتاب کو مصوّر کرانا چاہتا ہوں اور اس کے لئے مجھے ایک مصوّر کی ضرورت ہوگی۔"

"لیکن میں نہیں چاہتی کہ کوئی شخص ہر وقت ہمارے سر پر سوار رہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"نہیں۔ ہر وقت کیوں رہنے لگا۔" اُس نے جواب دیا۔ "تھوڑی سی تصویریں تو بنانی ہی ہیں۔ تھوڑے سے درخت۔ ایک آدھ خورشہ۔ چند عورتیں۔ وغیرہ۔ کیا ہی اچھا ہو اسکے لئے مجھے اس جیسا مصوّر مل جائے کیا نام تھا اس مصوّر کا؟"

"کیا فوسانوریکا" کو بلانے کا ارادہ ہے؟" وہ مسکرا کر بولی " جو جاپان میں "اوتامورو شاتی" کہلاتا ہے؟"

کیلنگ ہان ہنس دیا لیکن دیوی کے ہاتھوں پر آنسو گر پڑے "یہ بہتر ہوگا کہ اخبار میں مصوّر کے لئے اشتہار دے دیں۔ تم نے بھی خوب کہا 'فوسانوریکا' جاپان کا سب سے بڑا مصوّر، جس کا نام ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے، بھلا میرے پاس کیوں آنے لگا؟"

"میں اب جا رہی ہوں" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا "تم تھوڑی دیر کیلئے میرے کمرے میں آسکتے ہو"

وہ اپنے عہد کا پاس کرنا چاہتا تھا ——— لیکن اگر وہ اسوقت اُس کے کمرے میں چلا جاتا تو میڈونا کی زندگی ہی یکسر بدل جاتی۔

پہاڑی پر مندر کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ میڈونا نے کیلنگ ہان کا انتظار کیا مگر وہ اس کے پاس جانے کی بجائے غسل خانے میں داخل ہوگیا تھا۔

دوسرا باب

"دو آستینیں بھی ایک دوسرے کو اسلئے چھوتی ہیں کہ کسی پہلی زندگی میں اُن کا آپس میں تعلق رہ چکا ہے"

(بدھی ضرب المثل)

مندر کی اوّلیں اور وسیع سیڑھی پر بیٹھ کر اس نے اپنی جوتیاں اُتاریں اور ساٹن کے موزے پہن کر دوہری چھت کے عالیشان دروازے میں داخل ہوئی۔ سامنے کنول سے مشابہ پیتل کا ایک فوارہ تھا جس کی پتیوں پر پانی کے پھیلتے ہوئے قطرے آنسوؤں کی طرح چمک رہے تھے۔ تمام مرد اور عورتیں بدھی مندر کے اس نئے پجاری کی طرف متوجہ ہوگئیں اور جب وہ اُن کو دیکھ کر مسکرائی تو انہوں نے بھی اس کی تعظیم کی۔ مندر کی فضا روحانیت سے لبریز تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نا دیدہ روح پرستش پر مجبور کر رہی ہے۔ جاپانی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اپنے سروں کو فرش پر جھکا دیا۔ پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اس طرح جوڑا کہ پتلی پتلی ننھی انگلیاں ایک دوسرے کی گرفت میں آگئیں اور پرستش گاہ اُن کی دعاؤں سے جو نیچی آواز میں بار بار دہرائی جا رہی تھیں، عجیب و غریب اثرات کے ساتھ گونجنے لگی۔ میڈونا کی نظریں پیتل کے کنول پر جمی ہوتی تھیں جہاں سے اس نے سُنا اور پڑھا تھا، کہ بعض اوقات محبّت کی رُوح تخلیق ہوتی ہے۔

"محبت کی پرورش" اس نے دل میں کہا "رنج و ایثار سے ہوتی ہے لیکن اسے سُنہری پنجرے یا بیش بہا زنجیروں میں کون مقید کر سکتا ہے۔

محبّت کی فطرت نازک ہے مگر نہایت مستحکم اور شاید حیرت کن بھی!"

قریب ہی دو عورتوں نے سر جوڑ کر باتیں کرنی شروع کر دیں۔ اُن کے سُرخ لب اور گلابی رُخسار آب شباب سے چھلک رہے تھے اور گندھے ہوئے سیاہ بال اوپر کی طرف اُٹھے ہوئے کنگھے سے جمے ہوئے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نا کتخدا ہیں۔

"یہ غیر ملکی عورت بھی پوجا کر رہی ہے؟" اوتاکی نے کان میں کہا "اس کے لب جنبش کر رہے ہیں۔ تم نے دیکھا اوآئین؟ کہیں وہ بُدھ مت کا مطالعہ تو نہیں کر رہی؟ اور دیکھنا!" اُس نے لمبی آستین میں چھپی ہوئی انگلی سے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا "وہ اس کی تصویر کھینچ رہا ہے۔ ذرا میری طرف جھک کر اس کا کمال تو دیکھو۔ وہ اسکی طرف دیکھ رہا ہے اور اسکی آنکھیں اس روشنی کی طرح چمک رہی ہیں جو کاغذی دریچے کے سوراخوں میں سے آ رہی ہو"

می۔ نی۔ شی می رو۔

کازے۔ یا۔

شوجی۔ نی۔

یربی۔ نو۔ آتو۔

(اے جسم کے پار ہونے والی ہوا! تو اُن سُوراخوں کی مرہونِ منّت ہے جن کو معصوم انگلیوں نے بنایا تھا۔)

اوآئین نے اس کے جواب میں کہا۔

"لیکن وہ اُسے نہیں دیکھ رہی"

اوتاکی بولی "اور چونکہ وہ نو وارد ہے اس لئے اُسے نہیں معلوم کہ رُوحِ محبّت کی تخلیق اُس کنول میں سے ہوتی ہے جسے وہ تصویر کے ایک گوشے میں بنا دے"

"سرد اور سفید ہونے کی وجہ سے شاید اس کو علم نہیں کہ قلب جوہرِ حیات ہے" اوآئین نے جواب دیا "شاید مصوّر ایک کامل کنول کی تلاش میں ہے جس کے قرب میں وہ سُرخ گلگوندے کی سبز شاخ منقش کر دینا چاہتا ہے"

تنگشی ما۔ نو

یاماتو۔ گوکورو۔ وہ

ہیتو۔ تووابا

آسا۔ ہی۔ نی۔ نی او

یاما۔ ذاکورا۔ بانا

(اگر کوئی تم سے سچے جاپانی کے دل کے متعلق کچھ پوچھے تو صحرا کی دھوپ

میں اُگنے والے گلِ رعنا کو دکھا دو۔)

اوتاکی نے مصوّر کو دیکھتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔

مصوّر نے خواب آلود نیم وا آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مائی را کیلنگ ہان کی تصویر چند بُرشوں کی مدد سے ایک کاغذ پر کھینچ دی۔

اوتاکی نے تصویر کو غور سے دیکھکر کہا: "دیکھو! جھیل کی سطح پر کھلا ہوا کنول تیر رہا ہے اور ایک سیمیں بگلا جس کا رنگ اس عورت کے لباس کا سا ہے، اس کے اوپر اس طرح محو پرواز ہے کہ اس کے سینے سے دود عنبر کی طرح ایک پر ٹوٹ کر کنول کے سُنہری قلب پر گر رہا ہے۔ کنول کا سُنہری قلب! اوزآئیں! جس میں سے رُوحِ محبت کی تخلیق ہوتی ہے۔"

"محبت کی رُوح!" اوزآئیمن نے چُپکے سے دُہرایا۔

مصوّر نے میدونا کو اپنی حسین تصویر میں ایک پر سے تشبیہ دی تھی جو کنول کے زرد حصّے پر اس لئے گر رہا تھا کہ محبت کے قلب میں پیوست ہو جائے۔ اس نے پیکرِ جمال کے آگے سر خم کر دیا اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی:

"اے معبود! یہ محبت جو دفعتاً بیدار ہو چکی ہے اگر غروبِ آفتاب کی جھلملیوں کی مانند ہو تو مجھے دیدے!!

پروردگار! یہ محبت اگر پھول کی پنکھڑی اور رُخسارِ ارض کے اتصال کی طرح خاموش ہو تو مجھے عطا فرما!!

اے کونون! یہ محبت اگر دودِ عنبر کی مانند سریع الاثر ہو تو میری ملکیت کر دے!"

لیکن مائرا جس کی محبت کے لئے اُس نے التجا کی تھی، گرد و پیش سے ناآشنا متعجب و متحیر کھڑی تھی: "کس قدر بعید ہے؟" اُس نے دل میں کہا: "اور کس قدر متحیر کن، یہ بدھ مذہب! یہ لوگ اپنی خودی کو کچل کر تمام سونا اور پھول مندر کی نذر کر دیتے ہیں..... معبود! مجھے محبت عطا فرما!" اُس نے یکبارگی محبت کے دیوتا کو سمجھے بغیر کہہ دیا۔ "محبت دے! مسرّت دے! اور رنج بھی ——— اگر یہ محبت کے لئے ضروری ہے! کاش میری محبت کھلے ہوئے پھول کی مانند ہو! بارآور!"

——— لیکن جاپان کے پھولوں میں پھل نہیں آتے۔

اس نے اپنا سر اوپر اُٹھایا۔ کنول ——— محبت کا مولد ——— آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا!

وہ دروازے کی طرف چلی مگر نہ جانے اس نے مندر کو پھر مُڑ کر کیوں دیکھا۔ ایک جاپانی اُسے دیکھ رہا تھا۔

وہ سیڑھیوں سے اُتر کر اپنی شاندار موٹر میں بیٹھ گئی اور جب موٹر چلنے لگی تو اوزآئیمن نے کہا: "اس موٹر کی سج دھج تو دیکھو ——— یہ عورت بیحد دولتمند معلوم ہوتی ہے۔"

اوتاکی نے مصوّر کی طرف اشارہ کر کے کہا: "اور یہ شخص بھی تو بیحد مالدار ہے، اسکے قیمتی لباس کو دیکھا؟"

مائرا گھر پہ شوہر کو لے کر سیر و تفریح کے لئے روانہ ہو گئی اور جم اس کے قرب میں بیٹھ کر بیحد مسرّت محسوس کرنے لگا۔ اس اثنا میں ایک نہایت خوشنما اور سبک رفتار موٹر ان کے پاس سے نکل گئی: "جاپانیوں کے پاس بڑی عجیب موٹریں ہیں!" جم نے کہا: "نہ جانے یہ کس کی ملکیت ہو؟ ——— ہاں وہ ایک مصوّر کیلئے بھی تو میں نے اشتہار دیا تھا مگر مجھے اُمید نہیں کہ کوئی آئے گا۔"

سڑک کے دونوں طرف لالٹینیں روشن ہو چکی تھیں۔

کرنگ کرینگ۔ کرنگ کرینگ۔

موٹر سے اُترتے ہوئے مصوّر کی لکڑی کی جوتیوں سے آواز پیدا ہوئی۔ اس کے بشرے میں دفعتاً جاگی ہوئی محبت کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ وہ جاپان کے موجودہ دور کا سب سے بڑا مصوّر تھا ——— توسا لوریکا! جس کے معنی ہیں مرغزار، روحانی پھولوں سے لہلہاتے ہیں ———"

تیسرا باب

"اپنی شاہراہ پر گامزن رہ۔ تیزگام اور منہمک! تیرا ہر آگے بڑھتا ہوا قدم تجھے محبوب سے قریب کر دے گا!"

(جاپانی نغمۂ اُلفت)

"جم! ان کاغذی قندیلوں کو تو دیکھو، یہ آرٹ کے بہترین نمونے ہیں۔" مائرا نے کیوٹو کی، جو کبھی جاپان کا پایۂ تخت تھا، تنگ گلی میں قمقموں سے آراستہ دُکان کی طرف اشارہ کر کے کہا: "اور خاص کر یہ شمع قندیل تو جس پر دو خرگوشوں کی تصویر ہے، اپنا جواب ہی نہیں رکھتی ..... لاحول ولا!" وہ ایک طرف دیکھ کر بولی: "وہ تمہارا دوست اور اسکی بیوی بھی اِدھر آ رہے ہیں۔ مجھے جین کی فضول باتوں سے سخت نفرت ہے۔"

"آہا!" جم نے بڑھکر کاؤنٹ اور اسکی بیوی سے ہاتھ ملا کر کہا: "آپ بالکل وقت پر آئے۔"

مائرا زچ ہو گئی اور جم کے کان میں کہنے لگی: "تم پیٹر تو مل رہے ہو مگر

جین کی وجہ سے میرا لطف کرکرا ہو جائیگا۔"

"نہیں کل تو بیچارے دونوں چلے ہی جائیں گے" جم نے جواب دیا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ بیگم کیلگ ہان!" کاؤنٹس دنتسو کی فطرت لغوگوئی پر اتر آئی۔ "دیکھئے ایسا نہ ہو کہ آپ کے شوہر کے ساتھ میرا شوہر بھی عورتوں کا شائق ہو جائے"

مائی را نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور ایک خوبصورت قندیل کے سرخ خرگوشوں پر اپنی پتلی انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا "مجھے یہ پسند ہے"

—— فوسانوریکا درختوں میں چھپا ہوا اُسے دیکھکر مسکرانے لگا۔

"اگر تم لوگی بیگم کیلگ ہان!" جین دنتسو کی پوری آواز سے بولی "تو میں بھی ضرور لونگی"

قندیلیں معمولی قیمت کی تھیں اور جم اپنی بیوی کے لئے صرف بیش بہا چیزیں خریدنی چاہتا تھا اس لئے وہ بغیر قندیل لئے تھیٹر چلی گئی۔

فوسانوریکا کے دکان میں داخل ہوتے ہی قندیل فروش تعظیماً جھک گیا "ازراہ کرم" مصور نے کہا "مجھے یہ قندیل دیدیجئے جس پر سبزہ خوابیدہ میں بیٹھے ہوئے خرگوشوں کی تصویریں ہیں"

قندیل فروش اس کے لباس اور صورت کو دیکھ کر لجاجت سے بولا "یہ آپکے لائق نہیں ہے۔ یہ برابر والی پسند کر لیجئے جو اس سے کہیں بہتر ہے۔ زیادہ سبزہ! اچھی شاخیں! بہت سے پہلو! اور زیادہ دیر تک جلنے والی شمع!! اس کی قیمت صرف پچھتر ین ہے"

"نہیں مجھے تو یہی چاہیئے" فوسانوریکا نے اسی قندیل کی طرف اشارہ کر کے کہا جس پر میڈونا نے اپنی انگلیاں پھیری تھیں۔ "میں ہر خرگوش کے عوض سین کے بجائے ین دوں گا" وہ اپنی لمبی آستینوں میں کچھ تلاش کرتے ہوئے بولا "اوہو! میرا بٹوہ کہیں گر گیا......"

اُس نے اپنی بائیں آستین میں سے رنگوں کا ایک چھوٹا سا بکس نکال کر ایک سادی قندیل پر کچھ نقوش بنائے اور اُسکے نیچے جاپانی رسم الخط میں اپنے دستخط کر کے صاحب دکان کو پیش کرتے ہوئے کہا "یہ حاضر ہے"

قندیل فروش متعجب رہ گیا اور دستخط پہچان کر تین دفعہ کورنش بجالایا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگا "ماہر فن! جاپان کا سب سے بڑا اور شہرۂ آفاق مصور! فوسانوریکا سان! جو مرغزاروں کو روحانی پھولوں سے لبریز کر دیتا ہے اور پرندوں اور درختوں کی تصویر کشی میں معنیٔ پنہاں مخفی کر دیتا ہے!!" اور بار بار سر کو جھکا کر عاجزی سے بولا "استادِ زماں! اِن ادنیٰ خرگوشوں کے عوض آپ مجھے مصوری کے نادر نمونے عطا فرما رہے ہیں!"

وہ دونوں تعظیماً سرنگوں ہو گئے۔

"ازراہ بندہ پروری!" قندیل فروش نے پھولوں سے لدی ہوئی ایک شاخ پیش کرتے ہوئے کہا "یہ حقیر تحفہ میری جانب سے قبول فرمائیے"

مصور نے تحفہ قبول کر لیا "کیا آپ مجھے تماشے کے ٹکٹ کے لئے کچھ رقم دے سکتے ہیں؟" اس نے پوچھا اور جب قندیل فروش نے پانچ ین کا نوٹ اُسے پیش کیا تو وہ گردن جھکا کر رخصت ہونے لگا۔

"سایونارا"

"سایونارا"

خوابوں میں کھویا ہوا، فوسانوریکا تماشہ گاہ کی طرف چلدیا۔ ماترا کو بیٹھے ہوئے دیکھکر وہ ایک طرف کھڑا ہو گیا "اِس عدیم المثال پرندے کے سیمیں اور نازک بازو نہ جانے امارت کے بوجھ سے کیوں دب رہے ہیں" وہ دل میں کہنے لگا "اور سونے سے مرعوب ہو کر وہ فطرت انسانی کے سیاہ بادلوں سے گھرا ہوا ہے جبکہ سرسبز و شاداب درخت اور حسین و جمیل پھول اس کے استقبال کیلئے آگے بڑھ رہے ہیں"

یہ سوچکر کہ معمولی درجے میں بیٹھنے کو وہ اسے آزادی کے ساتھ دیکھ سکے گا، اس نے قندیل پر بنے ہوئے خرگوشوں کو، جن سے مائی را کی انگلیاں مس ہوئی تھیں، محبت سے بے قابو ہو کر چوم لیا اور موم بتی بجھا کر اسے تہ کیا اور اپنی ہاوری کی جیب میں رکھ لیا۔

اسٹیج کی دونوں جانب ایک ایک درجن شوخ و چنچل رقاصائیں سیاہ کپڑے پہنے تماشبینوں کے آگے سرنگوں ہو گئیں اور چند لمحات بعد رقص کرنے لگیں "حسینوں کا جمگھٹا!" کاؤنٹ بول اٹھا۔

"ہاں۔ بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہیں" جم نے تائید کی۔ جین کی طرح ماترا کی بھی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ہمارے مردوں اور ان رقاصاؤں کی داستانیں کس قدر مشہور ہیں" جین جلکر کہنے لگی "ان کو رقص نہیں دیکھنا چاہیئے"

"ہش" مائی را آہستہ سے بولی "جاپان میں ہر شخص انگریزی جانتا ہے، ایسی بات نہ کہو"

رقاصائیں ہنس ہنس کر ناچ اور گا رہی تھیں انکے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں

چنکھیاں اور سیلیں سن بہت پہلے معلوم ہوتے تھے۔

"دائیں طرف سے تیسری رقاصہ بے حد خوبصورت ہے' کیوں میڈونا!" کیلگ ہان نے اپنی بیوی کے کان میں کہا۔ "اس کی آنکھیں بھی بڑی ہیں اور ٹھوڑی بھی سب سے بہتر ہے۔"

بیوی کو دوسری عورت کے حُسن کی تعریف ناگوار گذرتی ہے۔ اُس نے اس کی بات سُنی اَن سُنی ایک کر دی۔ اور لاپروائی سے سامنے والے لوگوں کو دیکھنے لگی جو معمولی درجے میں اس کے آگے تماشہ دیکھ رہے تھے۔

تمام حاضرین تماشہ دیکھنے میں محو تھے مگر ـــــ ایک شخص! اس کا منہ اسٹیج کی طرف نہ تھا بلکہ وہ اُسے دیکھ رہا تھا.... غور سے! انہماک سے! وہ محجوب ہو کر کرسی پر پیچھے ہٹ گئی۔ ایک شخص نے اُسے دوپہر کو منڈر میں بھی دیکھا تھا۔

عورتیں اور مرد اُسے دیکھا ہی کرتے تھے کیونکہ وہ غیر ملکی تھی اور مغربی کپڑے پہنتی تھی۔ مگر تھیٹر میں سے ایک مرد کا اُسے گھورنا اُسے بہت زیادہ محسوس ہوا۔ رقاصائیں اپنا کمال دکھا رہی تھیں۔ اُنکے اندر مُڑے ہوئے پنجے اور ایڑی کی ضرب قابل دید تھی مگر ماترا کا دل اب اس میں نہیں لگ رہا تھا۔ اُسنے ایک دفعہ پھر اسی شخص کی طرف دیکھا ـــــ اس کی نگاہ اسی پر جمی ہوئی تھی۔

وہ گھبرائی اور گھبرا کر کاؤنٹس سے کہنے لگی: "تماشہ بہت دیر میں ختم ہوگا اور میرے لئے اس میں دلچسپی نہیں رہی۔ میں جا رہی ہوں' تم اگر چاہو تو میرے ساتھ چلی چلو۔ یہ دونوں تمہاری موٹر میں آجائیں گے۔"

"ہاں میرا دل بھی نہیں لگ رہا۔" جین کھڑے ہوتے ہوئے بولی: "چلو۔ مگر بیگم کیلگ ہان میری ایک بات یاد رکھنا! رقاصاؤں کی موجودگی میں مرد محفوظ نہیں رہتے۔ جاپان اخلاق کا کنواں ہے۔"

"کیوں میڈونا!" جم شوخ طالب علم کی طرح ہنستا ہوا بولا "ہم ان رقاصاؤں کو چار بجے کیوں نہ بلالیں؟ میں وقت کا تعین کر لونگا۔"

بغیر جواب دئیے، ماترا جین کے ساتھ تھیٹر سے چلی گئی۔

"دیکھنا!" جین نے موٹر کے چلتے ہی مائی را سے کہا: "رقاصائیں مردوں کیلئے ایسی ہیں جیسے چوہوں کے لئے پنیر! تم دیکھ لینا مسٹر کیلگ ہان کسی روز ٹوکیو تنہا جانے کے لئے، جہاں حسن فروش عورتیں کثرت سے ہیں، کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور تراشیں گے۔"

مائی را کی آنکھوں میں سنجیدگی ظاہر ہو رہی تھی۔

رات جا چکی تھی اور جم، مائی را کو شب بخیر کہنے اس کے کمرے میں آیا تھا۔ شوہر ہونے کے باوجود بھی اُسے اس سے ہم آغوش ہونے کی اجازت نہ تھی اور جنسیاتی شکست سے وہ اکثر بےچین ہو جاتا تھا۔

"میڈونا ـــ" وہ کہکر رک گیا۔ اس کی نظریں اسکے بیش بہا لباس پر جم گئیں جو سلمے ستارے کے کام سے مرصع تھا اور جسکے بالائی حصے پر سپید سمور لگی ہوئی تھی۔

"کیا ہے؟" اس نے لاپرواہی سے کہہ کر بات پلٹ دی: "جم! گرمیوں کے آتے ہی تو تم یہاں سے نہ چلے جاؤ گے؟ میں کسی جاپانی مکان میں رہنا چاہتی ہوں جس کے کاغذی دروازے اور دیواریں ایک جگہ سے دوسری جگہ سرک سکتی ہوں اور اُن نرم چٹائیوں پر بھی سونا مجھے بیحد پسند ہے جنہیں "فاؤٹون" کہتے ہیں۔"

وہ دفعتاً اس کی طرف مائل ہوا اور کلائی پکڑ کر اُسے اپنے قبضے میں کر لیا ـــ اسکی محبت میں بھی آثارِ حیات پیدا ہونے لگے۔

"جو تم چاہو گی وہی ہوگا میڈونا!" جم اپنے تیز سانس کو آواز سے ہلکا کرتے ہوئے بولا: "میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنی چاہتا ہوں.... ... پیاری! جاپانیوں کا خیال ہے کہ پھولوں کے موسم میں محبت اور حسن پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔"

وہ اس کے بازوؤں سے نکل کر ذرا دور کھڑی ہو گئی: "جم!" وہ دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی: "میرے نزدیک "محبت" حُسن ہے ـــ پھول! خوشبو! نزاکت! لطافت! رنگینی! رعنائی!"

"تم نہیں سمجھتیں میڈونا!" وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگا "مجھے تم سے کسقدر محبت ہے۔"

"اوہ!" اس نے نیچی آواز میں کہا: "جم! تمہاری محبت میری محبت سے مختلف ہے۔"

"محبت مختلف کیسی ہوتی ہے؟" وہ اُسے اپنے سینے سے چپٹا کر اور اس کے لبوں پر بوسہ دیتے ہوئے بولا ـــ "میڈونا! میں کب تک تڑپتا رہوں؟"

"میری رائے میں تمہاری محبت ایک قسم کی......" وہ رُک رُک کر بولی: "جسمانی خواہش ہے..... لیکن چونکہ ہم کو یکجا زندگی بسر کرنی ہے ـــ!"

"اس لئے!" کیلگ ہان بول اُٹھا: "مجھے چاہیئے کہ میں تمہارے آرند کے مندر میں تمہیں "مجسمۂ عصمت" ہی رہنے دوں ـــ تاوقتیکہ تم دوسری عصمت مآب عورتوں کی طرح محبت کی بھوک سے بلبلا اُٹھو اور یہ سمجھنے

پر مجبور ہو جاؤ کہ تمہیں بھی محبت کی ضرورت ہے اور تم کو بھی ایک ہمدم اور اولاد کی آرزو ہے۔ اچھا تو سنو! ——— " وہ رُک گیا اور مائی را دروازے پر دستک سن کر دیسے کھڑی ہو گئی۔

" آپکے نام پیغام آیا ہے۔ کیلنگ ہان سان!" جاپانی ملازم نے لفافہ اُسکے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

تجم خط پڑھنے کے بعد بھی کسی خیال میں غرق رہا۔

مائی را اس استغراق پر رائے زنی کرنے لگی۔ وہ کیا سوچ رہا ہے؟ کچھ اپنے بیٹے کے متعلق؟ اس رقاصہ کے متعلق؟

" کیا ہے تجم؟" اس نے تنگ آکر پوچھا۔

" کچھ نہیں" اُس نے جواب دیا " مجھے ٹوکیو بلایا ہے"

" ٹوکیو؟" وہ حیرت سے کہنے لگی۔

" ہاں مجھے فوراً ٹوکیو پہونچ جانا چاہیئے" اس نے کہا " میں یارما ذرتھ کو ہمراہ لیکر تھوڑی دیر میں چلا جاؤں گا۔ وہاں ایک زبردست زلزلہ پھر آیا ہے اور ممکن ہے ہارو ڈیل ٹی آبی تجویز پر مجھے فوراً عمل پیرا ہونا پڑے۔ چونکہ وہ زیادہ عرصے تک وہاں قیام نہیں کر سکتا اس لئے اس کی جگہ مجھے ہی کام کرنا پڑے گا۔ تم اگر چاہتی ہو تو یہیں رہو اور جب میری ضرورت ہو تو تار دے دینا، میں فوراً آجاؤنگا"

" اچھا ——— " وہ اس کے لبوں پر خود ہی اپنا رُخسار رکھکر بولی " تمہاری عدم موجودگی میں میں کسی جاپانی طرز کے مکان میں چلی جاؤں گی اور ہاں، تمہاری اس کتاب کا کیا ہوگا۔ تم نے ایک مصور کیلئے اشتہار دیا تھا؟"

" ہاں" اس نے محبت سے کہا " کیا تم میری خاطر اُسے مصوّر کرالوگی؟ ممکن ہے کوئی مصوّر آجائے"

" ہاں ہاں" وہ اس کی گردن میں ہاتھ حمائل کرتے ہوئے بولی " اس سے میرا وقت بھی اچھا کٹ جائے گا۔ تم اکیلے جا رہے ہو ——— ! شاید تمہاری واپسی پر تمہارے " بُتِ عصمت " میں زندگی پیدا ہو جائے"

اُس نے ہنس کر کہا " تم جس طرح چاہو میں دخل نہیں دوں گا۔ تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے ..... کیوں میڈونا! ..... مجھے تم پر پورا اختیار کب ہوگا؟"

عصمت مآب دوشیزہ کے سُرخ لبوں پر اس نے مہرِ محبت ثبت کردی اور رخصت ہو کر دروازے سے باہر نکلا ——— رُکا اور پھر واپس ہوا۔

" یوں ہی رہو میڈونا!" وہ اُسے سر سے پیر تک دیکھتا ہوا بولا " میں چاہتا ہوں کہ تم میری آنکھوں اور دل میں اسی طرح سما جاؤ ——— میں جا رہا ہوں مگر تمنا ہے کہ تمہیں دوبارہ دیکھنے کے لئے زندہ رہوں۔ تمہارا یہ مرمریں عکس میرے سطحِ قلب پر ہمیشہ مُرتسم رہے گا"

اُس نے اُسکو پھر اپنے سینے سے چمٹا کر خوب بھینچا اور پیشانی، رُخساروں، آنکھوں اور لبوں کو چوما اور بالآخر ——— رخصت ہو گیا۔

رحم کی دیوی کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

چوتھا باب

اے لوگو! ہر قسم کے سرقے سے پرہیز کرو۔ اور اس چیز پر نگاہ نہ ڈالو جو دوسروں کی مِلک ہے!۔

(بدھی مقولہ)

بارش بہت دنوں سے ہو رہی تھی اور مائی را کتاب ہاتھ میں لئے برشگالی کیفیت سے کشمکش میں مصروف تھی۔ وہ اپنے دل میں ایک نامعلوم خلش محسوس کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ کوئی اس سے محبت کرے ——— وہ کسی سے محبت کرے! انسان کے سایوں میں محبت بھی منتظر تھی کہ سنہری زنجیروں سے اُسے اس طرح بے بس کر دے کہ اس کی ہستی نکھر کر رہ جائے۔

دروازے پر دستک سنائی دی۔ مائی را اپنے خیالات سے چونک پڑی۔

" آجاؤ" اُس نے کہا۔

جاپانی خادمہ " اماہ " نے آگے بڑھ کر وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

مائی را جاپانی رسم الخط سے ناواقف تھی۔

" کیا یہ کوئی دوکاندار ہے؟" اُس نے پوچھا۔

اماہ تعظیماً جھک کر بولی " جی نہیں۔ آپ نے جو اشتہار دیا تھا اسکے جواب میں یہ شخص آپ سے ملاقات کرنی چاہتا ہے"

" اوہ!" مائی را نے کہا " مجھے افسوس ہے آج میں کسی سے نہیں مل سکتی"

اُس نے سوچا " کوئی جاپانی مصوّر، رنگین ہاوَری اور سفید تابی میں ملبوس مجھ سے ملنے آیا ہے اور وہ بھی بارش میں!"

اور پھر بولی " اماہ! اچھا چونکہ اس نے بارش میں یہاں تک آنے کی زحمت گوارا کی ہے اس لئے مل لوں گی۔ تم اسے یہاں بٹھاؤ میں کنگھا کر کے آتی ہوں"

آماہ فوسانوریکا کو اندر پہنچا کر بولی "آپ تشریف رکھئے، بیگم صاحبہ ابھی آتی ہیں۔"

"شکریہ" مصور نے کہا "میں کھڑا ہی رہونگا۔"

آماہ چلی گئی اور وہ سوچنے لگا کیا وہ مجھے پہچان جائے گی؟ اگر نہیں تو کیا مستقبل میں وہ مجھے معاف کردے گی کہ میں نے ایک فرضی نام رکھ کر اس سے تعلقات پیدا کئے اور اپنے اصلی نام کو جو تمام دنیا پر روشن ہے اس سے چھپایا۔

جب مائی را کمرے میں داخل ہوئی تو بارش رک چکی تھی۔ قسمت کے تیر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے اور الفت نے آگے بڑھ کر اُسکے پاؤں میں طلائی بیڑیاں پہنا دیں۔ وہ خاموش کھڑی رہی، اس کی نظریں اپالو جیسے سڈول جسم اور ہلال جیسے حسین چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ آگ کے شعلے آتشدان میں رقص کناں تھے اور معبدِ محبت مسکرا رہا تھا۔

"تسلیم!" مائی را نے ایک انداز محبوبانہ سے کہا۔

فوسانوریکا احترام کے ملئے دوہرا ہو گیا۔ بارش یکبارگی شروع ہو گئی۔ گویا مرد کی بھڑکی ہوئی محبت کو بجھانا چاہتی تھی اور ہوا آہیں بھرتی ہوئی شیشوں سے ٹکرانے لگی گویا انجام سے باخبر کر رہی ہے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ آتشدان کے انگارے سرد ہو گئے۔

"وہ اشتہار آپ کی نظر سے گذرا ہو گا؟" اُس نے آخرکار خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا "تشریف رکھیئے تاکہ اس کے متعلق کچھ گفتگو ہو سکے۔"

مصور اس کے مقابل بیٹھ کر جاپانی فنِ مصوری پر گفتگو کرنے لگا۔

مائی را نے کتاب کا مسودہ اپنے زانو پر رکھ لیا لیکن جاپانی کی نکتہ چینی کے خوف سے وہ اُسے دکھاتی ہوئی ہچکچاتی تھی کیونکہ اُس نے خود اپنے فن کی بھی مذمت کی تھی کہ بہت سے مصور ہوتی سے باریک نقوش اس سے بہتر کھینچ سکتے ہیں۔ پھر اس نے تین حسین و جمیل تصویریں دکھائیں جو اسکے کمالِ مصوری کو ظاہر کرتی تھیں۔

ایک سفید بگلا ـــ جو کنول کے پھول پر اُڑ رہا تھا اور اُسکے سینے سے ایک پر پھول کے قلب میں پیوست ہونے کے لئے نیچے گر رہا تھا۔ بانس کے درخت کی ایک شاخ ـــ جس پر عنکبوت کے سنہرے تار بکھرے ہوئے تھے۔

ایک قندیل ـــ جس کے زمردیں سبزے پر سرخ خرگوش اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔

مصوری کے معجزے!!

لیکن اسکے نزدیک یہ معمولی تصویریں تھیں۔

"..... مگر آپ مصور ہو کر اپنے قومی لباس پر غیر ملکی کپڑوں کو کیوں ترجیح دیتے ہیں؟" اُس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بات یہ ہے" وہ اسکی آنکھوں میں افسانۂ محبت پڑھتے ہوئے بولا۔ "میرے والدین نے میری کسی خواہش کو کبھی رد نہیں کیا یہانتک کہ انہوں نے مجھے ولایت میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھی بھیجدیا۔"

"اچھا!" مائی را کسی قدر حیرت سے بولی "جب ہی تو آپ اتنی عمدہ انگریزی بولتے ہیں۔"

"انگریزی تو مجھے بہت جلد آگئی تھی۔ ابتدائی تعلیم کے کچھ عرصے بعد میں نے مصوری شروع کر دی اور اب یہی میری اور میرے باپ کی کفیل ہے۔ پچھلے سال زلزلہ آنے کی وجہ سے اُن کے دماغ کو صدمہ پہنچا کیونکہ ہمارا مکان وغیرہ سب زمین میں دب گیا۔ وہ اَب اپنے آپ کو تنہا اور محرومِ مسرت سمجھتے ہیں اور اس کے متعلق اکثر میری ماں سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

"لیکن میرا خیال تھا کہ آپ کی ماں کا ـــ" وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"انتقال ہو گیا! یہ ٹھیک ہے۔ پچھلے زلزلے میں انکا انتقال ہو گیا۔" اُس نے مسکراتے ہوئے اس کا فقرہ پورا کر دیا۔

"اور آپ مسکراتے ہیں؟" وہ اسکے لبوں کو دیکھتی ہوئی بولی۔

جاپانی پھر مسکرایا۔ "اسے "مسکراہٹ تعظیمی" کہتے ہیں۔ ہم لوگ کسی کے سامنے کبھی ناخوشگوار واقعات کا ذکر نہیں کرتے لیکن اگر مجبوراً ہمیں کوئی حزنیہ بات کرنی بھی پڑے تو اس خیال سے کہ دوسرے متاثر نہ ہوں ہم مسکرا دیتے ہیں۔"

مائی را اس سے واقف نہ تھی۔ وہ اس پر اور مسکرایا۔ "رہی میری ماں، تو ہم جاپانی روحوں کے معتقد ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری ماں کی روح ہر وقت میرے باپ کے ساتھ رہتی ہے۔"

اس نے موضوع بدل کر تصویر کشی کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔

اس کی مصوری سے مرعوب ہو کر مائی را میں کتاب اُسے دکھانے کی ہمت نہ رہی تھی۔ "جس نے کسقدر بھدے الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے؟" اس نے سوچا۔ "ان کی تصویر کشی کسقدر مشکل ہو گی؟"

وہ سوچتی رہی یہاں تک کہ کتاب اس کے زانو پر سے پھسل کر فرش پر گر پڑی۔ جاپانی نے اس کو اٹھا لیا اور اس کی طرف جھک کر پوچھا

"کیا میں اسے دیکھ لوں؟"

اس نے سر ہلا دیا۔

وہ اوراق پلٹنے لگا ——— ماترا اس کا جائزہ لینے لگی۔

بیضوی چہرہ، سیدھی لانبی ناک، سیاہ گھنے بال اور جاپانیوں سے مختلف اس کی ٹھوڑی اور ہاتھ بھی چکلے اور خوبصورت تھے۔ جسمانی طور پر بھی وہ عام جاپانیوں سے ملتا جلتا نہ تھا۔ اس کا قد طویل تھا اور کپڑے یقیناً کسی مغربی درزی کے سلے ہوئے تھے۔

وہ آگے جھک کر اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا ——— مائی را نے کوئی جنبش نہ کی۔

"مجھے نہیں معلوم اور نہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب کس نے لکھی ہے۔" آخرکار اس نے کہا۔ "اشتہار میں لکھا تھا کہ ایک جگہ مصنف کو ایک مصوّر کی ضرورت ہے اور اس کا پتہ اسی میکاگو ہوٹل کی معرفت تھا......"

اس نے اُسے نہیں بتایا کہ مائی را کے یہاں ٹھہرنے کا علم پیشتر ہی سے تھا اور یہاں اس خیال سے آیا تھا کہ اشتہار کے بہانے سے ہوٹل میں اگر شاید اُسے اس کے دیکھنے کا موقع مل جائے۔ وہ اُسے نہیں دیکھ سکا تھا لیکن معبودِ محبت نے اُسے وہ راستہ بتا دیا تھا جو ماترا کے کمرے تک جاتا تھا۔

"اگر تمہیں کوئی نرم پر، زمین پر گرا ہوا نظر آئے تو اُسے اُٹھا کر اپنی کتابِ دل کے ورقوں میں دبا لو کیونکہ حقیقتاً یہ ایک عورت کا خیال ہے جو ساتویں آسمان پر سے اُتر کر آیا ہے جہاں وہ اپنے بچے کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔" اس نے ماترا کو سُنایا اور کتاب بند کر دی۔ "میں کوشش کرونگا کہ اسے مصوّر کر دوں۔"

"کیا آپ تصویرکشی کیلئے یہاں آیا کریں گے؟" اس نے پوچھا۔ "میں ایک اور کمرہ کرایہ پر لے لونگی۔"

اس نے ہوٹل کے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی جہاں الہامی فضا کا، جو اس کی مصوّری کے لئے اشد ضروری تھی فقدان تھا۔

اُس نے اُس کے بشرے سے اندازہ لگا لیا کہ یہ جگہ اس کے لئے موزوں نہ ہوگی۔

"کیا اچھا ہو!" اس نے آہستہ سے کہا اور الفاظ نے اس کی کلائیوں میں رنگین زنجیر پہنادی۔ "اگر آپ مجھے ایک جاپانی مکان تلاش کرنے میں مدد دے سکیں۔"

جاپانی مکان اشنتو مندر کے قُرب میں جو صدیاں گذریں تہ خاک ہو چکا ہے، پہاڑی کے ایک رُخ پر درختوں کے جُھرمٹ میں جاپانی طرز کا ایک مکان بنا ہوا تھا۔

وہ اس کی معصوم آنکھوں کو دیکھتا ہوا بولا۔ "ایک مکان خالی تو ہے مگر یہ ایک مصوّر کی ملکیت ہے جس کا نام آپ نے سُنا ہوگا؟"

"فوسانوریکا تو نہیں؟" اس نے خود بخود کہا اور اس کے متعلق سوالات کرنے لگی۔

"ہاں میں اُسے جانتا ہوں۔" جاپانی نے جواب دیا۔ "تمام مصوّر ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

اس کو یقین ہو گیا کہ وہ اس مکان کو اپنی قیام گاہ بنانے کی مصـ
پانچ سال پیشتر تک وطن سے باہر تھا لیکن ایک بوڑھا سپاہی اوجی سا
اور اس کی بیوی او باسان ہمیشہ سے وہاں ملازم تھے۔ یہ مکان نہایت خوبصورت تھا اور سخت گرمی میں بھی سرد رہتا تھا۔ اس میں مشرقی اور مغربی دونوں طرز کے کمرے تھے اور دریچوں میں سے پُرفریب و پُرفسوں مناظر دکھائی دیتے تھے...... یہاں سے بَل کھایا ہوا راستہ جس پر اناس اور بالس کے درختوں کا سایہ رہتا تھا، باغ میں سے گذرتا ہوا ایک چھوٹی سی جھیل تک جاتا تھا۔

"فوسانوریکا کی شکل کیسی ہوگی؟" مائی را نے قیاس آرائی کی "شادی شدہ؟ لیکن اس کے متعلق تو مشہور ہے کہ اس کو کبھی کسی عورت سے محبت نہیں ہوئی شاید عمر بھی بیس پچیس برس کی ہوگی.... میری عمر اٹھارہ سال کی ہے..." وہ کچھ سوچ کر بولی "اور مکان کا نام بھی خوبصورت ہوگا؟"

مکان "قصرِ آغاز و انجام" کے نام سے مشہور تھا۔

"کسقدر حسین نام ہے!" مائی را نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسرتوں کی ابتدا اور رنج و غم کا اختتام۔"

"ہاں اور اس کے علاوہ بھی" مصوّر نے معنی نکالتے ہوئے کہا۔ "ناکامی کی ابتدا اور کامیابی کا خاتمہ یا زندگی کا ——— جو ایک مختصر سا سفر ہے ——— آغاز و انجام!"

مائی را کسی مخفی خیال سے کانپ گئی۔ "ایسا نہ کہیے۔ اس سے مجھے تو ایسا معلوم ہوتا کہ مندر کی المناک گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئی ہیں ———"

"کیوں؟" اُس نے کہا۔ "زندگی سفر نہیں تو اور کیا ہے؟ دُنیا کے مسافرخانے میں بہت سے مُسافر آتے ہیں، آپس میں ملتے جُلتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں اور پھر ——— ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے

اپنے رستوں پر چلے جاتے ہیں"۔

"میں اور آپ ــــ مسافروں کی طرح ..... ؟" اس نے ناخوشگوار موضوع کو بدلنا چاہا: "کیا میں یہ مکان کل دیکھ سکتی ہوں؟ کتاب جسقدر جلد مصوّر ہو جائے اچھا ہے"

محبت اور عقل برسرِ پیکار ہو گئیں۔ وہ سوچنے لگا: "کیا میں بتا دوں کہ مکان میرا ہی ہے... کہ میں ہی وہ مصوّر ہوں جو مشرق و مغرب میں مشہور ہے... کہ میں ہی چین سے ایک عرصے کے بعد ٹوکیو واپس آیا ہوں تاکہ پھولوں کا موسم اس پُرفسوں مکان میں گزاروں! یا وہ سمجھ سکتی ہے کہ میں اُسے فریب میں مبتلا کر رہا ہوں؟ ......"

وہ اسی کشمکش میں اُلجھا ہوا تھا کہ مائی را نے خود فیصلہ کر دیا۔

"میری ایک خواہش ہے" اُس نے کہا: "اور وہ یہ کہ آپ فوساتوریکا سے ملیں تو اس کتاب کا تذکرہ نہ کریں کیونکہ ..... وہ اسقدر عظیم المرتبت ہستی ہے اور ہماری کتاب ــــ !؟"

اس نے اس کا وعدہ کر لیا: "آپ فوساتوریکا کی طرف سے بے فکر رہیں۔ ہاں! نوکروں وغیرہ کا بھی انتظام کر دونگا"

"میں آپ کی ممنون ہوں" اس نے کہا: "آپ بہترین ملازموں کو تلاش کر دیجئے، وہ جو کچھ مانگیں گے میں اُنکو تنخواہ دوں گی" وہ رُک گئی "مصوّر کی اُجرت کے بارے میں ــــ ؟"

وہ خود ہی مسکرا کر کہنے لگا: "اور میں اپنی اُجرت بھی کتاب مصوّر ہونیکے بعد بتاؤنگا"

"مصوّر ہونے کے بعد؟" اُس نے پوچھا۔

ــــ مندر کی گھنٹیاں پہاڑی پر سے سُنائی دینے لگیں۔

"اسکے متعلق اور کچھ نہ کہئے۔ مصوّری اور اُجرت ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ دیکھئے آپ کی ملازمہ آپ کو بلا رہی ہے"

"اچھا اماہ!" اشارہ سمجھ کر بولی: "آتی ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں؟"

وہ کچھ سوچ کر بولا: "شکریہ! مجھے افسوس ہے کہ میں آپکے ساتھ کھانا کھانے کی عزت نہیں حاصل کر سکتا۔ یہ وقت ایک صاحب کے ساتھ متعین ہو چکا ہے" انکار کر کے وہ اس کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھنا چاہتا تھا۔

مائی را آگے بڑھکر بولی: "اچھا تو آپ میری موٹر میں چلے جائیے ــــ ایسا نہ ہو آپ بھیگ جائیں"

"آپ کی عنایت کا شکریہ!" وہ کہنے لگا: "میں اس وقت موسم سے لُطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے پیدل چلنا اچھا معلوم ہو گا ــــ"

"بہتر!" مائی را آہستہ سے بولی: "کیا میں آپ کی یہ تصویریں اپنے پاس رکھ سکتی ہوں؟ یہ کسقدر عمدہ ہیں!"

اُس نے پہلی تصویر اُٹھالی: "یہ آپنے کب بنائی تھی؟"

"پچھلے ہفتے! مندر میں! ــــ جبکہ آپ وہاں تھیں!"

"میں!؟"

"جی ہاں! ــــ آپ!"

اس نے تصویریں اس سے لیکر چاک کر ڈالیں: "یہ کسی قابل نہیں ہیں" اور گردن جُھکا کر بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ مُسکرائی اور کاغذ کا ایک ٹکڑا اُٹھا لیا جس پر ایک نرم و نازک پَر بنا ہوا تھا۔

"اِسے اپنے اوراقِ قلب میں چُھپا لو!" اُس نے زیریں لہجے میں کہا اور اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔

پانچواں باب

قناعت مملکت ہے ــــ دولت اور مسرت کی!
سکون اور راحت کی!! (بدھی مقولہ)

جاپان میں بہار! ــــ جبکہ دُنیا حسین معلوم ہوتی ہے۔

میاکو ہوٹل میں مسلسل آمد و رفت، شور و غل اور لوگوں کے قہقہے! برخلاف اس کے اناس کے درختوں میں گھرا ہوا قصرِ آغاز و انجام! جہاں سبزے کا ارتعاش! بھونروں کی بھنبھناہٹ! مندر کی گھنٹیاں! طلوع و غروب کی رنگینی! باغ اور جھیل کی فضا! اور بارش کی موسیقی خیالات کو روحوں کے جزیرے میں لے جاتی ہے۔ مائی را گھٹنوں پر تصویر رکھے پہاڑی پر پھولوں سے لدے ہوئے ایک درخت کو دیکھتی ہوئی سوچنے لگی "....... اور کیا ان سب کا لُطف میں تنہا اُٹھاؤں گی؟ برشگال، طوفان اور محبت ــــ اِن کا بغیر ہمدم کے مزا ہی کیا؟... وہ کتاب بھی مصوّر ہونی ہے!"

دروازہ کھول کر خادمہ اندر آگئی: "اوہایو! تسلیم! اماہ! ــــ اب تو میں جاپانی بولنے لگی ہوں؟"

جارجی کی کشتی میں ایک خط پڑا ہوا تھا: "جم پیارے! تم سے ایک دن بھی نہیں رہا جاتا؟ مور خط لکھتے ہوئے" اُسنے خط کھول لے ہوئے کہا۔

صیدونا پیاری

....

میں ایک جاپانی سرائے میں مقیم ہوں اور عنقریب ہم لوگ آپ کی تجویز پر عمل کرنے والے ہیں . . .

میں تمہیں ایک محبت کے راز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جس سے تم بھی محظوظ ہوگی۔ میری ملازمہ (جسے جاپان میں "اماہ" کہتے ہیں۔) عجیب و غریب شکل و شباہت کی ہے۔ جسم کی بھاری اور قد میں میری کمر تک ہے۔ میں نے اس کا نام اوہاراسان ("سان" تعظیمی لفظ ہے) رکھا ہے۔ میرا ملازم یار ماؤتھ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔

میڈونا! جاپانی غسل نے دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا اور ہنسی بھی آئی۔ یہاں بڑے بڑے چوکور یا گول حماموں میں لوگ تنہا اور مل کر برہنہ نہاتے ہیں۔ میں تو ننگا ہو کر دوسرے کے ساتھ نہیں نہا سکتا۔ جاپانیوں کے نزدیک برہنہ اجسام قدرتی ہونے کی وجہ سے قابلِ توجہ نہیں ہیں۔ اس لئے وہ ننگے ہونے میں کچھ لیس و پیش نہیں کرتے لیکن چونکہ ہم لوگ عریانی کو اچھا نہیں سمجھتے اس لئے بعض اوقات وہ شام کے وقت ہماری عورتوں کو ملبوس دیکھ کر بُرا خیال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک عورت جہاں چاہے اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی ہے —— خواہ تھیٹر ہو یا بازار رکشا ہو یا ٹریم . . . . .

یار ماؤتھ اور اوہاراسان ایک دوسرے سے منسوب ہوگئے ہیں۔ منگنی ہونے کے بعد اوہاراسان نے اپنے سر میں تیل ڈالا اور بالوں کا جوڑا اوپر کے رُخ باندھا ہے جو کنوارپنے کی نشانی ہے۔ شادی کے بعد البتہ وہ رواج کے مطابق ان بالوں کو چوٹی میں گوندھے گی، اس نے چہرے پر غازہ اور سُرخی بھی لگائی ہے جس سے وہ رقاصہ کی طرح حسین معلوم ہوتی ہے۔ جاپانیوں کے ہاں پیار کرنا —— شاید تم جانتی ہو —— معیوب سمجھا جاتا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ ایک وحشیانہ عادت ہے۔

اور ہمارے ہاں ؟۔

مذہب شنتو اور بدھ مت میں والدین کی روحوں کی پرستش اور فرمانبرداری لازمی ہے . . . . ."

مائی را نے خط نیچے رکھ دیا۔ افسوس! اس نے یہ کبھی نہیں لکھا کہ وہ اُسے دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہے یا اُسے اپنے پاس بُلانا چاہتا ہو —— عورت کی فطرت!

جاپانی اماہ! —— رنگین چہرے والی!!

اوہاراسان —— رقاصہ کی طرح حسین!

خیالات منتشر کر کے وہ باہر جانے کے لئے تیار ہوئی اور معبود چیزو، جو بچوں کی پیدائش سے قبل اُن کی روحوں کا نگہبان ہے، اسکی خود سری دیکھ کر سرد آہیں بھرنے لگا۔

اگر تم دریائے یوشی نو کے منبع کا مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں صرف نرسل پر سے گرنے والی شبنم اور کائی کے نیچے بہنے والے قطراتِ آب ہیں!۔

(جاپانی ضرب المثل)

قصرِ آغاز و انجام کو دیکھنے اور اس میں رہنے کا شوق لمحہ بہ لمحہ بڑھتا گیا۔ فوسانوریکا نے اسی سلسلے میں اُسے ایک خط لکھا تھا۔

". . . . . چونکہ میری رائے میں مکان کی پسند کے لئے تنہائی ضروری ہے اس لئے اگر میں آپ کو مکان اچھی طرح دکھانے کے لئے وہاں موجود نہ ہوں تو مجھے معاف فرمائیے گا۔ کسی دوسرے شخص کے ساتھ مکان پسند کرنے سے لکڑی اور پتھر کی نفسیات تبدیل ہو جاتی ہے اور خصوصاً جبکہ ہم جاپانی اعتقاد رکھتے ہیں کہ گھر رُوح کی آماجگاہ ہے۔ اگر آپ کسی دوسرے شخص کی معیت میں مکان دیکھیں گی تو ممکن ہے آپ وہ کیفیت محسوس نہ کر سکیں جو برسات کے موسم میں —— جس کو ہم نوبی کہتے ہیں —— تنہائی کے وقت طاری ہوتی ہے۔ ملازم البتہ وہاں ہونگے لیکن ان کا شمار بے کار ہے۔ بارش کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے باوجود —— جبکہ دن خوبصورت نہیں رہتے اور ہوائیں سرکنے والی دیواروں میں سے اندر آجانا چاہتی ہیں —— اگر آپ مکان پسند کریں تو ضرور وہاں قیام فرمائیے۔ مگر از راہِ کرم اس گنبد دار عمارت کی طرف جانے سے احتراز کیجئے گا جو جھیل کے دوسرے کنارے پر ہے۔ یہ عمارت سونے کی بنی ہوئی ہے جو اندر سے تمام رنگین اور کنکاکوجی کے سنہرے مندر کی طرز پر ہے۔ اگر آپ اس مکان کو کرایہ پر لے لیں تو میرے خیال میں فوسانوریکا آپ کو صرف چاند اور ستاروں کے مطالعہ کے لئے آپ کو وہاں جانے کی اجازت دیدے گا . . . . ."

خط پڑھنے کے بعد اُس نے گھر لینے کا ارادہ اور بھی مصمم کر لیا۔ اور ایک گھنٹے بعد اس راستے پر روانہ ہوگئی جہاں تقدیر اُسے لے جا رہی تھی۔ وہ پہاڑی پر چلتی رہی اور تھوڑی دیر بعد شنتوئی دروازے کے پاس رُک گئی جو لکڑی کے ستونوں پر ٹھیرا ہوا تھا۔ وہ دروازے میں داخل ہونا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے اس سے بچ کر جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مکان کا تمام احاطہ ایک ایسی دیوار سے گھرا ہوا تھا جو خاردار جھاڑیوں سے نہایت دبیز بنی ہوئی تھی۔ اس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا، وہ کیوٹو سے

کافی بلندی پر آگئی تھی اور واپسی کا راستہ مُحیّر کُن سرخ لکڑی سے خطرناک طریقے پر بنا ہوا تھا۔ خیالات اس کے دماغ میں گردش کرنے لگے: "اگر میں یہاں داخل ہوگئی تو کبھی شہر کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔ پجاری اور یاترا کرنے والے صدیاں گذریں مندر کے اس دروازے میں سے گذرے ہوں گے اور چونکہ جاپان میں رُوحیں زندگی میں نمایاں حصہ لیتی ہیں اُن کی رُوحیں اب بھی شاید یہاں سے گذرتی ہوں گی"۔ کچھ سمجھ کر وہ اپنے خیالات پر ہنسنے لگی "میں نے بھی کیا فضول باتیں سوچنی شروع کر دیں۔ مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ یہ دروازہ ہی نہیں ہے بلکہ یہاں پرندے اپنے آشیانے بناتے ہیں۔ تاکہ رات کو بسیرا کریں اور صبح معبود کی تعریف کریں۔ کسقدر شیریں خیال ہے"۔

اپنے اندرونی خوف کو مٹانے کے لئے وہ پھر ہنسی۔ معاً اُسے خیال آیا "یہ آغاز ہے۔ نہ جانے انجام سے پیشتر کیا ہوگا..... جبکہ میں اس قصر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گی؟" اُسے کوئی بتانے والا نہ تھا اور تقدیر اُسے گھسیٹ کر لے جا رہی تھی۔ سامنے دُھند میں چھپا ہوا قصر ایک لعلِ بدخشاں کی طرح جو ریشم میں ملفوف ہو اُسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

اوجی سان اور اوباسان دوڑ کر اس کے پاس آگئے۔ اُنہوں نے اس کی جوتیاں اُتار کر بغیر ایڑی کے سلیپر پہنائے اور مکان دکھانے کے لئے اندر لے گئے۔ سامنے ہی ایک تصویر لٹکی ہوئی تھی جس پر ــــ بہار اچٹکتا ہوا غنچۂ ناشگفتہ! اور جاپانی سیاہ بھونرے کے نقوش تھے۔ وہ غیر آراستہ جاپانی کمروں میں پھرتی رہی جہاں رُوحیں سرگوشیاں کرنے لگی تھیں اور محبت بھیں وسُنہری بیڑیاں لئے آگے بڑھ رہی تھیں۔

مختلف کمرے دکھا کر وہ اُسے ایک تنگ اور عجیب غریب ڈھلواں زینے سے اُوپر لے گئے اور اُسے وہاں اوپر پہونچا کر خود نیچے اُتر آئے۔ مائی را حیرت زدہ رہ گئی!۔

انناس کے درختوں کی کتری ہوئی شاخوں سے ایک نشیب کے جو دُور سے دکھائی دینے والی ارغوانی دُھند میں ملفوف پہاڑی تک جاتی تھی، سبز پردے بنائے گئے تھے۔ شام کا پہلا چمکتا ہوا ستارہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دن کے دامن پر دوشیزۂ شب کا ایک موتی پھسل کر گر پڑا ہے۔ جھیل کے ارد گرد لالٹین جھلملانے لگیں۔ گنبد دار عمارت ــــ انجام ــــ تک ایک معطر و خوبصورت باغ پھیلا ہوا تھا۔ مائی را نے بانس کے درختوں کو، جو نازک عورتوں کی رُوحیں معلوم ہوتے تھے، جنبش کرتے اور سرگوشی کرتے سُنا۔ "بانس کی شاخیں سطحِ آب پر اپنے عاشقوں کا عکس دیکھ رہی ہیں کیونکہ انناس کے درخت ان سے بیحد محبت کرتے ہیں"۔ وہ دل میں کہنے لگی "میں یہاں قیام کرنا چاہتی ہوں"۔ اس نے فوسانوریکا کے بوڑھے ملازم سے جو اسکی خدمت کو اپنا ایمان سمجھتا تھا، کہا "ہوٹل سے میرا کچھ سامان منگا دیجئے"۔

"اماڈو" (پھسلنے والی دیواریں) کہکر اوجی سان نے ایک دیوار سرکا دی اور مائی را انگریزی طرز پر بنے ہوئے کمروں میں داخل ہوگئی۔ "یہ بہت ہی خوبصورت ہیں، کتابیں، پھول، اور سکون!" وہ خوش ہوکر کہنے لگی۔

فوسانوریکا نے اوساکا سے ٹیلیفون کیا۔

مائی را بولی "جی!... میں ہوں بیگم کیلنگ ہان!.... شکریہ! آپ کے مزاج بخیر!..... میں نے مکان لے لیا ہے...... آپ کی عنایت کا شکریہ!...... میں اپنا سامان منگانے کے لئے ابھی ہوٹل ٹیلیفون کرنیوالی ہوں......"

فوسانوریکا اتنے فاصلے پر بھی اپنے آپ کو اس کے قریب سمجھ رہا تھا، اس نے سُنا "..... اوجی سان فوسانوریکا کے متعلق آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ کسی وقت کھانا کھا سکتے ہیں! آپ کل شب کو آٹھ بجے تشریف لے آئیے، اور اس کا پیغام بھی سن لیجئے"۔

وہ بولا "...... بہت بہتر۔ ضرور حاضر ہوں گا اور آپ کو "حاشی" بھی سکھا دوں گا۔ یہ جاپان کا ایک مخصوص کھانا ہے۔ آپ اسے بیحد پسند کریں گی.... تو میں آٹھ بجے رات کو آؤنگا"۔

مائی را نے خدا حافظ کہا۔

"خدا حافظ"۔ وہ بولا "کاش آپ ستاروں کے خواب دیکھیں"۔

اُس نے ٹیلیفون رکھا ہی تھا کہ اس کا بوڑھا باپ آگیا۔

"کل شب کو ہم دونوں" بوڑھے نے کہا "تمہاری شادی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ تمہاری ماں تم سے محبت کرتی ہے اور اکثر مجھ سے اسی سلسلے میں گفتگو کرتی ہے۔ ہم نے اس لڑکی کو تمہارے لئے پسند کیا ہے جو "بازارِ شکر" میں رہتی ہے"۔

بوڑھا چلا گیا اور فوسانوریکا دریچے میں سے جگمگاتے ہوئے آسمان کو دیکھنے لگا۔ اس کے خیال کی ملکہ بھی ستاروں کی طرح اس سے دُور تھی۔ اس سے تعلقات پیدا کرنے کا کوئی موقع ممکن نہیں دکھائی دیتا تھا ــــ محبت تو کجا!۔

ایک شہابِ ثاقب ایک سرے سے دوسرے سرے تک چمکا۔

"اے محبوبہ!" وہ کہنے لگا "اگر تو میری ہوتی تو میں رحمدل جنیز وسے

التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بخشا دے جبکہ یہ ستارہ تیرے[1] منہ میں گرنے لگے۔"

اُس نے اس کی روشنی دیکھی۔

مائی را شہ نشیں میں سوتے سوتے یکبارگی بیدار ہو گئی۔ وہ ایک خواب دیکھکر مسکرانے لگی تھی اور ستارے کو گنبد دار عمارت — انجام! — کی پشت پر گرتے ہوئے دیکھ کر کانپ گئی۔

چھٹا باب

چودھویں کا چاند! اور — سیاہ "مرا" کو نا بادل؟
لہلہاتے ہوئے پھول! اور — بارش و طوفان؟
(جاپانی نغزِ الفت)

مائی را "تنہائی" محسوس کرنے لگی تھی۔

گھڑی پر نگاہ جمائے وہ مصور کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی کہ دفعتاً فوسوما (کاغذی دیوار) ایک طرف سرک گئی اور دونوں نوکر تعظیماً جھک گئے۔ وہ دونوں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے تھے کہ آقا نے انکو راز دار بنانے کے قابل سمجھا اور جب اُس نے کہہ دیا تھا کہ اس کا نام اور شہرت پوشیدہ رکھی جائے تو وہ کیوں نہ تابع فرماں ہوتے؟ –

اس نے اِن دونوں کو نہیں دیکھا بلکہ اس کی نگاہ فوسانوریکا پر گئی جو دونوں ہاتھوں میں پھول لئے ہوئے اسکی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کسقدر خوبصورت . . . !" خدا جانے اُس نے پھولوں کے متعلق کہا یا مصور کے مردانہ حُسن سے متاثر ہو کر!

"شاید آپ کسی اور کا انتظار کر رہی ہیں!" وہ پھولوں کو پیش کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں تو . . ." وہ کہنے لگی "... پہلی جھلک سے میں آپ کو پہچان نہ سکی کیونکہ مجھے خیال تک نہ تھا کہ ایک جاپانی آپ کی طرح مغربی کپڑے پہنتا ہے یعنی جاپانی عموماً آپ کی طرح انگریز معلوم نہیں ہوتے۔"

انواع و اقسام کے جاپانی کھانے تیار کئے گئے تھے اور راو باسان نے جاپان کے مخصوص کھانوں کے پکانے میں بڑی محنت کی تھی چند لکڑی کی سلائیوں کو دیکھ مائی را حیرت سے بولی "یہ کیا ہیں! ان سے کیا کھاتے ہیں؟ —"

"میں آپ کو بتا دونگا۔" فوسانوریکا نے کہا۔ مائی را کی اُنگلی پر انگشتری دیکھ کر اس کی مسکراہٹ فنا ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ جس مرد کو اُس نے اس کے ساتھ ایک دفعہ دیکھا تھا، وہ اس کا شوہر تھا، کتاب کا مصنف اور مسٹر ر۔ "شاید وہ کہیں باہر گیا ہوا ہوگا۔" اس نے خیال کیا اور اُس کی طبیعت میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ سوچنے لگا کہ جبتک وہ انگشتری پہنے ہوئی ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک اور شخص کی شریک زندگی ہے) میں اُسے چھونے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا اور نہ اُسے جاپان کی مخصوص خوراک حاشی کھانی سکھا سکتا ہوں۔ وہ چاہتا تھا کہ مائی را انگشتری اُتار لے۔

"حاشی کھانے کے لئے سلائیاں استعمال کرنے میں یہ انگشتری حائل ہوگی۔" اُس نے چہرے سے لاپرواہی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

شام کے نقرئی قہقہے بعض اوقات —
صبح کے آنسوؤں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔!
(جاپانی گیت)

مٹر کے دانے یا چاول سلائیوں سے کھانا جاپانیوں ہی کا کام ہے اور دوسروں کے لئے دانوں کا سلائیوں کی مدد سے اس طرح کھانا کہ اس کا تانتا بندھ جائے، بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ہر ہر دفعہ مٹر کے دانے نیچے گر جاتے تھے اور مائی را اُن کو مُنہ تک لے جانے میں ناکام رہتی تھی۔

"اس کھانے کو حاشی کہتے ہیں۔" فوسانوریکا نے اُسکے مرمریں شانوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں یہ نہیں کھا سکتی۔" مائی را تھک کر کہنے لگی۔

"میں آپ کو کھانا بتاؤں؟" اُس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"شکریہ!"

وہ اس کے بالکل قریب آگیا اور سلائیاں اُس کے ہاتھ میں دے کر کہنے لگا "ان کو اس طرح اوپر نیچے حرکت دیجئے جیسے کسی پرندے کی چونچ دانہ چگتی ہے۔"

"میں نہیں کر سکتی۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"تو کیا آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا سکتا ہوں؟" اُس نے پُرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

[1] جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی عورت خواب میں کسی وقت ایک ستارے کو اپنے منہ میں گرتے ہوئے دیکھے تو یہ اسکی ماں بننے کی پیشین گوئی ہے۔

"جی ہاں ضرور" وہ آہستہ سے بولی ——— اسکے دل میں ایک خواہش پیدا ہو رہی تھی!

اس نے اسکے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لئے اور ان کو نرمی سے پکڑے ہوئے حاشی کھاتا بناتا رہا۔

"آپ کنول کی کلی معلوم ہوتی ہیں! معطر! ناشگفتہ!" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

وہ ٹھٹک گئی اور اپنے ہاتھ گرفت سے نکالنے چاہے مگر ایک لمحے کے لئے اس کی پتلی انگلیاں مصور کی انگلیوں میں پھنس گئیں ——— اوجی سان کشتی میں کچھ اور لیکر آگیا۔

"آپ نے اس گنبددار عمارت کو بھی دیکھا؟" اُسنے پوچھا۔

"آپ نے مجھے منع تو کر دیا تھا" وہ شوربے کو ہلاتی ہوئی بولی۔ "لیکن اس وقت میں ذرا سیر کرنے وہاں جانا چاہتی ہوں۔ اور اگر آپ کی رائے ہو تو وہاں کتاب مصور کرنی شروع کر دی جائے"

اپنے دل پر قابو پالو! ——— ایسا نہ ہو،

——— یہ تم پر قابو پالے ——!!

(بدھی مقولہ)

باغ کی خاموشی اور عطر بیزی میں مائی را سیاہ چغے میں لپٹی ہوئی اور مسودہ ہاتھ میں لئے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہی تھی۔ فوسانوریکا اسکے قریب ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ کہیں اس کا پاؤں پہاڑی پر سے نہ پھسل جائے۔ روحوں کی طرح خاموش اور پہلو بہ پہلو، ان دونوں نے بل کھاتے ہوئے پل کو طے کیا۔

"میں آپ کو گود میں اٹھا کر کشتی میں بٹھا دوں؟" جھیل کے کنارے پہونچکر اس نے پوچھا "اور یا پہلے میں اس میں بیٹھ جاؤں اور آپ میری مدد سے چڑھ آیئے گا۔ جھیل کی تھاہ نامعلوم ہے اور یہ کشتی غیر محفوظ!"

لیکن وہ بغیر مدد کے کشتی میں سوار ہو گئی۔ وہ مسکرا دیا۔

دوسرے کنارے پر وہ اتر گئے۔ انکے سامنے عالیشان عمارت تھی ——— جس کا نام "انجام" تھا۔ سنہری چھت دمک رہی تھی۔ کسی قدر خوف کے ساتھ وہ اسکے ہمراہ عمارت میں داخل ہو گئی۔

"میرے خیال میں یہ حصہ تمام قصر سے زیادہ پُرفسوں و پُرجمال ہے" مائی را نے پہلی منزل کی نشست میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"دوسری منزل، جس کی دیواریں سونے کی اور چھت کافوری لکڑی کی ہے، اس سے بھی زیادہ حسین ہے" مصور بولا۔

مائی را نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ رنگی اور روغن کی ہوئی لکڑی کی دیواریں اور فرش پر برف کی سی سفید چٹائیاں عجیب و غریب تھیں۔ ایک جانب پرستشگاہ تھی جس میں بدھ کا بت اور کسی مرشد کی . . . . . . لوح رکھی ہوئی تھی۔ وہ نشست میں واپس آگئی اور ایک کٹہرے سے سہارا لیکر کہنے لگی "آج مسودہ مصور نہیں کیا جا سکے گا"

اتنے میں اس کی پشت پر ایک روشنی دکھائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو کمرہ روشن ہو چکا تھا اور دیوار پر سونے کے کندہ حروف دمک رہے تھے۔

سوک کیو

اُس نے معنی پوچھے۔

اب آرام کرو

"اب آرام کرو" اُس نے دہرایا "یہ کتنا اچھا معلوم ہوتا ہے! کس قدر پُرسکون! گویا کسی عالم جانکنی میں تڑپنے والے کے لئے تسکین ہے!" وہ ڈر گئی۔ لرزگئی "نہیں نہیں" وہ بے اختیار چیخی اور مصور کی طرف مڑ کر کہنے لگی "اس خیال کو باطل کر دو ——— خدارا میرے دل سے یہ منظر نکال دو کہ کوئی شخص ——— یہاں حالتِ نزع میں ہے!!"

وہ جنگلے کے پاس چلی گئی "اس عمارت کا نام ——— "انجام" ہے! اور وہ "آغاز" کا سرخ دروازہ!! ان حروف نے میرے ذہن میں ایک ہولناک تصویر منقش کر دی ہے"

اس نے اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے ڈھک لیا "مجھے سہارا دو!"

جاپانی اس کے پاس دوزانو ہو کر باتیں کرنے لگا "گرمیوں میں بعض اوقات فوسانوریکا یہاں سوتا تھا۔ اس نے چند پرندوں کو بھی سدھا رکھا تھا جو رات کو جنگلے پر سوتے تھے اور پو پھٹتے ہی اس کا نام لیکر پکارتے تھے۔ پھر اوجی سان اس کے لئے چاء لاتا تھا اور دن بھر اس کی خدمت کے لئے تیار رہتا تھا جبکہ وہ خود پڑھتا تصویریں بناتا اور یا آرام کرتا۔ وہ اکثر ایسی عورت کے متعلق سوچتا رہتا جس سے وہ محبت کرے گا اور اس عمارت میں لے کر آئے گا جہاں آپکے سوا کوئی اور عورت داخل نہیں ہوئی ———"

——— مشرقی جال میں وہ پھنس گئی!۔

اُس نے مسودہ سینے سے ہٹاتے ہوئے کہا "یہ مصور ہونا ہے"

"مجھے دیدیجئے میں مصوّر کرلاؤں گا" وہ کہنے لگا۔
"نہیں" اُس نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا "میں اسے جُدا نہیں کرسکتی"

وہ مسحور ہوچکی تھی، اُس نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا اور بولی
"کیا یہ ممکن ہے کہ جب آپ چاہیں یہاں آجائیں اور کتاب کو مصوّر کرنا شروع کردیں! نوسا اتوریکا تو میلوں دُور اوساکا میں رہتا ہے! وہاں میری خدمت کے لئے کافی ہوگی اور اگر آپ پسند کریں تو او تچی سان کو آپ کی خدمت کے لئے بھیج دوں، وہ آپ کی خدمت کرے گا جیسے وہ نوسا اتوریکا کی کرتا تھا۔ یہ بندے آپ کو نوسا اتوریکا سمجھ کر واپس آجائینگے"
وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اُسے تنہائی میں اکیلا چھوڑ کر چلا جائے خصوصاً ــــ اس پھولوں کے موسم میں جبکہ زندگی، محبت اور حُسن یکجا ہوتے ہیں اور جن سے وہ محروم تھی۔ وہ اُسے اسی عمارت میں رکھنا چاہتی تھی "اور میں بھی آپ کے پاس نہ آؤنگی تاکہ ــــ"
وہ رُک گئی۔ وہ خاموش تھا۔
"مجھے بتادو" اس سے ضبط نہ ہوسکا "اگر تم انگشتری پہنتی ہو تو پھر تمہاری آنکھیں معصوم کیوں ہیں؟" اُس نے اس کے حسین ہاتھوں کو اپنے جمیل ہاتھوں میں لے لیا اور آہستہ سے کہنے لگا "میں نہیں جانتا تمہارے سوال کا کیا جواب دوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہاری خواہش پر "ہاں" کہوں یا "نہیں" تاوقتیکہ تم مجھے بتا نہ دو کہ تمہاری آنکھیں تقدس مآب کیوں ہیں" اس نے اس کے ہاتھوں کو بھینچتے اور جُھکے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے کہا "مجھے اتنا معلوم ہے ــــ یقین ہے کہ کسی طرح ــــ تم ابھی تک حرمِ تقدس میں ہو!"
اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
کسی خوف سے، اُس نے اسکے ہاتھ چھوڑ دئے۔
مانی را نے اپنا سر اُوپر اُٹھایا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ اور لب کانپ رہے تھے۔ رات کی تاریکی غموں کے پردے کی طرح اُنکے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنا سر پھر جُھکا لیا۔ جیسے کوئی قرمزی پھول ہوا کی تندی سے سرنگوں ہوجائے۔
وہ دل میں کہنے لگا "حرمِ تقدس میں! ــــ اس عورت کیلئے جو مرد کے ہاتھوں سے محفوظ ہے، میں یہیں رہوں گا، انتظار کروں گا۔ ــــ ہمیشہ!"
محب و محبوب روحوں کی طرح انہوں نے ستاروں کی روشنی میں جھیل کو پار کرلیا۔ بانس کی شاخیں انتاس کے درختوں سے جو اُن کے عاشق ہیں، سرگوشیاں کرنے لگیں۔
دروازے پر پہونچکر مانی را نے اپنے ہاتھ اس کی طرف پھیلا دئے اُس نے اُن کو شیریں گرفت میں لے لیا اور اوپر اُٹھا کر معبودِ محبت کی خدمت میں نذر پیش کی اور پھر اُن کو اپنی پیشانی سے چُھوا۔
"مجھے تم سے محبت ہے"
مصوّر ایک طرف روانہ ہوگیا اور مانی را کمرے میں آکر دریچے میں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔
تیرتے ہوئے آنسو پونچھ کر اُس نے تجم کا خط اُٹھایا۔

ساتواں باب

اگر تم پہاڑ کی چوٹی پر بھی، جو آسمان کو چیرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چڑھ جاؤ تو تمہیں وہاں بھی ایک راستہ نظر آئیگا۔

(جاپانی مثل)

جاپان کے اس جال کو جو اُس پر بچھ رہا تھا، وہ توڑ دینا چاہتی تھی اور اُدھر فرض پکار رہا تھا کہ میری قربانگاہ پر خواہشات، جذبات اور محبت کو کچل دے۔ اس نے خط کھولا مگر ـــ
انتاس کے درخت کہنے لگے "مجھے تم سے محبت ہے"
آبجو مترنم ہوگیا "مجھے تم سے محبت ہے"
ہوا سرگوشی کرنے لگی "مجھے تم سے محبت ہے"
یہ ایک جاپانی رات کی بات ہے۔
"میڈونا!" ــــ اس نے بمشکل تمام پڑھا ــــ

- - - - - - - - - - -

مجھے یقین ہے کہ جب میں واپس آؤں گا تو بغیر مزاحمت کئے تم مجھے اپنے لبوں کو چُوم لینے دوگی۔ شاید تم سمجھ بھی نہیں سکتیں کہ تمہارے ستانے سے مجھ پر کسقدر اثر ہوتا ہے۔
میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ ابتدا میں محبوب چاہے اپنے محب کو جھڑکیاں ہی کیوں نہ دے لیکن آخرکار وہ اس کی محبت کا جواب محبت سے دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ چند روز ہوئے ایک صبح کو میں نے دیکھا کہ اوہاراسان اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ حسین و جمیل رقاصہ کی طرح ایک درخت کے نیچے کھڑی ہے اور اس کے قریب ہی اس کا محب یاماہیتم بھی اُسے پیار کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ شروع شروع میں وہ اُسے بالکل پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس وقت اس کی خاموش نگاہیں محبت کا پیغام قبول کررہی تھیں۔ وفورِ شوق میں ان کی زبانیں بند ہوچکی تھیں

رجاپان کے مشہور پھول، جن کے پتے بعد میں نکلتے ہیں، ان پر آہستہ ہستہ گرنے لگے تھے۔

"ان پھولوں کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ان ہی جیسے موتیوں کی ٹ لا تمہارے لئے بنوا کر تمہارے پاس بھیجدوں۔

وادی میں پھر سیلاب آنے والا ہے، یہاں سے فرصت ملے تمہارے پاس جلدی آجاؤں اور......"

"ہاں!" اس کے دل میں جذبات کا طوفان برپا ہو گیا اور وہ ط کو ایک طرف ڈالتے ہوئے طنزاً کہنے لگی "تم میرے لب چوموگے؟ میرے پاس آنے کے لئے وادی مانع نہیں ہو سکتی۔ جم! مجھے موتیوں کی لا ضرورت نہیں میں محبت چاہتی ہوں۔ کاش! بغیر میری اجازت حاصل ے کوئی مجھ سے محبت کرے!"

اس نے دریچے میں سے باہر دیکھا۔

"مجھے تم سے محبت ہے!" اناناس کہنے لگے۔

"مجھے تم سے محبت ہے!" جھیل گانے لگی۔

"مجھے تم سے محبت ہے!" ہوا نے سرگوشی کی۔

جاپانی راتیں خطرناک تھیں اور شوہر کی ہمراہی محفوظا!..... رض محبت کی قربانی مانگ رہا تھا۔

وہ دل میں کہنے لگی "جم! میں تمہارے پاس کل آجاؤں گی کیونکہ ں حالت میں جبکہ میں جوانی اور محبت سے بھری ہوئی ہوں، میں تمہارے س آجانا اپنا فرض سمجھتی ہوں اور ایک طرح ——— مجھے تم سے محبت بھی ہے۔ جیسا کہ تم کو خیال ہے"

اس نے خط پھر اٹھا لیا، ایک طرف لکھا ہوا تھا۔

"کل جب اوہارا ساں میرے برابر موٹر میں بیٹھی ہوئی تھی تو تمام یکھنے والے اُسے رقاصہ سمجھنے لگے ——— وہ اپنے خوبصورت لباس میں سقدر حسین معلوم ہو رہی تھی!"

——— یہ شاید قسمت کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

رقابت نے اس کے ارادوں کو جلا کر خاک کر دیا اور اُسنے نط کے پرزے پرزے کر دئے۔ ٹہلتے ہوئے ——— غمناک اور فسردہ ——— اس نے دریچے میں سے جھانکا.... گنبد دار عمارت یں روشنی جھلملا رہی تھی۔

اس کے کانوں میں جین ونسو کی باتیں گونجنے لگیں "بیشک مرد رقاصاؤں کو پسند کرتے ہیں" اُس نے آہستہ سے کہا "ایک جاپانی عورت! ——— رقاصہ کی طرح! ——— اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی ——!"

رحم کی دیوی نے حسرت سے قصر آغاز انجام کو دیکھا اور اسکی آنکھوں سے شبنم سے بھیگی ہوئی پنکھڑیوں پر آنسو گرنے لگے۔

اگر تم بدھ کے معتقد نہیں تو اپنے والدین ہی کی خدمت کرو ——— کیونکہ ان کی خدمت بدھ کی اطاعت ہے۔

(بدھی مقولہ)

محبت کے ریشمی جال میں دو تیتریاں پھنس گئی تھیں ——— سفید فام عورت اور جاپانی مرد۔

چی اون ان مندر کے قریب جہاں کھلے ہوئے پھول گرتے ہوئے آبشار کی مانند معلوم ہوتے تھے، پھولوں کے شباب کے موقعہ پر لوگ سیر و تفریح کے لئے بڑی تعداد میں آتے تھے اور اس دفعہ اوائین اور اوتا کی ماترا کے متعلق گفتگو کرتی ہوئی آرہی تھیں جس کو انہوں نے اس چمن زار کی طرف آتے دیکھا تھا۔ ان سے تھوڑے فاصلے پر فوسانوریکا اپنے باپ کو سہارا دیتا ہوا چل رہا تھا۔

"آج بڑی بہار ہے" فوسانوریکا چمن زار میں ایک پھولوں کے درخت کے نیچے اپنے باپ کے ہمراہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں" اُسکے باپ نے کہا "بہت دن گذرے جب میں اور تمہاری ماں یہاں آئے تھے تو اس روز بھی بہار اپنے شباب پر تھی.... کل رات اس کی روح میرے پاس آئی تھی اور وہ تمہاری شادی کے متعلق بڑی متفکر معلوم ہوتی ہے اس کی خواہش ہے کہ تم "بازار لنک" میں رہنے والی دوشیزہ کے ساتھ شادی کر لو۔ وہ خوبصورت ہے، فرماں بردار ہے اور ——— اور ———"

——— بوڑھے پر غنودگی طاری ہو گئی۔

فوسانوریکا خیالات میں غرق ہو گیا۔

صبح جب وہ پوشیدہ راستے سے گنبد دار عمارت میں داخل ہوا تو اوجی سان نے اُسے بتایا تھا کہ مائی راٹوکیو جانے کا مصمم قصد کر چکی تھی مگر پھولوں کے اس آبشار کو دیکھنے کے لئے آج اور رک گئی ہے۔

"کیا زندگی کی راہ پر شعلۂ عشق کی آتشیں لپٹ سے خوفزدہ ہو کر وہ بھاگ جانا چاہتی ہے؟" اس نے سوچا اور پھر اپنے لباس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "اس وقت اُسے مجھے نہیں دیکھنا چاہئے۔ خدا جانے یہ مشرقی لباس اس پر کیا اثر کرے! اس نے اس سے پہلے مجھے مغربی لباس میں دیکھا ہے۔ کیا خبر ان مشرقی کپڑوں کو دیکھ کر وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے۔ کیونکہ میری

طرح وہ بھی جانتی ہوگی کہ مشرق و مغرب بغیر تباہی کے ایک دوسرے سے قرب حاصل نہیں کر سکتے۔"

اوپر سے ایک پنکھڑی ٹوٹی اور اُس نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ مگر وہ اس پر نہ گر سکی۔

"اگر ایک پنکھڑی میرے ہاتھ میں آجائے تو میں سمجھونگا کہ وہ میری محبت میں گرفتار رہے گی۔۔۔۔۔۔۔۔ اس وقت مجھے یہاں سے نہیں جانا چاہیئے تاکہ ایک دفعہ وہ مجھے مشرقی لباس میں دیکھ لے۔"

"۔۔۔۔۔ اور تمہارے بچوں کی ماں ہوگی" بوڑھے نے نیند سے چونک کر فقرہ پورا کر دیا: "میں اور تمہاری ماں تمہاری شادی جلد سے جلد کر دینی چاہتے ہیں"

نوسانوریکا نے سامنے دیکھا کہ مائی را کی نظریں پھولوں کے آبشار کو دیکھتے ہوئے اس پر جم گئی ہیں۔ وہ خاموش اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ اسکے چہرے سے دل کی تیز دھڑکن ظاہر نہ ہوتی تھی: "میں اسکی تعظیم کے لئے نہ جھکوں گا"

اُس نے دل میں کہا: "اس کی آنکھیں میری آنکھوں کے بعد اب میرا جائزہ لینے لگی ہیں۔ میرا ڈھیلا لباس، گھٹنے، ہاتھ اور زوری (کھڑاوں) بھی اُس نے دیکھ لیں۔ اس کے لب حرکت کر رہے ہیں لیکن وہ مسکراتی نہیں"

"وہ ایڑیوں کے بل بیٹھا ہے" مائی را سوچنے لگی: "اُس نے اپنی کھڑاویں اُتار دی ہیں کیونکہ وہ چٹائی پر بیٹھا ہے۔ میں بھول ہی گئی تھی کہ وہ تو جاپانی ہے ۔۔۔۔ مشرقی! ۔۔۔۔ اور یہ بوڑھا اس کا باپ ہوگا۔ یہ دونوں جاپانی ہیں" اس کی نظر میں جاپانی اپنے وطنی لباس میں اور بھی خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے دل سے پوچھا: "کیا اُسنے مجھے دیکھ لیا ہو؟ شاید دیکھ لیا ہو! وہ سمجھتا ہوگا کہ میں اسے اسکے مشرقی کپڑوں میں پسند نہیں کرتی۔ کسقدر بھول پن ہے!"

جب دوبارہ اُس کی نظریں نوسانوریکا کی نظروں سے ملیں تو وہ خود جھک گئی اور مسکرائی ۔۔۔۔۔ نوسانوریکا بھی جھک گیا۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ اور پھر اپنی لمبی لمبی آستینوں میں ہاتھ اندر کر کے خاموش کھڑا ہو گیا۔ پھولوں سے گھرا ہوا اُس کا قد رعنا نہایت بھلا معلوم ہوتا تھا۔

مائی را تعظیماً گردن جھکا کر ایک طرف چلی گئی اور نوسانوریکا اپنے باپ کے پاس، جو تیوری پر بل ڈالے ہوئے اُسے دیکھ رہا تھا، بیٹھ گیا۔

"یہ تو غیر ملکی ہے" بڈھے نے حقارت سے کہا: "تم اسکو کیسے جانتے ہو؟"

نوسانوریکا خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ اُس نے کچھ نہیں سُنا۔

"یاد رکھو اے جانِ پدر! تم جاپانی ہو اور اُن لوگوں کی فرمانبرداری تمہارا فرض ہے جنہوں نے تمہیں زندہ رہنے کے قابل بنایا" بوڑھے نے خفگی آمیز شفقت کے لہجے میں کہا۔

"ایک دفعہ میں نے اس خاتون کا کام کیا تھا" نوسانوریکا اپنے بوڑھے باپ کو سہارا دے کر اُٹھاتے ہوئے کہا: "بس!" اور اپنا ہاتھ پھیلا دیا جبکہ ایک پنکھڑی اس کی ہتھیلی پر آگری: "اس پھول کی پتی نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ ایک دن وہ میری ہوگی" اُس نے دل میں کہا اور پنکھڑی کو اطمینان سے مٹھی میں بند کر لیا ۔۔۔۔۔ بغیر دیکھے ہوئے کہ پنکھڑی کی نزاکت کو اُسنے مسل دیا ہے اور بوڑھے کی آنکھوں میں حسد پیدا ہو گیا ہے۔

یاد رہے! جو شخص دُنیوی آلائشوں سے پاک ہے
اُسکو مکمل آزادی دے دی گئی ہے ۔۔۔۔
جسمانی اور روحانی! (بدھی مقولہ)

نوسانوریکا کشمکش میں مبتلا تھا۔ کبھی پہاڑی پر چڑھ کر اپنی محبوبہ تک پہونچنے کی آرزو کرتا اور کبھی اُس کے خیال کو بھول جانا چاہتا تھا۔ اس نے دعا کی تھی کہ وہ اپنے جذبات پر قابو پالے اور وہ کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ باغ میں اس کا سکون برباد کر دینا چاہتا تھا اگرچہ اُس نے اسکو مضطرب پہلے ہی کر دیا تھا جبکہ اُس نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے تھے اور پھر چھوڑ دئے تھے۔ وہ ایسی زنجیروں میں گرفتار ہوگئی تھی جو اُسے خود بخود اس کی طرف کھینچکر لاتی تھیں۔ اُسنے قصر آنماز کی طرف دیکھا کہ شاید دروازہ کھل رہا ہو اور روشنی کی کوئی شعاع چمکے۔ مگر ایسا نہیں ہوا اُسنے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا جن سے کچھ قیاس آرائی نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ گنبد دار عمارت کی بالائی منزل پر تنگ زینے پر سے چڑھ گیا۔ چمکیلی دیواریں اور چھت منور ہو رہی تھیں اور الماری میں ریشمی کپڑوں کی تہیں اپنی طرف توجہ منعطف کر رہی تھیں۔ اُس نے ایسے رنگین لباس کی تلاش کی جس سے پھولوں کے موسم میں حُسن و عشق مترشح ہوتا ہو۔

"طلائی! قرمزی! بادامی! سپید! نہیں" وہ کپڑوں کو اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے بولا: "اس کا میرے پاس اس وقت آنا ایسا ہوگا جیسے کوئی پنکھڑی شام کے دُھندلکے میں محبت کی سُنہری کرنوں پر تیر رہی ہو۔

ن! وہ میرے پاس آجائے!"

اُس نے اپنے کپڑے اُتار کر ارغوانی لباس زیبِ تن کیا جس پر طلائی تاریاں پڑی ہوئی تھیں، اور نیچے کی منزل میں آکر بدھ کے مجسمے کے آگے زانو ہو گیا۔

"محبت، زندگی اور نور کے دیوتا! اُسے یہاں بھیج دے!" وہ سرنگوں کر دُعا مانگنے لگا "معبود! مجھے دُنیا میں جنت عطا فرما! اور اگر میری نت میں اتنی کشش نہیں کہ وہ رات کو میرے پاس آجائے تو میں سمجھونگا مجھے اپنی ماں کی خواہش کے مطابق ایک وطنی لڑکی سے شادی کر لینی ہیئے" وہ اُٹھ کر شہ نشیں میں آگیا جہاں سے اس نے دیکھا کہ سامنے نے روشنی اپنے تیر چھوڑ رہی ہے۔ وہ نیچے اُتر کر باغ میں "شجرِ پُرشکوہ" کے سائے میں کھڑا ہو گیا۔ جس کے پھول فوارے کی طرح چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور شہد کی مکھیاں اپنی دلفریب موسیقی میں مشغول تھیں۔ "وہ مجھے دُور ہی سے دیکھ سکتی ہے" فوست توریکا نے دل میں کہا "اور اگر اس کا دل چاہے گا تو آجائے گی ورنہ واپس چلی جائیگی"

روانۂ آسمانی پر ستاروں کے جُھرمٹ بکھرے ہوئے جواہرات معلوم ہوتے تھے۔ زنجیروں کی کھڑکھڑاہٹ، جوتوں کی آواز اور پھر ماتُرا کے گھاس پر چلنے کی آواز سُنائی دینے لگی۔

"تم ہو!" اُس نے آہستہ سے کہا۔ اسکی برہنہ کمر، سینے کا اُبھرا بالائی حصہ، ننگے بازو اور لطیف جلد اسکی دوشیزگی کا ثبوت دے رہا تھی۔

وہ حسین تھی، وہ جمیل تھا اور شجرِ پُرشکوہ اُن پر جذباتی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ "میں اِن درختوں کو دیکھنے آئی تھی" اُس نے کہا بلکہ وہ اس کے قریب گئی اور وہ اس کے پاس آکر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لینے لگا "جھیل پر سے یہ روشنی نہیں دکھائی دیتی ورنہ میں یہاں نہیں آتی"

"سُنو!" اُس نے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔ صرف ایک مُعطر سانس اُن کے لبوں کی تفریق کر رہا تھا۔ ایک شہد کی مکھی سرمست ہو چلی تھی، اُس کے سینے پر بیٹھ گئی۔ وہ چیخی اور اس سے بچنے کے لئے فوست توریکا سے چمٹ گئی۔ اس نے شہد کی مکھی کو ہٹا کر نیچے پھینک دیا اور اس کی کمر کو اپنے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کر دیا مگر جب اُس نے کوئی حرکت نہ کی تو یہ سمجھ کر مُسکرانے لگا کہ اس کی رُوحِ محبت اب پیدا ہو چکی ہے۔

"سُنو!" وہ بولی "فضا موسیقی سے لبریز ہے"

"ہاں مشرق تمہیں بُلا رہا ہے" اُس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "میں مشرق ہوں! محبت تمہیں پکار رہی ہے اور میں اپنے ہاتھ سے محسوس کر سکتا ہوں کہ تمہارا دل خوفزدہ پرندے کی طرح تمہارے سینے میں پھڑک رہا ہے۔ دیکھو اس روشنی کے بجھتے ہی ستارے ہم دونوں کو یکجا دیکھیں گے"

اُس نے درخت کی بلند شاخ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور روشنی گُل ہو گئی۔

اُس نے اپنا اُلفت زدہ چہرہ اُس کے چہرے پر رکھ دیا جبکہ پنکھڑیوں نے ایک ایک کر کے اُن پر گرنا شروع کیا اور سمندر کی گھنٹیاں نغمہ زن ہونے لگیں!

"کیا اس آواز سے تمہیں خوف معلوم ہوتا ہے؟ یہ مشرق ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں جاپانی ہوں؟ کیا تم اس سے ڈرتی ہو؟ کیا میرے بوڑھے جاپانی باپ سے، جسے تم نے سہ پہر کو میرے ہمراہ دیکھا تھا تمہیں خوف نہیں معلوم ہوتا؟ تم بالکل آزاد ہو۔ اب بھی وقت ہے کہ تم یہ سمجھ لو کہ تم مغربی ہو اور اس شخص کے تم پر کچھ فرائض ہیں جس سے تم نے دولت کی خاطر شادی کی ہے۔ تم اب بھی اسکے پاس جا سکتی ہو۔ تمہارے بطن سے اسکے بچے پیدا ہو سکتے ہیں۔ میں تمہیں چاہتا ہوں اور میری محبت اسقدر صادق ہے کہ میں تمہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کبھی کوشش نہ کرونگا۔ تاکہ تمہارے فرائض بدرجہ احسن ادا ہوں"

فرض نے اپنی پکار اس کے کان میں پھونک دی۔ وہ اس سے علیحدہ ہو کر محرابی دروازے کی طرف چلی۔ مگر اس کے قدم تھم گئے۔

"محبت!" وہ اس کی طرف بڑھا "محبت کے لئے رنگ، نسل اور مراتب کچھ وقعت نہیں رکھتیں" وہ اسکی طرف کھنچ آئی اور اسکے قدم راز کا انکشاف کرنے لگے۔

فراست اور فرض اِن دونوں کے دماغوں پر مسلط ہو گئے۔

اس نے بغیر کچھ کہے اُسے کشتی میں سوار کیا اور جھیل پار کر کے اُسے پہاڑی پر مکان تک پہونچا آیا "تا وقتیکہ محبت تمہارے قلب، آنکھوں اور ہاتھوں کو ماؤف نہ کر دے اس سطحِ آب کو مشرق اور مغرب کے درمیان حائل رہنے دو۔ کیا خبر محبت تمہیں پکارتی ہوئی یہیں لے آئے جہاں وہ تمہاری منتظر ہے اور رہے گی" اس نے کہا اور گردن جھکائی مگر اُس کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ وہ اندر چلی گئی اور وہ واپس آ کر پرستش گاہ کے سامنے دوزانو ہو گیا "آرام کہاں سے کروں؟ اے معبود! رفیعِ عشق میں سکون ہی نہیں ہے۔ مجھ کو جذبات اور خواہشات کے طوفانِ عظیم نے گھیر لیا ہے"

اُس نے خلوصِ دل سے کہا اور اپنی ماں کی روح ..... کی روح کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگا "اے ماں! میں نے تجھ سے عہد کیا تھا کہ سیاحت سے واپسی پر شادی کر لوں گا تاکہ تیرے کاغذی دریچے میں تیرا پوتا اپنی معصوم انگلیوں سے سوراخ کر دے۔ لیکن اس وقت میں محبت سے واقف بھی نہ تھا ــــ اور اب میں اُس عہد پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس مغربی عورت کے لئے مجھے اپنے والدین کی نافرمانی کرنی ہوگی۔ اے ماں! میں اسے نہیں چھوڑ سکتا!"

وہ بدھ کے بُت کے آگے سجدے میں گر پڑا۔ "اے معبودِ حیات! مجھے ایسی راہ دکھا دے جس پر گامزن ہو کر میں اُسے اپنی بیوی بنا لوں اور ان بیڑیوں کو کاٹ دوں جن میں وہ جکڑی ہوئی ہے ــــ مجھے عقل عطا کر!!"

وہ مہر جھکائے شہ نشین میں آگیا جہاں سے اُس نے دیکھا کہ اُس کی دُعاؤں کا جواب مل رہا ہے۔

کوہِ آتو کی چوٹی پر سے روشنی کی قدیم کرنیں اُسے راستہ دکھا رہی تھیں۔

وہ سرنگوں ہو گیا۔ "پہاڑ کی چوٹی پر فراست میرا انتظار کر رہی ہے جو تقدس مآب "کوبے ڈے شی" کے مندر کی یاترا سے مجھے میسر آجائے گی۔"

اس نے اپنا سر اُٹھایا اور آسمانوں کی طرف اپنا خوبصورت چہرہ کر کے کہا۔ "کویاسان کی چوٹی پر مجھے معلوم ہو جائے گا کہ ہماری رُوحیں متحد ہو سکتی ہیں یا نہیں۔" وہ پھر سرنگوں ہو گیا۔ "مجھے فردوسِ ارضی عطا کر اے معبودِ محبت!" اُس نے التجا کی اور یاترہ کی تیاری کے لئے اندر چلا گیا۔

"اگر تمہارے راستے پر کوئی سایہ پڑے تو مُڑ کر دیکھو!"

(جاپانی مثل)

اوباسان بھاگتی ہوئی آئی۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہمارا آقا یاترا کرنے چلا گیا ہے۔ برہنہ پا سفید کپڑوں میں ملبوس!" اوجی سان کفِ افسوس ملتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس کو علم ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ پیدل چل سکتا ہوں اور اس کی خاطر جان دینے کو تیار ہوں لیکن اُس نے پھر بھی مجھ سے اپنے جانے کے متعلق کچھ نہ کہا۔ اور تم کیوں ہانپ رہی ہو؟"

اوباسان حیرت زدہ ہو کر بولی۔ "ہماری مہمان خاتون بھی جو رات بھر بیدار رہیں اور جن کا چہرہ سفید پڑا ہوا ہے پاک کوہ کویاسان کی یاترا کے لئے اسی وقت کی گاڑی سے روانہ ہو رہی ہیں۔"

آٹھواں باب*

حکمت گھٹا ٹوپ اندھیرے کو بھی منوّر کر دیتی ہے۔

(بُدھی مقولہ)

بوڑھے اور جوان، کمزور اور طاقتور، مرد اور عورت، یاترا کے لئے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور اُن کی شکلوں سے خلوص ظاہر ہوتا تھا تمام فضا نیک بلند دُعاؤں سے لبریز ہو رہی تھی:

نامو۔ آمیدہ۔ بستو

(ہم تیری پرستش کرتے ہیں اے ابدی بدھ)

آدھی رات گذرنے کے بعد بھی جب شباب اور فرض کی کشمکش مائل بہ سکون نہ ہوئی تو مائی راکومٹا کو یاسان کی مشہور یاترا کا خیال آیا۔ پرستش گاہ کا تقدس، رات کا سکون اور خانقاہ کی شب گذاری اس کے دماغ پر مسلط ہو گئی، اور اُس نے سوچا کہ شاید وہاں خاموشی اور تنہائی میں وہ ان زنجیروں کو توڑنے میں کامیاب ہو کر جو جاپان نے اس کے پاؤں میں پہنا دیں وہ اپنے شوہر کے پاس جا سکے۔

وہ خاموش اور نیم وا آنکھوں سے مسرور لوگوں کو دیکھ رہی تھی جو یاترا کے لئے جا رہے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان اس کی نظر سے بچا ہوا نوسانوریکا بھی چل رہا تھا۔ کبھی وہ ضعیف مرد اور عورتوں کو بلندی پر چڑھنے میں سہارا دیتا اور کبھی محتاج اور اپاہجوں کو خیرات تقسیم کرتا تھا۔ دوسرے لوگوں کی دُعاؤں کے ساتھ وہ بھی پُر تاثیر لہجے میں گا رہا تھا۔

ناما۔ آمیدہ۔ بستو!

نوسانوریکا کی آواز اس لئے اور بھی بلند تھی کہ اُس عورت کا خیال اُسے نہ ستائے جس نے اُسے اپنا گرویدہ کر لیا لیکن ــــ جو اس سے تھوڑی دُور راہی کے پاس پہنچی آ رہی تھی۔

بالآخر وہ خانقاہ پہونچ گیا لیکن اس طرح کہ بھوک اور پیاس کے علاوہ اس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ راہب بولا۔ "ازراہِ کرم ان دونوں کمروں میں سے ایک پسند کر لیجئے کیونکہ دوسرے میں ایک اور مہمان کا انتظام کرنا ہے۔"

نوسانوریکا نے ایک دریچے میں سے تالاب کے اس کنارے کو دیکھا جس میں قوسِ قزح منعکس ہو رہی تھی اور کہا۔ "مجھے اس کمرے میں رہنے کی اجازت دیجئے۔"

"بہت اچھا ــــ" راہب کہنے لگا۔ "میں اب جاتا ہوں البتہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں کسی اور وقت آپ کے پاس باتیں کرنے آجاؤں۔"

ہاں مندر کا راستہ قبرستان میں سے ہے اور وہاں لالٹین کی روشنی رات بھر رہتی ہے۔"

نوسانوریکا نے اسکے آگے سر جھکا دیا۔

راہب دیوار سرکاتے ہوئے بولا۔ "ہر چیز — جنگل اور پہاڑ بھی — جس کا اس دنیا میں وجود ہے، فنا ہو جائے گی۔"

وہ باہر چلا گیا جہاں اس نے مائی را کا استقبال کیا۔

"میں یاترا کر رہی ہوں — محبت کی تاریک راہ طے کر کے! اور دعا کرتی ہوں کہ — اے معبود مجھے میرا دلبر مل جائے!!" (جاپانی نغمۂ الفت)

مندر کی یاترا کے لئے رات کی اداس اور مدھم روشنی میں نوسانوریکا بھی جا رہا تھا۔

نامو۔ آمیدہ بستو!

مندر کے دامن میں راہب اور اس کے ارد گرد یاترا کرنے والے مقدس گوتم بدھ کی حمد و ثنا کر رہے تھے اور مائی را ان سب سے پیچھے درختوں کے سائے میں سرنگوں بیٹھی تھی۔ نوسانوریکا نے زمین بوس ہو کر دعا مانگی۔ "اے پاک ذات! مجھکو عقل عطا فرما تاکہ میں سکون کی راہ تلاش کر لوں۔" لیکن اسکے بربط قلب سے صدا بلند ہو رہی تھی۔ "مجھے محبت عطا کر۔ مجھے محبت عطا کر!"

"مجھے طاقت عطا فرما اے معبود!" مائی را نے آہستہ سے کہا۔ "کہ میں محبت پر غالب آ جاؤں۔" لیکن اس کا دل التجا کر رہا تھا۔ "مجھے محبت عطا کر۔ مجھے محبت عطا کر۔"

لوگ رخصت ہو گئے — خاموشی! تنہائی! سکوت!

مائی را سب سے آخر میں اٹھی تاکہ راستے میں کوئی اسے نہ دیکھے۔ وہ درختوں کی آڑ میں بچتی بچاتی اور راستے کی ہیبتناک اجنبیت سے خوفزدہ ہوتی ہوئی جلدی جلدی جا رہی تھی کہ دفعتاً درختوں کے ایک جھنڈ میں وہ رک گئی — ایک جاتری سات دیوتاؤں کے مجسموں کے سامنے پانی سے بھرا ہوا چھل لئے کھڑا تھا۔

اس نے ان بتوں پر پانی چھڑکا اور التجا کی۔ "اے معبود حیز و ایر! محبت کا پیامانہ مروں! اور اگر ہم دونوں زندگی کے راستے پر ایک ساتھ چل سکتے ہیں تو مجھے کسی طرح بشارت دیجئے۔"

وہ رخصت ہو گیا۔

اور سکوت طاری ہونیکے بعد وہ بھی خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

"برگ ہائے سبز پر شبنم شب چمک رہی ہے!
— اور آنسوؤں کے قطرے بھی!"
(جاپانی راگ)

"آپ کو تکلیف ہوئی، معاف فرمایئے گا — میں راستہ بھول گئی تھی۔ نہ جانے میرا کمرہ کون سا ہے؟" مائی را نے متوحش لہجہ میں کہا۔

"تکلیف کی کیا بات ہے۔" راہب بغیر اسکی طرف دیکھے ہوئے بولا۔ "غیر ملکی اکثر راستہ بھٹک جاتے ہیں۔"

اس نے دیوار کا ایک حصہ سرکایا۔ "آپکا کمرہ یہ ہے — معبود کرے آپ کی تکان دور ہو جائے۔"

"جی ہاں! مندر جانے اور آنے میں بہت تھک گئی ہوں مجھے یقین ہے کہ میں خوب گہری نیند سو جاؤں گی۔"

"اور شاید۔" راہب نے کہا۔ "آپ کو اپنے استفسار کا جواب — سکون یا علاج — بھی مقدس گوتم بدھ کی طرف سے حاصل ہو گیا ہو گا کیونکہ وہ معبود فراست بدھ کی طرح صاحب عقل ہیں۔"

خاموشی طاری ہو گئی۔ مائی را نے اسکو توڑا۔

"میرے خیال میں۔" اس نے راہب کے چہرے کی طرف، جو نفسانیت سے عاری تھا، دیکھتے ہوئے کہا۔ "محبت کے معموں کا کوئی حل نہیں ہے۔"

راہب نے اس کی طرف استعجاب سے دیکھا اور پھر نظر ہٹا کر کہنے لگا۔ "محبت، خواہش ہے اور اسی لئے دکھ ہے، رنج ہے اور اس کا انجام المناک ہے۔ محبت صرف خواہش سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اسے پامال کر دینا چاہیئے۔" وہ تعظیماً جھکا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

اس نے دیوار سرکائی اور نوسانوریکا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ نوسانوریکا اس بعید از معصیت راہب کو دیکھ کر احترام سے کھڑا ہو گیا۔

مائی را اٹھ کر گوشہ نشیں میں آ گئی جہاں ان دونوں کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"یاد رکھو۔" راہب نصیحت کر رہا تھا۔ "یاد رکھو جب تک تم اس محبت پر قابو نہ پاؤ گے، اسے اپنے پاؤں سے کچل نہ دو گے اور دل سے بھول نہ جاؤ گے، دکھ اور اضطراب باقی رہیں گے اور تمام عمر خواہشات تمہارے سکون کو برباد رکھیں گی۔ کیا تم بدھ کا درس بھول گئے کہ "ہر چیز فنا ہو جائے گی، کسی کو بقا نہیں۔" تو پھر محبت — جو جسمانی خواہش ہے — کیسے برقرار رہ سکتی ہے؟" وہ دوسری دیوار سرکاکر جاتے ہوئے بولا۔ "علی الصباح پوجا میں اوروں کے ساتھ تم بھی شریک

ہو کر روحوں کو خوشبوؤں کی نذر پیش کرنا مگر جاکر روزے رکھنے شروع کرو اور دُنیوی خیالات کو چھوڑ کر معبود کا دھیان کرو۔"

فوساتوریکا باغ میں چلا گیا اور مائی را دروازے کے باہر کھڑی ہوئی کسی خیال میں غرق ہوگئی۔

"ایک راہب کے لئے یہ کہنا آسان ہے" فوساتوریکا کہنے لگا۔ "وہ ایک ایسے درخت کی طرح جوان ہوا ہے جو پہاڑوں کے بیچ میں بڑھا ہو اور جس تک سورج کی روشنی کبھی نہ پہونچی ہو اور وہ ایک ایسی اونچی چٹان کی طرح ہے جو سمندر کے لمس سے ناآشنا ہے۔" اُس نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے۔ "اناما! اے محبوبہ! اگر اُس نے تمہارے چہرے کا حجاب دیکھا ہوتا، اگر تمہارے دل کی تڑپ محسوس کی ہوتی۔ اس کو تم سے محبت ہوتی اور تمہیں اپنی بیوی بنانے کی آرزو رکھتا تو کیا وہ اس خواہش میں آپے سے باہر نہ ہو جاتا جیسے وہ بُرا بھلا کہہ رہا تھا؟" اس نے ستاروں کی طرف دیکھا "اے ملکۂ قلب! تو کہاں ہے؟ آہ! یہ لمحات جب میں تجھ سے جدا ہوں! تو میری نہیں ہے اور نہ ہی کوئی علامت مجھے بتاتی ہے کہ تو میری ہو جائیگی کیا میں تیری جستجو کروں؟ کیا میں تیرا خیال ترک کردوں؟"

مائی را چونک پڑی جب وہ اسکے پاس سے گذرا۔

"تم!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

اس نے اُسکے ہاتھ پکڑ لئے "علامت!"

"علامت؟"

"میں یاترا کے لئے آیا تھا کہ کوئی علامت مجھے یقین دلا دے کہ ہم دونوں زندگی کی راہ پر یکجا چل سکتے ہیں اور تم ——— یہاں ہو! ——— مجھ سے بے خبر ——— برابر کے کمرے میں! اور یہ راہب تمہیں چاہنے کی خواہش پر مجھے بُرا بھلا کہتا ہے۔" وہ اسکے ہاتھوں پر جھک گیا۔ "اناما! تو ——— آؤ باتیں کریں۔"

"ایک سفید فام عورت سے عشق کرنا تعجب انگیز ہے اور خصوصاً کسی شخص کی دوشیزہ بیوی سے" اور جب اُسنے اپنے ہاتھ کھینچے تو اُس نے اُن کو چھوڑ دیا اور پہاڑ پر آنے کی وجہ دریافت کی۔

"سیر کرنے!" مائی را نے کہا

وہ ہنس دیا۔ "نہیں۔ مجھے معلوم ہے تم کیوٹو سے کیوں بھاگ آئیں ——— اس لئے کہ تمہیں میری محبت کا خوف تھا اور مغرب کے قابلِ نفرین الفاظ میں تم ایک "معزز بیوی" ہو..... ہم دونوں کے درمیان صرف ایک کاغذی دیوار حائل ہے جس میں کوئی دروازہ یا قفل بھی نہیں، اس پر ذرا غور تو کرو۔" وہ اس کے کمرے میں چلا گیا۔ "جاپان میں کوئی کمرہ اس وقت تک خوابگاہ نہیں سمجھا جاتا جب تک کوئی وہاں سویا ہوا نہ ہو ——— مجھے اُمید ہے کہ اگر میں آپکے بستر کا رُخ بدل دوں تو آپ کو کچھ خیال نہ ہوگا۔"

اس نے اس کا بستر دیوار کے قریب کر دیا اور کہا "جاپان میں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اس لئے میں اُن کو معلوم نہ ہونے دونگا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ اگر تم سو جاؤ گی تو میں تم کو دیکھوں گا بھی نہیں اور اگر ہم ایک جگہ مل بھی جائیں گے تو میں صرف سر جھکا لوں گا۔" اُس نے اس کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہوئے کہا "شب بخیر! دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔" اور اس کے پاس سے چلا آیا۔

"عصمت شک سے پاک ہے۔" (جاپانی مثل)

مائی را نے دفعتاً آنکھیں کھول دیں۔ اس کے اور جاپانی محبوب کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ تھی۔ ان کے بستروں کے درمیان صرف ایک انچ کی جگہ خالی تھی جہاں دیوار سرک آئی تھی۔ وہ سامنے منظر پر جمائے دیکھتی رہی۔ اُس کے شانے، سینہ اور بازو برہنہ تھے۔ اسکے تکیے پر فوساتوریکا کا ایک ہاتھ رکھا ہوا تھا ——— اسقدر قریب! وہ نہیں سمجھ سکی کہ جاپانی سو رہا ہے یا اپنے ہاتھ کے پیچھے سے اُسے دیکھ رہا ہے اور اس نے دیوار کب سرکائی تھی اور کتنی دیر سے وہ وہاں لیٹا ہوا ہے؟ اس قدر قریب! اس قدر نزدیک! وہ چاہتی تھی کہ دیوار کھینچ لے اور رضائی سے اپنا نیم عُریاں جسم ڈھک لے لیکن اس میں جرأت نہ ہوتی تھی۔ کیا خبر ذرا سی حرکت اُس انچ برابر جگہ کو محبت، جذبات اور خواہشات سے پُر کر دے؟

وہ اس قدر پاس پاس سو رہے تھے! ——— سکوت۔

وہ اپنے محبوب کے پہلو میں اسکے مشرقی سحر سے محفوظ رہنے کی دُعا کرتے ہوئے سو گئی۔

ناما۔ آمیدہ بستو!

یاترا کے لئے آنے والے صبح کی پوجا کے بعد خوش و خرم واپس ہو گئے۔ ان میں مائی را بھی تھی اور سب سے پیچھے ——— فوساتوریکا۔

نواں باب

بے معنی گفتار بنی نوعِ انسان کے لئے تکلیف دہ ہے
اور تاریکی سے ملفوف! (بدھی مقولہ)

پہاڑ پر سے اُتر کر وہ تھک کے چُور ہو گئی اور ریل میں آنکھیں

بند کئے لیٹی ہوئی تھی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کیوٹو پہونچتے ہی ــــ دوسرے روز ــــ وہ وہاں سے جم کے پاس چلی جائے گی۔ اُس نے مصوّر کے نام ایک خط چھوڑنے کا بھی ارادہ کیا کہ گنبد دار عمارت یا قصر آغاز میں اگر وہ چاہے تو مسوٹے کو مصوّر کر تا رہے۔

وہ خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ دفعتاً کسی نے کہا۔

"آپ بیگم کیلنگ ہان!"

مائی را نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے حسین، کاؤنٹس ولسوکی کھڑی تھی: "خوب ملاقات ہوئی۔ مگر اسٹیشن آنے والا ہے۔ میں تو تمہیں خط لکھنے والی تھی۔" اُس نے بیٹھتے ہوئے کہا: "شوہر سے ملے ہوئے کتنا عرصہ ہوا اور وہ ابتک ٹوکیو میں کیا کرتے ہیں!"

مائی را نے ہنس کر تجویز آبی کو تاخیرِ ملاقات کا سبب بتایا۔

"تجویز آبی؟" وہ سنبھل کر بولی: "یوکوہاما کے لئے تجویز آبی؟ نہیں! رقاصائیں! رقاصائیں! تم یقین کرو۔ تمام شہر میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ کاؤنٹ کے ایک دوست نے اُسے ایک فاحشہ رقاصہ کے ساتھ، جو خوب بنی سنوری رہتی ہے موٹر میں بیٹھا ہوا دیکھا اور کہا یہ جاتا ہے کہ وہ ــــ "اوہاراسان" اس کا نام ہے ــــ اس کے ملازم سے منسوب ہے، خوب بات بنائی! لیکن خادمائیں اپنے مالک کے ساتھ تھیٹر میں نہیں جاتیں! تم کو معلوم ہونا چاہئیے کہ تمہارے شوہر ایک رقاصہ کے ساتھ محبت کی پینگ بڑھا رہے ہیں۔ میں چاہتی تھی کہ تمہیں اس کے متعلق کسی طرح خبر کر دوں۔ اس کا اصل نام "اوسومی" ہے۔ وہ حسین بیحد ہے، شفتالو کی طرح! ..... لو اسٹیشن ہی آگیا، مجھے یہاں اترنا ہے پھر ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ!"

مائی را نے مسکرا کر خدا حافظ کہا مگر اس کے دل میں برچھیاں لگنے لگیں۔ وہ بھی تو آخر جوانی کے جذبات سے مغلوب ہوگئی تھی لیکن اس نے اپنے اوپر قابو پا لیا اور یہ جم ــــ ایک رقاصہ کے ساتھ؟ وہ شکستہ دل ہوگئی اور اس کی اُمیدوں پہ پانی پھر گیا کہ جس شخص کی خاطر وہ کشمکش میں مبتلا رہی اُس نے اس کا درجہ جاپان کی پیشہ ور تیتریوں کے برابر سمجھا۔

"اوسومی! رقاصہ! شفتالو کی طرح خوبصورت! ۔ اوسومی! رقاصہ! شفتالو کی طرح خوبصورت!"

تباہی قریب تر آرہی تھی۔

دسواں باب

شکیبائی نجات کا آغاز ہے
اور بد اندیشی کا انجام!
(بدھی مقولہ)

اوہاراسان نے جم کیلنگ ہان کا خط مائی را کو پیش کیا۔

رقاصہ کے خیال نے اس کے دماغ میں ہلچل مچا دی تھی اور وہ حسد کی آگ میں جلی جارہی تھی۔ غصّے اور حسد میں اس نے جم کا خط بغیر پڑھے آتشدان میں پھینک دیا اور جلتے ہوئے شعلوں نے فوراً ہی اُسے جلا کر خاکستر کر دیا ــــ کاش! وہ خط پڑھ لیتی!۔

اس میں لکھا تھا۔

تمہارے پاس آنے سے پیشتر یہ میرا آخری خط ہے!

میڈونا پیاری!

مجھے معاف کر دو میں تمہارے قدموں پہ گر کر عفو کا طالب ہوں۔ مجھے ابھی معلوم ہوا کہ لوگ میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ نہ جانے کس دشمن نے یہ افواہ پھیلا دی کہ ٹوکیو کی رہنے والی رقاصہ سے میرا تعلق ہے تم تک بھی یہ خبر ضرور پہونچائی گئی ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اس پر کوئی توجہ نہ کروگی کیونکہ میں تم کو بے حد چاہتا ہوں۔ میڈونا! پیاری! تم تو دنیا کی حسین ترین عورت ہو۔

میں فوراً ہی تمہارے پاس آنے والا تھا مگر وادی میں دفعتاً سیلاب آگیا اور بچوں کی زندگی خطرے میں ہوتے نہ بچی گئی۔ ایک دن تم بھی بچوں کی ماں ہوگی اس لئے تم خود ہی سمجھ سکتی ہو کہ یہ ننھی سی جانیں کس قدر قابلِ رحم ہیں۔

تم یقین کرو کہ میں نے جب سے یہ افواہ سنی ہے مجھے بڑا صدمہ ہے۔ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ اوہاراسان اور یاماؤتہ نے میری مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اس کی بہترین صورت یہ سمجھی کہ میرے لئے تھیٹر کا ایک بکس مخصوص کرا دیں چونکہ یاماؤتہ میرے پاس بیٹھتے شرماتا تھا اور ان میں سے ایک کا میرے ساتھ ہونا بھی ضروری تھا اس لئے اوہاراسان میرے ہمراہ تھیٹر تک گئی۔ بس اتنی سی بات کا لوگوں نے بتنگڑ بنا دیا۔ کل میں پہاڑ پر جا رہا ہوں تاکہ ان تباہ کن مصیبتوں کا خاتمہ کرنے کی کوشش کروں، اس لئے تم فی الحال مجھے کوئی خط نہ لکھنا۔ جس قدر جلد ممکن ہوگا میں فارغ ہو کر تمہارے پاس آجاؤں گا" اور تمہارے قدموں پر گر پڑوں گا۔ میں تمہیں بیحد چاہتا ہوں، میڈونا! اس کا یقین کرو۔

- - - - - - - - - - - -

"دل مصیبت اور تباہی کا چشمہ ہے
اس لئے اس پر قابو حاصل کر لو!"

(بُدھی مقولہ)

مائی را مضطرب و پریشان، سکون کی تلاش میں معطر باغ میں سے ہوتی ہوئی اس طرف چلی جہاں قسمت اُسے لے جا رہی تھی۔ جھیل پار کر کے وہ پھولوں سے لدے ہوئے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے خیالات میں غرق ہو گئی۔ "کل میں تم کو لکھ دوں گی کہ وہ میری طرف سے قطعی آزاد ہے! اور یہ کہ میں اُسکو ہمیشہ کے لئے چھوڑ چکی ہوں ..... وہ رقاصہ سے شادی کر سکتا ہے، اگر پسند کرے"!

سامنے گنبد دار عمارت چمک رہی تھی اور مرصع کمروں کی تاریک اور تنہا گوشہ نشیں اُسے دعوتِ تسکین دے رہی تھی۔ وہ نہایت خاموشی سے تنگ زینے پر چڑھ کر اوپر کی منزل میں پہونچ گئی۔ اسکے ایک جانب قسمت تھی اور دوسری جانب محبت! سامنے تباہی تھی اور پشت پر موت! کمرہ روشنی سے جگمگا اُٹھا اور اُس نے دیکھا کہ ایک طرف آلتی پالتی مار ہوئے مہاتما بُدھ کا مجسمہ رکھا ہوا ہے ——— خاموش، پُرسکون! اور عظیم المرتبت! وہ سسکیاں لیتی ہوئی اس کے آگے دوزانو ہو گئی، اور فوسا نوریکا نے، جو راہب کی نصیحت کے مطابق تنہائی میں رو رو کر عبادت کر رہا تھا، اسکی طرف ہاتھ پھیلا دیے۔

"انا نا! اے محبوبہ!" اُس نے اُسے اُٹھا کر اپنے زانو پر گلِ سوسن کی طرح لٹا لیا اور آہستہ سے کہا "اے محبوبہ! اس شفق کی قسم جس کی جھلملیوں میں دن اور رات ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اس لمحے کی قسم جب چاند پہاڑ کی چوٹیوں سے محوِ نازونیاز ہوتا ہے، تم میری ہو۔" وہ کھڑا ہو گیا اور اُسے اپنے سینے سے لگا لیا "تم بانس کی لچکدار شاخ ہو اور میں اناس کا درخت ... محب و محبوب درخت! ـــ تم میری ہو!"

وہ چونک کر اُس سے علیحدہ ہو گئی "نہیں!"

فرض اُسے پکار رہا تھا لیکن جذبات کہہ رہے تھے کہ جب اس کا شوہر دوسری عورت سے محبت کر سکتا ہے تو وہ بھی آزاد ہے۔

لیکن بہت سی عورتیں ثابت قدم رہی ہیں "فرض نے جواب دیا۔

"اور بہت سی عورتیں جذبات کے آگے بے بس بھی تو ہو گئی ہیں" ترغیب نے سرگوشی کی۔

اُس نے جاپانی کے خاموش، پُرسکون، خوبصورت اور جذبات سے مملو چہرے کو دیکھا۔

وہ پیچھے ہٹی ——— مضطرب، بے چین ——— دروازے کی طرف ——— ہاتھ پھیلائے ہوئے۔

"تم مجھے اپنی طرف بلا رہی ہو یا دور ہٹا رہی ہو؟" فوسا نوریکا اس کی طرف مسکراتا ہوا بڑھا "شاید تم مجھے اپنی طرف بلا رہی ہو"۔ وہ رُک گیا اور اپنے ہاتھ بازوؤں پر رکھ لئے۔ "اگر تم مجھے اپنی طرف نہیں بلا رہیں تو تم پیچھے ہٹ جاؤ"۔ اس کی جذبات سے مغلوب آواز کمرے میں گونجی "راستہ کھلا ہوا ہے، تم جا سکتی ہو۔ سُنو!" اُس نے اپنا ہاتھ اوپر اُٹھایا "ان درختوں، پانی اور ہوا کو سُنو، یہ کیا کہہ رہے ہیں، کیا تم سمجھتی ہو؟"

"نہیں" وہ اُس کے چہرے کو تکتی ہوئی بولی "میں جاپانی نہیں جانتی ——"

"ہاں تم نہیں جانتیں" وہ اُسکے قریب پہونچکر بولا "تم صرف خود غرضی اور تکبر کو جانتی ہو اور تم میں ان خوبیوں میں سے ایک بھی نہیں ہے جن سے ہمارے ہاں کی عورتیں متصف ہیں۔ تم اپنی جھڑکیوں اور زبان کی تیزی سے لوگوں کو مسحور کر لیتی ہو اور پھر ان کو اُن ذرات سے زیادہ نہیں سمجھتیں جنہیں تم اپنے پاؤں سے روندتی ہو۔ جاپانی عورتیں حسین معلوم ہوتی ہیں، خلیق ہوتی ہیں اور رحمدل بھی، لیکن تم نخوت میں سرشار رہتی ہو۔ اس لئے ہم تمہیں مفتوح کرنا چاہتے ہیں۔ تم عورتیں کتنی بھی خوبصورت کیوں نہ ہو لیکن ہمیشہ مسرت کا باعث نہیں ہو سکتیں۔ تمہارے دل تلون پسند ہیں اور تمہاری زبانیں بے پناہ، لیکن ہم پھر بھی تمہیں پسند کرتے ہیں کیونکہ ہم تمہاری باتوں کے عادی نہیں ——— جس طرح تمہارے یہاں کے مرد ہماری رقاصاؤں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی عورتوں میں اسقدر لطافت اور ملاحت نہیں ہوتی! اگر مجھے تم سے بےغرض محبت نہ ہوتی تو میں صرف تمہارے جسمانی حُسن سے لذت یاب ہونے پر اکتفا کرتا اور تمہاری باتوں سے پیشتر تمہیں چھوڑ چکا ہوتا"۔

"تم خوبصورت ہو کر تند خو ہو!" مائی را نے نرمی سے کہا۔

"ارے نہیں، میں صرف مشرقی ہوں" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہم عورتوں کے ساتھ نہایت شرافت سے پیش آتے ہیں اور خاص کر محبوبہ کے ساتھ! لیکن میں تمہیں ترغیب نہیں دے رہا، صرف بتا رہا ہوں، تم قطعی آزاد ہو۔ جاؤ، یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تم کو گوشہ نشیں میں سے جاتے ہوئے دیکھوں گا اور تم سے محبت کرتا رہوں گا"۔ اُس نے اُسکی کہنیاں پکڑ کر اُسے دروازے کی طرف کر دیا۔ "جاؤ نا؟ تم نہیں جاتیں!"

"یہ انگشتری! ـــ انگریزی وضع کی؟" مائی را نے اُسکے سینے پر

ایک انگوٹھی کو چمکتے ہوئے حیرت سے دیکھ کر کہا۔
"ہاں! یہ وہ انگشتری اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولا "اسے علیحدہ کرنے کی مجھے سخت ممانعت ہے۔ جب میں بالکل ذرا سا تھا اس وقت ایک زبردست بھونچال کے بعد یہ انگشتری مجھے ہمیشہ کے لئے پہنا دی گئی ہے۔"
انگشتری دیکھ کر مائی را کے جسم میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ "اسپر کندہ کیا ہے؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔
"یہی وقت ہے" وہ اس کے سنہرے بالوں کو چومتے ہوئے بولا "یہ ان لوگوں کا مقصد بھی ہونا چاہیے جو "ہراکیری" (خودکشی کا مشہور جاپانی طریقہ۔) کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ہراکیری رنج و غم سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ ہے۔" اس نے اپنے ہاتھ پر آنسوؤں کے گرم قطرے محسوس کئے۔
وہ کچھ یاد کر کے رونے لگی اور پھر محبت سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئی مگر ——؟ محبت کے راز اندھیرے میں کھولے جاتے ہیں، اور محبت کے درس سائے میں دئے جاتے ہیں
جاپانی نے روشنی گل کر دی۔
"یہ مناسب نہیں تھا" کہکر اس نے دروازے میں سے بھاگ جانا چاہا۔
نوساتوریکا کے جذبات میں تلاطم برپا ہو چکا تھا اس نے اس کی کمر میں حلقہ ڈالدیا۔
"کیا تم میری محبت کے عوض مجھے کچھ نہ دوگی؟" اس نے اسے سینے سے بھینچکر آہستہ سے کہا اور اپنے بازو سے سہارا دے کر اسکے چہرے پر دیکھا کہ ایک عجیب مسکراہٹ لبوں پر پوری طرح پھیلنے سے پیشتر رک کر رہ گئی ہے۔ وہ بہت دیر تک اسے پیار کرتا رہا۔ اسکی پیشانی، بالوں اور آنکھوں کو چومتے ہوئے اس نے کہا "میں مہر محبت تمہارے احمریں ہونٹوں پر اس وقت ثبت کروں گا، جب تم میری ہو جاؤگی۔"
وہ اس کے ہاتھوں میں سے پھسل کر فرش پر گر پڑی ——
سفید فرش پر گل سوسن کی طرح!۔
سامنے سنہری بستر تھا۔
اس نے اُسے سنہری بستر پر لٹا دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اُسے غش آگیا ہے۔ وہ اُسکے پاس بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا وہ اسے اسکا حجاب دکھانے کے لئے بیدار کرے۔
مائی را نے آنکھیں کھولدیں۔
"تمہاری آنکھیں روشن شمعوں کی طرح ہیں اور تمہارا دہانہ سرخ مہر کی مانند!" اس نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ "تم حسین ہو! پیاری ہو! شرمیلی ہو! میری ہو! صرف میری!!"
مائی را نے ایک آہ سرد کھینچی اور نیم وا آنکھوں سے اس کے جذبات سے مملو چہرے کو دیکھنے لگی۔
اس نے اس کے رخسار پر اپنا رخسار رکھ دیا اور اس کی نظر دیوار پر ابھرے ہوئے حروف میں جذب ہو گئی۔
سوٹ کیو! اب آرام کرو
"اپنا حسین سر میرے سینے پر رکھ کر تم آرام کرو میری پیاری! آرام کرو!!" اس نے سرگوشی میں کہا اور تھوڑی دیر بعد —— اسکے ساتھ نیند کی آغوش میں! معبود جیزو کے قدموں میں کسی پیدا ہونے والے بچے کے لئے ایک کھلونا نمودار ہو گیا۔
صبح کاذب!
مرغ بانگ دینے لگے!
رات کے گناہ نے مائی را کا سکون برباد کر دیا۔ جھیل پار کرتے ہوئے دفعتاً اسکے خیالات میں ہیجان برپا ہو گیا۔
—— "عصمت!" ——
وہ دیوانہ وار چیختی ہوئی جھیل میں سر کے بل گر پڑی: "عصمت؟ گناہ کا کفارہ! اے معبود!!"
—— اور مندر کی المناک گھنٹیاں پہاڑی پر سے المناک پیشین گوئی کرنے لگیں۔

حصہ دوم

گیارھواں باب

طوفان آ رہا تھا اور بادلوں کے سیاہ دیو پہاڑی کی چوٹیوں پر اپنی خوفناک نظریں غروب ہوتے ہوئے سورج پر جمائے ہوئے تھے۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا اور کبھی کبھی ایک بوڑھے شخص کی صورت دکھائی دے جاتی تھی جو لکڑی ٹیکتا ہوا آہستہ آہستہ پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ تھوڑی

دُور چل کر وہ کمزوری اور تکان سے بیٹھ جاتا اور کچھ دیر دم لیکر پھر چلنا شروع کر دیتا۔

بیمار صورت مائی را طوفان کی ڈراؤنی علامتوں کو دیکھ رہی تھی اور فوساکوریکا اس کے گلے میں باہیں ڈالے اس کے قریب بیٹھا تھا۔

"ایک مہینہ گزر گیا جب انہوں نے تمہیں جیل میں سے نکالا تھا۔ اس تمام عرصے میں تم زیادہ تر بیہوش اور اختلاجِ قلب میں مبتلا رہیں اور یہ وقت میرے لئے بڑا کٹھن تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ طبیعت بحال ہونے کے بعد بھی ایک ہفتے تک تم نے مجھ سے ملنا کیوں نہ چاہا؟"

مائی را نے الماری کی طرف دیکھا جہاں اس کے شوہر کے پاس سے آئے ہوئے خطوط کا انبار لگا ہوا تھا۔ جن کو اُس نے کھولا تک نہیں تھا کیونکہ وہ اس سے قطع تعلق کا ارادہ کر رہی تھی "میں کچھ وقت لینا چاہتی تھی ——— ایک مہینہ! ——— تاکہ معاملات کو یکسو کر دوں"

اُس نے جواب دیا۔

"معاملات کی یکسوئی!" فوساکوریکا نے دُہرایا "تمکو یکسو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں پابندیوں سے آزاد ہو کر رہنے میں کوئی دقّت نہ ہوگی۔ مجھے سب معلوم ہے" اس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی "یہ سب جانتے ہیں کہ جس طرح افضل النسل مادہ ادنےٰ نر کی شریکِ حیات نہیں بن سکتی جو بازاری چڑیوں سے اختلاط میں لطف اُٹھاتا ہو، اسی طرح تمہیں آزادی حاصل کرنے میں مشکلات پیش نہیں آئینگی"

اُس نے آنسوؤں کو بہتے ہوئے دیکھا "اے میرے من کے مندر کی سُندر دیوی! یہ بیش بہا آنسو دل پر نہ گراؤ۔ میں نے تمہیں اے نجم اللیل! غنچہ ناشگفتہ! اے نوبلبل! شام کے جھٹپٹے میں حاصل کیا ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے اور اس سے پیشتر نہ میں اس رمز سے واقف تھا اور نہ اسکے بعد کبھی اس سے آشنا ہونگا۔ اس وقت تک کسی کو میرے تمہارے پاس ہونے کا علم نہیں سوائے ان دو بوڑھے ملازموں کے جو تا دمِ حیات باوفا ہیں۔ آؤ ہم ثابت کر دیں کہ محبت غیر قوموں اور مختلف عقیدوں کو متحد کر سکتی ہے"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اُس نے سننے سے قطعی انکار کر دیا اگر وہ سن لیتا تو اس داستان کا انجام تبدیل ہو جاتا۔

"ہاں۔ ہم ثابت کر دینگے کہ مشرق و مغرب کا ارتباط بغیر تباہی کے ممکن ہے" اُس نے اُسکے ہاتھ کو چومتے ہوئے کہا۔

"سنو!" وہ بولی "سنو تو سہی، مجھے کچھ کہنا ہے ———"

اس نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے ——— "مجھے اندھیرا معلوم ہو رہا ہے ——— اس پر غش طاری ہو گیا اور فوساکوریکا نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

——— بوڑھا الکڑی ٹیکتا ہوا پہاڑی پر چڑھ رہا تھا!

مائی را ہوش میں آئی "اب بہتر ہوں۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ محبت کی مسرت سے میرا دم نکل جائے گا"

"اور شاید میں تمہاری محبت میں مر جاؤں" فوساکوریکا نے اُسکے چہرے کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا۔

"سعد اور کرکی مجھ پر ایک خاص اثر کرتی ہیں" مائی را نے کہا۔ "شاید میں نے تم جیسا حسین و جمیل مرد آج تک دُنیا میں نہیں دیکھا۔ آؤ تھوڑی دیر کیلئے فرض کر لیں کہ تم مغربی ہو"

جاپانی نے سر ہلا دیا، وہ سنجیدہ تھا اور ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چاہتا تھا ——— اُسے خوش کرنے کی خاطر بھی نہیں ——— کہ وہ جاپانی نہ ہو "میں اپنے وطن کا شیدا ہوں۔ میں اپنے والدین سے محبت کرتا ہوں اور اُن کو ہمیشہ خوش رکھنا چاہتا ہوں"

اُس نے باتوں کا رُخ بدل دیا "میں وہ مسودہ لے آؤں جس میں میں نے تمہاری کئی تصویریں بنائی ہیں۔ کیا تم چاہتی ہو؟"

اُس نے اوباسان کو بُلا کر چاء لانے کو کہا اور جب وہ جانے لگی تو پھر روک لیا "بوڑھی ماں! میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے ایک وعدہ کرو" وہ کہنے لگا "اگرچہ تمہارا دودھ خشک ہو گیا ہے مگر دیوتاؤں کے سامنے وعدہ کرو کہ میرے بچے کی جو ایک روز اِن سفید فام خاتون کے بطن سے پیدا ہوگا، آیا بنوگی"

بوڑھی عورت دو زانو ہو گئی۔

"میں تم کو اپنے راز سے واقف کر رہا ہوں، کیونکہ میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم میری محبوبہ کی خبر گیری کرو گی۔ یہ میرے ساتھ سوئی ہیں ——— مجھے ان سے محبت ہے مگر یہ محبت اور بچے کی پیدائش کے متعلق بہت کم جانتی ہیں۔ میں خود عورت کے متعلق کچھ نہیں جانتا اس لئے میں ہر رات ان کے پاس آیا کروں گا تا وقتیکہ تم مجھے منع نہ کرو۔ خبردار! کوئی بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے یہ خائف ہوں کہ ایک روز یہ میرے بچے کی ماں بنجائیں گی"

اوباسان نے قسم کھائی "میرے بچے! میں وعدہ کرتی ہوں کہ مرتے دم تک تمہاری، تمہاری بیوی اور تمہارے بچے کی خدمت کروں گی اور اس راز کو اپنے شوہر تک بھی پہنچنے نہ دونگی" وہ کئی بار جھکی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟" مائی را نے پوچھا۔

فوساتوریکا نے اُسے لاعلمی میں رکھا۔ "کچھ نہیں میں نے اس سے تمہاری خبرگیری اور خدمت کرنے کو کہا ہے اور جب تک وہ چار۔ لاتے یں گنبد دار عمارت کے مسودہ لے آؤں۔

مت جاؤ! مجھے اکیلا مت چھوڑو۔" مائی را کلمنت اُسے دروازے یں سے پکارتی ہوئی بولی "طوفان آرہا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہو۔"

"ارے!" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہنے لگا "لاؤ میں س وہم کو دور کر دوں!"

اس نے اپنی انگلیوں کو اس کے سینے پر کچھ دیر پھیرا اور پوچھا۔ اب کیا حال ہے؟"

"بالکل ٹھیک!" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور اس ایکا ایکی تسکین کا سبب پوچھا۔

"یہ جاپان کے چند عجیب و غریب ٹوٹکوں میں سے ہے خاصکر س خوشبو کی طرح جس کے ذریعے سے ہم مردہ روحوں سے ملاقات کر لیتے ہیں!"

پھر وہ اس خوشبو کا ذکر کرنے لگا جس کے دھوئیں میں مرنے والے کا چہرہ دکھائی دے جاتا ہے۔ اس خوشبو کو ہانگون کو کہتے یں اور اس کی ابتدا چین سے ہوئی۔ بدھی پجاری عموماً اس کا استعمال کرتے تھے۔ اب کمیاب ہے لیکن میرے پاس تھوڑی سی ایک پوشیدہ رکھی ہے جب ہم دونوں کی شادی ہو جائے گی تو میں اُسکے ذریعے ماں کی روح کو بلاؤنگا تاکہ وہ ہمیں دعائیں دے، لیکن اس وقت تو شاید مجھ سے کسیقدر ناراض ہوگی۔

"ناراض؟"

"ہاں! میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ چین سے واپسی پر شادی لوں گا تاکہ اس کا پوتا شوجی میں اپنی معصوم انگلیوں سے چھید کیا کرے۔ ماں نے میرے لئے ایک جاپانی لڑکی منتخب کی تھی۔" اس نے اس کے ہاتھ چومے "لیکن پھر میری تم سے ملاقات ہو گئی۔" اس نے اُس کے بال مے "ایک دفعہ کہدو "مجھے تم سے محبت ہے!" دیکھو تم میری محبت معمولی سمجھتی ہو! آخر ہم کون ہیں؟ مسافر! کیا خبر کوئی شے ہم کو ایک دوسرے سے جدا کر دے! کیا تم کو افسوس نہ ہوگا کہ تم میرے ساتھ ی سے پیش نہ آئیں" وہ کھڑا ہو گیا "جانے دو! میں تم سے اسقدر محبت کرتا ہوں کہ تم سے کوئی وعدہ بھی کرانا نہیں چاہتا۔ دیکھنا تمہیں ایک روز معلوم ہو جائے گا کہ میری محبت کس قدر گہری ہے" وہ دروازے میں سے جاتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا "میں بہت جلد واپس آجاؤں گا۔"

مائی را نے بند آنکھیں کھولیں اور اوباسان کی بات کا جواب دیا "کون بچارہ ہے؟ بوڑھا ہو کر طوفان میں میرے پاس آیا ہے! شاید کچھ کام مانگتا ہوگا۔ اچھا اندر بھیجدو!"

وہ مسکرائی اور تقدیر لے کاغذی دیوار ایک طرف سرکا کر فوساتوریکا کے بوڑھے باپ کو اندر داخل کیا۔

بارھواں باب

بوڑھے کی آنکھوں سے حقارت ٹپکتی تھی کیونکہ فوساتوریکا نے اس سفید فام اور مغربی لڑکی کی خاطر جاپانی دوشیزہ سے شادی سے انکار کر کے اس کی اور مرحوم ماں کی عزت خاک میں ملا دی تھی۔ محض اتفاق سے اُسے مائی را کے متعلق ایک دکان پر جہاں سے وہ اکثر اپنے لئے چیزیں خریدتی تھی، ایک دن سب حالات معلوم ہو گئے۔ اور آج وہ اپنے ایک دوست سے جو انگریزی جانتا تھا، ایک خط لکھوا کر اس کے پاس آیا تھا۔ اُس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ زر بُری طرح سے برس رہا تھا اور مائی را بیش قیمت اور زرق برق گدے پر آرام سے بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ اپنے بیٹے اور اس کی دولت کو اس غیر ملکی عورت سے بچانا چاہتا تھا جس نے اسکے بیٹے پر اپنی خوبصورتی کا جال بچھایا اور جس کی وجہ سے اُسنے اپنے والدین کی بے حرمتی کی تھی۔ اس کو ایسی بہو کی ضرورت تھی جو دن رات اس کی خدمت کے لئے تیار ہو اور دولت کو آنکھوں پر ٹھیکری کی طرح برباد نہ کرے۔ اُس نے اپنی آستین میں سے وہ خط نکالا جس میں اس بات پر اظہار ماتم کیا گیا تھا کہ مائی را یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا بیٹا ——— شہرۂ آفاق مصور فوساتوریکا ——— اپنے والدین کی منتخب کی ہوئی جاپانی لڑکی سے منسوب ہو چکا ہے، اس سے شادی کرنے کا قصد رکھتی ہے اور یہ کہ والدین کی نافرمانی سے ان کی بددعاؤں کا اثر دولھا دلہن پر بہت بُرا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بڑے پُرفریب طریقے پر اس سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایک مہینے کے اندر ——— اس کے بیٹے سے گفتگو، خط و کتابت اور دیکھے بغیر ——— اس شادی پر غور کرے جس کا انجام یقیناً المناک ہوگا۔ اس عرصے میں اُس نے سوچا تھا کہ وہ اسکے شوہر کے پاس جا کر اسکے بیٹے کے ساتھ اسکی محبت کا راز فاش کر دیگا۔

مائی را نے خط پڑھنا شروع کیا:۔

" رحمدل خاتون! فوسانوریکا میرا بیٹا ہے"

وہ کمزوری سے اضمحلال محسوس کر رہی تھی، اُس نے تکیوں کا سہارا لے کر سوچا کہ شاید یہ اس مصور کا ایجنٹ ہوگا۔ اُس نے اُس کے چہرے کو کہیں دیکھا بھی تھا مگر اچھی طرح یاد نہ آتا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھکر مسکرائی کیونکہ اُسکے خیال میں وہ بیچارا پیٹ کی خاطر پہاڑ پر چڑھ کر اُسکے پاس آیا تھا۔

وہ خط پڑھتے پڑھتے پریشان اور بے حس و حرکت ہوگئی"...... میرا بیٹا فوسانوریکا بیحد دولتمند ہے"۔ اُس نے پڑھا" اور مشہور زماں...... اُسے جسمانی اور روحانی طور پر والدین کی فرمانبرداری کرنی چاہئے اور:۔۔۔۔" وہ رنج ہو کر پڑھتی رہی "۔۔۔ اس کی منگنی والدین نے ایک جاپانی لڑکی کیساتھ دیوتاؤں کے سامنے کر دی ہے"

اُسے بہت بُرا معلوم ہوا کہ بوڑھے نے خواہ مخواہ اس کا وقت ایسے معاملے میں ضائع کیا جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

" شاید آپ کو غلطی ہوئی" اس نے خط بغیر پوری طرح پڑھے واپس کرتے ہوئے کہا" یہ میرے نام نہیں ہے" لیکن یکبارگی اُس کی نگاہ بیچ میں اپنے نام پر پڑی جس کی ہجے غلط تھے۔ جلدی سے اُس نے سارا خط پڑھ لیا۔ وہ لرز گئی اور مندر کی گھنٹیاں پہاڑی پر سے بجنے لگیں۔

خط فرش پر گر گیا اور جوں ہی وہ کھڑی ہوئی فوسانوریکا ہاتھ پھیلائے ہوئے اندر داخل ہوا۔

اُس نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا اور جب بوڑھا مکروہ آواز میں کھانسا تو وہ اسکی طرف متوجہ ہوا۔

" اے خدا!" اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور خط اُٹھا لیا۔

کمرے میں موت کا سا سکوت طاری ہوگیا۔

" یہ صحیح نہیں ہے" اُس نے بمشکل مائی را کو سمجھانے کی کوشش کی"

" تو پھر تم وہ زبردست مصور، فوسانوریکا نہیں ہو"

" میں ہوں! یہ ٹھیک ہے لیکن ۔۔۔"

بادل گرجنے لگے اور طوفان کی کڑک نے اس کی طنز آمیز خوفناک ہنسی کو مدھم کر دیا۔ وہ اس کی گفتگو سُننے سے قطعی انکار کر کے کھنچی ہوئی تانت کی طرح سخت لہجے میں بولی:" تم مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو ۔۔۔ اس وقت بھی!۔۔۔" اس نے اپنی شرربار آنکھیں اُس پر جماتے ہوئے کہا:" نہیں، نہیں۔ میں کچھ سُننا نہیں چاہتی۔ تم نے فرضی نام رکھ کر مجھ سے تعلقات پیدا کئے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ تم مجھ سے ملنے سے پیشتر ایک جاپانی لڑکی سے منسوب ہو چکے تھے۔ تم انکار کرتے ہو! تم جھوٹے ہو! تم نے جب بھی جھوٹ بولا اور اب بھی بول رہے ہو!" وہ اُس کو اپنے ہاتھوں سے پرے ہٹاتے ہوئے کہنے لگی:" بیشک مجھے تم سے محبت تھی! بیشک! لیکن کیا تم سمجھتے ہو میں حُسن فروش طبقے سے تعلق رکھتی ہوں؟"

اسکے غصے سے سُرخ چہرے پر موت کی سی زردی چھا گئی اور بوڑھا اپنی کامیابی پر مطمئن ہو کر کھانسنے لگا۔

ایک خوفناک کڑاکے کیساتھ بجلی گری اور طوفان تیز ہوگیا۔ مائی را دیوانہ وار چیخنے لگی"۔۔۔ تم، تمہارا شیطان باپ اور دونوں نوکر بلکہ تمام ٹوکیو میری تضحیک کر رہا ہے۔۔۔"

وہ لیمپ سے باہر ہو گئی اور اس... ہار کے موتی ٹوٹ کر ایک طرف کو لڑھک گئے۔ دفعتاً طوفان ختم ہو گیا اور وہ کانپتی ہوئی فوسانوریکا کا بازو پکڑ کر کہنے لگی:" بھیجدو اس شیطان بوڑھے کو!۔۔۔ اپنے باپ کو ۔۔۔ یہاں سے بھیجدو!" ورجس نادانی سے اُس نے جم کے مہمان کے متعلق رائے قائم کی تھی اسی طرح اُس نے کہدیا:" میں اُس شخص کی خواہش کے مطابق اس سے وعدہ کرتی ہوں کہ آج آدھی رات کے بعد سے ایک ماہ تک نہ تم کو دیکھوں گی اور نہ کچھ لکھوں گی۔ اس سے کہدو ۔۔۔!"

" اس محترم خاتون کے وعدے کا ۔۔۔ آدھی رات سے ایک ماہ تک ۔۔۔ میں شکریہ ادا کرتا ہوں" بوڑھا کورنش بجا لایا۔

" اسکو یہاں سے فوراً نکالدو ۔۔۔ طوفان پھر آرہا ہے، اس سے کہدو کہ یہاں سے جلد از جلد چلا جائے۔ میں اُسکو دیکھنا بھی نہیں چاہتی اور نہ تمہیں!۔۔۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں"

فوسانوریکا نے اپنے باپ کو باہر دھکیل دیا۔

طوفان خوفناک صورت اختیار کرنے لگا اور درخت آندھی کے جھکڑ سے ٹوٹ کر گرنے لگے۔ بوڑھا اپنے دل میں جم کے پاس جانے کا قصد کرتے ہوئے جا رہا تھا کہ دفعتاً آسمان کو چیرتی ہوئی بجلی اس پر گری۔

" بہت سے لوگ اپنے عشق کا اعلانیہ دعویٰ کرتے ہیں
لیکن جگنو ۔۔۔ جس کا جسم ہر وقت محبت کی آگ
میں جلتا رہتا ہے ۔۔۔ اپنے خاموش جذبِ پُرسوز
میں ان سب سے زیادہ ہے۔

اور میری محبت بھی اسی کی طرح ہے۔"

(جاپانی نغمۂ الفت)

طوفان، آندھی اور بادلوں کے درمیان شام کا ستارہ نظر آنے لگا۔ ساتی ما نے آخر کار مسکرانے کی کوشش کی۔ مگر چہرے کی اداسی نے اُسے ڈھک لیا اور پہاڑی پر سے مندر کی گھنٹی کی آواز آنے لگی۔

"تم صبح بہار کی مانند ہو۔ دھوپ اور بارش، مسکراہٹ اور آنسو!" جاپانی نے کہا۔

"نہیں۔ طوفان اور آندھی! کڑک اور بجلی!" وہ ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "آؤ ہم آخر بار ایک ساتھ کھانا کھالیں۔"

"ایسا نہ کہو۔" وہ بے چین ہو کر کہنے لگا۔ "ان الفاظ کو واپس لے لو۔"

"ہاں!" ماتی را مسکرا کر بولی۔ "میرا مطلب ہے کہ اس مہینے کے اختتام تک!"

"اچھا!" اس نے اس کے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "مگر کیا ہم کو آدھی رات کے وقت ضرور جدا ہو جانا چاہیئے؟ اس وعدے کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ یہ تم سے زبردستی حسد اور نفرت میں کرایا گیا تھا اور جو کچھ تم نے کیا وہ طوفان کا اثر تھا۔ میری سوز تو اے مجبوبہ!"

"صرف ایک مہینے کی بات ہے۔ چار ہفتے اور بس!" اُسنے بغیر سُنے ہوئے جواب دیا۔

"کاش یہ رات ہی نہ آتی ——!" اس نے اسکی طرف اپنی آغوش وا کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ!"

ماتی را اس کی آغوش میں چلی گئی اور اس نے اُسکو اپنے سینے سے لگا کر خوب بھینچا۔ "میں نہیں جانتا تھا کہ عورت اسقدر خوبصورت ہو سکتی ہے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ حسن، آنسو، مسکراہٹ، نرمی اور سنگدلی عورت کے دوسرے نام ہیں۔ اے کاش مجھے خبر ہوتی کہ میں تم سے اسقدر محبت کرتا ہوں۔" وہ اس کے سر، جسم پر اپنی مرتعش انگلیاں پھیرتا ہوا کہنے لگا۔ "جب اضطراب و تنہائی کے تیس دن گذر جائیں گے تو میں اپنی انگشتری تمہارے داہنے ہاتھ میں، جو جاپان میں شادی کا ہاتھ کہلاتا ہے، پہنا دونگا۔ میں اس میں نگینہ کی بجائے تمہارے اس لباس میں سے جو تم نے گنبد وا عمارت میں اس رات پہنا تھا ایک تار نکال کر اپنے اس لباس میں سے ایک تار کے ساتھ بل دے کر ہمیشہ کے لئے اس میں رکھوا دونگا اور اس طرح یہ دونوں ہمیشہ وہاں رہیں گے جس طرح —— اے میری پیاری، ہم دونوں شادی کے بعد یکجا ہو جائیں گے۔ وعدہ کرو کہ اس انگشتری کے عوض تم مجھے اپنے حسین سر کا ایک سنہری بال دیدو گی۔ قسم کھاؤ کہ تم اس انگشتری کو ہمیشہ پہنو گی اور مرتے وقت بھی یہ انگشتری تمہاری انگلی میں رہیگی۔"

مائی را نے الماری کی طرف دیکھا جس میں جم کے بغیر کھلے ہوئے خطوط کا انبار لگا ہوا تھا اور چاروں طرف پھیلی ہوئی خاموشی میں رقاصہ کا "سیمی سن" بجتا ہوا سُنا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"قسم کھاؤ!"

"میں قسم کھاتی ہوں۔"

"—— ہم کھانا بانس کی شاخوں اور اناس کے سایوں میں کھائیں گے۔" اس نے محبت سے کہا اور اس کے خوبصورت و لطیف شانے پر اپنی ٹھوڑی رکھدی۔

"گذری ہوئی گھڑیاں کبھی واپس نہیں آتیں۔"

(جاپانی مثل)

نوسالوزیکا نے اُسے بانس کی شاخوں میں سے جاتے ہوئے دیکھا مگر وہ تھوڑی دُور جا کر رُک گئی اور اس کی طرف مُڑ کر اس نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے۔ درختوں کی کمزور شاخوں کو جو جیلخانے کی سلاخوں کی طرح ان کے درمیان حائل تھیں، توڑتے ہوئے وہ اس کے پاس چلا گیا اور اُسے اپنی آغوش میں لے کر اُسے محبت کا واسطہ دیا مگر ناکام رہا۔

"نہیں۔ میں تمہارے باپ سے وعدہ کر چکی ہوں —— ایک ماہ کیلئے۔" اُس نے جواب دیا۔

وہ اپنے محبوب کے رخسار پر اپنا رخسار رکھے ہوئے دُنیا و مافیہا سے بیخبر تھی کہ دفعتاً خیال نے ایک مردہ رُوح تخلیق کر دی۔

"کوئی عورت —— یہ سامنے! —— ہمیں دیکھ رہی ہے۔" وہ ڈرتی ہوئی بولی۔

نوسالوزیکا کے دل میں خوف لرزنے لگا۔ مگر اُسکو چھپانے کے لئے اس نے کہا۔ "نہیں۔ کسی درخت کا سایہ ہے۔"

"عورت ہی ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "تمہاری ماں! اسکی شرربار آنکھیں تمہیں دیکھ رہی ہیں۔"

"نہیں نہیں۔" وہ اس کا خیال منتشر کرتے ہوئے بولا۔ "یہ کسی درخت کا سایہ ہے۔"

پہاڑی پر سے مندر کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"آدھی رات ہو گئی۔" اُس نے آہ سرد کھینچ کر کہا۔

رات جن میری نظریں وہاں بھی رہیں گی جہاں تم اس ماہ کے اختتام کا انتظار کرو گی۔ پیاری! رات کے وقت تم دریچے میں سنہری روشنی کر دیا کرنا اور اگر کبھی تم مضطرب ہو اور یہ وعدہ بہت شاق گذرے تو دریچے میں قرمزی روشنی کر دینا ——— میں تمہارے پاس فوراً آجاؤں گا جب یہ روح فرسا ایک ماہ گذر جائے تو اس آدھی رات کو بھی قرمزی روشنی کر دینا تاکہ میں سمجھ لوں کہ تم وہاں میرا انتظار کر رہی ہو.....

اس کے دل کی صدائیں اس کے دل سے ٹکرا رہی تھیں: "ابھی چار ہفتے ہیں۔ پھر تین رہ جائیں گے۔ دو ——— ایک ——— آخری دن ———

آخری گھڑی اور قرمزی روشنی! "قسم کھاؤ کہ تم رات کو سنہری روشنی کیا کرو گی اور اس آدھی رات کو جب میں تمہارے پاس آؤں گا تم قرمزی روشنی کر دو گی۔"

"میں قسم کھاتی ہوں" اس نے کہا۔

وہ اُسے پہاڑی پر لے جانے لگا۔ اور ایک عورت ——— سائے، خوف، یا خیال کی تخلیق ——— اُن دونوں کو غمگین نظروں سے دیکھنے لگی۔

اس نے اُسکے پاؤں چومے، اسکی پنڈلیاں، اسکے ہاتھ ——— وہ اسقدر اس سے محبت کرتا تھا۔

اس نے اس کا سینہ چوما، اس کے احمریں لب، دُکھ بھری آنکھیں، بال ——— وہ اسقدر اس سے محبت کرتا تھا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں" اسکے جذبات میں ہلچل مچ گئی۔ "میں نے تم سے ہمیشہ محبت کی ہے اور ہمیشہ کرونگا چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ جب کبھی تم اس انگشتری کو دیکھو جو میں تمہیں دونگا، تو یاد کر لینا کہ میں تمہاری محبت پر اپنی جان قربان کر دینی چاہتا ہوں"

گھنٹیوں کی گونج ہلکی ہونے لگی۔

اس کا دل محبت میں ڈوبا جا رہا تھا۔ اُس نے اُس کے چہرے کو، رخسار کو، بالوں کو اور آنکھوں کو پیار کیا اور اس سے علیحدہ ہو کر اپنے راستے پر چلی گئی۔

"واپس آجاؤ۔ واپس آجاؤ پیاری! میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا!"

وہ بے بس ہو گئی اور اس کی آواز سن کر اُس نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ بھلا ایک وعدے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جب محبت پکارنے لگے! کیا ایک بوڑھے کی نفرت کی خاطر محبت سے انکار کیا جا سکتا تھا؟

"تم میرے پاس آجاؤ" وہ بے قابو ہو کر کہنے لگی۔

"میرے پاس آجاؤ" اُس نے عاجزی سے کہا۔

وہ ایک دوسرے کو پکارتے رہے مگر رات کی دھند نے اُن دونوں کو بے بصر کر دیا اور اُنہوں نے سمجھا کہ وہ جُدا ہو چکے ہیں۔

وہ اپنے اپنے راستوں پر تنہا روانہ ہو گئے۔

اناس کے درخت اور بانس کی شاخیں سرگوشیاں کرتے رہیں۔

اور رحم کی دیوی کے ہاتھ آنسوؤں سے تربتر ہو گئے۔

——— پہاڑی کی بلندی پر تنہا مکان میں سنہری روشنی جھلملانے لگی۔

تیرھواں باب

تیس دن تک وہ پاگلوں کی طرح رات کی تاریکی میں، شام کے دھندلکے میں اور صبح کی جھلملیوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ اس نے رات کو سونا بھی کم کر دیا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت میں خیالات میں محو ہو کر اپنی محبوبہ سے ہمکنار رہے۔

"آدھی رات کو جبکہ مندر کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو جائیں گی اور دریچے میں قرمزی روشنی جگمگانے لگے گی میں اس باغ میں سے جو جگنوؤں سے پٹا پڑا ہے۔ اسکے پاس چلا جاؤں گا۔"

وہ رات کی خاموشی کو چیرتے ہوئے کہنے لگا: "اور وہاں سے میں اُسے اپنی آغوش میں لیکر باغ میں آؤں گا۔" اس نے دن بھر کی محنت سے تیار کی ہوئی انگشتری ایک گوشے میں رکھ دی اور سنہری روشنی کو آخری بار دیکھنے کیلئے نشیب میں آگیا۔

اس نے پہاڑی کی بلندی پر خاموش مکان کو دیکھا جس میں کوئی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مردہ چہرہ اپنی خوفناک نظریں زندگی اور محبت کے پاس انگیز قہقہوں پر جمائے ہوئے ہے، کسی خوف نے اُسے برف کی طرح سرد کر دیا۔ "وہاں کوئی روشنی نہیں ہے" اس نے بیچارگی میں کہا اور اس کا خون، جو مانی را کو آغوش میں لینے کے خیال سے جوش کھا رہا تھا، رگوں میں جم گیا لیکن چند ہی لمحات بعد اُس نے اس کی وجہ بھی سوچ لی۔ اور اس کی خوشی اتنی ہی بڑھ گئی جتنا کہ خوف سے وہ قریب المرگ ہو گیا تھا۔ سنہری روشنی کی کوئی ضرورت نہ تھی ——— اس رات کو ——— کیونکہ پہاڑی کی گھنٹیاں بجتے ہی قرمزی روشنی اُسے بلانے کا اشارہ کرے گی۔ وہ خوشی میں پھولا نہ سمایا اور ملائمی کہنے لگا "میں اسکے پاس سپید سلک کے کپڑوں میں جاؤنگا۔

جن سے محبت مترشح ہوتی ہے" وہ کپڑوں کو تلاش کرنے لگا اور جب اُسنے سفید جوڑا نکالا تو اس کے ساتھ ہی ایک خنجر آبدار اس کے پاؤں کے قریب گر پڑا۔ وہ اُسکی تیز دھار دیکھ کر خود بخود کہنے لگا " دھار دار اور سار تیز لمبا خنجر! ایک ہی وار کے بعد سکونِ قلب حاصل ہو سکتا ہے!"

اس نے اس کو فرش پر رکھ دیا اور پیشانی سے چھو کر اس کی تعظیم کی " اے میرے جد امجد کی پاک روح! جس نے ہراکیری (خودکشی) انجام دی! میرا سلام قبول کر! ــــ میں تیرا فرمانبردار ہوں!!"

فوسا نوریکا آہستہ آہستہ زینے پر سے اترا " بس دو گھنٹے رہ گئے ہیں " وہ دل میں کہتا ہوا اگلی منزل کے اندر چلا گیا۔ اس کا دل اپنی محبوبہ سے ملنے کے خیال سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ اس نے خنجر کو نیام پہنا کر ایک طرف رکھ دیا۔ اور قریب ہی سے مائی را کا خط، جس پر جگنو دمک رہا تھا، اٹھایا۔

"پہلے اپنے کو دیکھو پھر دوسروں کو دیکھنا۔ پہلے اپنا مطالعہ کرلو پھر دوسروں کا مطالعہ کرنا۔ پہلے اپنے اصول آزمالو پھر دوسروں کے آزمانا۔"

(بدھی مقولہ)

قصرِ آغاز و انجام

" یہ انجام ہے جب تم اسے پڑھو گے تو میں جا چکی ہوں گی۔ اس گھر سے باہر اور تم سے دور ــــ ہمیشہ کیلئے! میرے لئے کچھ لکھنا بےحد مشکل ہے۔

میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میں نے یہ گھنٹے، دن اور ہفتے کس طرح کاٹے ہیں ــــ صرف اس گتھی کو سلجھانے کے لئے جس میں ہم تینوں ــــ تم، میرے شوہر اور میں ــــ بُری طرح الجھے ہوئے ہیں۔

یہی نہیں کہ میں سوچتی رہی...... میں روتی بھی رہی ــــ یہ معلوم کر کے کہ ہم تین نہیں بلکہ ہم میں ایک چوتھی ذات بھی شامل ہو گئی ہے۔ ایک ــــ ننھی سی جان ــــ جس کی ذمہ دار شاید عورت کی کمزوری ہے!

جب کسی طرح بھی میں کسی نتیجے پر نہ پہونچ سکی تو میں نے تین کاغذ لئے اور ایک پر تمہارا نام لکھا، دوسرے پر اپنے شوہر کا اور تیسرے پر اپنا ــــ اور تینوں کے نیچے تھوڑا تھوڑا کچھ لکھ کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتی رہی۔

جس طرح میرا شوہر...... " اس نے نہایت جرأت سے تمام باتیں لکھ دیں ــــ " اسی طرح اگر ایک عورت بھی کسی دوسرے کے ساتھ..... مگر جو کچھ ہوا کیا اس سب کی ذمہ داری اس پر آسکتی ہے؟ نہیں۔ مجھ پر!"

" اس کاغذ پر جس پر تمہارا نام درج تھا ــــ میں نے دن اور راتیں بسر کی ہیں! ــــ "

اس نے فوسا نوریکا کے متعلق شیریں اور اپنے متعلق نہایت تلخ الفاظ لکھے تھے " ــــ تو اس سب کے ذمہ دار کیا تم ہو؟ نہیں میں ــــ!"

اس کی آنکھیں رنج والم میں ڈوب گئیں اور اس نے آگے پڑھا۔

" محبت! ــــ اس عجیب وغریب دیوی نے ہم تینوں کو مختلف طریقوں سے مسحور کیا ہے۔

میرے شوہر کی محبت! ــــ اپنی بیوی کے لئے جو اسکے لئے بچے اور گھریلو زندگی پیدا کر سکے گی۔

تمہاری محبت! ــــ بہار کے پہلے پھول اور بلبل کے پہلے نغمے کی طرح ہے۔ آنسو اور حُسن! حُسن اور آنسو! اضطراب اور مسرت! مسرت اور اضطراب!۔

ــــ اور دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی محبت نہیں ہے ــــ

رہی میری تو مجھے کچھ نہیں معلوم۔ کیا ایک عورت بہ یک وقت دو طرح کی محبت کر سکتی ہے؟

کیا وہ آتشدان کے پاس بیٹھ کر نغمۂ بلبل اور گل بہار کو حاصل کر سکتی ہے؟ اگر یہ ممکن ہے تو میں نے بھی محبت کی ہوگی ورنہ میں ایک پتے کی لاش کی طرح ہوں جو ہوا کے سانس سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرے۔

قطع تعلق! شاید یہ کسی حد تک گتھی کو سلجھا سکے مگر ــــ "

اس نے اس خط کو، جس پر آنسوؤں کے دھبے پڑے ہوئے تھے، چوم لیا اور آگے پڑھا کہ اگر اس نے اپنے آپ کو مجرم سمجھتے ہوئے بھی جرم کیا کہ ہاں سے طلاق لے لی تو اس کا سکونِ قلب ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گا۔ اور اگر تم نے اُسے طلاق دیدی تو ان کی نظر میں اسکی کوئی وقعت نہ رہے گی اور اگر ایسا ہوا تو ایسی زندگی پر وہ موت کو ترجیح دیتی ہے۔

" ــــ کیا بتاؤں، میں کن مشکلات میں پھنسی ہوئی ہوں اور چونکہ کسی طرح کوئی فیصلہ میری سمجھ میں نہیں آتا اسلئے اپنے گھر جا رہی ہوں تاکہ وہاں کچھ سوچ سکوں۔

"اچھا! خدا حافظ ——"

—— خط نامکمل لفظ پر ختم ہو گیا۔

اس نے ایک کونے میں کچھ اور لکھا تھا۔

"مجھے معاف کرنا۔ شاید میں بیہوش ہو گئی تھی۔ غالباً گرمی کی وجہ سے۔ زمین میرے تلووں کے نیچے سے نکلتی معلوم ہوتی جیسے کہ پچھلے ہفتے زلزلہ آنے کی وجہ سے معلوم ہوتی تھی اور تمہیں بلانے کے لئے میں دریچے میں قرمزی روشنی رکھنے والی تھی کہ تم مجھے اپنی آغوش میں لیکر اس خوف سے محفوظ کر لو۔

"سایونارا!"

ایک کھوئی ہوئی، بھٹکی ہوئی اور بے چین و ہراساں روح کی مانند وہ باغ میں سے گذرتا ہوا قصرِ آغاز تا انجام کی طرف بھاگا۔

اثناس کے درخت بانس کی شاخوں پہ جھک کر سرگوشیاں کرنے لگے اور وہ اپنے عاشقوں کی آغوش میں چلی گئیں اور دونوں نے ملکر اسے پاگلوں کی طرح بھاگتے ہوئے دیکھا۔

چودھواں باب

"ماں باپ نے منع کیا اس لئے مجھے اپنے محبوب سے بے رخی
اختیار کرنی پڑی۔ لیکن پھر بھی میں اس کا خیال نہیں
بھول سکتی" (جاپانی نغمۂ الفت)

اوجی سان اور اوباسان، فوساتوریکا کو دیوانہ وار کمرے میں گھستے ہوئے دیکھکر ایک طرف چھپ گئے "اس کی یہ کیا کیفیت ہو گئی؟ مجھے تو اس کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہوتی" اوجی سان نے کہا۔

"اُسے اس غیر ملکی عورت سے بیحد محبت ہے جو دفعتاً اپنے کسی بیمار رشتہ دار کو دیکھنے چلی گئی ہے" اوباسان بولی۔

"اس محبت نے اس کا بُرا حال کر دیا ہے۔ ایک مہینے سے اسنے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے اور نہ نیند بھر کر سویا ہے لیکن آج صبح جب میں نے اسکو دیکھا تو اس کی آنکھیں باوجود اضمحلال کے اُمید کی جھلک سے لبریز ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ مجھے اپنے آقا سے بیحد محبت ہے اور چاہتا ہوں کہ اسکی خدمت کرتے کرتے مر جاؤں تاکہ اس سے کبھی جدا نہ ہوں" اوباسان اپنے آقا پر ترس کھاتا ہوا کہنے لگا۔

فوساتوریکا ہاتھ پھیلائے ہوئے سرنگوں بیٹھا تھا "وہ کہیں چھپ گئی ہو گی! وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتی.... آہ! یہ زرد پرچے اسکے آنسوؤں سے تر ہیں اور یہاں نچلے کونوں پر بھی آنسوؤں کے دھبے ہیں کیا

وہ رو رہی ہے؟ معبود! یہ مکان اُجڑے ہوئے مقبرے کی طرح کیوں معلوم ہوتا ہے؟" وہ چیخنے لگا "اے محبوبہ!"

ان الفاظ نے مسلط خاموشی کو اس طرح چیر دیا جیسے ایک کنکری سمندر کے پانی میں ہیجان برپا کر دیا جائے۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے کہ وہ برابر کے کمرے میں سو رہی ہے، اس نے سلک کا پردہ اٹھا دیا۔ —— وہاں کوئی بھی نہ تھا!

"اے محبوبہ!" وہ خالی بستر کو دیکھ کر نہ جانے کیوں وجد کرنے لگا "مجھے یاد ہے.... جب میں نے تمہارے رخساروں اور لبوں پر مہرِ محبت ثبت کی —— اے محبوبہ! —— جب میں نے تم کو آغوش میں لیکر سینے سے خوب بھینچا.... یہاں تک کہ تمہاری چیخ نکل گئی....."

وہ سر کو جنبش دے کر بے تحاشہ ہنسنے لگا اور بوڑھے میاں بیوی نے سرگوشی کی۔

"یہ پاگل ہو گیا ہے"

"ہاں۔ یقیناً"

"میں نے تمہاری آغوش کو اپنی سنہری گھڑیوں کے رنگین پھولوں سے بھرا اور تم مجھے چھوڑ گئیں!؟" وہ چیخنے لگا "میں نے تمہارے حسین قدموں کے لئے اپنے دل کا قالین بنایا اور تم اسکو روندتی ہوئی میرے پاس سے چلی گئیں! میں نے تم کو اپنے ساتھ محبت کی زنجیروں سے جکڑا اور تم نے ان کو توڑ دیا —— پھولوں کی پنکھڑیاں شاخوں کو ننگا چھوڑ کر گر پڑیں! میری محبوبہ چلی گئی —— مجھے تنہا چھوڑ کر!" وہ والہانہ انداز میں کہے جا رہا تھا۔

"اس کی حالت سے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے گویا کوئی اُسے قتل کر رہا ہے اور یہ قہقہے لگا رہا ہے" اوباسان نے آہستہ سے کہا۔

"کاش قسمت کے ساتوں دیوتا تیرے الفاظ، جو تو نے حماقت میں کہے ہیں، واپس کر دیں..... جانتی ہے سارا جاپان اس کی موت کے خیال سے تھرا جائے گا" وہ اپنے ہاتھ کو مشرق سے مغرب کی طرف جنبش دیتے ہوئے بولا "تاکہ طلسمِ وہم ٹوٹ جائے۔ دیکھو، ٹہلتے ہوئے ہنس رہا ہے"

"میں تمہیں اپنے پاس واپس لے آؤں گا ——" فوساتوریکا سب کچھ بھولتے ہوئے کہنے لگا "تم میرے دل میں رہتی ہو، اسلئے اس خوشبو کے دھوئیں میں میں تمہیں بلاؤں گا جسے میں نے ایک پوشیدہ جگہ چھپا رکھا ہے"

—— بوڑھے میاں بیوی چھپ چھپ کر اُس کا پیچھا کرنے لگے۔

***

"میں نے اُس طلسم آگیں خوشبو کا حال سُنا ہے جس کے
ذریعے غیر حاضر لوگوں کی رُوحیں ہمارے پاس آجاتی ہیں
کاش میرے پاس بھی وہ تھوڑی سی ہوتی تاکہ اس
وقت —— جبکہ میں رات کی تنہائی اور آتشِ فراق میں
تڑپ رہا ہوں —— اُسے جلا لیتا"

(قدیم چینی راگ)

خوشبو! درخت کی جڑمیں رکھ کر وہ قریب قریب برہنہ ہو گیا اور تھوڑا سا پانی اُس نے اپنے سر وشانوں اور آس پاس کی زمین پر چھڑکا۔ زمین بوس ہونے کے بعد وہ دُعا مانگنے لگا: "اے رُوحِ عظیم! مجھے اس دھوئیں میں اس کا عکس دکھا دے تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ وہ میرے پاس ایک نہ ایک دن واپس آجائیگی ......"

"او باسان! ۱؎" اوچی سان نے چپکے سے کہا "ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اس مقدس اور ذاتی رسم کو دیکھنے لگیں۔ تم گھر جاؤ، لیکن میں یہیں کسی درخت کے سائے میں چھپ جاؤں گا۔ کیا خبر اُسے میری کچھ ضرورت پڑ جائے"

خوشبو نے چقماق کی چنگاریوں سے ایک شعلہ پکڑ لیا اور درختوں کے تاریک جھنڈ دھوئیں سے گھر گئے۔ دھوئیں نے روحانی طور پر یا تخلیقِ خیال کی بنا پر ایک شکل اختیار کر لی۔

چاروں طرف خاموشی اور سکوت طاری تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے اور سامنے ایک عورت کی دُھندلی شکل دکھائی دینے لگی۔

"میری محبوبہ مرگئی ہے!" اُس کے دردانگیز الفاظ فضائے بسیط میں گونجنے لگے "اسکی صورت میری ماں کی سی معلوم ہوتی ہے جب موت کے وقت اُسکے چہرے پر نقاب ڈالدی گئی تھی"

"اے محبوبہ!" وہ بیروانہ وار آگے بڑھا اور قوتِ متخیلہ تخلیق میں مصروف ہو گئی "اس پردۂ جُدائی کو ہٹا دو! محبوبہ! یہ میری دُعاؤں کا جواب ہے —— تم میرے پاس واپس آرہی ہو" وہ ہاتھ بڑھائے اُس کی طرف لپکا اور شکل بالکل صاف نظر آنے لگی "نہیں!" اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ متعجب و خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا "نہیں!

—— ماں!!"

ایک دردانگیز اور خوفناک چیخ سارے میں پھیل گئی "یہ کیا ہو گیا؟ قسمت نے میرے ساتھ چال چلی ہے! اے ماں! تم چین سے آرام کرو! اس زمانے میں ہم خود اپنی مرضی کی شادی کرتے ہیں۔ میں اپنی محبوبہ کی شکل کا منتظر تھا مگر قسمت نے تمہیں بھیجدیا —— نہ جانے کیسے؟ —— مجھے ملامت کرنے کے لئے! تمہاری شرربار آنکھوں سے غصہ ٹپک رہا ہے —— میں بغیر اُسے دیکھے رات نہ گذرنے دوں گا —— جاؤ اے ماں! جاؤ، تم آرام کرو —— میں اسی رات مرجاؤں گا اگر ...."

قلبی خوف اور رُوحانی صدمے میں ڈوبا ہوا وہ قصرِ انجام کی طرف جلدی سے چلا گیا اور اوچی سان بھی جس کی ٹانگوں میں جوانی عود کر آئی تھی، جس قدر تیزی سے ممکن ہو سکا، اسی طرف بھاگنے لگا۔ وہ الماری میں سے وہ خنجرِ آبدار نکال لینا چاہتا تھا جس سے خاندان کے جدِ امجد نے "ہراکیری" کی تھی "کیا خبر اس کی نظر اس خنجر پر پڑ جائے اور وہ ....؟"

وہ ڈرتا ہوا جھیل میں سے تیر کر گنبد دار عمارت میں چڑھ گیا۔

"غیر ملکی عورت! غیر ملکی عورت! مشرق و مغرب —— دو مختلف قوموں اور رنگوں —— میں بغیر تباہی و بربادی کے اتحاد نہیں ہو سکتا!" لیکن وہ اپنے آقا پر رائے زنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

فضا المناک ہو گئی تھی۔ تمام قصرِ آغاز و انجام پر حزن چھا گیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوا مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔

فوساتوریکا کے ہاتھ میں خنجرِ آبدار چمک رہا تھا۔

پندرھواں باب

فوساتوریکا کو یہ مداخلت ناگوار گذری مگر اُس نے پھر بھی مسکرانے کی کوشش کی "کوئی تکلیف ہے؟!"

"نہیں۔ آقا" اوچی سان نے مؤدب ہو کر کہا۔

"تو پھر تم نے اپنے آقا کے سامنے آداب ہونا کب سیکھا ہے؟!"

اوچی سان وفاداری کے سیلاب میں بہا جا رہا تھا۔

فوساتوریکا اُسے دیکھ کر مُسکرایا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے چینی و اضطراب کو بھول چکا ہے اور خوش خوش یاترا کو جانے کیلئے تیار بیٹھا ہے۔ اُسنے خنجر اپنے وفادار بوڑھے کے آگے رکھدیا۔

زبان سے کچھ نہیں کہا گیا —— بوڑھا کچھ سمجھنے ہی قاصر اور حکم کا منتظر تھا۔

۱؎ مصنف: چین میں ایسی رسموں کی بہت سی مثالیں ہیں۔ صادق الخیری

اس نے بہت خاموشی سے اسکی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

"کے سٹ اگو" (اس نے اپنا ساتھی مقرر کر دیا جسکی مدد سے وہ "ہرا کیری" کرنا چاہتا تھا۔)

اسکے خیالات گردش کرنے لگے۔ وہ کسی طرح اپنے آقا کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہتا مگر اسے بولنے یا التجا کرنے یا اسکے بدلے اپنے آپ کو پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس نے بمشکل تمام آخر کہہ ہی دینا چاہا: "—آقا! یہ لو—!"

فوسانوریکا نے اپنی غمگین اور نیم وا آنکھوں سے اسکو دیکھا اور اس کی بات پوری ہونے سے پیشتر کہا: "جاپان میں وفادار ملازم کب سے اپنے آقا کو رائے سمجھانے لگے ہیں؟"

بوڑھا خاموش ہو گیا اور عاجزی سے بولا: "مجھے معاف کر دیجئے۔"

اس کا دل رو رہا تھا۔ اس نے زلزلے کے بعد سے پچیس سال سے بھی زیادہ اُن کی خدمت کی تھی۔ وہ اس کی محبت سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔

"میری محبوبہ نے مجھے چھوڑ کر" فوسانوریکا نے اپنے آپ کہا: "مجھے بتا دیا ہے کہ میں غلطی پر ہوں اور میری ماں نے مجھ پر ظاہر کر دیا ہے کہ والدین کی اطاعت سب پر افضل ہے مگر مجھ میں طاقت ہی نہیں کہ میں فرمانبرداری کر سکوں...."

وہ بوڑھے کی طرف دیکھ کر مسکرایا: "میرے ساتھ شہ نشین تک چلو۔ میں تم کو بتا دوں گا کہ اس ایک گھنٹے میں تمہیں کیا کیا کرنا ہے۔ میں خود اس عرصے میں غسل کروں گا اور سفید لباس پہنوں گا۔ مجھے ایک خط بھی لکھنا ہے.... چلو!"

اوجی سان غور سے تمام ہدایات سنکر واپس چلا گیا تاکہ اپنے آقا کو اس کے سفر میں پوری طرح مدد دے۔ شہ نشین میں جنگلے سے سہارا لیکر فوسانوریکا نے قصر آغاز کو حسرت سے دیکھا اور کہنے لگا: "معاف کرنا اے محبوبہ! گویا میں نے تمہارے دل کے دروازے پر دستک دی لیکن اس کو فرض سے مقفل پایا۔ تم پر دوسروں کے فرائض عائد ہیں اور مجھ پر شاید مرحوم ماں کے.... نتیجہ ظاہر ہے کہ محبت کا ہمارے دلوں ہی میں خون ہو گیا!"

اس نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے: "یہ میرے لئے ممکن نہیں تھا کہ میں تمہارے ساتھ رہتا اور میری ماں ہمیشہ تمہیں ملامت کرتی رہتی۔ اس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں اور چہرہ صدمے سے مغموم بنا ہوا تھا——اور میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اے محبوبہ! تمہارے لئے فرض پر محبت غالب آ گیا مگر میرے لئے محبت فرض پر غالب رہی——میں نے ایسی تجویز کی ہے کہ اس وقت کے تمام واقعات تم سے ہمیشہ چھپے رہینگے!"

اوجی سان جو چند ہدایات پوری کر کے آ گیا تھا اس کی پشت پر کھڑا ہوا غیر ملکی عورت کو دل میں برا بھلا کہنے لگا جس نے اسکے آقا کے دل پر قبضہ کر لیا تھا۔

"پیاری ابھی اس وقت میں بیس منٹ باقی ہیں جب میں سفید کپڑوں میں تمہارے پاس آؤنگا——" کہتے ہوئے وہ کمرے میں آ گیا۔

"اب آرام کرو" اس نے دیوار پر ابھرے ہوئے الفاظ کو اور ایک طرف سامان سفر تیار دیکھ کر بیٹھنے لگا۔ سامنے ایک سفید فرش کٹن پر دو لال چٹائیاں جلدی میں سلی ہوئی بچھی تھیں۔

اوجی سان خنجر کو اس کے سامنے رکھ کر سرنگوں ہوا اور بارہ قدم پیچھے ہٹ کر شمال کی طرف دیکھنے لگا۔ بوڑھے ملازم کا دل جذبات میں ڈوبا جا رہا تھا، تمام احکام کو ٹھکرا کر اس نے اپنے آقا کو آخری بار زندہ دیکھا اور پھر نظر دوسری طرف پھیر لی: "کس قدر پرسکون صورت ہے!"

مندر کی گھنٹیوں نے رات کی موت اور صبح کی پیدائش کا مژدہ سنایا۔

"تیرے قدموں پر اے محبوبہ! میں اپنی جان، تیرے ہاتھوں میں اپنا دل، اور تیرے چہرے پر اپنے لب پیش کرتا ہوں جو تجھے میری یاد دلائینگے۔" فوسانوریکا نے خنجر کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا: "مجھے تجھ سے محبت ہے۔ مندر کی گھنٹیاں بھی کہہ رہی ہیں" "مجھے تم سے محبت ہے!"

"سیوک کیو!" اس نے سرگوشی میں کہا جب کہ آخری گھنٹی دنیا میں گونجی: "اے محبوبہ!!"

رحم کی دیوی کے ہاتھوں سے خاموشی اور سکوت کی بسیط چادر چاروں طرف گر گئی۔

"اے محبوبہ!" خنجر کا خوفناک پھل اسکے مضبوط ہاتھوں میں چمکنے لگا۔ "یہی وقت ہے".... وہ چیخا اور مسکراتے ہوئے.... ایک طرف گر گیا—— مردہ! لاش!!

اور اسی وقت——پہاڑی پر تیز تیز روشنی پھیلنے لگی۔

سولھواں باب

"جب کمان پوری طاقت سے کھینچی گئی ہو تو کوئی چیز ایسی نہ [illegible] چیر نہ دے!"

(جاپانی مثل)

مائی سا خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی۔ وہ کیوٹو کو فوراً چھوڑ دینا چاہتی تھی لیکن اس وقت جبکہ وہ کوبے کی بندرگاہ سے روانہ ہونے والی تھی اُسے خیال آگیا کہ میں عنقریب ماں بننے والی ہوں۔ وہ اب اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست بھی نہیں کر سکتی تھی اور گھر جانا بھی اس کے لئے مناسب نہیں تھا ——— لوگ کیا کہیں گے!۔

صرف دو صورتیں رہ گئی تھیں۔

ایک یہ کہ تجم اپنے آپ اُسے طلاق دیدے اور وہ تمام شرمندگی اُٹھانے کے بعد اپنے محبوب کے پاس چلی جائے اور دوسری یہ کہ اس زندگی ہی کا خاتمہ کر دے۔ ان لمحات میں اُسے اپنے محبوب کا خیال آگیا جس کی محبت ہیجان برپا کئے دیتی تھی۔

موت ہی ایک آسرا رہ گیا تھا اور اسی پر وہ غور کر رہی تھی کہ خیال نے عورت کا پیغام اور شاہی تاج اس کے سامنے پیش کیا ——— اُسے ایک دوسری زندگی کے تحفظ کیلئے جد و جہد کرنی تھی!!۔

"میرا راز میرا ہے۔ میرے افعال میرے ہیں ——— میرا بچہ میرا ہے!" ——— اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دور کسی اُمید کی جھلملاتی شمع دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی: "مجھے نہیں معلوم تھا کہ محبت یہ صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ بچہ! محبت کا صرف ایک حصہ ہوتا ہے ——— پھول کی پنکھڑی کی طرح! مجھے کیا خبر تھی کہ بچہ خود ہی محبت کی دوسری شکل ہے ——— جس کا وجود بیچارگی میں یقینی ہے ——— میں ضرور کیوٹو واپس چلی جاؤں گی تاکہ وہ میرے بچے کا نام تجویز کر دے۔"

اس نے اپنے محبوب کے پاس واپس جانے کا اور خود کو تجم کے رحم پر چھوڑ دینے کا قصد کر لیا کہ شاید وہ اُسے وقت سے پیشتر طلاق دیدے۔

"میرا بچہ!" اُس نے دل میں کہا "میرے رخساروں پر اپنی معصوم انگلیاں رکھا کرے گا! ننھے ننھے ہاتھ! ننھے ننھے پاؤں!" وہ محبت کی اس تشکیل پر فخر کرنے لگی اور اس نے ارادہ کر لیا کہ اس کی خاطر وہ سب کچھ برداشت کر سکے گی۔

وہ قصر آغاز میں واپس آگئی اور تاریک کمرے میں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

اُس نے ملازموں کو آواز دی۔

لیکن اونچی سان تک آواز نہیں جا سکتی تھی۔ [illegible] اپنے آقا کی آخری خدمت انجام دے رہا تھا۔

ایک بوڑھی بیوی بھی نہیں آسکتی تھی ——— وہ معبود ترحم کے آگے سرنگوں ہو کر التجا کر رہی تھی۔

"شاید وہ یاترا کرنے چلے گئے ہیں" اس نے سوچا اور کاغذی دریچے کو دیکھ کر خود بخود کہنے لگی "اے جسم کے پار ہونے والی ہوا! اُن سوراخوں کی مرہون منت ہے جو معصوم انگلیاں کاغذی دریچوں میں کر دیتی ہیں"

ماں بننے کے خیال نے اس کی ندامت کو بھلا دیا اور وہ کہنے لگی "مجھے کسی مردانگی ضرورت نہیں مگر اپنے بچے کا نام رکھنے کے لئے میں سب کچھ کر لوں گی ...... مجھے کسی مرد کی ......"

مندر کی گھنٹیوں نے اُسکے الفاظ روک دیئے۔

"اپنے بچے کی خاطر، اُسے بلانے کیلئے میں دریچے میں قرمزی روشنی کر دوں گی" اس نے لیمپ پر سُرخ شیڈ رکھتے ہوئے کہا "وہ ——— عین انتظار میں ہوگا ——— اس نے میرے خط پر شاید ہی یقین کیا ہو"

دریچے میں سُرخ روشنی ہو گئی! ——— ٹھیک اُس وقت جبکہ فوسانوریکا نے موت کو گلے لگایا!۔

"بہت سے پھول کھلتے اور مُرجھا جاتے ہیں! دیکھو! ہوا ان کی
پنکھڑیاں اِدھر اُدھر بکھیر دیتی ہے"

(جاپانی نغمہ)

ایک گھنٹہ گذر گیا۔

گنبد دار عمارت پر نظر جمائے وہ آہٹ کی منتظر تھی لیکن رات کی خاموشی اور تاریکی میں کوئی حرکت نظر نہ آتی تھی "اُس نے میرا خط پڑھ لیا ہوگا اس لئے، شاید وہ مجھے واپس لانے کے لئے کوبے گیا ہوا ہے ——— شاید وہ واپس ہی نہ آئے" اس کا دل کسی خوف سے تھرا اُٹھا "اگر اُسے میرے خط پر یقین آگیا تو ممکن ہے وہ کبھی واپس نہ آئے! نہیں۔ اے خدا!" وہ کسی خیال سے لرز گئی "ایسا نہ ہوا ..... اب جبکہ مجھے اسکی ضرورت ہے"

"شاید اُسے خط ملا ہی نہ ہو!" وہ اپنے خوف کی تردید کرنے لگی۔ "ممکن ہے وہ انتظار کی گھڑیاں کاٹنے کہیں گیا ہوا ہو اسلئے اگر میں وہاں جا کر وہ خط اُٹھا لوں تو معاملات درہم برہم ہی نہ ہونگے"

سراوغو کا کہتے ہی اُس نے دالان میں ایک سایہ دیکھا۔ اُسنے ہاتھ پھیلا دیئے مگر فوراً ہی اُن کو گرانا پڑا۔

"کیا ہے؟" اوجی سان کو دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا۔ اُس کے سپید لباس، پیٹی میں چمکدار خنجر اور آنکھوں میں شعلہ سفری دیکھ کر اُسے ڈر لگنے لگا۔

"کیا ہے؟" اس نے ہانپتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

بوڑھا مؤدب ہو گیا "آقا آپ کو گنبد دار عمارت میں یاد کرتے ہیں!" اُس نے جھوٹ بولا اور اس کے جھکے ہوئے سر نے صدمے اور نفرت کو مستور کر لیا۔

"کیا وہ علیل ہیں؟"

اوجی سان مؤدب رہا "میرا کام صرف آقا کا پیغام پہنچا دینا ہے" اس نے ایک طرف ہوتے ہوئے کہا اور مائی را کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔

گنبد دار عمارت پر سکون اور سکوت چھایا ہوا تھا۔

اس نے زینے پر چڑھ کر دروازے میں سے بانس کے شمعدان پر ایک شمع جلتی ہوئی دیکھی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیرت زدہ ہو کر بولی "کیا ہو گیا؟" اُس نے بوڑھے کا بازو ہلا کر پوچھا "مجھے بتاؤ یہاں کیا ہوا ہے؟"

اوجی سان مسکرایا لیکن مائی را جاپان کی اس مسکراہٹ کا مفہوم بھول کر مطمئن ہو گئی۔

"آقا آرام کر رہے ہیں!" اُس نے ہاتھ جوڑے اور نظریں نیچی کئے ہوئے کہا "وہ جسم سے باہر تھے" اُس نے اس کی طرف یکبارگی دیکھا۔ اس کی باوفا آنکھوں میں حقارت ہویدا تھی اور اس کا شکستہ دل انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس سفید فام عورت نے اسکے مالک کو نہ صرف اس سے جدا کر دیا تھا بلکہ کھلے ہوئے پھول کی طرح اسکی جوانی کو اپنے پاؤں سے روند ڈالا۔

بہرحال اُس نے اپنے محبوب آقا سے اسکی ہدایات پوری کرنیکا وعدہ کیا تھا لیکن ———

اس سے پیشتر وہ اس غیر ملکی عورت کے دل کو رنج والم کے نشتروں سے گود دینا چاہتا تھا تاکہ اس کی حسرت ہمیشہ داغدار رہے۔

اس کا آقا مر چکا تھا۔

مائی را ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ سفید فام لوٹن پر کوئی شخص سفید کپڑے پہنے لیٹا ہوا تھا۔ اس پر ہلکی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی اور سرہانے دو شمعیں اور پائینتوں ایک شمع ماتم کناں تھی۔

"شمعیں موت کی نشانی ہیں" اُس نے تہذیبی لہجے میں دُہرایا۔ "شمعیں موت کی نشانی ہیں"

وہ پیچھے مُڑی۔ بوڑھا دروازے کے کھڑا ہوا تھا اور اُس کی آنکھوں سے تحقیر ٹپک رہی تھی "اندر جا کر دیکھئے!"

وہ اندر چلی گئی۔ کمرے میں خوف و ہراس چھایا ہوا تھا اور اس کے قریب ——— سفید لباس میں کوئی لیٹا ہوا! سرہانے دو شمعیں اور پائینتوں ایک!

اس کے محبوب کی لاش!

وہ سُرخ چٹائیوں کو جلدی میں سی کر اس کی آرامگاہ بنایا گیا تھا اور ایک ریشمی چادر اس کی کمر تک لپٹی ہوئی تھی اور بڑی بڑی سفید آستینیں رسم کے مطابق اسکے دونوں جانب پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی خواب آلود اور نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مُردہ! منتظر! وہ مردہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ پھیلاتے "اے محبوب!" ——— آخرکار اُس نے اس کے لئے لفظ تخاطب معلوم کر ہی لیا۔ وہ مُردہ نہیں تھا! وہ مُسکرا رہا تھا! اس نے اپنا نام سُن لیا تھا! وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے خوبصورت اور پُرسکون چہرے کو دیکھنے لگی۔ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ! جاپان کی پُرفسوں مسکراہٹ! قربانی کے دُکھ کو چھپانے کیلئے ——— قرمزی روشنی سے تعلی انجان جو انقباضِ روح کے وقت نمودار ہوئی ——— وہ مسکرا رہا تھا۔

فراست بیدار ہو گئی اور اُس نے سرد اور سخت شے محسوس کی "اے معبود!" اس کی زبان سے نکلا "ایسا نہ ہو!" ——— وہ کانپنے لگی جب اُس نے خنجر کو چمکتے ہوئے دیکھا "یہ! سُرخ چٹائیاں! اور تین شمعیں! ——— میں نے پڑھا تھا یا کسی نے بتایا تھا ——— کہیں اس نے ——— ! اے خدا! یہ بچّہ! اُس کا! ——— میرا! ——— وہ ہراکیری نہیں کر سکتا!"

وہ اُس سے لپٹ کر ہر اُس نام سے اُسے پکارنے لگی جو محبت تجویز کر دیتی ہے۔

اسکے ہاتھ اس کے سینے پر رکھے ہوئے تھے اور انگلیوں میں کوئی چیز چمک رہی تھی جس میں کاغذ کا ایک پُرزہ اڑسا ہوا تھا۔

اُس نے اپنے محبت کی طرف دیکھا۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

آہستہ سے اُس نے انگشتری اتار لی ——— اس ہاتھ میں سے

جس نے اُس کے جسم سے بارہا مس کیا تھا ــــــ اور کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ کو دھندلی روشنی میں پڑھا۔

"تمہارے نام اے محبوب!"

پشت پر لکھا ہوا تھا۔

"سایونارا ــــــ یہی انجام ہونا تھا!"

اور ایک کونے میں ایک تصویر بنی ہوئی تھی ــــــ ایک ناشگفتہ کنول! ایک بڑا بھونرا! جاپانی بھونرا! جس کا ایک بازو ٹوٹ گیا تھا۔ ــــــ یہ فوسانوریکا کے ہاتھ کی آخری تصویر تھی! اس شہرۂ آفاق مصوّر کی جس کے نام کا ترجمہ ہے "مرغزار رُوحانی پھولوں سے لہلہا رہے ہیں"

شکستہ دل بوڑھا ملازم کپڑوں کی جوتیاں پہنے ہوئے آہستہ سے باہر چلا گیا اور مائی را نے اپنے محبّ کے آگے ہاتھ پھیلا دیے۔ انگشتری اُس کے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔ اُسے اپنا وعدہ یاد آگیا کہ وہ اسکی انگشتری کو ہمیشہ پہنے رہے گی ــــــ "میں تمہیں کچھ نہیں پیش کرسکتی" اس نے سرگوشی میں کہا "میرے پاس تمہاری کوئی شے نہیں ہے جسے اپنے سینے سے اُس وقت تک لگائے رکھوں جب تک میں تمہارے پاس آؤں ..... سوائے ــــــ تمہارے بچے کے!"

اُس نے سخت سرد اور چمکدار خنجر سے اپنے سر کا ایک بال کاٹ کر اپنی اُنگلی میں لپیٹ لیا اور اُداس ہنسی کے ساتھ خنجر کو جھیل میں پھینکدیا۔

اس نے اُسے محبت اور الم سے دیکھا ــــــ وہ سو رہا تھا! وہ سو رہا تھا! مسکراتا ہوا! پُرسکون! خاموش!۔

"سوک کیو!"

اُس نے بلند آواز سے کہا اور دروازے میں سے باہر جاتے ہوئے اُسے مُڑ کر دیکھا۔

شمعوں کے شعلے رقص کُناں تھے اور وہ سفید بستر پر لیٹا ہوا اُسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ خوبصورت! جوان! مطمئن! وہ ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کی طرف دوڑی "اب آرام کرو" اُس نے پیار اور بیچارگی سے کہا اور اسکی آنکھوں کو چوم کر واپس چلی آئی۔

بوڑھا ملازم خاموشی سے اس کے ساتھ پہاڑی کی بلندی تک گیا اور جب وہ مکان کے اندر چلی گئی ــــــ تو وہ واپس آگیا۔

وہ گنبد دار عمارت میں داخل ہوتے ہوئے کہنے لگا "اب جبکہ وہ مرگیا ہے میری محبت لامحدود ہوگئی ہے اسلئے میں اپنی روحوں میں اُسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا"

دُبلے پاؤں اور خاموشی سے وہ فوسانوریکا کی لاش تک پہونچ گیا جہاں تین شمعیں، سرہانے اور پائنتیوں موت کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں۔

"یہ بڑی عزت ہے!" اُس نے اپنا سفید سوتی لباس دیکھتے ہوئے کہا "اپنے آقا کی ہمراہی ملازم کی سب سے بڑی عزت ہے"

اپنے آقا کے قدموں پر جھک کر اس نے شمال کی طرف دیکھا جہاں فوسانوریکا نے اپنے وفادار ملازم کے پھیلے ہوئے ہاتھ دیکھ کر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔

"او۔ موکائی ــــــ گوواسیر ــــــ آمی وا۔ ساما!"

(اے دائمی آقا! اپنے غلام کو بُلا لے)

اور چمکدار خنجر باوفا دل میں پیوست ہوگیا۔

سترھواں باب

"اس کی محبوبیت میری زندگی اجیرن کئے دیتی ہے!

آہ! یہ متلوّن زمانہ ہی جہانِ رنج والم ہے!!"

(جاپانی نغمۂ الفت)

مائی را جم کے خطوط کو بغیر پڑھے ہوئے جلا دینا چاہتی تھی "الٰہی" اُس نے اپنے ہاتھ میں اِن خطوط کو دیکھتے ہوئے کہا "میرا راز میرا ہے۔ کاش یہ میرا ہی رہے تاکہ ــــــ جم اس سے کبھی واقف نہ ہو"

وہ باہر چلی گئی "کاش میں نے جم سے وہ شرط ہی نہ کی ہوتی" وہ مایوسی میں کہنے لگی۔

"اوباسان!" اُسنے اپنی خادمہ کو کئی بار آواز دی۔

بوڑھی عورت نے اُسے دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی تاکہ وہ بڑھاپے کے غم کو چھپا لے اور سرنگوں ہوگئی "سان! مہربانی فرماکر مجھے ایک گھنٹے کی مہلت دیجیے"

اُسے اجازت دیتے ہی بنی۔

اُس نے کمرے میں روشنی کردی اور خود بخود اس کی نظر جم کے ایک تازہ خط پر جا پڑی جو ایک ہفتے پیشتر ٹوکیو سے بھیجا گیا تھا "اس خط کے پڑھنے سے مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوسکتا" اس نے دل میں کہا "اوباسان کے آنے تک ذرا وقت کٹ جائیگا"

"میڈونا ــــــ

مجھے یاد ہے کہ میں نے تمہیں خود ہی جواب دینے کے لئے منع کر دیا تھا مگر اس کو عرصہ گذرا اور میں اب تک تمہیں بے شمار خطوط لکھ چکا ہوں۔

.....مجھے یقین کامل ہے کہ تم نے اوہاراسان کی افواہ پر کوئی توجہ نہیں دی ہوگی۔ جیسا کہ میں نے تمہیں لکھا تھا کہ میری ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ہے.....

"ٹانگ ٹوٹ گئی!؟" اسکے مُنہ سے بے ساختہ نکلا اور اُس نے بے چین ہوکر جلدی سے سارا خط پڑھ لیا۔

".......ڈاکٹروں کی مدد سے اب روبصحت ہوں۔ ٹانگ جُڑ تو گئی مگر کچھ عرصے تک مجھے بیساکھی استعمال کرنی پڑیگی۔ کیا تمہیں یہ سُنکر معلوم ہوگا؟ ـــــ ہونا تو چاہیئے ـــــ کہ تمہارا شوہر لنگڑا ہوگیا۔

میں بے حد دُبلا ہوگیا ہوں ـــــ تکلیف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ میری خوبصورت دُلہن کی مجھے عرصے سے کوئی خبر معلوم نہیں۔

میں تمہارے پاس جلد آرہا ہوں۔ میری پیاری محبوبہ! عصمت مآب! خوبصورت!۔

چاہے کتنے ہی زلزلے آجائیں اور کتنے ہی سیلاب بستیوں کو اُجاڑ دیں! مجھکو کوئی بھی اب تمہارے پاس آنے سے نہ روک سکے گا۔

میں بیحد خوش ہوں۔ اس قدر کہ شاید چیخنے لگوں کیونکہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میں تمہارے پاس آجاؤں گا اور شاید تھوڑے عرصے بعد ـــــ میرا دل اس خیال سے بلیوں اُچھلنے لگتا ہے کہ ـــــ میں تمہاری گود میں ایک بچّہ دیکھوں گا ـــــ لڑکا یا لڑکی! سنہرے بال یا سیاہ!

میں بہت جلد تمہارے پاس آکر تمہیں اپنے سینے سے لگالونگا' چپٹالونگا' بھینچوں گا' یہاں تک کہ فراق اور تنہائی ہمیشہ کے لئے معدوم ہوجائیں"

سورج طلوع ہوتا ہے ـــــ غروب ہونے کیلئے!
چاند روشن ہوتا ہے ـــــ زرد ہونے کیلئے!
اور انسانی طاقت اور اعزاز توان سے کہیں زیادہ کم ہیں!
(بدھی مقولہ)

"معبود اَجم کو ہرگز علم نہ ہو کہ میں اُس کی امانت محفوظ نہ رکھ سکی" اُس نے روتے ہوئے دُعا مانگی" وہ اس وقت تک یہاں نہ آئے جب تک ـــــ خُدا جانے ـــــ قانون ـــــ پولس ـــــ اور گنبدوار عبادت[illegible]ـــ

تھوڑے فاصلے پر آوازیں سُنائی دینے لگیں۔

"شاید پولس!؟" وہ گھبرا کر کہنے لگی" کسی نے مُطلع کردیا؟!"

آوازیں قریب تر آتی گئیں۔ وہ لوگ کیا باتیں کر رہے ہونگے؟ اُسے علم تھا۔ وہ اُسے گرفتار کرنے آرہے تھے؟ جاپان میں عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ خاص کر ایک مشتبہ انگریز عورت کے ساتھ!۔

آوازیں بالکل قریب آگئیں۔

کوئی شخص دروازے کے باہر کھڑا تھا ـــــ انگریزی کپڑوں میں۔!

طویل قد! وہ اُس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اس کی نگاہ اس پر سے ہٹی ہوئی تھی۔

وہ دوسری طرف کیوں دیکھ رہا تھا ـــــ جبکہ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔؟۔

اُس کے ہاتھ! ـــــ ایسے ہاتھوں کو اُس نے کئی مرتبہ دیکھا تھا۔ اُس کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اُسکی نگاہ ذرا اونچی ہوئی تھی۔

وہ اُسے پہچان گئی۔ وہ اُسے جانتی تھی۔

اُس نے دوسری روشنی جلادی مگر اس شخص نے کوئی حرکت نہیں کی۔ ایک شیریں لفظ نے خاموشی کو توڑا" میڈونا!"

سکوت۔

"میڈونا! اگر تم یہاں ہو تو میرے پاس آجاؤ ـــــ مجھے دکھائی نہیں دیتا"

وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی" کیا ہوا اَجم؟ مجھے بتاؤ! یہ کیا ہوا!؟" وہ اس کی سسکیوں کو اپنی آواز سے دباتی ہوئی بولی" کیا ہوا اَجم؟ مجھے بتادو نا؟"

"قسم کھاؤ کہ میرے بتانے سے تم بدلوگی نہیں ـــــ قسم کھاؤ"

اَجم نے اُسے بھینچتے ہوئے کہا" میڈونا!" وہ رُک گیا اور اسکی آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے۔

"خدارا مجھے بتادو! ہوا کیا؟" وہ والہانہ انداز میں بولی۔

"میڈونا! میری میڈونا! کیا تم نہیں سمجھیں! ـــــ میں بصارت کھو چکا ہوں"

اس نے اُسکے رخساروں کو' آنکھوں کو اور سفید بالوں کو محبت سے چوما اور اسکے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔

وہ رونے لگی ـــــ اس کا دل رونے لگا۔

جَم نے اُسے اپنی تمام کہانی سُنا دی اور اس کا انجام بھی جبکہ زلزلے میں ایک مکان کے گرنے سے اُس کی آنکھیں ضائع ہو گئیں۔

ـــــ میڈونا کا سر ندامت سے جُھکا ہوا تھا ـــــ وہ جھیل میں کود جانا چاہتی تھی مگر اس کا انجام؟ نابینا شوہر کو بھی خودکشی کرنی پڑے گی اور ایک دن عدالت کے سامنے اُسے ان دو شخصوں کا مجرم بننا پڑے گا جو اس کی محبت میں زندگی سے محروم ہو گئے۔ اور اگر وہ اس ارادے سے باز ہی تو اُس کے شوہر کی بدنامی؟ کون جانے اپنی محبت اور امانت پامال ہونے کی خبر سُنکر اس کا کیا حال ہو! بے بس! بے بصر! ـ وہ اسکے شانے پر سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

"کیا ہے میڈونا؟" اس نے پیار سے پوچھا۔

"کہہ دو!" شرافت نے سرگوشی کی۔

لیکن محبت نے شرافت کے لبوں پر انگلی رکھدی۔

"اپنے آپ کو اس کے رحم پر چھوڑ دو! ـــــ تمہیں اقرار کر لینا چاہیے!" شرافت اصرار کرنے لگی۔

جَم نے اسکے لبوں کو چومتے ہوئے کہا "مجھے تم سے محبت ہے!" اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنی بیوی سے صحیح معنوں میں اظہار عشق کیا تھا۔ "تم میری ہو ـــــ اگر تم مجھ اندھے اور لنگڑے کو قبول کرو"

ایک نے دوسرے کے لبوں پر مُہر اُلفت ثبت کر دی۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تمہارے دل کی گہرائی میں میری محبت کی شمع جھلملا رہی ہے"

اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اس وقت سے ڈر رہی تھی جب لوگ انہیں گھیر لیں گے اور اس کا راز طشت از بام ہو جائیگا...... وہ یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی۔

شرافت نے فتح پالی اور اس نے اپنے راز کو اس پر ظاہر کرنیکا فیصلہ کر لیا۔

اٹھارھواں باب

"میں اب ضبط نہیں کر سکتی۔ مجھے تمہیں بتا دینا ہی پڑیگا" مائی را اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپتے ہوئے بولی۔

"میں کچھ نہیں سُنوں گا میڈونا!" جَم اُسے اپنے بازوؤں کی گرفت میں لیتے ہوئے کہنے لگا "تاوقتیکہ تم مجھ سے یہ نہ کہو "میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ کہو! اگر تم نہیں چاہتیں کہ میں ـــــ ..!" تو یہ کہہ دو!"

"جَم! پیارے جَم! سُن تو لو ـــــ"

"پہلے یہ کہو! ـــــ"

اُس نے اُس کے سفید بالوں، اُداس آنکھوں اور غمناک چہرے پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور سسکیاں لینے لگی۔ وہ ملکہ اب اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی بلکہ اس کی خاطر ہر ذلت برداشت کرنے کیلئے بھی تیار تھی۔ اس کا دل اس کے لئے دائمی اور گہری محبت سے لبریز ہو گیا۔ ـــــ اور اتنی ہی ندامت سے! اتنے ہی رنج سے! "میں تم سے محبت کرتی ہوں جَم!" اس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

وہ اس سے ذرا دور کھڑی ہو کر دریچے میں سے باہر دیکھنے لگی ـــــ بھڑکتے ہوئے شعلے گنبد دار عمارت سے بلند ہو رہے تھے اور اسکے محبوب کی چتا سنہری لپٹوں میں جل رہی تھی۔

اوباسان نے اپنے بوڑھے شوہر کی، جو اپنے آقا کے قدموں پر ابدی نیند سو رہا تھا، تمام ہدایات پوری کر کے تیل چھڑکے ہوئے ایک کپڑے کو دم بدم تیز ہوتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا۔ اور مائی را کے پاس چلی آئی۔

"میڈونا!"

مائی را نے جَم کی دُکھ بھری پکار سُنی جو کوئی دم میں دیوار سے ٹکرانے والا تھا۔ اس کے بیکس و مجبور ہاتھ راستہ معلوم کر رہے تھے۔ وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"مجھے راستہ معلوم نہیں" اُس نے کہا "مجھے افسوس ہے تمہیں میری وجہ سے اس قدر تکلیف ہوئی۔ میں ـــــ میں ـــــ اب جا رہا ہوں" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے "مجھے اپنی میڈونا پیاری ـــــ گُلِ سوسن ـــــ کو لہلہاتا رکھنا چاہیے۔ پھول بغیر دھوپ کے نہیں کھلے رہ سکتے"

اُس نے اُسکے بالوں پر اپنا رُخسار رکھدیا۔ اور تمام دنیا یکلخت متوجہ ہو گئی جب اُس نے سوال کیا "کیا پھول بغیر دھوپ کے زندہ رہ سکتے ہیں؟ ـــــ کیوں میڈونا؟"

"جَم ـــــ پیارے جَم! ـــــ" اس کی قوتِ گویائی نے جواب دیدیا۔ سامنے کے دروازے میں اوباسان مؤدب کھڑی ہوئی تھی اور اسکے پیچھے یاما ؤتو اپنے نابینا آقا کو دیکھ رہا تھا۔ جس و حرکت! خاموش!۔

مائی را نے دونوں کو دیکھا۔ بوڑھی عورت سب کچھ جانتی تھی اسکا کلیجہ دھک سے رہ گیا اور اسی وقت گنبد دار عمارت کی چھت ایک زبردست

دھماکے کے ساتھ نیچے گر پڑی۔

"یہ کیا ہے میڈونا!" جم نے گویا اُسے اپنی حفاظت میں لے لیا۔

"اس دھماکے کی آواز ایسی ہی ہے جیسی کہ ہم نے زلزلے سے پہلے سنی تھی۔"

اس نے جم کے ہاتھ مضبوط پکڑ لئے اور بصد دقت بولنے کی کوشش کرتے ہوئے قریب کے اس راستے پر پھلانگ رکھا جس پر اُسے تمام عمر چلنا تھا۔ "وہاں آگ لگ گئی تھی۔" وہ یار ماؤتھ کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی، جو انگریزی بول سکتا تھا۔ "شاید یار ماؤتھ اسی کے متعلق کچھ کہنے آیا ہے، جھیل کے اس کنارے پر ایک گیدر دار عمارت تھی، یہ جل گئی ہے؟"

"اس میں کوئی شخص تو نہیں تھا؟" اس نے فوراً ہی پوچھا۔

وقت آگیا تھا۔ وہ ابتداء ان دونوں سے کرنی چاہتی تھی۔

"اوباسان کو کس قدر معلوم ہے؟" اس نے یار ماؤتھ کو کہاں تک اس راز سے آگاہ کر رہا ہے؟ وہ بوڑھا شخص کہاں ہے جو مجھ سے نفرت کرتا تھا اور جسے اپنے آقا کی موت کا تمام حال معلوم ہے؟" وہ کچھ دیر اسی کشمکش میں مبتلا رہی۔

"یار ماؤتھ!" اس نے کہا۔ "چونکہ میں جاپانی اچھی طرح نہیں جانتی، تم اوباسان سے پوچھو کہ کیا ہوا ہے اور کسی کو گزند تو نہیں پہنچی؟"

اوباسان کے بوڑھے شوہر نے، جو اپنے آقا کے پاس تھا اُٹر سے ایک وعدہ لے لیا تھا۔ وہ مائی را کو جس پر موت کی سی زردی چھائی ہوئی تھی، بتا دینا چاہتی تھی کہ اس کا راز ہمیشہ اسکے سینے میں رہیگا اسکی خواہش تھی کہ وہ مرتے دم تک اسکی خدمت کرے ——— اسکے بچے کی ——— اپنے مرحوم آقا کی نشانی کی۔

"اوجی سان ایک طویل سفر پر گئی ہوئی ہے"! یار ماؤتھ نے، جو جاپانی زبان سے قطعی انجان تھا، ترجمہ کیا اور اوباسان اپنے دُکھ کو چھپانے کیلئے مسکرانے لگی۔

مائی را نے ایک بیقرار جنبش کی "...... جم! میرا بوڑھا ملازم اوجی سان ...... !"

اوجی سان کی ہدایت کے مطابق اوباسان نے یار ماؤتھ سے ترجمہ کرنے کے لئے کہا۔ "بجلی کے تاروں سے کس طرح آگ لگ گئی اور اوجی سان جب اُسے بجھانے کے لئے لپکا تو وہ بھی اسکی نذر ہوگیا۔"

"کس قدر افسوسناک ہے! کوئی اور تو نہیں ......؟" جم نے رنج کرتے ہوئے کہا۔

اس نے نابینا شوہر کی طرف دیکھا جو دوسروں سے بہت تعلق رکھتا تھا اور اوباسان کے سامنے کھڑی ہوگئی جو اسکے خیال میں اب سب کچھ جانتی تھی۔ اوباسان اُسے کسی طرح افسردہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ شخص اس کا شوہر ہے لیکن اس کے حالات پر وہ نکتہ چینی نہیں کر سکتی تھی۔ مائی را ——— حسین، جوان، خاموش ——— نابینا شخص کے آگے کھڑی تھی ——— ایک طرف زندگی! دوسری طرف ندامت! اور سامنے ابدی محبت!

"کسی اور کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔" یار ماؤتھ نے ترجمہ کیا۔

"وہاں صرف تمام ریشمی ہوئی چٹائیاں رکھی ہوئی تھیں۔" اوباسان سر جھکائے کہتی رہی: "کیونکہ میں جاپانی جانتی ہوں اور اوجی سان کی عدم موجودگی میں، میں ہی ذمہ دار ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو جب دن چڑھے سرکاری تفتیش کی جائے، میں اُن لوگوں سے سب کچھ کہدوں ———"

یار ماؤتھ ترجمہ کرتا رہا: "کیا آپ میرے حال پر رحم کرکے مجھے اجازت دیں گی کہ جب تک زندہ ہوں آپ کی اور آپ کے بچے کی خدمت کرتی رہوں ———"

ایک لمحہ تک دونوں عورتیں جو زندگی اور موت کے راز سے یکساں واقف تھیں، ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ اور مائی را نے یار ماؤتھ سے کہا "اوباسان سے کہدو مجھے اُسے اپنے پاس رکھ کر بڑی مسرت ہوگی۔"

اوباسان اور یار ماؤتھ جو اس راز سے قطعی واقف نہیں تھا، دونوں اسکے آگے جھکے اور دروازہ بند کرکے چلے گئے۔

"کیا اب ہم اکیلے ہیں؟" جم نے آہستہ سے کہا۔

مائی را کے قلب میں ارتعاش پیدا ہوگیا۔ "ہاں پیارے!" اُسنے کہا اور اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے ——— "اور صبح ہو رہی ہے!"

اُسنے اُسکے بالوں پر اپنے لب رکھدئے اور خاموش کھڑی رہی ——— اسکے سفید چہرے پر رنگ تبدیل ہو رہے تھے۔ جم نے اسکی انگلی پر دفعتاً انگشتری محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "انگشتری! میڈونا؟"

اس نے کھلی ہوئی شوخی میں سے دیکھا۔ اس کے محبت کی چتا راکھ ہوچکی تھی۔ "میرے خالہ زاد بھائی کی ہے ——— ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

اس نے اس کے سینے میں اپنا چہرہ چھپالیا۔ وہ اپنے آپکو جاپانی کہتا تھا۔ کسی جاپانی نے اسکو زلزلے کے بعد منہدم عم[illegible] میں زندہ پایا ہو[illegible]ں نے اس کی پرورش جاپانیوں کی طرح کی لیکن اصلیت اس پر کبھی ظاہر نہ ہوسکی۔ انگشتری پر ہمارا خاندانی نشان کندہ ہے۔" اس کے رخساروں پر آنسوؤں کے قطرے ڈھلکنے لگے۔ "شاید میری خالہ کی" اماہ" نے ..... ایسا کیا ہوگا۔"

آنسوؤں سے بے خبر کیلنگ ہان خود بخود مسکرانے لگا۔ "معلوم کرکے اسے بڑی خوشی ہوئی کہ عدم موجودگی میں بھی کوئی مائی را کو دیکھنے والا موجود تھا۔ جب تم نے اُسے بتایا ہوگا تو اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی ہوگی؟"

مائی را کانپ گئی "میں نے اُسے کبھی نہیں بتایا، جم! میں ٹالتی رہی۔ وہ اپنے آپ کو اس قدر جاپانی سمجھتا تھا اور اس پر فخر کرتا تھا"

"تھا!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

گنبد دار عمارت پر دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ مائی را نے اپنی آنکھیں بند کرلیں "وہ مرچکا ہے، پیارے! ــــ ایک حادثہ ہوگیا تھا" وہ اس کے سینے سے لگ گئی "میں تم سے محبت کرتی ہوں" اُس نے سرگوشی میں کہا "میں ــــ" اس کا چہرہ موت کی طرح سفید پڑ گیا اور پاؤں تلے کی زمین کھسکتی ہوئی معلوم ہوئی "مجھے پکڑلو جم! خدارا مجھے پکڑلو ــــ میں اب تمہیں کبھی تنہا نہ چھوڑوں گی ــــ میں تم سے محبت کرتی ہوں" اس کی روح لرزنے لگی اور وہ بیہوش ہوکر جم کیلنگ ہان کے قدموں پر گر پڑی۔

پہاڑی پر مندر کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور کائنات زندگی شیریں محبت اور المناک یاد سے رنگین ہوگئی۔

+ + +

صادق الخیری۔ بی۔ اے دہلوی

نجم السحر

از

جناب مولوی عنایت اللہ بی۔ اے۔ سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد۔ (دکن)

اس کتاب کے چند باب ساقی میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں اور اس قدر پسند کئے گئے ہیں کہ وہ پرچے اب دفتر ساقی میں فائل کیلئے بھی باقی نہیں ہیں۔ شائقین کے اصرار سے پوری کتاب بصرف زر کثیر شائع کی گئی ہے اور ہاتھوں ہاتھ لی جارہی ہے۔ جن حضرات نے رائڈر ہیگرڈ کی مشہور کتابیں "عذرا" (She) اور "عذرا کی واپسی" (She's Return) پڑھی ہیں جانتے ہیں کہ یہ مصنف قدیم سے قدیم تہذیب و معاشرت کو صحت کے ساتھ پیش کرنے میں کسقدر مہارت رکھتا ہے۔ "نجم السحر" اسی مصنف کا شہ پارہ ہے جس میں اس نے مصر قدیم یعنی آج سے کم از کم پانچہزار سال پہلے کی ایسی عمدہ تصویر پیش کی ہے کہ اُس زمانے کی ایک ایک بات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ فراعنہ مصر کے عالیشان محلوں کی شان و شوکت، اُن کا طرز حکومت، ان کا طرز عبادت، ان کا طرز مبارزت، غرض رزم و بزم کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس پر خاطر خواہ روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ پھر ان شاہی ایوانوں میں حسن و عشق کا پروان چڑھنا، محبت کی شیرینی، رقابت کی آتش ناکی اور ہجر و فراق کی جگر خراشی و دل پاشی! اس مٹے ہوئے تمدن اور اس مٹی ہوئی انسانیت کی بولتی چالتی تصویر آپ کو اپنے محیر العقول مناظر میں گم کردیگی۔ دربار کے پُر شکوہ سین آپ کو محو کردیں گے سحر کی کرشمہ سازیاں دیکھ کر آپ دنگ رہ جائیں گے۔ ملکہ نیفرطیہ (جو رت عمون کی بیٹی تھی) کیسی کیسی افتادیں پڑیں اور اس کی عجیب و غریب ہمزادنے کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے۔ اُمون نجومی کی سحر طرازی، تُوران کے [illegible] نجم السحر کی فراست و استقامت، ساحرہ آشتی کی وفاداری، غرض ہر کردار اپنی جگہ پر ایک عجوبہ ہے۔ یہ کتاب اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے انگریزی میں بہت مشہور ہو چکی ہے۔ ہندوستان کے بہترین مترجم جناب عنایت اللہ دہلوی بی۔ اے نے فصیح و سلیس اردو میں [illegible] کا ترجمہ کیا ہے اور ان کا نام ہی ترجمے کی فصاحت و عمدگی کا ذمہ دار ہوسکتا ہے۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ کاغذ سفید قسم اعلیٰ۔ ضخامت بانگ درا سائز کے [illegible] صفحات۔ قیمت ڈھائی روپے (عہ) علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ:۔ ساقی بُک ڈپو۔ دہلی

دریائے فلک

جاپانی زبان میں ادبِ لطیف کا ایک نفیس نمونہ

وہ آرہا ہے، میرا محبوب، میرا مالک جس کے لئے میں دریائے فلک کے کنارے پر عرصہ سے کھڑی تھی۔ ہاں آج انتظار کی کٹھن گھڑیاں ختم ہوئیں۔ آج فراق وصال سے بدل جائیگا۔ میں پٹکہ کھول کر رکھدونگی اور شبانہ روز انتظار کی کلفت کو اپنے حبیب کے آغوش میں پہنچکر راحت سے بدل دونگی۔ دریائے فلک کے پانی میں جنبش ہوئی۔ آج رات اس کا سفینۂ رنگ و نور میرے پاس ضرور آئیگا —— دیکھو کس تیزی سے میرے پاس آرہا ہے!

میرے اور میرے حبیب کے درمیان ابر و باد کے پیامبر آتے جاتے رہتے ہیں مگر آج تک کسی نے میرے دل کی بات اس تک نہ پہنچائی۔ میرا محبوب مجھ سے بہت دور ہے، فراق میں سینکڑوں دن بیت گئے مگر اُسے کچھ خبر نہ ہوئی —— میرا پیام مضطر کون لے کے جاتا ——!

وہ اس کنارے پر ہے۔ بالکل قریب، اگنکر پھینکو تو اس کنارے پر پہنچ جائیں۔ مگر نہیں۔ میرے اُس کے درمیان بہت فاصلہ حائل ہے۔ کون۔ دریائے فلک۔ یہ پانی مجھے اپنے محبوب تک پہنچنے نہیں دیتا —— شاید اُس سے کبھی بھی ملاقات نہ ہوسکے گی۔ —— نہیں۔ خزاں آنے پر میری اُس کی ملاقات ضرور ہوگی!

جب بادِ خزاں چلنی شروع ہوئی ہے میں سوچ رہی تھی اب فراق کا وقت ختم ہوا۔ ملاقات کا زمانہ آگیا —— جس حبیب کے جلوہ کے لئے میں آنسو بہاتی تھی وہ آج آجائیگا۔

دریائے فلک کی لہروں میں جوش آرہا ہے مگر طوفان اسقدر نہیں ہے کہ میرے حبیب کا سفینہ خطرہ میں ہو۔ میں تیر کر اس پار بھی نہیں جاسکتی اس لئے کھڑی رہونگی اور انتظار کرتی رہونگی اور یونہی کھڑی ہوئی دریا میں بہکر آنے والی چیزوں کو اشتیاق و اضطراب کی نظروں سے دیکھتی رہونگی —— کاش میرا مالک جلد آجاتے ——!

لڑکی اس کنارے پر کھڑی ہے۔ اس کی ریشمیں پوشاک کی لمبی آستینیں دُور سے ہوا میں لہراتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ شاید وہ بھی دیکھ رہا ہو، اس کا دولھا، مگر دریائے فلک نے دونوں کو جُدا کر رکھا ہے۔ ایامِ خزاں شروع ہوتے ہی سب فراق ختم ہوجائیگا۔ اس کا حبیب خزاں آنے سے پہلے "دریائے فلک" کو عبور کرنے سے قاصر ہے۔

میری محبوبہ! میری حسین منسوبہ اس کنارے پر کھڑی ہے اس سے جُدا ہوئے کتنا عرصہ ہوا۔ جب میں آخری بار اس سے ملا تھا وہ کیسی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ بس تھوڑی سی دیر کے لئے اس سے ملا تھا اور فوراً ہی رخصت کا منحوس وقت آگیا۔ فراق کا نظارہ آخر —— رات کو چمکتے ہوئے جگنو کی ایک جھلک کی طرح ہماری [illegible] ختم ہوگئی۔ وہ طویل فراق ابھی تک ختم نہیں ہوا ہے۔

خیال ہے کہ میرا دولھا مجھکو "یاد کرتا" اپنی [illegible] سے ملنے

کے لئے آرہا ہے۔ آج میں کیوں نہ خوش ہوں؟ دیکھو آسمان پر بدلی چھا گئی۔ تیز ہوا چلنے لگی۔ میرے کنارہ کی طرف اس کا ہلکا سفید لحہ بہ لحہ بڑھ رہا ہے۔ دریائے فلک کو بھی آج خوشی کی وجہ سے جوش آرہا ہے۔

دریائے فلک کے کنارے کھڑی ہوئی اپنے مالک کے آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ دیکھو مجھے کتنی دیر ہوگئی! میری پوشاک کا دامن پانی میں گر کر تر ہو گیا۔ پروا نہیں۔ پانی میں کشتی چلانے کی آواز زور زور سے آ رہی ہے۔ فضا میں سرسراہٹ بڑھ گئی ہے۔ کیا عجب ہو میرا حبیب اپنی خوبصورت کشتی میں سوار چپّو چلاتا ہوا آ رہا ہو ـــــ بہت تیزی سے آ رہا ہو۔ اسکے انتظار میں مری جا رہی تھی۔ آخر کار آج وہ میرے پاس آ ہی جائیگا! میرا محبوب!!

دُلہن میری پیاری دُلہن، محبوبۂ جمال اپنی آستینیں اوپر کو اُلٹے **دریائے فلک** کے کنارے تھک کر سو گئی۔ شاید انتظار کی حد نے اُسے سُلا دیا ـــــ دیکھو! دریائی خس میں رہنے والی بطوں تم صبح ہوتے ہی شور مچانا شروع نہ کر دینا نہیں تو میری دُلہن کی نیند خراب ہو جائیگی اور وہ اُفق پر سُرخی نمودار ہونے سے پہلے ہی اُٹھ بیٹھے گی۔

وہ ابر و باد دیکھکر آج دل ہی دل میں سوچ رہی ہو گی "میرا مالک آج تو ضرور آئیگا، اپنی کشتی چلاتا ہوا آئیگا!"

دریائے فلک میں "یا سُوؔ" دیوتا کی کشتی پڑی ہوئی ہے، وہ اسی میں بیٹھ کر آ جائیگا۔ تم جا کر میرے محبوب سے کہدو کہ میں اس کنارے پہ کھڑی ہوئی تیرے آنے کا انتظار کر رہی ہوں ـــــ

میں [illegible]

[illegible] میں [illegible] ستاروں کا دیوتا ہوں اور مجھے سب آسمانوں میں جانے اور ہر ہوا کے دوش پر سوار ہونے اور سب مقامات کی سیر کرنے کی طاقت دی گئی ہے مگر دریائے فلک کو عبور کرنے سے میں بھی قاصر ہوں کیونکہ وہ عشق و آرزو کے پُرجوش پانی سے لبریز ہے اس کا عبور کرنا خطرۂ عظیم ہے۔ مگر تیرے نے اس دریا کو عبور کرنا ہی پڑیگا۔

"آٹھ ہزار بھالوں والے دیوتا" کے پُرہیبت عہد سے لیکر اِس وقت تک وہ میری منسوبہ رہی ہے۔ ہمارے عشق کا حال کسی کو بھی معلوم نہ تھا مگر اُس کی یاد میں شب و روز مبتلا رہنے کی وجہ سے چرچا ہو گیا اور انسانوں کی آبادی میں بھی خبر ہو گئی کہ کوکب فلک زہرۂ جمال پر عاشق ہے ـــــ افسوس یہ کہانی!

جب سے زمین اور آسمان باہمی آغوش سے علیحدہ ہوتے ہیں اور خلا بنی ہے وہ میری منسوبہ و محبوبہ ہے۔ سال میں صرف ایک شب۔ ایک پُرخطر اور بھیانک خزاں کی رات کو **دریائے فلک** کی اتھاہ گہرائیوں میں ملتے ہیں اور شہزادۂ خاور کی رتھ میدانِ فلک پر نمودار ہونے سے پہلے ہمیں جُدا ہو جانا پڑتا ہے۔

آج میں اپنی محبوبۂ آتشیں رُخ کو آغوش میں لے کر دریائے **فلک** کی تہہ میں چلا جاؤنگا ـــــ آج رات میں اور وہ ایک پتھر کا تکیہ بنا کر صبح تک محوِ خواب رہینگے ـــــ آج ہی تو!!

جس دن میں اپنے سینے میں اپنے پیارے خاوند کے لئے تڑپ زیادہ پاتی ہوں اور شوق سے بیتاب و مضطرب ہو جاتی ہوں تو دریائے فلک کے کنارے پر آ کر آنے جانے والی لہروں کو دیکھنے لگتی ہوں۔ پانی کی تیز جُنبش اور رات کو سفر کرنے والی کشتی کے چپّوؤں کی آواز جب دُور سے مجھے سُنائی دیتی ہے تو بس سمجھ لیتی ہوں کہ میرا حبیب، میرے دل کی حرکت کا مُوجب اب آ رہا ہو گا!۔

جواہرات اور ریشمیں نرم و نازک تکیے چھوڑ کر میری محبوبہ میری پیاری دُلہن میرے ساتھ دریا کی تہہ میں جائیگی اور میرے ساتھ پتھروں کے فرش پر سوئیگی ——— اِس رات کی صبح نہیں ہونی چاہیئے خواہ صبح ہوجائے مگر مرغ کو بانگ نہیں دینی چاہیئے تاکہ ہم ایک کبھی نہ ختم ہونے والی رات میں سوتے رہیں۔

جُگ گذر گئے ہیں اور وہ ایک ہیں۔ لاکھوں برس سے ہم ایک دوسرے سے بغلگیر کھڑے ہیں۔ کون ہے جو ہمارے عشق کو ہماری لاکھوں برس پُرانی محبت کو جھوٹ کہہ سکے ! اس پُرخلوص عشق کو دیکھکر آسمان کا غصّہ ہمیں ایک دوسرے سے کیوں علیحدہ کریگا ؟ کیا ہم اور وہ ایک نہیں ہیں ؟ !)

" تانا باتا " نے میرے لئے اپنے دریچۂ زریں میں بیٹھکر جو سفید پوشاک بُنی تھی وہ آج تیار ہوگئی ہوگی آج وہ لباس مکمل ہوجائیگا اور وہ میرے لئے ضرور لیکر آئے گی۔

اگرچہ میری دُلہن مجھ سے بہت دُور ہے اور بادلوں کے پانچ ہزار پردوں کے پیچھے مستور ہے مگر ہر شام کو اپنی چھوٹی بہن (بیوی) کو پُراشتیاق نظروں سے دیکھنے کے لئے میں بامِ فلک پر آجاتا ہوں۔ اِس نظارۂ بلند نے ہماری محبت کا چرچا گھر گھر کردیا۔

جب خزاں آتی ہے اور دریائے فلک پر کُہر چھاجاتی ہے میں تیز ہواؤں کے دوش پر سوار ہوکر اِس "آسمانی نہر" پر اپنی کشتی میں سوار ہوکر آتا ہوں اور راتوں کو اپنی محبوبہ کے انتظار میں محو رہتا ہوں ——— میری انتظار کی راتیں بہت ہوتی ہیں مگر میں ثابت قدم ہوں اور طویل فراق سے گھبراتا نہیں۔

——— سال میں صرف ایک رات، ہر ساتویں مہینے کی ساتویں شبِ انتظار کو میں اور وہ ایک دوسرے سے چند لمحوں کے لئے بغلگیر رہتے ہیں۔

ایک دفعہ ———!

ہماری مُلاقات کو کچھ ہی لمحے گذرے ہونگے کہ مُرغِ سحر نے بانگ دیدی اور آن کی آن میں طلسمِ طرب محو ہوگیا۔ صبح ہوتے ہی وہ میرے قریب سے اس طرح چلی گئی جیسے کبھی آئی ہی نہ تھی۔ سال بھر تک انتظار کی دوزخ میں مجھے جلنا پڑیگا۔

ایک سال کی شدّتِ انتظار کے بعد وہ دن آگئے جب میں اپنے محبوب دولھا سے ملونگی۔ بس کل سے پھر فراق کا ایک طویل سال شروع ہوجائیگا۔

"ہکو بادُشی" اور تانا باتا سومے آج رات ایک دوسرے سے ملیں گے۔ بس اے موجِ دریا ہوشیار رہنا دیکھو طوفان نہ آنے پائے کیونکہ آج کی رات بہت ہی قیمتی ہے۔ میرے محبوب کا سفینۂ شوق میرے پاس خیریت سے پہنچنا چاہیئے !

آہا وہ اُفق پر سفید بادل بادِ خزاں کے دوش پر سوار میری طرف اُڑا چلا آرہا ہے۔ کیا میری پیاری تانا باتا کی سواری ہے؟

چونکہ میرا محبوب ایک کبھی کبھی ملنے والا محبوب ہے اور آج کی رات راتوں کی رات ہے اس لئے سب لوگ ہوشیار رہیں۔ آج رات میرے محبوب کا سفینہ اس دریا کے پانی کو چیرتا ہوا میرے پاس آئیگا۔ سب کو خبر کردو!

بہت رات گئے۔ دریائے فلک پر کُہر چھاجاتی ہے اور "ہکو بادُشی" کے سفینۂ زریں کے چلنے کی آواز کنارے کے بعید ترین حصّہ تک سُنائی دیتی ہے۔

دریائے فلک کے پانی میں چپّو چلنے کی آ[illegible] بالکل صاف آواز ہے کیا "ہکو بادُشی" آرہا ہے ! جلدی جلدی اپنی

کشتی کھیتا ہوا میرے پاس پُرشوق سینہ اور مضطرب سیفنہ لئے ہوئے۔

بادلوں کی طرح دیوانہ وار اُمڈا چلا آرہا ہے۔ آج شام کو جو پانی کا چھینٹا پڑا تھا شاید میرے محبوب کھویا کشتی کے چپّو سے بکھرا ہوا پانی تھا۔ پانی تمام کائنات میں موتیوں کی طرح گرا۔ لوگ سمجھے بارش ہوئی۔!

کل سے —— افسوس۔ کل سے پورا ایک سال پھر فراق وجُدائی کی تکلیف ہوگی۔ میں اپنے جواہرات اور خوبصورت لباس اُتار کر رکھ دونگی کیونکہ سال بھر تک ان کی ضرورت نہیں ہوگی۔ —— ملال ہے ایک سال تک میں اکیلی رہونگی۔ اکیلی سوؤنگی۔ کیونکر راحت ملے گی اس جدائی میں؟!

ہوا تیز ہونی شروع ہوئی اور موجوں میں جوش آرہا ہے کیا دریا میں طوفان آئیگا —— جلدی کرو۔ میرے پیارے مالک اپنی کشتی کو جلدی جلدی کھے کر میرے پاس پہنچ جاؤ کیونکہ حاسد دریا کو غصّہ آرہا ہے!

دریا غصّہ سے کتنا ہی کف بھرے مگر میں اپنی محبوبہ تک ضرور پہنچونگا۔ ایک سال بعد یہ رات۔ راتوں کی رات، آج آئی ہے۔ رات زیادہ ہونے سے پہلے میں ہر پُرخطر موج کو پامال کرکے اپنی محبوبہ تک اپنا سیفنۂ پُرشوق پہنچا دونگا۔

میں نے اپنے دولہا کے لئے لباس بُن لیا ہے۔ سال بھر سے جن تاروں کو بُن رہی تھی وہ بہت دن ہوئے پورے ہوئے پوشاک بُنی رکھی ہے —— اب میں اپنے محبوب کے [illegible] کھڑی ہوں۔ کب تک انتظار کرنا ہوگا؟

دریا کا بہاؤ تیز ہورہا ہے —— کیا رات بالکل تاریک [illegible] ہے اور سب جگہ سنسان ہوگئی ہے۔ مگر میرا محبوب تو ابھی تک نہیں آیا!

او کشتی والے! جلدی کر میرے مالک کو اپنی کشتی میں بٹھا کر لارہا ہے۔ جلدی کر رات ختم ہونے والی ہے۔ یاد رکھ میرا محبوب میرا مالک سال میں دو دفعہ آنے والا نہیں ہے وہ ایکبار آتا ہے۔ ایک رات کا مہمان!

جس دن سے خزاں کی پہلی ہوا چلی ہے میں اپنے مالک کے انتظار میں اس دریا کے کنارے پر اداس کنارے پر کھڑی انتظار کررہی ہوں —— میری التجا ہے اے کشتی والے میرے مالک کو خبر کر دو رات ختم ہوئی جاتی ہے تمہارے انتظار میں مرنے والی لڑکی دریائے فلک کے اس پار ہجوم شوق میں گھری ہوئی کھڑی ہے!

شاید میری دُلہن تانا بانا میرا انتظار کرکے تھک گئی اور خود کشتی میں بیٹھ کر میرے پاس آنے والی ہے بیشک وہ جذبہ صادق رکھتی ہے! چاند کے چہرہ نور پر بادلوں کا سایہ پڑ رہا ہے کیا میری دُلہن کی سواری گذر رہی ہے۔ ہاں وہ آگئی۔ زہرۂ فلک شہزادۂ جمال (کوکب صبح) سے ہمکنار ہونے کے لئے آپہنچی۔ مژدہ ہے سب کے لئے آج دریائے فلک کے کنارے عشق و جمال کی فتحمندی کا جشن ہوگا۔ صبح تک ہوتا رہیگا اور ایک سال بعد پھر اسی جگہ ہوگا —— دریائے فلک[1] کے کنارے پر!

تفسیر خیال:- [1] دریائے فلک - کہکشاں۔
زہرۂ فلک - ستارۂ شام۔
شہزادۂ فلک - ستارۂ صبح۔
سیفنۂ فلک - ماہِ تاباں۔
آفتاب - کائنات فضائے بسیط۔
دہقانِ فلک نظّارگان۔
شاعر - غمازِ فلک۔
ہم - داستان فلک کے شاہد۔

ظفر قریشی بی۔ اے دہلوی

جاپان اور جاپانیوں کے متعلق چند باتیں

جاپان کی آبادی اس وقت نو کروڑ نوے لاکھ کے قریب ہے۔ اور یہ آبادی اس تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ ہر سال کم و بیش ایک ملین یعنی دس لاکھ نفوس کی زیادتی ہوجاتی ہے۔ حال میں جاپان کی تازہ مردم شماری ہوئی ہے۔ گو اس مردم شماری کے اعداد و شمار ابھی مرتب نہیں ہوتے مگر امید کی جاتی ہے کہ آبادی دس کروڑ تک پہونچ جائیگی۔

جاپانی جزائر کا مجموعی رقبہ اس آبادی کیلئے بہت کم ہے اور اس وجہ سے آبادی بہت گنجان ہے یعنی ۶۰۶ نفوس فی مربع میل۔ اور اگر اس رقبہ کو شمار نہ کیا جائے جو زراعت یا آبادی کے قابل نہیں اور وہی رقبہ لیا جائے جو زیر کاشت اور آباد ہے تو آبادی کی گنجانی ۱۶۷۹ نفوس فی مربع میل ہے۔

جاپان میں غیر آباد زمین یعنی ([illegible]) بقدر ۵۰۰۰۰۰۰ ایکڑ کے ہے۔ جس میں صرف ۱۷۰۰۰۰۰ ایکڑ قابل زراعت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جاپان کی روز افزوں آبادی کے لئے ان جزائر میں مزید گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جاپانیوں کے سامنے جو اہم معاملات اس وقت ہیں ان میں سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اس بڑھنے والی آبادی کیلئے کہیں جگہ بنائی جائے۔

آبادی کی کثرت کے مسئلہ کو جاپان تین طریقوں سے حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایک طرف تو یہ کوشش ہے کہ ملک کی صنعت و حرفت کو اس حد تک ترقی دیجائے کہ جاپانی جزائر زیادہ سے زیادہ آبادی کے متحمل ہوسکیں۔ دوسری طرف اس امر کیلئے سعی بلیغ کی جارہی ہے کہ بعض غیر ممالک میں جاپانیوں کے بکثرت آباد ہونے کی اجازت ان ملکوں کی طرف سے حاصل کی جائے۔ اور ان دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ جاپان ان اقوام پر کہ فی زمانہ جن کے ہاتھوں میں دُنیا کے سیاسی معاملات کی باگ ڈور ہے شدّت کے ساتھ یہ زور دے رہا ہے کہ خدا کی زمین میں سے کچھ حصّہ اسے بھی دیا جائے۔

مگر ان تینوں راستوں میں بے شمار مشکلات جاپان کے سامنے ہیں۔ جاپانی مال درآمد پر ہر ملک میں بھاری محصولات عائد کئے جارہے ہیں۔ اس لئے متقدم الذکر راستہ قریبًا بند ہوتا جارہا ہے۔ دوسرا طریق جو جاپانیوں کے غیر ملک میں جاکر آباد ہونیکا ہے وہ بھی ان دنوں عملًا مسدود ہو رہا ہے۔ کیونکہ جس ملک میں جاپانیوں کی سب سے زیادہ تعداد جاجا کر آباد ہورہی تھی اُس نے اس سال سے جاپانیوں کے داخلے پر کڑی پابندیاں لگادی ہیں یہ ملک برازیل ہے۔ گذشتہ سال ۱۲۱۰۰ جاپانی برازیل میں آباد ہوئے۔ نئی پابندیوں کے ماتحت سال رواں میں صرف ۲۷۰۰ جاپانی اس ملک میں آباد ہوسکیں گے۔

دُنیا کے باقی تمام ممالک میں جاپانیوں کے بحیثیت آبادکار داخلے پر ایسی سخت پابندیاں عائد ہیں کہ انکا وہاں جانا اور [illegible] ہوکر خوش حالی اور عزّت کی زندگی بسر کرنا محال ہے۔

صرف چین کا وہ حصّہ جو جاپان کی سرپرستی میں الگ خود مختار حکومت بن گیا ہے اور جو سلطنت مانچوکو کے نام [illegible] ہے۔ اکیلا ایسا ملک ہے جہاں جاپانیوں کے داخلہ یا وہاں مستقل طور پر آباد ہوجانے پر کوئی پابندی نہیں۔ اور جاپانی اُس [illegible] آباد بھی ہورہے ہیں مگر مانچوکو کی آب و ہوا جاپانیوں کے موافق نہیں۔ اس لئے مانچوکو کی موجودگی کے باوجود جاپان کی کثرت آبادی کا

سنگین مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

تیسری صورت جاپان کیلئے یہ تھی کہ وہ اقوام جو اس وقت دُنیا کے سیاہ وسفید کی مالک ہیں وہ کوئی ایسا علاقہ جاپان کو دیدیتیں جو اُس کی بڑھتی ہوئی آبادی کا کفیل ہوجاتا۔ جاپان جب لیگ آف نیشنز میں شامل ہوا تو بعید نہیں کہ اس اُمید کے ساتھ شامل ہوا ہو کہ ممکن ہے کہ دُنیا کی مہذب قومیں جو اپنی تہذیب اور اپنے اعلےٰ اخلاقی معیار کا راگ گاتے نہیں تھکتیں۔ وہ میری ضرورتِ حقہ کا پاس کریں۔ اور یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ جاپان جب لیگ سے الگ ہوا تو یہ دیکھکر ہوا کہ لیگ میں بھی جو نفسا نفسی کا عالم ہے اسکے پیشِ نظر یہ امر دشوار ہے کہ کسی بندۂ خدا کو اس کی طرف بھی دیکھنے کا خیال پیدا ہو۔

اب دلچسپ سوال یہ ہے کہ موجودہ صورت تا بکے۔ جاپان ایک طاقتور ملک ہے جو اپنے جنگی جہاز۔ طیارے اور دیگر قسم کا سامان حرب جس قدر مقدار اور تعداد میں چاہے خود تیار کرسکتا ہے۔ فوجی خدمت اس ملک میں ہر صحیح القویٰ مرد پر لازمی ہے۔ ملک میں زندگی کی روح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ دلوں میں ولولہ اُمید اور اُمنگ ہے۔ ملک کی آبادی اپنے سیاسی لیڈروں کی اقتدار میں متحد ہے۔ تمام جاپانی اپنے فرمانروا پر بصد شوق قربان ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ لازمی نظر آتا ہے کہ بعض قوموں نے جو حصے سطحِ رُوئے زمین کے گھیر رکھے ہیں اور جن کے متعلق جاپانی یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ تقسیم کسی اصول انصاف پر مبنی نہیں اُن کے تختے کو اُلٹنے کے لئے کسی زیادہ مؤثر پیرایہ میں سرگرم عمل ہوں۔

مغربی اور گوری نسل کی دُنیا ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ مگر یہ زمانہ جاپان کے لئے کچھ ایسا راس ہے کہ اُس کے مخالف عناصر اس وقت تک کچھ نہیں کرسکے۔ اور نہ شاید آیندہ کچھ کرسکیں۔ بس یہ کہنا بے جا نہیں کہ جب بھی جاپان کو موقع مِل گیا بحرالکاہل کی دُنیا کی کایا پلٹ جائیگی۔ یہ ملک نہایت صبر و سکون اور ضبط کے ساتھ اس موقع کا انتظار کررہا ہے۔ اور اس کے روز و شب اس گھڑی کیلئے تمام ضروری تیاری اور سامان فراہم کرنیکے لئے وقف ہیں۔

ایک بات جاپان کی قابلِ ذکر یہ بھی ہے کہ دوسرے تمام ملکوں میں انکے اندرونی حالات۔ اُنکے باشندوں کی سیاسی پارٹی بازی یا باشندوں کے سیاسی خیالات اس قسم کے ہیں کہ اگر آج ان ملکوں میں کوئی ملک کسی دوسرے کے خلاف اعلانِ جنگ کرے تو خود اسی ملک میں ایسے لوگ موجود ہونگے جو کہیں گے "غلطی کی اس موقعہ پر جنگ نہیں کرنی چاہیئے تھی" مگر جاپان میں یہ بات نہیں۔ جاپان نے جس دن اور جس قوم کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تمام ملک ایک متحد عزم اور ایک آواز کے ساتھ غنیم پر پل پڑے گا۔ اور جاپانیوں کا قومی خاصہ ہے کہ جنگ کے وقت دو ہی باتیں اُن کے دل میں ہوتی ہیں۔ یا فتح پانا یا کٹ مرنا اور فنا ہوجانا۔

اوکوبے (جاپان) ——————— عبدالقدیر نیاز

جاپان

دُنیا کا ایک کامیاب دارالتجارت

وہ اِک دارالاماں، شاداب بھی، رُوشن بھی، رعنا بھی ... جبیں کو چومتے ہیں جس کی دامانِ ثریا بھی
وہ اِک دارالحکومت جسکے ذرے بھی دُرخشاں ہیں ... نقوشِ منجلی جس کے جوابِ ماہِ تاباں ہیں
وہ اِک فردوس جسکے زلزلے ہیں نغمہ شیریں ... جہاں رہتے ہیں سجدہ ریز خورشید و مہ و پرویں
وہ اِک گلشن جسے اِک بطِ رنگیں ہے بہاروں سے ... ظہورِ بیخودی ہوتا ہے جس کے آبشاروں سے
وہ اِک میخانہ جس کی مستیاں کیفِ مسلسل ہیں ... نشاطِ زندگی کا ایک سامانِ مکمل ہیں
وہ اِک طلعت کدہ ہے روشنی ہی روشنی جس میں ... نہیں ہوتی کسی صورت کبھی واماندگی جس میں

جسے بیداریِ تقدیر کا عنوان کہتے ہیں
جسے "دارالتجارت" ہی نہیں "جاپان" کہتے ہیں

مٹایا زلزلے نے بارہا جس کے مکینوں کو ... تباہی نے ڈبویا بارہا جس کے سفینوں کو
کڑکتی ہی رہی بجلی حوادث ہائے پیہم کی ... مگر جاپان کی قسمت بگڑ کر اور بھی چمکی
تجھے معلوم ہے اے کم نظر اسکا سبب کیا ہے ... سمجھ اس راز کو تو بھی تو عقل و ہوش والا ہے
اِدھر آ میں بتاؤں راز اس کی کامرانی کا ... یہاں رہتا ہے سایہ کیوں نشاط و شادمانی کا
بڑھی ہے مجلسِ اقوام میں جاپان کی عظمت ... ہوئی ہے آج عالمگیر اس کے نام کی شہرت
کرشمہ سازیاں ہیں سب، یہ انوارِ تجارت کی ... حقیقت میں ضیاباری ہے یہ اسرارِ صنعت کی

یہاں صنعت سے ہر ذی رُوح کو اک خاص نسبت ہے
مرے نزدیک تو یہ صنعت و حرفت کی جنت ہے

ترقی اس قدر جاپان نے پائی تجارت سے
کہ ٹکراتا ہے پرچم آج اس کا بام رفعت سے
فروغ خاص حاصل ہے اُسے، ممتاز دُنیا ہے
چمک جس کی محیطِ دھر ہے وہ ماہ پارا ہے
تجارت اور صنعت ہی حقیقت میں وہ گوہر ہیں
شعاعیں جن کی نور افروزیٔ دہر منور ہیں
ہوئی جس ملک میں جس قوم میں کچھ قدر افزائی
اسی نے محفلِ عالم میں پائی شان یکتائی
اُبھرنے کا یہ جذبہ دیکھ کر جاپان والوں میں
تجارت خود چلا کرنے لگی پیدا خیالوں میں
نتیجہ ذوقِ صنعت کا مسرت آفریں ہو کر
چمک اُٹھا سرورِ زندگی نورِ جبیں ہو کر
نہیں آگاہ تو، جاپان کی مٹی بھی کُندن ہے
تجارت کی بدولت آج ہر صنعت کا معدن ہے

مگر ہندوستاں افلاس کے ہاتھوں پریشاں ہے
نہ مرنے ہی کا یارا ہے نہ جینے ہی کا ساماں ہے
نہ صنعت ہے نہ حرفت ہے نہ دولت ہے نہ حشمت ہے
جو سچ پوچھو تو اس کا دورِ حاضر نقشِ عبرت ہے
بگڑتے جا رہے ہیں اور بھی تیور تباہی کے
یہ سب انجام ہیں اپنی ہی غفلت کم نگاہی کے
تجارت ہی مداوا ہے ہمارے دورِ غربت کا
تجارت ہی بدل سکتی ہے نقشہ دورِ ذلت کا
تجارت ہی سے ملک و قوم کی حالت سنورتی ہے
تجارت ہی بساطِ دھر میں ممتاز کرتی ہے
تجارت کو بنالیں ہم جو شغلِ جاوداں اپنا
تو ممکن ہے کہ ہو جائے مکاں کیا، لامکاں اپنا
تجارت کی طرف اب بھی اگر رُجحان ہو جائے
تو پھر امکان ہے ہندوستان "جاپان" ہو جائے

حاجی محمد یعقوب بمبئی

جاپان کی صنعتی سرگرمیاں

آج اگر جاپان تجارتی اشیاء دوسرے ترقی یافتہ ممالک سے کم قیمت پر بیچ سکتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ملک اجتماعی طور پر صنعت و حرفت میں کوشاں ہے اور اس کی حفاظت اور ترقی کے لئے ہر آسان ذریعہ اختیار کرنے کو تیار ہے۔ فی الحقیقت حکومت کی تشکیل بھی انہیں بڑے بڑے سوداگروں سے ہے جو صنعت کے مفاد کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ صنعت میں کام آنیوالی چیزوں کا پورا پورا انتظام، اور ذرائع آمد و رفت اور پیغام رسانی کی آسانیاں یہ ہیں وہ چیزیں جن کے بل بوتے پر جاپان کی موجودہ تجارت چل رہی ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں زیادہ سے زیادہ اچھی سے اچھی اور سستی سے سستی مہیا ہو سکتی ہیں۔ ذرائع آمد و رفت ہی کو لیجئے۔ یہ اتنے ہی مکمل ہیں جتنے کہ دنیا میں دوسرے ممالک میں۔ کرائے یہاں بہت کم ہیں۔ مثلاً ہندوستان تک ایک ٹن کپڑے کا کرایہ تیرہ ین ہے (ایک ین = ۱۳ آنے) اور جاپان سے بمبئی تک روئی کے ایک گٹھے کا کرایہ، بمبئی سے کانپور تک کے کرائے کا تقریباً چھٹا حصہ ہے۔ ٹوکیو سے کوبے تک ۳۰۵ میل کا فاصلہ ہے اور یہاں ریل کا کرایہ فی من پچاس سینٹ ہے (دو سینٹ = ایک پیسہ) موٹر کا کرایہ بھی بہت سستا ہے۔ کیونکہ پیٹرول ۲۵ سینٹ فی گیلن کے حساب سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ اب پیغام رسانی کے متعلق سنیئے، ایک ٹکٹ تین سینٹ کو ملتا ہے اور تار کا ہر لفظ پانچ سینٹ کو جا سکتا ہے۔ بجلی کی طاقت کارخانوں کو تقریباً مفت میں مہیا کی جاتی ہے۔ یعنی ایک کلوواٹ دو سینٹ کو۔ اس لئے تمام کارخانے بجلی ہی سے چلتے ہیں۔ کوئلہ آٹھ ین فی ٹن اور غیر مصفا تیل ۲۵ ین فی ٹن کے حساب سے مل سکتا ہے۔ مزدوروں کی اجرت تقریباً نہ ہونیکے برابر ہے۔

کارخانوں میں بالعموم لڑکیاں کام کرتی ہیں پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں وہ مدرسے کی تعلیم سے فارغ ہو کر کارخانوں میں ملازم ہو جاتی ہیں۔ وہاں دو سال تک کام سیکھتی ہیں۔ اس کے بعد ان کو ذمہ داری کے کام پر متعین کر دیا جاتا ہے۔ ۲۴، ۲۵ سال کی عمر تک وہ وہیں کام کرتی ہیں۔ اس کے بعد جب ان کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ کارخانوں کو چھوڑ دیتی ہیں۔ شہر کے کارخانوں میں کام سیکھنے والی لڑکیوں کی اجرت ۴۰ سینٹ اور ماہر لڑکیوں کی اجرت ۶۰ سینٹ یومیہ ہے۔ جو کارخانے قصبوں میں واقع ہیں ان میں اجرت بہت کم ہے۔ یعنی ماہوار پندرہ اور تیس ین بالترتیب۔

شہروں میں ان لڑکیوں کے لئے کھانے، رہائش اور وردی کا انتظام کارخانے کے ذمے ہوتا ہے۔ اور قصبوں میں صرف پچھلے پہر کا کھانا کارخانہ مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح شہروں میں وہ دس گھنٹے اور قصبوں میں بارہ گھنٹے روزانہ کام کرتی ہیں۔ قصبوں میں جہاں پرانی وضع کی مشینوں کے باعث کام میں تھوڑی بہت رکاوٹ پیدا ہوتی ہے وہاں کام کا وقت بقدر دو گھنٹوں کے بڑھا دیا گیا ہے۔ وہ دن بھر کام میں مصروف رہتی ہیں۔ صرف دوپہر کے بعد ناشتے کے لئے آدھ گھنٹے کی چھٹی ہوتی ہے۔ وہ نہایت احتیاط اور ذمہ داری کے احساس سے کام کرتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھتی ہیں کہ کام اچھا ہو۔ آپ تمام کارخانوں میں جائیں وہاں آپ کوئی مزدور ایسا نہیں دیکھیں گے جس کے چہرے سے تھکاوٹ یا اضطراب کے آثار نظر آتے ہوں۔

کھانے پینے کی اشیاء اور وہ غیر ضروری چیزیں جو آج کل ہماری زندگی کا جزو بن چکی ہیں وہاں بہت ارزاں ہیں۔ یہاں تک کہ آرام کی زندگی بسر کرنے کے بعد بھی ان کے پاس اتنا روپیہ بچ رہتا ہے کہ اس سے شادی کیلئے ایک اعلیٰ جہیز تیار کر سکیں۔ وہاں آپ کوئی

مزدور لڑکی ایسی نہیں دیکھیں گے جس نے بدنما لباس پہن رکھا ہو۔ صاف ستھرا رہنا جاپانی لوگوں کی ایک بڑی خصوصیت ہے۔ ہر ایک گھر بجلی سے مزین ہوتا ہے جو تیل سے بہت سستی پڑتی ہے۔ بہت سے مکانوں میں ریڈیو لگا ہوتا ہے۔ ریڈیو صرف ۱۰ ین میں خرید اجا سکتا ہے۔ شام کے وقت یہ لوگ تفریح کے لئے چلے جاتے ہیں۔

انجنیروں، منیجروں، اور دوسرے ماہر کارکنوں کی تنخواہ سوا اور ڈیڑھ سو ین کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ سارا دن مزدوروں کی طرح کام کرتے ہیں۔ کارخانے کا مالک بھی مزدوروں کے دوش بدوش کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں بالعموم مالک ہی کو میلے لباس میں دیکھیں گے۔ کارخانے لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ تاکہ تعمیر پر خرچ بہت کم ہو۔ صرف دفتر کا ایک مختصر سا کمرہ اینٹوں کا بنا ہوتا ہے۔ اور اسی تنگ جگہ میں وہ دفتر کا سب کام کرتے ہیں۔

ہر بڑے کارخانے میں سوت بٹنے اور کپڑا بننے کا کام ساتھ ساتھ ہوتا ہے مگر کپڑے کو جلا دینے، رنگنے اور چھاپنے کا کام علیحدہ کارخانوں میں ہوتا ہے۔ آج کل تقریباً تمام کے تمام کارخانے رات دن چلتے رہتے ہیں۔ جاپان میں بجائے ایک منیجنگ ڈائرکٹر کے چند ڈائرکٹروں کی ایک کمیٹی ہوتی ہے۔ کمیٹی کے پریزیڈنٹ کا انتخاب ہر سال کے بعد ہوتا ہے۔ ڈائرکٹرز اور پریزیڈنٹ کو ماہوار تنخواہ ملتی ہے ہاں سال کے آخیر میں کارخانے سے اگر زیادہ نفع حاصل ہو تو کارخانے کا مالک اس میں سے بھی کچھ پریزیڈنٹ کو دیدیتا ہے۔ بینک ہر وقت کارخانوں کی امداد کے لئے تیار رہتے ہیں۔ حکومت بلاواسطہ انہیں کچھ مدد نہیں دیتی۔ یوں صنعت کو ترقی دینے کے لئے نفع پر ٹیکس بہت کم لگاتی ہے۔ یعنی تین سے لیکر پانچ فیصدی تک۔ وہاں تجارت کی ایسی جماعتیں قائم ہیں جو حکومت کی ہر حکمت عملی کو اپنے مفاد کے مطابق بدلنے کی کوشش میں رہتی ہیں۔

تعلیم، تجارت اور ریسرچ کے محکمے کارخانوں کو حتی الامکاں مدد دیتے رہتے ہیں۔ اگر کارخانہ کسی چیز کے تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ اُسے کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ بغیر کسی صلے کے۔

ایسے گھٹیا مال کو روکنے کے لئے، جو ملک کی شہرت کے لئے مضر ثابت ہو۔ حکومت نے بہت سے انسپکٹر مقرر کئے ہیں۔ وہ ہر ایک کارخانے میں کپڑے کے گز گز یا دوسری باہر بھیجنے والی چیزوں کا معائنہ کرتے ہیں۔ جب یہ تمام مصنوعات انسپکٹروں کی نظروں سے گذر جاتی ہیں۔ تو اُن پر مہریں لگادی جاتی ہیں۔ اور ہر ممکن طریقے سے احتیاط کی جاتی ہے کہ جن اشیاء کا انسپکٹر امتحان نہ کریں وہ مُلک سے باہر نہ بھیجی جائیں۔ چنانچہ اس طرح واپس کی ہوئی اشیاء کے انبار کے انبار لگے رہتے ہیں اور نقصان پر بکتی ہیں۔ ملک میں استعمال ہونے والی چیزوں اور باہر جانے والی چیزوں کی قیمتوں میں بڑا فرق ہے۔ اوّل الذکر اشیاء بہت سستی بکتی ہیں۔ اور لوگ خوشی سے انہیں خرید لیتے ہیں۔ یہ اشیاء اتنی ارزاں ہونے کے باوجود بھی دوسرے ممالک کے مقابلے میں بہت سستی ہوتی ہیں۔ یہاں اس غلط خیال کی تردید ضروری معلوم ہوتی کہ یہ کارخانے حکومت سے بلاواسطہ مالی امداد لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سامان کو اتنا سستا بیچنے کے باوجود بھی وہ لوگ کافی نفع اُٹھا لیتے ہیں۔

وہاں مصنوعات کو فروخت کرنے کا طریقہ بھی خاص ہے۔ ہر ایک کارخانہ کے مالک کے پاس ایک ایجنٹ ہوتا ہے۔ جو مال کو باہر بھیجنے والے سوداگروں کے ساتھ سودا چکاتا ہے۔ ان سوداگروں کے پاس مال کی ایک بہت بڑی مقدار ہر وقت موجود رہتی ہے اور مارکٹ کے نرخ کے ساتھ انہیں بھی نفع یا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ یہ کپڑے پر پانچ فیصدی کمیشن کے طور پر لیتے ہیں۔ جس میں بندرگاہ تک مال پہنچانے

کا کرایہ، اُسے پیٹیوں میں بند کرنے اور جہاز پر لادنے کی اُجرت اور اس عرصے تک کا سود، جو ان تمام کاموں پر صرف ہوتا ہے شامل ہوتا ہے۔

بڑے بڑے کارخانے شہروں اور قصبوں میں واقع ہیں۔ بلکہ قصبوں میں کثرت سے ہیں۔ واکایم اور نگویا دونوں قصبوں میں رُوئی کے بہت سے کارخانے ہیں۔ ان کارخانوں کے علاوہ جاپان میں "گھریلو صنعت" کا بہت رواج ہے۔ قصبے کی ہر دوکان اور شہر کے مضافات میں ہر گھر مستقل طور پر ایک چھوٹا سا کارخانہ ہوتا ہے۔ گھریلو صنعت کا اس طرح گھر گھر میں نمودار ہوجانا جاپان کی صنعتی ترقی پر بہت حد تک اثر انداز ہے، تمام نئی ایجادیں، مشینوں کے پُرزے اور ہر قسم کی چیزیں ان کارخانوں میں تیار کی جاتی ہیں۔ ان کے تیار کرنے کا طریقہ بھی نرالا ہے۔ مثلاً اگر انہیں ریڈیو بنانا پڑے تو اُس کے تمام حصّے علیحدہ علیحدہ چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں تیار کئے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ ایک ایسے کارخانے میں لائے جائیں گے جہاں اُن تمام حصّوں کو جوڑ کر مکمل ریڈیو تیار ہوگا۔ گھریلو صنعت کے یہ چھوٹے چھوٹے کارخانے بالعموم رہائشی مکانوں کے ایک طرف بنے ہوئے ہیں۔ کارخانوں کے مالک خود ہی انجنیر، کلرک، ایجنٹ اور فورمین کا کام کرتے ہیں۔ ان کا ذریعہ معاش بساطی یا اسی قسم کی کوئی دُکان ہوتی ہے، اور کارخانوں کی آمدنی ان کے لئے بالائی آمدنی کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ کارخانوں کا کُل خرچ صرف اُن دس یا پندرہ لڑکیوں کی اُجرت ہے جو مشینوں پر کام کرتی ہیں۔ اور بس۔ وہ خام اشیاء روزانہ خرید لیتے ہیں اور اُن سے مختلف چیزیں تیار کرکے روزانہ ہی بیچ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا بھر کی نئی ایجادیں اور تمام مفید اشیاء جاپان پیدا کرسکتا ہے۔

ان گھریلو مصنوعات میں مصنوعی ریشم کا اور اصلی ریشم کا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جاپان میں بے شمار ایسے کارخانے موجود ہیں جہاں بیس پچاس کپڑا بُننے والی کلیں کام کرتی ہیں۔ ان کارخانوں کے مالک سوت خرید لیتے ہیں اور کپڑا بُن کر اُسے جلا دیتے اور رنگنے کے لئے ایسے کارخانوں میں بھیج دیتے ہیں۔ جو اسی کام کے لئے مخصوص ہیں۔ مزدوروں کو یہاں روزانہ تیرہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے۔ انجنیر، منیجر، ایجنٹ وغیرہ کا کام میاں کرتا ہے، اور حساب کا کام بیوی کے سپرد ہوتا ہے۔ جاپان کے ہر شہر میں ایک تجارتی مجلس قائم ہے جس کے اہتمام سے تیار شُدہ اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔ ہر ایک کارخانے کا مالک اس مجلس کا ممبر ہوتا ہے۔ اسی مجلس کے دفتر میں گورنمنٹ کے انسپکٹر تمام مصنوعات کا معائنہ کرتے ہیں۔

گھریلو صنعت کے اُن چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں اُجرت کم ملتی ہے اور کام بہت زیادہ ہوتا ہے۔

آب و ہوا کے لحاظ سے جاپان کا محلِ وقوع صنعت کیلئے بہت مفید ہے۔ سال میں آٹھ مہینے آب و ہوا سرد رہتی ہے دو مہینے معتدل اور دو مہینے گرم۔ گرمی کے ان دو مہینوں میں ٹمپریچر عموماً ۹۰ درجے تک پہنچ جاتا ہے اور بعض مقامات پر ۱۰۰ تک بھی۔

پرائمری تک کی تعلیم ہر ایک لڑکے اور لڑکی کے لئے لازمی ہے۔ جہاں اُن کے ذہن میں ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جاتا ہے۔ اس طرح بڑے ہوکر وہ بہت جلد کام سیکھ جاتے ہیں اور اُسے تن دہی اور اخلاص سے انجام دیتے ہیں۔ یہ رجحان آجکل عام ہو رہا ہے کہ کارخانوں میں کلب گھروں اور لیکچروں کا انتظام کیا جائے تاکہ اُن کے ذریعے سے مزدوروں کو کام کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے۔ بہت سے کارخانوں کے ساتھ ایسے سکول بھی ملحق ہیں جہاں فنّی عقدے حل کئے جاتے ہیں۔

جاپان میں صنعت کے ماہر قدامت پسند نہیں۔ وہ ہر نئی چیز کو اختیار کرلیتے ہیں۔ وہ اجتماعی زندگی اور اجتماعی عمل کی ضرورت اور فائدے سے واقف ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں جب کساد بازاری نمودار ہوئی۔ تو ایک اشاریے پر سب کے مصنوعات میں ۳۰ سے

سے کر ۵۰ فیصدی تک تخفیف کر دی اور اس طرح صورتِ حالات پر قابو پا لیا گیا۔

گھریلو صنعت نئے کارخانوں کے علاوہ وہاں گھر گھر دستی کرگھے لگے ہیں۔ یہ بھی بہت حد تک جاپان کی صنعتی ترقی پر اثر انداز ہیں۔ جو لڑکیاں کپڑا بننے میں ماہر ہو جاتی ہیں وہ شادی کے بعد خود ہی گھروں میں کپڑا بُن لیتی ہیں۔ جو بالعموم اُن کے اپنے استعمال میں آتا ہے۔ اور اگر ضرورت سے بچ رہے تو ہمسائے خرید لیتے ہیں۔

آجکل جاپان میں اس قسم کے بے شمار کرگھے کام کرتے ہیں۔

طاہر قریشی بی۔ اے۔

جاپانی دُلہن کو نصیحتیں

شادی کے روز جاپانی دُلہن کو ماں کی طرف سے گیارہ نصیحتیں ملتی ہیں۔ یہ اچھی زندگی بسر کرنے کے چند قوانین و ضوابط ہیں۔ جو پشتہا پشت سے چلے آتے ہیں اور جن پر عمل کرنے کی ہر نیک دُلہن سے اُمید کی جاتی ہے۔

(۱) شادی کے بعد سے تم میری بیٹی نہیں ہو۔ اب تمہیں اپنی ساس سسر کی ویسی ہی فرمانبرداری کرنی چاہیئے جیسے ماں باپ کی۔

(۲) اب تمہارا شوہر تمہارا آقا ہے۔ منکسر مزاج اور لائق بیوی کی سب سے بہتر خوبی یہ ہے کہ وہ شوہر کی فرمانبردار ہو۔

(۳) اپنی ساس کا ہمیشہ احترام کرو۔

(۴) کبھی حسد مت کرو۔ حسد سے تم اپنے شوہر کی محبت کھو دو گی۔

(۵) غصہ مت کرو۔ اگر تمہارا شوہر غلطی پر ہو۔ صبر کرو۔ اور جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اُسے نرمی سے سمجھا دو۔

(۶) زیادہ مت بولو۔ اپنے ہمسایوں کی بُرائی نہ کرو۔ جھوٹی باتیں نہ بناؤ۔

(۷) نجومیوں اور جوتشیوں سے دعا تعویذ مت کراؤ۔

(۸) انتظام خانہ داری میں کفایت شعاری اختیار کرو۔

(۹) اپنے باپ کی ثروت وجاہ پر مغرور نہ ہو۔ اپنے سسرالی لوگوں سے کبھی گھر کی دولت کا تذکرہ نہ کرو۔

(۱۰) اپنے ہم عمر لوگوں کی صحبت میں زیادہ شریک نہ ہو۔

(۱۱) ہمیشہ سادہ اور صاف ستھرا لباس پہنو۔ رنگین اور بھڑکیلے کپڑوں سے پرہیز کرو۔

نمبر ۷ اور نمبر ۱۱ خاص طور سے ہماری ہندوستانی بہنوں کے لئے قابلِ غور ہیں۔

تمنائی

جاپان میں ہندوستانی طلبار

واللہ ثبت بار یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جاپان کس طرح پر لگا کر اُڑا جا رہا ہو۔ اور کُل عالم سے کیسے گوئے سبقت لیجانے کی کوشش میں ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مصداق ہم لوگ جاپان سے بہت دُور ہیں اور ہندوستان میں بیٹھے ہوتے یہاں کی بُرائی یا بھلائی کا اندازہ لگانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ہندوستان کی فلک بوس چار دیواری میں یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ جاپان میں تاجروں کو کیسی راحت نصیب ہے اور طلبا کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

میرا یہ عرض کرنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ معدودے چند کے علاوہ جاپان میں تمام ہندوستانی طلبا حقیقتاً طالبِ فن کہلانے کے مستحق ہیں۔ تن من اور دولت نثار کرنے پر بھی مشکل سے ایک ہندوستانی یہاں سے کچھ حاصل کرسکتا ہے۔ مگر یہ غریب برابر کچھ نہ کچھ حاصل کئے جا رہے ہیں۔ مگر یہ بھی نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ مشکلات کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں جنکو انسان برداشت ہی نہ کرسکے بلکہ تھوڑے سے ایثار کی ضرورت ہو اور معمولی نفس کُشی کے بعد انسان پارس بن جاتا ہو۔ ایک بات جو ہر وقت ہمارے آڑے آتی ہو وہ یہ بھی ہو کہ دوسری اقوام کو راہِ ترقی پر گامزن دیکھکر ہم لوگوں کے مُنہ میں پانی بھر آتا ہو اور جب قدم بڑھانے کی سوچتے ہیں تو کسی حد تک سبز باغ بھی نظر آتا ہے اور اگر مقصد کی کامیابی میں کچھ مایوسی ہوتی ہے تو ہم سب سے پہلے دُم دبا کر بھاگنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ مانا کہ جاپانی دستکاری کو دُنیا کے ہر بازار میں آراستہ دیکھکر جی سب کا لُبھا جاتا ہو۔ مگر اس کا بھی تو اندازہ لگانا چاہیئے کہ اہلِ جاپان نے اختیار کی کیسی کیسی نازبرداری اور کن کن ابتدائی مشکلات کے بعد یہ دن پایا ہے سب سے بڑی بھول یہی ہو۔ اگر اس کا صحیح اندازہ لگایا جائے تو مجھے یقین ہو کہ ہندوستان سے آنیوالا کوئی بھی ناکام واپس نہ جائیگا۔

مشکلاتِ عظیم:- طلبا کے لئے سب سے اہم مشکل اُن کے اقتصادی معاملہ میں ہوتی ہے۔ مگر یہ بات جاپان میں کچھ پریشان کُن نہیں ہو کیونکہ یہاں کے ہر شعبہ پر ارزانی کی فرمانروائی ہے۔ اگر کفایت شعاری سے خرچ کیا جائے تو کُل خرچ ۵۰ ین ماہوار ہوتا ہے جس میں فیس تعلیم، خوراک، رہائش اور دیگر مختصر ضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ یہ عرض نہ کرنا بھی ایک حد تک دروغ گوئی ہوگی کہ جاپان کی مشکلات صرف جسمانی یا روحانی نہیں بلکہ مذہبی بھی ہوتی ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سرزمین جاپان میں کسی شخص کو اپنے چند مذہبی رسوم کی قُربانی کرنی پڑے یا اس قسم کی کڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے جو کسی حد تک ناقابلِ برداشت ہو۔

بایں ہمہ اب بھی موقع ہو کہ یہاں سے خواہ کتنی ہی قربانی کرنے پر کچھ حاصل ہو مگر کر لیا جائے ورنہ پھر وہ وقت عنقریب آنیوالا ہے کہ غیر اقوام ہندوستانیوں کا خواب میں آنا بھی پسند نہ کرینگی اور کوئی فن حاصل کرنا تو بڑی بات ہے جس مشکل کو اب مشکلِ عظیم کہا جاتا ہے پھر وہ راحت نظر آئیگی اور اپنی غفلت پر پچھتانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔

بھولے پنڈت جی:- گو اخلاقی جُرم ضرور ہے مگر مجھے اس موقع پر اپنے ایک دوست کا واقعہ صرف مذہبی مشکلات کو واضح کرنے کے لئے بیان کرنا ہی پڑتا ہے۔ میرے محترم دوست پنڈت تھے۔ اور پنڈت بھی خاص کاشی جی کے۔ ہندوستان سے یہ غلط افواہ سُنکر آئے تھے کہ جاپان میں جا کر انسان گوشت خواری سے باز رہ سکتا ہو۔ یہاں پہنچنے پر پہلے

موصوف کو نہ صرف انڈا یا مُرغ بلکہ جاپانی چاولوں میں سے بھی بدبُو آتی تھی۔ بہت پریشان ہوئے بیچارے اور اسی پریشانی میں واپس لوٹ جانے کی ٹھان لی۔ خیر کہہ سُنکر بڑی دقّت کے بعد تمام دوستوں نے اُنکو ٹوکیو میں ایک ماہ کے قیام پر رضامند کیا۔

ان بدبُودار چاولوں سے پریشان ہوکر بیچارے باعثِ پریشانی پنڈت نے توس پر بسر کرنے کی سوچی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت بیمار ہوگئے اور بزبانِ شاعر یوں گویا ہونے لگے ؎

دردِ اُٹھا پیٹ میں کھا کھا کے سوکھی روٹیاں ـــــ میزباں بہرِ خدا اِک لقمۂ تر چاہیئے

اب مہاراج سمجھے کہ یہاں سوکھے ٹکڑے نہیں چبائے جاسکتے۔ مہاشے جی یہ سب کچھ پہلے بھی جانتے تھے۔ مگر تھے بڑے ہٹیلے۔ اپنی ہٹ سے باز نہ آتے تھے۔ خیر ایک روز اسی بیماری کے دوران میں ڈاکٹر نے پڈنگ کھانے کے لئے بتایا۔ جب پڈنگ سامنے لائی گئی تو شیر دل مہاتما نرم چارہ سمجھکر بخوشی چٹ کر گئے۔

اب سُنیئے کہ تندرست ہونے پر کیسے راز کھلتا ہے۔ ہمارے ایک پنجابی ہندو بھائی اُن کی پرہیزگاری کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوتے اُن سے بہت نالاں تھے۔ اب اُن کو موقع مِل گیا اور یوں گویا ہوئے۔ کہ حضرت اب تو انڈے کی خالہ کو بھی ہضم کرگئے ہو۔ اب کہاں گیا وہ پوتر شریر جو انڈے کو چھونے سے بھرشٹ ہوجاتا تھا۔ اب تو پنڈت جی سٹپٹائے اور لگے ایک مُنہ کی لاکھ سُنانے۔ ذرا ملاحظہ ہو ذہنیت ہمارے بھولے پنڈت کی کہ چار روز بعد حلق میں انگلیاں ڈال کر پڈنگ نکالنا چاہتے ہیں۔ خود ہی خیال فرمایئے کہ کہیں کھائے پیئے کا بھی پرائشچت ہوتا ہے۔

پربھو جانے جی نہیں لگتا:۔ اگرچہ کوئی اہم بات نہیں مگر بعض حضرات کیلئے یہ بھی ایک سخت مشکل ہوجاتی ہے۔ واقعہ بہت عجیب ہی اور ایک ہندی صاحب سے ہی رونما ہوا تھا۔ اوّل اوّل جب وہ ٹوکیو میں آئے تو یہاں دلیس پرایا، لوگ پرائے۔ خلاصہ یہ کہ ہر سمت اغیار کی محفل دیکھکر بہت پریشان ہوئے۔ میں نے اُن کو ملول دیکھکر اُن کے رنج میں شریک ہونا چاہا تو اُنھوں نے اپنی ہندوستانی محفلوں اور دوستوں کی چہل پہل کے واقعات سُنائے اور خاموش ہوگئے۔ زیادہ اصرار کرنے پر صرف یہ فرمایا کہ "پربھو جانے جی نہیں لگتا" جس کا مطلب ظاہر ہے کہ اُنکو اپنے دوست احباب یاد آتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ وطن کی یاد پردیس میں بہت ستاتی ہے اور غالبًا یہ دوست و احباب ہی کی جُدائی کا تقاضا تھا۔ جو اہلِ ماضی نے سفر کو غربت کے نام سے پکارا ہی۔ مگر یہ میں ضرور عرض کرونگا کہ اس یاد کی خاطر ترقی کی راہ سے مُنہ موڑ لینا پرلے درجہ کی بُزدلی ہی۔ میرا اپنا تجربہ ہے کہ کھانے وغیرہ کی تکلیف اور کسی کی یاد میں محو رہنا تھوڑے عرصے کا ہوتا ہی اور وہ بھی زبان کی ناواقفیت کی بنا پر۔ اِس کے بعد انسان راہ گھاٹ سے جب واقف ہوجاتا ہے تو دوسروں کو راستہ بتاتا ہی۔ ایسی حالت میں ان وجوہات سے نااُمید ہوکر جاپان کی طرف بڑھنے کا خیال ہرگز نہ چھوڑیئے۔

مندرجہ بالا ہر دو واقعات سُنانے سے میرا مقصد ہرگز یہ نہیں ہی کہ مجھے کسی مولوی یا پنڈت کی ہجو یا ذاتِ اقدس پر حملہ کرنا منظور ہے بلکہ جاپان کی طرف قدم بڑھانے والے حضرات اور خصوصًا شیدائے فن سے یہ التماس کرنا مقصود ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے ادھر قدم نہ بڑھائیں اور نہ پھر واپس جانے پر ہمارے ہیرو پنڈت کی طرح گنگا میں اشنان کئے بغیر بھارت ماتا ہرگز اپنے آغوش میں جگہ نہ دیگی۔

بھارت کے منچلے لال:- تذکرۃً یہ بات بھی سپردِ قلم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہاں چند ہندی نوجوان ایسے بھی ہیں جو عیاشی کے سیرو بننا بڑا فخر سمجھتے ہیں اور بسا اوقات اُنکو بُری طرح شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جاپان کی اس درجہ آزادی اور طبقۂ نسواں کو مردوں کے دوش بدوش دیکھکر یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ لوگ آوارہ یا خدانخواستہ بدچلن ہیں۔ ایک اچھے گھرانے کی لڑکی آپ سے اگر اچھی طرح ہنسی خوشی بولے تو یہ مت خیال کیجئے کہ یہ اُس کی آوارگی ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ اُنکی تہذیب اور خوش اخلاقی ہے۔ بس یہی تھوڑا سا مُغالطہ ہے۔ ہمارے ہموطن منچلے جو اس تہذیب کو بالکل پہلی دفعہ دیکھتے ہیں تو طاقتِ ضبط نہیں رہتی اور ایسے ایسے کام کر گزرتے ہیں جس سے نہ صرف وہ شرمندہ ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کا بھی راستہ بند ہوجاتا ہے۔ بذاتِ خود بھی والدین کا روپیہ برباد کرکے جیسے آتے ہیں ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔

میں نونہالانِ وطن سے درخواست کرونگا کہ وہ صرف جاپان میں آکر تھوڑے عرصہ کیلئے اِن لغویات کو بالائے طاق رکھدیں۔ جس مقصد سے کوئی آئے اُسکو حاصل کرے کیونکہ کھیلنے کھانے کے دن تو پھر وطن میں بھی میسر آسکتے ہیں۔ اور اگر کسی طرح بھی قرار نہیں آسکتا تو پھر ہر شعبہ میں حصّہ لیتے ہوئے وطن کی عزت کا ضرور خیال رکھیئے۔ کیونکہ اس کو تو چند منچلوں نے پہلے ہی منہ چھپا لینے پر مجبور کر رکھا ہے۔

آقائے ثروت اور مجبوریاں:- کیا اب بھی کچھ نہ سمجھیں گے ہمارے پونجی پتی بھائی جو نونہالانِ قوم کی امداد کی نسبت محفل آرائی پر دولت نچھاور کرنا زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی غریب اگر کسی طرح سے کوئی فن حاصل کر بھی لیتا ہے تو ہندوستان کے بازار میں اُس کی دو کوڑیاں بھی نہیں اُٹھتیں ہیں کیونکہ وہاں کی تو ریت ہی نرالی ہے سب زردبے پر ترقی کے لئے کوشاں اور صاحبِ دولت امپیریل بنک کی چک بُک کے شیدائی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی فن وہاں جاری ہو اور کسی غریب کی حوصلہ افزائی ہوسکے۔

صاحبانِ فہم خود خیال فرما سکتے ہیں کہ بات بگڑی ہوئی کسی ایک کے بنائے نہیں بنتی۔ صاحبِ ثروت اور صاحبِ ہمت دونو قدم بڑھائیں تو بھارت کے بھی پر نکل آئیں گے۔

اب میں گذارش کرونگا صاحبِ ثروت حضرات سے کہ جہانتک ممکن ہو اگر اپنے فائدے کے خیال سے نہیں تو ملک کی سُرخروئی مدِنظر رکھکر ہندوستانی طلبا کے لئے قصدِ جاپان میں آسانیاں بہم پہنچائیں تاکہ بیکار باکار ہوجائیں اور مُلک بھی چہ ذلت سے نکل آئے۔

طفیل احمد چغتائی ٹوکیو

نجمہ نوری:- ماں کی مامتا کے متعلق ایک دلدوز تمثیل ناممکن ہے کہ آپ سے پڑھیں اور آپکے لطیف جذبات کو ٹھیس لگے۔ نجمہ کی خانہ بربادی۔ گھر سے نکلکر نجمہ نے معصیت کی زندگی میں کیا دیکھا؟ گناہ آلود زندگی نے اُسے کیا سکھایا؟ جھوٹے فریبی عاشقوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ نجمہ اپنی گھناؤنی زندگی سے خود بیزار ہوجاتی ہے مگر اپنے بچے کی خاطر اپنے ناپاک وجود کو زندہ رکھتی ہے کس طرح؟ کیسی کیسی مصیبتیں جھیل کر؟ قابلِ بیان تلخ حقیقتیں اس تمثیل میں ملاحظہ کیجئے جو گناہ اور موت کی لرزہ خیز تصویر ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲) علاوہ محصول۔

ملنے کا پتہ:- ساقی بُکڈپو۔ دہلی ۶

تجارت

جاپان بلحاظ رقبہ یورپ اور دوسرے اقالیم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن پھر بھی تمام دُنیا پر چھایا ہوا ہے اور چپّہ چپّہ پر اس کا نام پہنچا ہوا ہے جس چیز نے اسے دُنیا کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کا ہمسر اور مدّمقابل بنایا وہ دولت - لشکر اور طاقت نہیں بلکہ صرف تجارت ہے -

مجھ سے اکثر احباب ہندوستان میں دریافت کیا کرتے تھے کہ جاپان تجارت میں اپنی حریف قوم جرمن - انگریز - امریکن وغیرہ کو پسپا کرنے میں کس طرح کامیاب ہو جاتا ہے - ہندوستان ہی کو لیجئے جنگ عظیم سے پہلے جاپانی اشیا کی یہاں اسقدر کم درآمد تھی کہ شاذ شاذ چیزیں بازار میں دکھائی دیتی تھیں - لیکن آجکل یہ حالت ہو رہی ہے کہ اشیاء درآمد میں ایسی کوئی شاخ نہیں جس میں جاپان آگے بڑھا ہوا نہ ہو - کیا تمام معدنیات کی جاپان میں کانیں موجود ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ جاپان کی کانوں میں سے تانبا اور پتیل زیادہ تر نکلتا ہے، تمام دوسری معدنیات اور کچا سامان جیسے روئی - ربڑ - وغیرہ، انہیں باہر سے منگوانا پڑتا ہے لیکن خوبی یہ ہے کہ باوجود مصارف نقل و حرکت اپنی بنائی ہوئی چیزیں انہی ممالک میں جہاں سے کچا سامان لایا گیا ہے - اُن سے زیادہ سستی فروخت کرتے ہیں - غیر ملک کے لوگوں کا خیال ہے کہ جاپان میں مزدوری بہت ہی ارزاں ہونی چاہیئے جس سے چیزوں کی ساخت پر لاگت کم آتی ہے - میری رائے میں اہم اسباب فروغ تجارت یہ ہیں :-

دستکاری

جس چیز نے جاپان کی تجارت کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ کام کیا وہ اُن کی قوتِ صنّاعی ہے - حکومت نے اُس کی اشاعت و تکمیل کے لئے پورے انہماک سے کام لیا - فرزندانِ وطن کو بغرض تعلیم و تحصیل اُن ممالک میں بھیجتی رہی جہاں کی دست کاریاں تمام دُنیا پر چھائی ہوئی تھیں - اپنے یہاں اپنی زبان میں مختلف فنون کے مدارس اور یونیورسٹیاں قائم کیں جن میں کاملانِ فن اساتذہ اور پروفیسر بُلا کر رکھے گئے اور جو ہنر سیکھے گئے اُسکو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا -

جاپان میں بڑے کارخانے اسقدر نہیں جتنا بیرونجات کے لوگ خیال کرتے ہیں - نہ انہیں بڑے میدانوں کی ضرورت ہے نہ بڑے سرمایہ کی - زیادہ تر لوگ اپنے مکانوں میں ہی قرابت داروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پیمانوں پر کام کرتے رہتے ہیں اس لئے عموماً وہ مشکلیں جو متمدن اقوام میں مزدور اور سرمایہ داروں میں باہم پیش آتی رہتی ہیں یہاں نہیں پیدا ہوا کرتیں - نہ تعین وقت کا جھگڑا ہے نہ تنخواہ کی کمی بیشی کا - البتہ سرکاری قانون کارخانہ جات کی رُو سے ہر اُس کارخانہ میں جہاں پانچ سے زیادہ مزدور کام کرتے ہوں تعین وقت کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے - لیکن مذکورہ بالا ہنر خانے ایسے قوانین سے مستثنیٰ ہیں -

دستکاریوں کی ترقی کے لئے حکومت ہر طرح ممد و معاون ہے کہا جاتا ہے کہ جاپانیوں میں قوت اختراع نہیں بلکہ قوت نقل ہے - وہ ہر اختراع کی نقل و تتبع کرتا ہے اور اتنی بہتر کرتا ہے کہ لوگ اصل کو بھول جاتے ہیں - ایک حد تک یہ بات ٹھیک ہے لیکن گورنمنٹ کی

کوشش یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اُن میں قوتِ اختراع بڑھائے اس لئے سرکاری محکمۂ ہنر کی طرف سے ان لوگوں میں جو نئی ایجاد پیش کرتے ہیں ہر سال انعامات تقسیم ہوتے ہیں اور آئندہ اس کے فوائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُسکی اشاعت اور ترقی کے لئے مالی امداد بھی دیتی ہے۔

مراسلات

مراسلات کی سہولتیں بھی بہت سی ہیں۔ معمولی خط و کتابت کے علاوہ تار ٹیلیفون بڑے بڑے شہروں میں تو عموماً ہوا کرتے ہیں۔ لیکن یہاں ہر چھوٹے سے دیہات میں جہاں چار کارخانے ہوں ٹیلیفون کا بندوبست ہے۔ خط و کتابت میں ارسال خصوصی کا استعمال قابلِ ذکر ہے۔ ایسے مراسلات معمولی خطوط سے بہت جلد پہنچا کرتے ہیں۔ سب سے بڑی آسانی یہ ہے کہ ڈاک۔ تار۔ ٹیلیفون وغیرہ کی لاگت بہ نسبت ا۔ ممالک کے تقریباً نصف سے بھی کم ہے۔ یہ سہولت نہ صرف اندرونی ممالک کے لئے مخصوص ہے بلکہ غیر ممالک کے ساتھ مراسلات میں بھی یہ بات میسر ہے۔

ذرائع نقل و حرکت

چیزیں تیار ہونے کے بعد جو فکر پہلے دامنگیر ہوتی ہے وہ مال کو خریدار تک پہنچانا ہے۔ اس کے لئے ملک میں بائیسکل، ٹرائیسکل، موٹر سائیکل، موٹر لاری اور ریل اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ہندوستان میں اس کا پچیس فی صدی بھی رواج نہیں۔ اور باایں ہمہ نرخ کرایہ بھی دوسرے ممالک کی نسبت ارزاں ہے۔

کوبے (Kobe) اور اوساکا (Osaka) جو ایک دوسرے سے تقریباً بیس بائیس میل کے فاصلے پر ہیں ان دونوں شہروں میں مسافروں کی آمد و شد کے لئے گورنمنٹ ریلوے ٹرین روزانہ ڈیڑھ سو سے زیادہ آتی جاتی ہیں۔ اس کے ماسوا ان دو شہروں کے درمیان دو برقی ٹریموے کمپنیاں ہیں اور ان کی بھی آمد و شد ریلوے سے کم نہیں۔ علاوہ بریں سٹی ٹریموے کمپنیاں اور موٹر بس کمپنی کی گاڑیاں بھی اسی طرح دوڑتی رہتی ہیں۔ تمام جاپان میں ہر بندرگاہ تک دیہات اور شہروں سے اسباب لانے اور لیجانے کا ایسا ہی کافی بندوبست ہے۔ یہ تو اندرونی ملک کی حالت ہے لیکن اس سے بڑھکر ان کی متعدد اسٹیمر کمپنیاں ہیں جو دُنیا کے گوشے گوشے تک مال پہنچاتی ہیں۔ اور اُن کا نرخ بہت ہی سستا ہوتا ہے۔ دُور کیوں جائیں موازنہ کے طور پر یہی نظیر کافی ہے کہ وہ مال جو ایک مرتبہ جاپان سے بھیجا گیا ہو سو۔ اتفاق سے اگر اسے جاپان واپس کیا جائے تو اُسکا واپسی کا خرچ دُگنے سے زیادہ آیا کرتا ہے۔

وہ پیداوار جو غیر ممالک سے محض اشیاء کی ساخت کے لئے لائی جاتی ہیں۔ جیسے ہندوستان سے روئی اور ملایا سے ٹن، ربڑ۔ وغیرہ۔ ان کے درآمد کے لئے بھی اسٹیمروں کے نرخ بہت ہی معمولی ہیں۔ نرخ کی تعین میں گورنمنٹ کا مشورہ شریک رہتا ہے اور اسی لئے اُن کی بعض بڑی کمپنیاں جو حکومت کے زیر اثر کام کر رہی ہیں انہیں تلافی نقصان کے طور پر مالی امداد بھی ملا کرتی ہے۔ چونکہ رعیت کی پرورش اور فارغ البالی کی ذمہ دار حکومت ہوا کرتی ہے اس لئے ہر ایسے ذرائع کام میں لینا جن سے ملک کی تجارت فروغ پائے حکومت اپنا پہلا فرض سمجھتی ہے۔

نرخ تبادلہ

سنہ ۱۹۳۱ء میں سیاسی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انگلینڈ نے سب سے پہلے گولڈ سٹانڈرڈ گرا دیا اور جاپان نے بھی اس کے منافع پر غور کرتے ہوئے اپنے یہاں سے سونے کی برآمد بند کر دی اس سے جاپان کے ایکسچینج پر گہرا اثر پڑا۔ صرف ہندوستان اور جاپان کے تبادلہ کے لحاظ سے معلوم ہوگا کہ تقریباً پچاس فی صدی داموں میں فرق پڑ گیا۔ یہی حال اس کا تمام دُنیا کے سکّوں کے ساتھ ہوا۔ اگرچہ اس طرح بیرونِ ممالک کی پیداوار کی درآمد گراں ہوگئی تاہم اُنھوں نے اپنی حکمتِ عملی سے کام لیکر چیزوں کے اصل دام تخمیناً اتنے ہی رکھے جتنے پہلے تھے۔ اس طرح جاپان کی چیزیں تمام مغرب کی مصنوعات سے نصف سے زیادہ ارزاں ہوگئیں۔ یہاں کی بنی ہوئی چیزیں طوفانی سیلاب کی طرح جابجا پھیلتی چلی گئیں۔ یورپ کے صنعتی مراکز کو یہ خطرہ دامنگیر ہوگیا کہ اگر جاپان کی تجارت کی رفتار یوں ہی قائم رہی تو عنقریب وہ اُن تمام بازاروں سے جہاں اُن کا مال جا رہا ہے اُن کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکے گا۔

موازنہ

مذکورہ بالا بیان کے بعد ذیل میں ایک مختصر سی جدول پیش کی جاتی ہے جس سے واضح ہوگا کہ سنہ ۱۹۲۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۳۴ء تک جاپانی تجارت کس طرح بتدریج ترقی کرتی گئی۔

برآمد

سنہ	خوراکی اشیاء	کچا سامان	نیم ساختہ	پورا تیار شدہ	مجموعہ دوسری چیزوں کے ساتھ
۱۹۲۱-۲۵ اوسط	۸۰.۹۳ لاکھ	۸۰.۵۵ لاکھ	۶۷.۴۳ لاکھ	۵۴.۱۳ لاکھ	۱۴۵.۸۴ لاکھ
۱۹۲۸ "	۱۳.۵۲ "	۷.۳۸ "	۶۸.۶۴ "	۶۷.۷۵ "	۱۶۴.۳۳ "
۱۹۲۹ "	۱۳.۳۴ "	۷.۴۵ "	۷۳.۶۵ "	۷۸.۱۱ "	۱۷۹.۵۵ "
۱۹۳۰ "	۱۵.۷۴ "	۵.۳۸ "	۴۳.۶۸ "	۵۷.۴۵ "	۱۲۲.۴۹ "
۱۹۳۱ "	۸.۵۳ "	۳.۷۳ "	۳۵.۲۴ "	۴۴.۴۱ "	۹۵.۵۸ "
۱۹۳۲ "	۸.۶۹ "	۴.۲۶ "	۴۵.۵۲	۵۸.۳۸ "	۱۱۷.۵۵ "
۱۹۳۳ "	۱۳.۱۷ "	۶.۱۵ "	۴۴.۹۵	۸۵.۹۷ "	۱۵۵.۵۹ "
۱۹۳۴ "	۱۴.۳۳ "	۷.۹۸ "	۴۱.۵۴	۱۱۲.۱۳	۱۸۵.۹۹ "

(از کوبے)

سید محمد شاکر تراب علی ندوی

ایثار

ہماگوچی اپنے گاؤں کا سب سے زیادہ بااثر اور عمر رسیدہ شخص تھا، عرصہ دراز سے وہ اپنے گاؤں کے عہدہ سرداری پر مامور تھا، بستی والے اُس کی بڑی عزت کرتے اور بے انتہا تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے، عام طور پر لوگ اُسے دادا کے نام سے پکارتے تھے، اپنی قوم اور اپنی بستی میں سب سے زیادہ دولتمند اور صاحبِ ثروت ہونے کی وجہ سے وہ وہاں کا حاکم تسلیم کیا جاتا تھا، چھوٹے کاشتکاروں کو مفید اور سُود مند مشورے دینا، اُن کے باہم متنازعات کا تصفیہ کرنا، بوقت ضرورت اُنہیں مالی امداد دینا، اور اُنکے دھان کو اچھی قیمت پر فروخت کروانا یہی وہ فرائض تھے جو اُسے انجام دینے پڑتے تھے۔

اُس کا گھاس پھوس کا جھونپڑا ایک ہموار ٹیلے پر واقع تھا، جہاں سے خلیج کا چمکتا ہوا پانی صاف دکھائی دیتا۔ یہ ٹیلہ جس میں زیادہ تر چاول کی کاشت ہوتی تین طرف گھنے جنگلوں سے بھری پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا، اوپر سے زمین کی سطح ڈھالو ہوتی ہوتی ایک بڑی سرسبز وادی میں تبدیل ہو گئی تھی، تمام نشیب تقریباً پون میل اس طرح اونچا ہو گیا تھا کہ جب کھلے ہوئے سمندر پر دیکھو تو معلوم ہوتا تھا ہری بھری سیڑھیوں کی ایک بڑی قطار ہے جسے بیچ میں ایک سفید پیچدار پہاڑی سلسلہ کاٹ دیتا ہے، یہ گاؤں جس میں نوّے مکان اور ایک شنتو[1] مذہب کا مندر تھا، اس جگہ واقع تھا جہاں پر خلیج خم کھاتی تھی، اور دوسرے مکانات تھوڑی دُور آگے نشیب کے اوپر اُس پتلی سی سڑک کے دونوں طرف بکھرے ہوتے اوپر کو چلے گئے تھے جو ہماگوچی کے گھر کی طرف جاتی تھی۔

خزاں کا موسم تھا اور شام کا وقت، ہماگوچی اپنے مکان کے برآمدہ میں کھڑا ہوا نیچے دیکھ رہا تھا، اُس کے گاؤں کے تمام افراد نیچے خوشی منانے کی تیاریاں کر رہے تھے، چاول کی فصل اچھی تیار ہوئی تھی اور کاشتکار فصل کاٹنے کی خوشی میں مندر کے سامنے والے صحن میں رقص کرنے جا رہے تھے، ضعیف ہماگوچی سنسان سڑک پر اُڑتی ہوئی رنگ برنگ جھنڈیاں، دو طرفہ بانسوں میں لٹکی ہوئی خوشنما قندیلیں، مندر کی آرائش و زیبائش اور زرق برق کپڑوں میں ملبوس نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا، اُس شام کو اس کے ساتھ صرف ایک دس برس کا پوتا تھا، بقیہ گھر کے لوگ علی الصباح ہی گاؤں چلے گئے تھے، وہ خود بھی جاتا اگر اُسکی طبیعت خراب نہ ہوتی۔

دن گراں تھا، اور گرمی بھی معمول سے زیادہ پڑ رہی تھی، باوجودیکہ تیز ہوا چل رہی تھی مگر اُس میں اس قسم کی حدت موجود تھی جو جاپانی کسانوں کے تجربہ کے مطابق کسی خاص موسم میں زلزلہ آنے سے پہلے ہوتی ہے، تھوڑی ہی دیر کے بعد زلزلہ آیا مگر اُس کا جھٹکا اتنا شدید نہ تھا کہ کام کاج میں مشغول لوگ اُسے محسوس کر کے خوفزدہ ہو جاتے، لیکن ہماگوچی کو جو اپنی عمر میں سینکڑوں ایسے جھٹکوں کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس حیرت انگیز خفیف جھٹکے کا احساس ہو گیا، غالباً کہیں دُور زلزلہ آیا تھا اور یہ جھٹکا اِسی کا نتیجہ تھا، کئی بار مکان آہستہ آہستہ ہلا

[1] شنتو جاپانیوں کا قدیم مذہب ہے، اور بدھ مذہب پھیلنے سے پہلے وہاں کے باشندے اِسی مذہب کے پیرو تھے، اس مذہب کے رواج کے مطابق جب کوئی جاپان کا جانباز سپاہی، زبردست ہیرو یا حکمراں یا کوئی ایسا شخص جس نے جاپانیوں کے لئے کوئی زبردست مہم سر کی ہو یا اُنکے لئے کوئی مفید کام انجام دیا ہو مرتا تو جاپانی اس کے نام سے ایک مندر تعمیر کرتے اور اُس مندر میں اس کی خیالی روح کی پرستش کرتے تھے، ابھی تک اس مذہب کے ماننے والے جاپان میں بکثرت موجود ہیں۔

اور چرچرایا اُس کے بعد تمام چیزیں ساکن اور خاموش ہوگئیں، جب زمین کی جنبش موقوف ہوگئی تو ہماگوچی کی تیز اور تجربہ کار نگاہیں پریشانی کے ساتھ گاؤں کی طرف اٹھیں —— اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو بغور دیکھ رہا ہو اور اُسکی توجہ اچانک کسی نہ معلوم اور نہ دیکھی ہوئی شے کی طرف منذول ہوجاتی ہے تو اُس کے دماغ کے پردوں پر کسی غیر معلوم اور غیر معروف شے کا مُبہم سا خاکہ کھنچ جاتا ہے —— ایسا ہی ہوا، ہماگوچی نے کنارہ سے دُور سمندر میں غیر معمولی علامت دیکھی، وہ کھڑا ہوگیا اور اُس طرف غور سے دیکھنے لگا، سمندر یکایک دُھندلا ہوگیا تھا اور اُس میں دہشت خیز حرکت پیدا ہوگئی تھی۔ اُس کا پانی ہوا کے خلاف بہنے لگا تھا، وہ ساحلِ سمندر سے ہٹتا جا رہا تھا، جلدی ہی گاؤں کے باشندے اس تعجب خیز واقعہ سے آگاہ ہوگئے، لیکن ظاہراً اُن میں سے کسی کو بھی زمین کی لرزش کا احساس نہ ہوا تھا، مگر پانی کی اس خلافِ معمول حرکت سے تمام کے تمام حیرت میں ڈوب گئے، اور اُسے ایک عجیب و غریب تماشہ سمجھکر دیکھنے کیلئے کنارہ کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ اپنے شوق میں کنارہ سے بھی آگے بڑھ گئے، کسی نے بھی اپنی عمر میں ایسا جزر نہیں دیکھا تھا، جو چیزیں کبھی نہ دیکھی گئیں تھیں اب وہ پانی کے سرکنے سے ظاہر ہوتی جارہی تھیں —— ہماگوچی اِس تغیر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ نیچے کا کوئی متنفس بھی یہ سوچتا ہوا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ خوفناک جزر کن تباہ کاریوں کا باعث ہوگا۔ ہماگوچی نے خود بھی ایسا حیرت انگیز تغیر کبھی نہ دیکھا تھا، لیکن اُسے وہ سب باتیں یاد تھیں جو بچپن میں اُس کے دادا پردادا نے اُس سے کہیں تھیں اور ساحل سے جو خوفناک روایتیں منسوب تھیں وہ سب جانتا تھا، وہ جانتا تھا سمندر کیا حشر برپا کرنیوالا ہے شاید اُسے گاؤں خبر بھیجنے کی ضرورت ہوئی، یا مندر کے مہنتوں کو پہاڑی پر بلاکر گھنٹہ بجوانیکا خیال ہوا، بہرحال جو کچھ بھی اُس کے ذہن میں آیا تھا وہ نیچے والوں کو اُس سے بہت جلد باخبر کردینا چاہتا تھا، وہ ضعیف تھا اور کافی، اِس لئے سُرعت سے اُن تک نہیں پہونچ سکتا تھا، وہ گاؤں والوں کو آنیوالے خطرہ سے بہت جلد آگاہ کردینا چاہتا تھا، چنانچہ اُس نے اپنے ننھے پوتے کو آواز دی:-

"ٹاڈا! بہت جلدی مجھے ایک مشعل جلاکر تو دو (اس قسم کی مشعلیں ہر جاپانی ساحل پر طوفانی راتوں اور مندر میں جشن منانے کے لئے جلانیکو رکھی رہتی ہیں)

بچے نے تیزی سے ایک مشعل جلائی اور اپنے دادا کو دیدی، بُوڑھا ہماگوچی اُسے لیکر کھیتوں کی طرف بڑھا۔ جہاں چاول کی بالوں سے لدے ہوئے سینکڑوں پودے اُس کی مستقبل کی دولت کا نشان لئے کھڑے تھے، نشیب کے کنارے جو پودے سب سے قریب تھے وہ ان تک پہونچا اور ایک طرف سے اُن میں آگ لگانا شروع کردی، اُس کے ضعیف اعضا جتنی یاری دیتے اتنی ہی تیزی سے وہ آگے بڑھتا اور یکے بعد دیگرے ہر پودے میں آگ لگاتا جاتا، خُشک بالوں نے آتشگیر مادہ کی طرح آگ پکڑی اور تیز ہوتی ہوئی بحری ہوا شعلوں کو زمین کی طرف بھڑکانے میں معاون ہوئی، فی الفور قطار در قطار دھان کے پودے شعلہ زن ہوگئے اور دھوئیں کے ستون آسمان کی طرف اُڑنے لگے، ٹاڈا حیرت میں پڑگیا اور خوفزدہ ہوکر اپنے دادا کے پیچھے چیختے ہوئے دوڑا!

"کیا کر رہے ہیں دادا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

ہماگوچی نے سُنا مگر کچھ جواب نہ دیا۔ اُسے جواب دینے کی مُہلت نہ تھی، اُسے خیال تھا تو صرف خطرہ میں پڑی ہوئی چار سو زندگیوں کا، لمحہ بھر کے لئے تو ننھا ٹاڈا بھڑکتے ہوئے دھان کو دیکھتا رہا۔ پھر گھر واپس بھاگ گیا، اُسے یقین تھا کہ اُس کے دادا ضرور پاگل ہوگئے ہیں۔ ہماگوچی آگ لگاتا ہوا اپنے کھیت کی آخری حد تک پہونچ گیا، اور وہاں اپنی مشعل پھینک کر لوگوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا...

انتظار کرنے لگا۔

جب پہاڑی کے مندر کے مہنتوں نے بلند ہوتے ہوئے شعلے دیکھے تو دوڑ کر گھنٹہ بجانے لگے، لوگوں نے اس دوہری صدائے طلبی کو سُنا اور جہاں جہاں تھے وہیں سے چیونٹیوں کے دَل کی طرح کھیت کی طرف دوڑ پڑے، ہماگوچی کو وہ بہت سُست دوڑتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے، جس گھڑی وہ دوڑ رہے تھے وہ اُسے بہت طویل معلوم ہو رہی تھی، وہ چشم زدن میں سبکو اپنے پاس دیکھنا چاہتا تھا، سورج غروب ہو رہا تھا، اُس کی زرد کرنیں خلیج کے پُرشکن فرش پر پڑ رہی تھیں، اُس سے آگے ریت کا میدان شفق کی دُھندلی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اب بھی سمندر کا پانی اُفق کی طرف بہہ رہا تھا، ہماگوچی کو واقعی زیادہ انتظار کرنا پڑا، اور پہلی معاونین کی جماعت پہونچ گئی جو پندرہ بیس پھرتیلے نوجوان کسانوں پر مشتمل تھی، وہ آتے ہی چاہتے تھے کہ آگ بجھا دیں، لیکن اُن کے سردار نے اُنہیں ہاتھ کے اشارہ سے روک دیا اور کہا:۔

”جلنے دو لڑکو! اِنہیں یونہی جلنے دو، میں سب لوگوں کو یہاں دیکھنا چاہتا ہوں، بڑی مصیبت آنیوالی ہے۔“

گاؤں کا گاؤں بھاگا ہوا آ رہا تھا۔ اور ہماگوچی سبکو شمار کر رہا تھا، نوجوان لڑکے، تیز و چالاک عورتیں اور لڑکیاں سب کی سب اُس جگہ بھاگتی ہوئی آ رہی تھیں، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی بھاگے آ رہے تھے۔ کیونکہ وہ پانی لانے میں مدد دے سکتے تھے، ضعیف اور کمزور جو پہلی جماعت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے وہ بھی ڈھال پر آتے ہوئے نظر آ رہے تھے، بڑھتی ہوئی بھیڑ جو ابھی تک اصلی وجہ سے ناواقف تھی کبھی افسوس و غم سے جلتے ہوئے کھیتوں کو دیکھتی تھی اور کبھی اپنے سردار کے متفکر چہرے کو، رفتہ رفتہ سورج غروب ہو گیا۔

”دادا دیوانے ہو گئے ہیں۔ میں اُن سے ڈرتا ہوں“ ٹاڈا نے روتے ہوئے کچھ سوالوں کا جواب دیا۔ ”وہ دیوانے ہیں اُنہوں نے قصداً کھیتوں میں آگ لگائی ہے، میں نے خود اُنہیں ایسا کرتے دیکھا ہے“

ہماگوچی نے کہا۔ ”وہاں میں آگ لگانے کے متعلق تو یہ بچہ سچ کہتا ہے کہ میں نے ہی اُن میں آگ لگائی ہے! ....
.... کیا سب لوگ آ گئے ؟“

سب خاندانوں کے بُزرگوں نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور پہاڑی کے نیچے دیکھکر جواب دیا ”قریب قریب سب لوگ آ گئے ہیں اور جو ابھی نہیں آئے ہیں وہ بہت جلد یہاں پہونچ جائینگے .... مگر ہم اسکا مطلب نہیں سمجھے“

”وہ آگیا!“ ہماگوچی نے سمندر کیطرف اشارہ کرتے ہوئے چیخ کر کہا ”اب کہو کیا میں پاگل ہوں ؟“

شفق کی دُھندلی روشنی میں سب نے مشرق کی طرف دیکھا اُنہیں ایک طویل مہین اور دُھندلا خط دکھائی دیا۔ وہ ساحل سے مشابہ تھا، جس طرح دُور سے آنیوالے جہاز میں بیٹھے ہوئے شخص کو جوں جوں جہاز ساحل سے نزدیک ہوتا جاتا ہے ساحل کا خط زیادہ واضح اور صاف ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے اُسی طرح وہ ساحل بھی پہاڑ کی طرف بڑھ رہا تھا چٹان کی طرح بلند اور ایک چیل کی پرواز سے زیادہ تیز۔

”سونامی!“ زور و شور سے لوگ چلائے مگر اُن کی تمام چیخیں، تمام آوازیں اور سماعت کی تمام قوتیں ایک مہیب و خوفناک گرج میں معدوم ہو گئیں، جبکہ واپس شدہ ہیبتناک بحری موج ساحل سے خوفناک جھٹکے کے ساتھ ٹکرائی، تمام چٹان اس تصادم سے لرز گئی اور بجلی کوندنے کی طرح پھین پھٹ پڑا، تھوڑی دیر سوائے بلا کے طوفان کے کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا، وہ بادل کے مانند

اوپر چڑھ رہا تھا، لوگ صرف اس کے خوف ہی سے منتشر ہو گئے اور ہنگامہ کے ساتھ پیچھے بھاگے، اس کے بعد جو اُن لوگوں نے دیکھا تو انکے مکانات غرقِ آب ہو چکے تھے، سمندر گڑگڑاتا زمین میں شگاف پیدا کرتا ہوا پیچھے لوٹا اور پھر چٹان سے ٹکرایا، اسی طرح تین چار بار چٹان سے ٹکرایا، مگر ہر بار اُسکی شدت میں کمی ہوتی گئی۔ آخر وہ اپنی قدیم عام جگہ پر واپس آگیا۔ تاہم اُس میں تلاطم بپا تھا جیسا کہ طوفان گزر جانیکے بعد ہوتا ہے۔

گاؤں معدوم تھا، کھیتوں کا بڑا حصّہ تباہ ہو چکا تھا۔ جھونپڑیوں کا نام ونشان تک نہ تھا اور خلیج کے کنارے جتنے بھی مکانات تھے سب غائب تھے، صرف گھاس پھوس کے دو تین چھپّر پانی میں اُچھل رہے تھے، موت کا خوف اب لوگوں کے دلوں سے دور ہو چکا تھا۔ اور وہ لقصانِ عظیم کے رنج وغم میں ڈوبے ہوئے خاموش کھڑے تھے، آخرش ہماگوچی کی آواز نے پھر خاموشی کو توڑا:۔

"اسی غرض سے میں نے وہاں میں آگ لگائی تھی!"

اُن کا سردار اب اُن کے وسط میں کھڑا تھا، بالکل اُنہیں کا سا غریب وبیکس ——— اُس کی تمام دولت برباد ہو چکی تھی ——— لیکن اُس نے اپنی دولت کی قربانی سے چار سو زندگیاں بچالی تھیں، ننّھا ٹاڈا اُس کے پاس دوڑ گیا اور اپنی کہی سُنی باتوں کی معافی مانگی، اب لوگ اس راز سے آگاہ ہوئے کہ وہ کیونکر موت کے پنجہ سے بچے، اُن کو لپٹ سادہ، حلیم، بے لوث اور منکسر المزاج نجات دہندہ کی پیش بینی پر تعجب تھا، خاندان کے بزرگ اُس کے سامنے سجدے میں گر گئے اور اپنے سروں کو اُس کے قدموں پر ڈالدیا، اُن کے پیچھے گاؤں کے تمام لوگ بھی۔

اُس کی آنکھیں مسرت کے آنسوؤں سے پُر ہو گئیں، کیونکہ وہ ضعیف اور کمزور ہونیکے باوجود اپنے امتحان میں کامیاب اُترا تھا، جوں ہی اُسے الفاظ ملے اُس نے ٹاڈا کے رُخساروں کو آہستہ آہستہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "میرا گھر موجود ہے اُس میں بہت لوگ رہ سکتے ہیں، اور بقیہ لوگوں کا انتظام رہائش مندر میں ہو جائیگا" پھر وہ سب کو اپنے گھر لے گیا، لوگ وفورِ محبت میں چیخ اُٹھے،

اُس زمانے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے تیز ذرائع موجود نہ تھے، آجکل کی طرح ریلیں، ہوائی جہاز اور اسٹیمر نہ تھے اور تباہ شدہ علاقہ میں سینکڑوں میل دوسرے شہروں سے سامان کی فراہمی ہوتی تھی، اس لئے بہت عرصہ تک گاؤں والے مصیبت اور پریشانیاں جھیلتے رہے، لیکن جب اُن کے اچھے دن پھرے تو اُنھوں نے اپنے بے لوث بچانیوالے کو فراموش نہ کیا، وہ جانتے تھے کہ اُنکی زندگیاں اُس کی رہینِ منت ہیں، اُن کے گھر میں اتنی دولت نہ تھی کہ اُس کے گھر میں مال ودولت کے انبار لگادیتے، پھر وہ اگر ایسا کرتے بھی تو اُس کی غیور طبیعت کب قبول کر سکتی تھی، علاوہ ازیں زروجواہر کے بیش قیمت تحائف اُس محترم عقیدت کی تلافی نہ کر سکتے تھے۔ جو انہیں اُس سے تھی، اُنہیں یقین تھا کہ اُس کے جسم میں کوئی معمولی روح نہیں ہے بلکہ اُسے آسمانی روح بخشی گئی تھی، وہ ایک دیوتا قرار دیدیا گیا، اور گاؤں والے اُسے "ہماگوچی نجات دہندہ" کے نام سے پکارنے لگے، اس سے بڑھکر وہ اُس کی تعظیم وتکریم نہیں کر سکتے تھے، فی الحقیقت یہ عزت ایک فانی انسان کے لئے ایک زندہ جاوید عزت تھی، جب گاؤں دوبارہ آباد ہوا اور لوگ بس گئے تو گاؤں والوں نے اُس کی روح کی پرستش کے لئے ایک مندر بنایا اور اُس کے سامنے ایک کتبہ نصب کیا گیا جس میں اُس کا نام چینی زبان میں سُنہرے حروف سے کھدا ہوا تھا۔

اِس مندر میں وہ اُس کی پوجا کرتے اور اُس پر نذر ونیاز چڑھاتے، وہ اُسے کیا سمجھتا ہوگا یہ نہیں کہا جا سکتا، ہاں اتنا معلوم ہے

کہ وہ پہاڑی پر اپنے پھونس کے جھونپڑے میں اپنے لڑکوں اور پوتوں سمیت حسب سابق اپنی زندگی انتہائی سادگی اور پاکیزگی سے بسر کرتا رہا اور اُس کی روح کی پرستش مندر میں ہوتی رہتی، عرصہ ہوا وہ مر چکا ہے، مگر وہ مندر اب تک اُس کی یادگار میں قائم ہے اور اب بھی اُس میں اُس کی پوجا ہوتی ہے تاکہ اُس کی روح گاؤں والوں کو آنیوالی تکالیف اور مصائب سے نجات دلائے۔

(ترجمہ از لفکاڈیو ہرن) سعد منیر الدین کانپوری

(بقیہ سلسلہ صـ) بس کا ہرگز نہ تھا۔

ہندوستان کے ادیبوں کو "جاپان نمبر" کے سلسلہ میں جو خطوط لکھتا ہوں تو کوئی مضمون لکھنے کے لئے تیار نظر نہیں آتا۔ سب یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جاپان کے متعلق ہمیں کچھ بھی معلومات نہیں اور کتابیں بھی دستیاب نہیں ہوتیں۔ مجبوراً چند ایس ہی کے لوگوں سے اصرار کیا اور اُن سے کچھ نہ کچھ زبردستی لکھوایا۔ خُدا کا شکر ہے کہ اس طرح چند نہایت عمدہ مضامین فراہم ہو گئے۔ پنجاب کے مشہور فلسفی ادیب مولانا منصور احمد صاحب اڈیٹر "ادبی دنیا" اُن ادب نواز ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے ادب کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہو۔ آپکو کئی زبانوں کے لٹریچر پر عبور حاصل ہے۔ آپ نے "ادبی دُنیا" کی مصروفیات سے وقت نکال کر ساقی کو "جاپانی شاعری کی روح" جیسا بلند پایہ مضمون عنایت کیا۔ اس عطیہ کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ دوسرا مضمون جو خاص طور پر شکریہ کا مستحق ہے "جاپانی ادبیات" ہے۔ جو مسٹر مفضل حق قریشی دہلوی کی انتہائی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ جاپان نمبر میں ادبِ جاپان پر کوئی مضمون نہیں تھا۔ یہ ایک بہت بڑی کمی تھی جو قریشی صاحب نے پوری کر دی اور حق یہ ہے کہ ایک بے مثل علمی تحفہ پیش کیا ہے۔ اس مضمون کی تیاری میں دنوں نہیں بلکہ مہینوں کتابوں کی چھان بین کی گئی ہے اور گھنٹوں مسلسل بیٹھ کر لکھا گیا ہے۔ گھر والے پریشان تھے کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ تو کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا۔ چاروں طرف کاغذات کے ڈھیر ہیں۔ اور کتابوں کے انبار۔ صبح سے شام ہو گئی ہے۔ اور بعض اوقات شام سے صبح۔ جب مضمون ختم ہو گیا تو میں نے اُن کے ساتھ خُدا کا بھی شکر ادا کیا، کہ اُن کی صحت پر اس کا ناگوار اثر نہیں پڑا۔ مجھے یقین ہے کہ اتنی سخت محنت ہمارے نوجوان ادیبوں میں سے کوئی اور نہیں کر سکتا یہ جانتے ہوئے کہ اس محنت کا صلہ سوائے واہ واہ کے اور کچھ نہیں ہے، محض ایک دوست کی خاطر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ قریشی صاحب کے بعد میں جناب صادق الخیری دہلوی کو تحسین کا مستحق سمجھتا ہوں کیونکہ اُنھوں نے کئی ایسے ناول پڑھنے کے بعد جن میں جاپانی معاشرت پیش کی گئی ہے ایک ناول کو منتخب کیا اور اُسے مختصر کر کے ساقی کے لئے ترجمہ کیا گویا انہیں دُگنی محنت کرنی پڑی۔ مسٹر ظفر قریشی نے "فریائے فلک" کے علاوہ پروفیسر یونی نگوچی سے بھی ہمیں خوب روشناس کرایا۔ یہ وقت کی چیز ہے اس لئے بہت قیمتی ہے۔ تمنائی نے منتخب تراجم کئے ہیں اور اُن کی سعی مشکور ہے۔ مسٹر سعد منیر الدین نے اچھے افسانے کا ترجمہ کیا ہے۔ حضرت کوکب اور جناب نبی احمد کی نظمیں بہت پاکیزہ ہیں۔ غرض افادیت کی حیثیت سے "جاپان نمبر" بہت بلند نظر آتا ہے۔

آخیر میں مجھے مسٹر برلاس اور اُن کے احباب کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی عنایات سے ساقی کا "جاپان نمبر" شائع ہو سکا اور اس طرح ہمیں جاپان کو سمجھنے کا بہترین موقع مل گیا۔

شاہد

پراگندہ خیالات

اگر دُنیا کے ہر جاندار پرند-چرند-درند اور حشرات الارض کو طاقتِ گویائی عطا ہو جائے اور پھر ایک ایک سے دریافت کیا جائے کہ کس کے لئے پیدا کی گئی ہے-تو یقین کامل ہے کہ ہر ایک کا جواب ایک ہی ہوگا۔ یا ان الفاظ "دُنیا میرے لئے پیدا ہوئی ہے-اس کے جاندار اس کی نباتات و جمادات سب میرے فائدہ اور آرام کے لئے بنائے گئے ہیں بعض جاندار خطرناک اور ایذا رساں ہیں-ان کی ہستی کو نابود کرنا میرا فرض ہے-میں اشرف المخلوقات ہوں-میں پیدا اس لئے کیا گیا ہوں کہ دُنیا سے بُرائی کو نکالوں اور نیکی کے جھنڈے کو کھڑا کروں" پلیگ کا جرم اپنے خیالات کو ان الفاظ میں ظاہر کرے تو-مچھر-کھٹمل-مکھی کریں تو-چیل-گدھ-باز-عقاب-بلی-شیر-تو بات ایک ہی ہے ہر فرد اپنی ہستی کو نہایت ضروری سمجھتا ہے-اس ہستی کو قائم رکھنا فرضِ عین تصوّر کرتا ہے-خواہ دوسرے فرد کی ہم جنس یا غیر جنس کی ہستی نابود ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ایک کبوتر چھت پر بیٹھا غٹرغوں غٹرغوں کر رہا ہے-مادہ قریب دھوپ میں پروں کو پھیلا کر سینک رہی ہے-کبوتر کی آواز اُسکے کانوں کو کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے-اُس کے دل میں کیا کیا جذبات پیدا کرتی ہے-یکایک ایک بلی بجلی کی طرح کبوتر پر آکر پڑتی ہے اور مُنہ میں دبا کر آناً فاناً میں غائب ہو جاتی ہے-کبوتری گھبرا کر اُڑ بیٹھتی ہے-اُس کا ننھا سا دل دھڑ دھڑ کر رہا ہے-اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوا اور کیوں ہوا۔

ایک ننھا سا بکری کا بچّہ ماں سے جُدا ہو کر "میں میں" کرتا ہوا ایک ٹیلے پر بھٹکتا پھر رہا ہے-ایک مادہ عقاب کی نظر اِدھر پڑتی ہے-فوراً ایک جھپٹے میں اس بچّہ کو پنجوں میں دبوچ کر پہاڑ کی چوٹی پر جہاں اُس کا گھونسلا بنا ہوا ہے لے اُڑتی ہے-وہاں اُس کے دو بچّے بھوک سے بیقرار ہو کر گھونسلے کے باہر نکل آتے ہیں فوراً بکری کے بچّہ کو چیر پھاڑ کر اپنے بچّوں کے آگے ڈال دیتی ہے اور یہ بھی اُس پھڑکتے ہوئے گوشت کو جس میں سے ابھی پوری جان بھی نہیں نکلی ہے اپنے چھوٹے چھوٹے پنجوں میں پکڑ کے چونچوں سے نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیتے ہیں۔

زندگی کا مقصد سوائے زندہ رہنے کے اور کیا ہو سکتا ہے-ہر جاندار اپنی اپنی بساط کے مطابق اور ضرورت کے موافق ہر ضروری سامان مہیّا کرنیکی کوشش میں لگا رہتا ہے-کھاتا ہے اس لئے کہ زندہ رہ سکتا ہے اس لئے کہ زندہ ہے-اپنی نسل کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے کہ خود اس ہستی میں زندہ نہ رہ سکے تو اولاد کے ذریعہ سے زندہ رہے-جہاں زندہ رہنے کے لئے زور کی ضرورت ہے وہاں طاقت کا استعمال کرتا ہے-جہاں مکّاری کی ضرورت ہے وہاں دماغ کو کام میں لاتا ہے-ہم جنس ہوں یا غیر جنس-کمزور طاقتور کا لقمہ بنتے ہیں

انسانی نسل خواہ کوئی بھی ہو-سیاہ-سفید-یا زرد سب ایک ہی شجر کی شاخیں ہیں-زمین کے مختلف حصوں میں پھیل جانے کی وجہ سے کچھ آب و ہوا کے اثر سے کچھ اور اور وجوہات سے جگہ جگہ کے رواج اور طریقہ بود و باش جُداگانہ ہو گئے ہیں-نتیجہ اس کا یہ کہ ہر قبیلہ یا گروہ-یا جماعت یا قوم میں اپنے کو ایک جُداگانہ فرد خیال کرنیکی عادت ہو گئی ہے-اور اس فرد کی بہبودی کو اصلی مقصد زیست سمجھنے لگے ہیں۔

سمندروں نے، دریاؤں نے، پہاڑوں نے زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ چونکہ یہ تقسیم کسی اصول پر نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے بعض ملک جو اس تقسیم کی وجہ سے بنے ہیں نہایت زرخیز ہیں اور بعض ہر قسم کی دولت سے محروم۔

جاپان اُن ملکوں میں سے ہے جو زرخیز نہیں کہے جا سکتے۔ یہ چند جزیروں کا مجموعہ ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے آبادی بہت زیادہ ہے۔ اور اس میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔ پیدائش کی روک تھام کی نہ جاپانیوں کو عادت نہ اُنکے خیال میں اس کی ضرورت۔ کھانے والے زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ خوراک کی پیداوار میں کوئی اضافہ نہیں۔ یوں تو چاروں طرف سمندر ہے اور سمندر میں مچھلیاں۔ لیکن فقط مچھلیاں کھا کھا کر جاپانی بھی شاید اُکتا جائیں۔ چاول کی کاشت جہاں جہاں ممکن ہو بڑھائی جائے۔ پہننے کے لئے کپڑا تیار کیا جائے لیکن فقط کھانا اور کپڑا ابھی موجودہ تمدن میں انسانی ضروریات کا صرف ایک حصہ اور چھوٹا سا حصہ ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کی بہبودی، صحیح بہبودی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ ملک کا ہر فرد ترقی کے قدم بقدم چل سکے۔ نہ صرف یہ بلکہ انسانی دماغ کے پورے جوہر دکھا سکے۔ میدانِ ترقی میں سب پر سبقت لیجائے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اس تنگ ملک میں جس میں کروٹ لینے کی جگہ نہیں۔

جاپان۔ چھوٹا سا ملک نسبتاً غریب۔ باشندے نہایت جفاکش، کفایت شعار۔ خوش اخلاق۔ ملک کی بہبودی کے لئے ضروری ہے کہ دولت میں اضافہ ہو۔ دولت میں اضافہ کی ایک ہی صورت ہے۔ بیرونی دولت کا ملک میں داخل ہونا۔ دولت کی درآمد کے صرف دو طریقہ ہیں۔ لُوٹ مار یا تجارت۔ لُوٹ مار کا اب رواج نہیں۔ تجارت کے لئے مال کی برآمد کی ضرورت ہے۔ اور مال کی برآمد کے لئے مال کی ضرورت۔ مُلک کی قدرتی پیداوار اتنی نہیں اور ایسی نہیں جو غیر ممالک میں بھیجی جا سکے۔ اس لئے ایک راستہ جو جاپان کے لئے کُھلا ہوا ہے وہ صنعت حرفت کی ترقی ہے۔

اس حالت کو محسوس کر کے شہنشاہ میجی کے زمانہ سے جاپان کے رہنماؤں کی یہ کوشش رہی کہ ملک کی صنعت و حرفت کو ترقی ہو۔ اس کوشش میں جاپان کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر اس کامیابی کی وجہ سے نئے نئے مسئلے اور مُعمّے درپیش ہو رہے ہیں۔ جن کے حل کرنیکے لئے جاپان کو اور تدبیریں سوچنی پڑ رہی ہیں۔

جاپان نے جو مال بنانا شروع کیا وہ مال ابتک صرف یورپ اور امریکہ والے بنا رہے تھے۔ جو چیز یورپ کے کارخانے ایک روپیہ میں فروخت کرتے تھے۔ جاپانی کارخانے وہی چیز ۸؍ میں بنانیکے لئے تیار ہو گئے۔ اس کا نتیجہ جو ہونا تھا وہ ظاہر ہے۔ یورپ اور امریکہ کے خریدار جاپان کے ہاتھ میں آنے لگے۔ نہ صرف غیر ملکوں کے خریدار بلکہ یورپ اور امریکہ خود جاپان سے مال خریدنے لگے۔ یہاں کے کارخانوں کی ترقی۔ وہاں کے کارخانوں کا تنزل۔ وہی زندگی کی کشمکش۔ ایک کی خوشحالی۔ دوسرے کی پامالی۔ جس جس ملک کو جاپان کی ترقی سے نقصان پہنچا وہ اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لئے جاپانی مال کی درآمد کو روکنے یا کم کرنیکے لئے ہر قسم کی ضروری تدبیریں عمل میں لایا۔

جاپان کیا کرے۔ کہاں سے سب کا پیٹ پالے۔ کس طرح اپنی ترقی کو برقرار رکھے۔ کوئی راستہ کُھلا ہوا نظر نہیں آتا۔ شمال میں سردی نہایت سخت ہے۔ جاپانی وہاں جا کر بسنے کے لئے تیار نہیں۔ مشرق میں بحر الکاہل سدِّ راہ بنا ہوا ہے۔ اسکو پار کر کے پہنچیں تو کینیڈا اور امریکہ ہے۔ کینیڈا میں یہ جا کر بسنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جاپانی چھوٹی آنکھ۔ چپٹی ناک۔ زرد رنگ والے ہیں اور وہاں کے موجودہ باشندے کوہ قاف کی پریوں کی نسل سے ہیں۔ یہ اپنی نسل کو کیوں خطرہ میں ڈالیں۔ جاپانی زمین پر بیٹھنے والے ہیں۔ یہ میز کرسی کا

استعمال کرنیوالے ہیں یہ ادنیٰ معیار زندگی والوں کو اپنے ملک میں داخل کرکے اپنے اعلیٰ معیار کو کیوں گرائیں۔ یہ راستہ بھی بند۔ شمالی امریکہ کا سب سے بڑا جمہوری ملک بھی یہی پالیسی پیش کرکے دور سے ہی جھنڈا ہلا رہا ہے کہ قریب نہ آؤ۔

جنوبی امریکہ میں زمین بہت کافی ہے۔ آبادی کم ہے۔ برازیل ایک مقررہ تعداد تک سالانہ زراعت پیشہ جاپانیوں کو داخل ہونیکی اجازت دے رہا ہے۔ لیکن نہ ہر ایک زراعت کا پیشہ اختیار کرنا چاہتا ہے نہ ہر ایک جاپانی جو ملک سے باہر جانیوالا ہے برازیل ہی جانا چاہتا ہے۔

جنوب میں فلپائن کے جزیرہ ہیں۔ ان میں بعض حصے نہایت غیر آباد ہیں لیکن یہاں بھی امریکہ کی سلطنت ہے۔ اس لئے جاپانیوں کے لئے راستہ بند۔ جاوا ابھرا ہوا ہے۔ بورنیو۔ نیوگنی وغیرہ۔ ہالینڈ اور انگلستان کے زیر اثر۔ اس لئے یہ جزیرہ بھی مطلب کے نہیں۔ اور نیچے جاؤ تو اسٹریلیا ہے جزیرہ نہیں بلکہ براعظم۔ اِس کی کل آبادی ایک کروڑ بھی نہیں۔ وسط آسٹریلیا میں ہزاروں میل چلے جاؤ سوائے چند چھوٹی چھوٹی بستیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور شمالی آسٹریلیا میں آبادی کی اور بھی کمی۔ لیکن یہاں بھی غیر کو نہیں گھسنے دیتے۔ افریقہ میں جاؤ تو یورپ کا قبضہ۔ وہاں جاپانی کا کیا گزر۔ جاپان کرے تو کیا کرے۔

جاپان کے مغرب میں چین ہے۔ ملک وسیع۔ دولتمند۔ باشندے محنتی۔ سمجھدار لیکن بدقسمتی سے ملک میں صحیح رہنما نظر نہیں آتا۔ ہر ایک اپنا گھر بھرنیوالا ہے۔ حکومت کو ثبات نہیں۔ اِسلئے جس کے قبضہ میں جو کچھ آگیا وہ اسکو دبا بیٹھا۔ اس کا نتیجہ دائمی جنگ و فساد۔ یہاں بھی آبادی کی کثرت ہے اس لئے جاپانی یہاں بھی جاکر نہیں بس سکتے۔ اِس سے جاپان صرف یہ فائدہ اٹھاسکتا ہے کہ چین کی قدرتی پیداوار خریدے اور اپنے کارخانوں کا مال یہاں فروخت کرے۔ مگر چین میں بھی غیر ممالک کا کافی اثر ہے۔ خصوصاً امریکہ کا۔ اسلئے ایک تو اس سبب سے دوسرے بدامنی کی وجہ سے جاپان کو یہاں کا دروازہ بھی بند ہوتا نظر آیا۔

جاپان اور چین ہمسایہ قومیں ہیں۔ یہ فطرت ہے کہ طاقتور اپنی طاقت دن بدن بڑھانا چاہتا ہے۔ اور جوں جوں طاقت بڑھتی ہے اُمنگیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اگر چین میں امن ہوجائے اور ملک اپنے ہی زور پر کھڑا ہوکر ترقی کے راستہ پر قدم بڑھانے لگے۔ تو کیا چین کو یہ خواہش نہ ہوگی کہ چھوٹے سے جاپان کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلے؟ یہ جاپان کے لئے ایک نیا مسئلہ ہے۔ اور اگر چین اپنی کمزوری کی وجہ سے کسی غیر ملک کے زیر اثر ہوگیا تب بھی جاپان کی ہستی خطرہ میں پڑجائیگی۔

صاف ظاہر ہے کہ جاپان کو اپنی ہستی قائم رکھنی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ اپنی طاقت بڑھائے۔ دشمنوں کو جہاں تک ہوسکے اپنے سے دور رکھے۔ لیکن چین کی بدامنی اور کمزوری اُن ملکوں کا اثر چین میں بڑھاسکتی ہے جو صرف زندہ رہنے کی بناپر جاپان کے دشمن بن سکتے ہیں۔ اور اُس کی آزادی اور ہستی کو خطرہ میں ڈال سکتے ہیں۔ اس اثر کو توڑنے کے لئے جاپان کو اپنا اثر چین میں بڑھانا لازمی ہے۔ مگر جاپان میں فی الحال اتنی طاقت نہیں کہ تنہا سب طاقتوں کے خلاف کھڑا ہوسکے۔ اس لئے اپنے مغربی اُستادوں کی پیروی کی اور منچوریا کو چین سے جُدا کرکے خود کو منچوریا کا نگہبان مقرر کیا۔

ایک جفاکش قوم جو ہر کام کرنیکے لئے اور سیکھنے کے لئے تیار ہے۔ زندہ رہنا چاہتی ہے۔ یہ غیر ملکوں میں جاکر مزدوری کرنا چاہتی ہے۔ تو اُس کو اس سے روکا جاتا ہے۔ اپنے گھر میں بیٹھکر اپنی مزدوری کا پھل غیر ممالک میں بھیجکر بیچنا چاہتی ہے۔ تو اُس کے لئے ہر قسم کی مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ کیا کرے۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ طاقتور کمزور کو دباتا ہے۔ اُس کو کمزور چین ہی نظر آتا ہے۔ چین کو دباتی ہے۔ خوش قسمت ہے جاپان۔ کہ شکار قریب ہے اور دشمن بہت دُور ہیں۔ دشمنوں کا بس چلے تو اُسکو ایک دن میں فنا کردیں۔ مگر

اُن کا زور اس کے ساحل تک پہنچتے پہنچتے بہت کم ہو جاتا ہے۔

جاپان کا ستارہ ابھی طلوع ہی ہونا شروع ہوا ہے۔ گردونواح کی حالت دیکھکر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جلدی غروب نہیں ہوگا۔ مگر انجام کیا۔ اس کی ترقی کیوجہ سے دوسروں کو تنزل۔ اُس کی خوشحالی سے اوروں کی پائمالی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن بڑھیں گے۔ طاقت بڑھتی ہے تو غرور پیدا ہوتا ہے۔ غرور ہو تو بے پروائی بڑھتی ہے۔ اور بے پروائی کے ساتھ تنزل۔

انجام وہی جو سب طاقتوروں کا۔ ترقی کے بعد تنزل۔

پیدائش کے بعد موت ضروری ہے۔ ترقی کے بعد زوال ضروری۔ لیکن کیا موت کا خیال کر کے زندگی کو ختم کر دینا چاہیئے۔ کیا زوال کے خوف سے ترقی کا خیال ترک کر دینا چاہیئے۔ زندہ ہیں وہ قومیں جنہوں نے ترقی کے میدان سے قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

جاپان بھی ان ہی زندہ قوموں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی پیدا ہوا ہے زندہ رہنے کے لئے۔

سید لطیف حسین دہلوی

تو لاکھوں روپیہ بھی دیدے۔

مندرجۂ ذیل گیت کو بچے اس وقت گاتے ہیں جب شام آسمان پر پہلا ستارہ چمکنا شروع ہوتا ہے۔

میاں تارے! میاں تارے!
تن تنہا چمکتے رہنا اچھا نہیں۔
جاؤ ستاروں کے جھرمٹ میں آجاؤ۔
ایک ہی وقت میں ہزاروں نکلنا بہتر ہی مناسب ہے۔

بعض گیت مکالمے کی شکل میں ہوتے ہیں۔ چاند کا گیت ملاحظہ ہو۔

"خاتونِ ماہتاب! اے خاتونِ ماہتاب
سمندر کے منارے سے اُتر کر یہاں آؤ۔ یہ ابلے ہوئے چاول ہیں انہیں کھاؤ"
"چاول؟ اُونہہ! مجھے چاول مرغوب نہیں۔
چاول کی ٹکیاں ہوں تو مضائقہ نہیں"

کیڑے مکوڑوں اور پرندوں وغیرہ سے متعلق گیتوں کی کثیر تعداد حیرت انگیز ہے۔ اس ضمن میں ہر گاؤں کے گیت علیحدہ ہوتے ہیں۔ میں نے بعض مشہور شہروں کے گیت منتخب کئے ہیں۔ مثلاً توکیو میں کوّے کا گیت بہت مشہور ہے۔

اے کوّے! اے کوّے!
کائے بلند پرواز کوّے!
کبھی فراموش نہ کیجیو
اپنے والدین کی نیک خدمات کو۔

کہا جاتا ہے کہ جب کوّے ضعیف ہو جاتے ہیں اور اپنی خوراک خود حاصل نہیں کرسکتے تو گھونسلوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور اُن کے بچے چونچ میں دانے لا کر انہیں کھلاتے ہیں جس طرح بچپن میں اُن کو کھلایا جاتا تھا۔ شام کے وقت جب کوّے اپنے گھونسلوں کی طرف جاتے ہوتے ہیں تو بچے مندرجۂ بالا گیت گاتے ہیں۔ اسی موضوع پر جاپانی زبان میں حسب ذیل ایک ضرب المثل بھی ہے:۔

کارا سُو۔ نی۔ حام پو۔ نو۔ کو۔ آری۔

یعنی والدین کو کھانا کھلانے کے فرض کا احساس تو کوّے کو بھی ہوتا ہے۔

صوبہ "آئی سے" میں بگلے کا گیت مکالمہ کی شکل میں ہے:۔

"سفید بگلے! سفید بگلے!
تیری گردن اتنی لمبی کیوں ہے؟"
"کیونکہ بھوک کی شدت نے اسے لمبا کر دیا"
"اگر تو بھوکا ہے تو جا
چاول کے کھیتوں میں ہل چلا"
"اگر چاول کے کھیت میں ہل چلاؤں گا
تو کیچڑ میں لت پت ہو جاؤں گا"
"اگر تو کیچڑ میں لت پت ہو جائے گا
تو برش اسے صاف کر دے گا"
"اگر میں نے برش اپنے اوپر پھیرا
تو تمام جسم زخمی ہو جائے گا"

جگنو کا گیت:۔

اے جگنو یہاں آ۔
زمین کے ننھے کیڑے یہاں آ۔
اپنے جسم کی روشنی میں رہ کر
میرے محبوب کا خط لا۔

کنول کے پھول کا گیت: بچے دائرے میں ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گاتے وقت دائرہ بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن آخری الفاظ پر پہونچ کر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اس طرح ملتے ہیں کہ دائرہ بہت مختصر رہ جاتا ہے:۔

کنول کا پھول کھل گیا ہے۔
کھل گیا ہے کھل گیا۔
جونہی میں نے خیال کیا۔
فوراً ہی وہ کھل گیا۔
دیکھو اس کی پتیوں کو
وہ دوبارہ بند ہو گیا۔

توکیو میں قندیلوں کے تہوار کے موقع پر جوان لڑکیاں اسی وقت یہ گیت گاتی ہیں۔ یہ بھی مکالمے کی شکل میں ہے:۔

"اب جبکہ قندیلوں کا تہوار آ گیا ہے۔
مہربانی کرکے میرے بالوں کو سنوار دو"
"تمہیں کس طرز کے بال پسند ہیں؟
شی مادا[51]۔ یا۔ کورو کو[52]؟"
"نہیں مجھے پسند نہیں۔
میرے بال سائکے گامی[53] طرز پر سنوار دو۔
یے دو[54] کی شریف خواتین اسی کو پسند کرتی ہیں"

---

[51] دلہنوں کے بال جس طرز میں گوندھے جاتے ہیں اسے شی مادا کہتے ہیں۔
[52] بال سنوار کر جوڑا باندھ دیا جائے تو اسے کورو کو کہتے ہیں۔ [53] بال اس طرح ... جاتے ہیں کہ وہ بہت ڈھیلے اور کسی قدر پھولے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور کا کنور کسی چیز سے باندھا نہیں جاتا۔ صرف پن لگائی جاتی ہے۔
[54] شہر توکیو کا قدیم نام۔

گیند بلّے کا گیت :- نوروز کے موقع پر نوجوان لڑکیاں تہوار مناتی ہیں۔ اس دن تمام بازاروں کو خوب آراستہ کیا جاتا ہے۔ دوکانیں سجائی جاتی ہیں۔ نوجوان لڑکیاں ٹولیاں بنا بنا کر صبح سے شام تک گھومتی رہتی ہیں۔ عموماً اُنکے لباس میں بے شمار رنگ کے کپڑے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور قمیص کی آستینیں اتنی لمبی ہوتی ہیں کہ انگلیوں سے بھی آگے نکل جاتی ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں لکڑی کے چھوٹے چھوٹے بلّے ہوتے ہیں۔ اُن کا کھیل یہ ہوتا ہے کہ ایک لڑکی ضربات مسلسل کے ساتھ گیند کو بلّے پر اُچھالتی ہے اور دوسری گنتی جاتی ہے۔ پورے سو ہو جانے پر وہ لڑکی گیند کو دوسری سہیلی کی طرف اُچھال دیتی ہے۔ اور اب وہ گیند کو اُچھالتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس تسلسل کا انقطاع کس سے ہوتا ہے۔ اس کھیل کے دوران میں مختلف گیت گائے جاتے ہیں۔ میں نے صرف دو پسند کئے ہیں :-

ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔
چاروں سمتوں میں سے کسی طرف دیکھو
موسم بہار کے آثار نمودار ہیں۔
بیر کے درخت پر بلبل گا رہی ہے۔
ہو۔ ہو۔ ہوکیک یو۔
کل بڑے بازار کے قہوہ خانے میں
ہم جائیں گے ساتھ ساتھ
اپنی سہیلیوں کے کوتو اور سامی سین
اور گائیں گے گیت گیند بلّے کا۔
جس کا نام ہے "اُتانو ناکایاما"
اب ہو گئے پچاس۔ پانچ دھائے
دس چھک۔ چھک۔ چھکے۔ ساٹھ۔
دس ستّے۔ ستّے۔ ستّے۔ ستّر
دس اُٹھے۔ اُٹھے۔ اُٹھے۔ اَسّی
دس نم۔ نم۔ نم۔ نوّے
اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
ہو گئے پورے سو

آخری لفظ کے ساتھ ہی گیند دوسری لڑکی کے پاس پہونچ جاتی ہے۔ اور وہ گیند اُچھالتے ہوئے گیت شروع کر دیتی ہے :-

میں نے لپک لی۔ میں نے لپک لی۔
میں نے لیا قیمتی گیند کو
اسے میں نے اُسے پا لیا۔ پا لیا۔
ایک تیتری کی مانند۔ ایک پھول کی مانند۔
میں ہمیشہ قدر کروں گی اس کی
بڑی عزت سے۔ بڑے احترام سے۔
اور ابھی واپس کر دوں گی اس کو
نذرِ عقیدت کے طور پر۔ اپنی سہیلی کو
نہ کاغذ کی ضرورت ہوگی۔ نہ قلم دوات کی۔ [1]
بلکہ تین سوئیاں اور ایک ریشم کی ڈوری۔ [2]
اور تین شاندار تیز رفتار گھوڑے۔
اور تین عظیم الشان منقش پالکیاں۔
گھوڑوں کو بدلتے ہوئے۔ پالکیوں کو بدلتے ہوئے
میں جو دے لے جاؤں گی۔۔ خاتون کے پاس [3]
جو رہتی ہے یہاں سے دور۔ بہت دور۔
منقش دیواروں کی عمارت میں۔
جس کے ایوانوں میں لٹکتے ہیں
رنگ برنگ کے جھالر دار پردے۔
اور لو میں پھینکتی ہوں۔ بصد احترام
یہ گیند اُس کے پا۔۔۔ پا۔۔۔ پاس۔
اور آخری لفظ کے ساتھ گیند پھینک دی جاتی ہے۔

شی ذوکا ۔۔۔ یعنی ۔۔۔۔۔۔۔۔ لوریاں

لوری میں ایک نفسیاتی تخلیل ہوتی ہے۔ الفتِ مادری کا سب سے سچا جذبہ پنہاں ہوتا ہے۔ یہ ایک منظم و مترنم صدا ہے جو ماں کے اعماقِ قلب سے نکلتی ہے۔ بچہ اُسے سنتا ہے خوش ہوتا ہے۔ اور اس کیفِ مسرت سے سرشار ہو کر آسودۂ خواب ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ماں جھوٹ سچ ملا کر بچے کو ہر طرح سے تسلّی دیتی ہے۔ اور صرف انہی چیزوں کا ذکر ہوتا ہے جن سے ایک کم سن ہستی واقف ہو سکتی ہے۔ اور جن کے ادراک کے لئے ایک بچے کا دماغ کام کر سکتا ہے۔ مثلاً گائے بکری کا۔ گھوڑے کا۔ کھلونوں کا۔ چاند ستاروں کا۔ پھولوں کا۔ گڑیوں کا، اور مٹھائیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ کبھی انعام دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ اور کبھی خطرات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر وہ جلدی سو گیا تو پریاں اُسے مٹھائی دیں گی۔ اور اگر روتا رہا

---

[1] کیونکہ جذبۂ اشک کسی پیغامبر کو روانہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔
[2] کیونکہ ریشم کی تھیلی بنائی جائے گی جس میں گیند رکھی جا سکے۔
[3] یہاں اس خاتون کا نام لیا جاتا ہے جس کے پاس گیند پھینکنی ہوتی ہے۔

تو "باؤ" کاٹ لے گا۔ مندرجۂ ذیل لوری بہت مشہور ہے اور صوبۂ اُزومو میں گائی جاتی ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس میں کسقدر ترنم ہوتا ہے۔ اصل الفاظ بھی نقل کردیتا ہوں۔

نن نے کو۔ نن نے کو۔ نن نے کو۔ یا !
نے تورا۔ اوکا کارا۔ سے۔ موریتے۔ رای نا!
اوکی تارا۔ گاگاما۔ گو۔ نو تے کاما۔

(ترجمہ :۔ "سوجا! سوجا۔ میرے بچے سوجا۔ اگر تو سوجائے تو میں گھر جاؤں۔ تیری اماں کو لاؤں۔ اگر تو جاگتا رہا تو "ہو" آئے گا۔ اور تجھے کاٹ کھائے گا")

صوبۂ موساشی کا یہ گیت مشہور ہے :۔
سوجا! سوجا۔ ننھے بچے سوجا۔
جبکہ میرا بچہ سوتا ہوگا
میں سُرخ مٹر چھیلوں گی۔
اور کچھ چاول صاف کروں گی۔
چاول اور پھلی پکاؤں گی۔
پھر اسے خوش ہوکر کھائے گا۔
میرا سب سے زیادہ پیارا بچہ۔

مگر افسوس ہے کہ اب جاپان میں بھی ان لوریوں کا رواج بہت کم ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ماں کی بجائے ڈبے کا دودھ بچے کو دیدیا جائے جس کے اندر نشہ موجود ہوتا ہے تو پھر نیند طاری کرنے کے لئے لوریوں کی کیا ضرورت ہے۔

کوفی نوسام بی کا ... یعنے ... قومی ترانہ

اس مضمون کی تالیف کے لئے مجھے بے شمار کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا۔ انہی دنوں میں ڈاکٹر ابن مسعود کی کتاب Educational System of Japan (جاپان کا تعلیمی نظم و نسق) سے گذری۔ اُس کے آخر میں بطور ضمیمہ ایک قومی ترانہ درج ہے۔ مجھے پسند آیا اور ناظرین کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کررہا ہوں۔ اصل الفاظ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی ہے۔ جو مولوی عنایت العدل۔ اسے۔ دہلوی کا ہے۔ اسے بھی بجنسہ نقل کرتا ہوں۔ کیونکہ مولوی صاحب سے بہتر ترجمہ کرنا مشکل ہے جاپان کی جغرافیائی حالت کو پیش نظر رکھکر اس ترانے کا مطالعہ کیا جائے۔

چمنی موگزورو
نکاری ناری
چمنی واکزوری
مایا کا وادا
سکوروتا میشی تو
ارایا ٹوئی
اوگوکا تو مونووا
کیمی گامی یو

ترجمہ :۔ کیا ہے اگر زمین ٹکڑے ہوجائے۔
کیا ہے اگر آسمان گر پڑے۔
کیا ہے اگر پہاڑ سمندر سے مل جائیں۔
بہا دریو۔ پر ایک اور سب۔
جان لو کہ ایک چیز ہے جو ہمیشہ قائم رہے گی۔
تباہی اس پر غالب نہ آئے گی۔
وہ ہمیشہ کے لئے ہے مبارک ہے اور پاک ہے
(یعنی) یہ شہنشاہی اقلیم۔

اِنو۔ ری ... یعنے ... دُعا

مضمون ختم کرنے سے قبل مناسب سمجھتا ہوں کہ جاپانیوں کی ایک دُعا کا ترجمہ بھی پیش کردوں۔ ہر چند اس کا ادب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مذہبی چیز ہے۔ اور نہ میرا مقصد مضمون میں خیر و برکت سے ہے۔ بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ان کے جذبات کس قدر عمدہ اور ایک حد تک شاعرانہ ہیں۔ وہ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ تمام دُنیا کی بھلائی چاہتے ہیں۔ شاید اسی لئے ترقی کی راہوں پر گامزن ہیں۔

میں دعا مانگتا ہوں اس دیوتا سے جس کا نام وائی کوکوسالما ہے۔ اول اس وقت جب وہ چاول کی گٹھریوں پر قدم رکھکر چلتا ہے۔ دوم اس وقت جب وہ ہنس مکھ دیوتا متبسم ہوتا ہے۔ سوم اس وقت جب چاول کی پیچ سے لبریز پیالہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ چہارم ہم سب کو التجا کرنی چاہئے کہ تمام دنیا ترقی کی راہوں پر گامزن ہو۔ پنجم یہ کہ تمام چشمے صاف ستھرے ہوکر بہیں۔ ششم یہ کہ تمام بنی نوع انسان امراض جسمانی اور آلام روحانی سے محفوظ رہیں۔ ہفتم یہ کہ تمام ریاکاریاں نیست و نابود ہوجائیں۔ ہشتم یہ کہ ہمارا ملک جنگ میں فتح و نصرت حاصل کرے۔ نہم یہ کہ تمام خزانے زر و جواہر سے لبریز ہوجائیں۔ اور دہم یہ کہ بین الاقوامی امن تمام عالم میں ابد تک جاری رہے۔

شی مائی ... یعنے ... ختم شد

(فضل حق قریشی دہلوی)